اِسلامی اصولِ فقہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی ایل ایل ایم
سابق ڈین فیکلٹی عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ادبیات

Marfat.com

اسلامی اصولِ فقہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی ایل ایل ایم

سابق ڈین فیکلٹی عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ادبیات

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788

042-37361408

E-mail: sulemani@gmail.com

www.sulemani.com.pk, facebook.com/sulemani5

Marfat.com

۱۴۳۵۹۲

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام	اسلامی اصول فقہ
مصنف	ڈاکٹر باقر خان خاکوانی
ناشر	عمار وحید سلیمانی
مطبع	حاجی حنیف پرنٹرز۔ لاہور
طبع اول	جون ۲۰۱۶ء
تعداد	۵۰۰
قیمت	۶۰۰/- روپے

شائع کردہ

ادبیات

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-37361408, 042-37232788

sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

دستیابی

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور • فون: 042-37232788

042-37361408 E-mail: idarasulemani@yahoo.com

sulemani@gmail.com : sulemani.com.pk

www.facebook.com/sulemani5

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Marfat.com

Marfat.com

فہرست موضوعات

اسلامی اصولِ فقہ

(پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

حرف آغاز 25

قانون معاشرہ کی بنیادی ضرورت 25

اصول قانون: نافذ العمل قانون کی بنیادیں 26

مسلمان: علمی دنیا کے بانی 26

مسلمانوں کے علمی کارنامے 27

اسلام: پہلے انسان اور تمام انبیاء کرام کا دین 27

دین ایک جامع اصطلاح 28

اسلام کا معنی 29

اسلام کا مفہوم 29

اسلامی شریعت کا مفہوم 29

اسلامی شریعت کی سات امتیازی خصوصیات 30

۱۔ الہامی شریعت 30

۲۔ مکمل اور جامع شریعت 31

۳۔ ایمان وعمل کے مجموعہ والی شریعت 32

۴۔ دین و دنیا کی تفریق سے پاک شریعت 33

۵۔ سادہ اور عقلی معیار کی حامل شریعت 34

۶۔ ابدی و دائمی شریعت 34

۷۔ انسانی فطرت سے ہم آہنگ شریعت 35

مسلمان ایک قانونی قوم 37

اسلامی علوم کے مراتب اور اُن کی تفصیل 38

علوم اسلامیہ کی تقسیم اور علوم شرعیہ کی برتری 39

علوم شرعیہ میں اصول فقہ کا مقام 40

اقوام عالم میں مسلمانوں کی علمی برتری کے پانچ اسباب 41

اصول قانون (اصول فقہ) کے میدان میں دور حاضر تک مسلمانوں کا علمی غلبہ 42

مسلمانوں میں اصول فقہ کا آغاز 43

اصول فقہ کا ارتقاء 44

علم اصول فقہ کی فنی تکمیل 44

اصول فقہ پر مستشرقین کے اعتراضات اور اُن کی حقیقت 45

علماء اصول کی عبقریت اور دور حاضر کا جمود 46

حدیث دل 46

حوالہ جات 48

تعارفی باب

اصول فقہ کا تعارف، تاریخ اور فقہی اختلاف کے اسباب

فصل اول

فقہ و اصول فقہ کا تعارف: 49

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

فقہ کے لغوی معنی اور تلفظ 49
(The Literal Meaning of FIQH)
فقہ سے مراد 50
فقیہ سے مراد 50
فقیہ کے اوصاف 51
خلاصہ 52
فقہ کی اصطلاحی تعریف: 53
(Technical Meaning fo FIQH)
پہلے دور میں فقہ کی اصطلاحی تعریف 53
دوسرے دور میں فقہ کی اصطلاحی تعریف 54
تعریف کے اہم اصطلاحات کی تشریح 55
ا۔شرعی احکام: 55
(Shariah Rulings / Legal Rules)
۲۔عمل سے تعلق:(Physical Acts) 55
۳۔تفصیلی دلائل: 56
(Detailed Proof/Evidence)
تفصیلی، جزئی اور اجمالی دلیل میں فرق 57
اجمالی دلائل:(Specific Evidence) 57
تفصیلی و جزئی دلیل: 57
(General & Specipic Evidence)
فقہ اسلامی کی جامعیت اور آٹھ اہم شعبے 58
فقہ کے آٹھ اہم شعبے: 58
(The Important Branches of FIQH)
ا۔عبادات: 58
(Religious Observances)
۲۔عائلی قوانین/ فقہ الأسرۃ/ الا حوال الشخصیہ: 58
(Family Law)
۳۔معاملات: 59
(Transactions/Civil Law)
۴۔معاشرتی قوانین/ فقہ التعامل الاجتماعی: 59
(Social Law)
۵۔فقہ دستوری/ سیاستِ شرعیہ 60
(Political & Constitutional Law)
۶۔فقہ الجنایات یعنی اسلام کا فوجداری قانون 60
(Criminal Law & Penal Code)
۷۔ضابطہ ہائے دیوانی وفوجداری/ ادب القاضی 61
(Cival & Criminal Proceedure Code)
۸۔بین الاقوامی قانون/ سِیَر یا الفقہ الدُوَلی: 62
(International Law)
علم اصول فقہ کی تعریف 63
(Science of the Principles of law/ Islamic Juresprudence)
علماء اصول (Jurists) کا کام 64
اصول فقہ سے استفادہ کا طریقہ 64
فقہ اور اصول فقہ میں فرق 65
اصول فقہ کا موضوع اور اس علم کے چار عنوانات: 65
(Subject & Four Titels)
1۔مآخذ قانون۔الادلۃ الشرعیۃ: 66
(Sources of Islamci Law)
2۔حکم شرعی: 66

Marfat.com

(shariah Ruling / Rule of Islamic Law)

3۔(استنباط احکام کے طریقے اور قاعدے وجوہ دلالات) 66
(Principals of interpretation for Deduction of Orders)

4۔اجتہاد و تقلید: 67
(Ijtihad Interpratation of Law & Confirmation)

اصول فقہ کے عنوانات کی تشکیل جدید 68

خلاصہ 69

اصول فقہ کی بیس اہم اصطلاحات اور ان کا تعارف 69

1۔دین(Religion/Faith) 70

2۔شریعت:(Shariah) 70

3۔فقہ:(Islamic Law) 72

4۔عبادات: 72
(Religious Observances)

5۔معاملات: 73
(Transactions/Civil Law)

6۔اجمالی دلیل: 73
(Specific Evidence)

7۔تفصیلی و جزئی دلیل: 74
(Detailed & Partial Evidence)

8۔قانون اور فقہ:(Law & Fiqh) 74

9۔اصول فقہ اور علماء اصول (اصولین): 75
(Islamic Jurisprudance & Jurists)

10۔محدث:(Scholar of Traditions) 76

11۔فقہی مصادر یا شرعی مآخذ، شرعی دلائل: 76
(Sourses of Islamic Law)

12۔استنباط:(Deduction) 77

13۔اجتہاد و مجتہد: 77
(Ijtihad/Interpratation of Law-Jurist)

14۔مقلّد، مکلّف: 77
(Conformist/Responsible/Legal Person)

15۔مقاصد شریعت: 78
(Objectives of Shariah)

16۔قواعد فقہیہ: 79
(Shariah Legal Maxums)

17۔تعامل:(Practice) 79

18۔حُجیت: 80
(Legal Validity/Authority)

19۔فقہی مذاہب: 80
(Legal Schools of Thought)

20۔جمہور و شذوذ: 81
(Majority & Minarity)

اسلامی اصولِ فقہ اور غیر اسلامی اصول قانون کا تقابل: 81

ا۔ابتداء اور بنیادی اقدار میں فرق: 82

2۔تعریف میں فرق: 83

۳۔اہداف و مقاصد میں فرق: 83

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۴۔عنوانات اور مندرجات میں فرق: 85
۵۔مصادر و مآخذ میں فرق: 86
۶۔مذہب سے بے زاری اور لگاؤ کا فرق: 87
حوالہ جات 89

فصل دوم

اصول فقہ کی تاریخ خصوصاً برصغیر کے تناظر میں

علم اصول فقہ کا آغاز اور ارتقاء 91
اصول فقہ دور نبوی ﷺ میں 92
اصول فقہ دور صحابہؓ و تابعین میں 93
اصول فقہ کا دور تدوین 94
دور نبوی ﷺ کے اہم مآخذ قانون 94
دور صحابہؓ میں اصول فقہ کا ارتقاء 95
دور صحابہؓ میں اصول فقہ کے قواعد 96
اصول فقہ کی تصنیفات کا آغاز 98
اسلامی اصول فقہ کی تاریخی فوقیت 100
اصول فقہ کے تین تدوینی اسلوب 101
1-اسلوب فقہاء 101
2-اسلوب متکلمین 103
3- تیسرا مشترکہ اسلوب 104
اصول فقہ میں جدید رجحان 104
دور جدید میں اصول فقہ کے رجحان 105
دور جدید میں اصول فقہ کی خصوصیات 106

برصغیر پاک و ہند میں اصول فقہ

برصغیر میں اسلام کا آغاز 107
برصغیر میں علوم اسلامیہ کی ترویج 109
برصغیر میں علم اصول فقہ اور اُس کا ارتقاء 109
سابقہ بیرونی مصنفین کے کتب کی اہم شروح 110
برصغیر میں اصول فقہ کے قدیم وجدید رجحان 111
پاکستان اور ہندوستان میں اصول فقہ پر تدوینی کام 113
اصول فقہ پر مزید تصانیف کی ضرورت 116
حنفی اصول فقہ کی اہم کتب 117
شافعی اصول فقہ کی اہم کتب 118
مالکی اصول فقہ کی اہم کتب 119
حنبلی اصول الفقہ کی اہم کتب 119
جعفریہ اصول فقہ (شیعی) کی اہم کتب 120
مزید مذاہب کی اصول الفقہ پر اہم کتب 120
دور جدید میں اصول فقہ کی اہم کتب 121
حوالہ جات 122

فصل سوم

فقہی اختلاف کے اسباب

(Reasonsfor Differenceof opinion of Muslim Juris/ Schools of Thought)

فقہی اختلاف کی حقیقت اور نظریہ مراعاۃ الخلاف 124
فقہی مذاہب کی حقیقت 125
صحابہ کے درمیان فقہی اختلاف 126

Marfat.com

صحابہ کرامؓ میں اعتقادی امور میں اختلاف 127
صحابہ کرام میں فقہی اختلاف اور اُس کی حقیقت 128
تابعینؒ عظام میں فقہی اختلاف کی حقیقت 129
ائمہ فقہاء کے درمیان فقہی اختلاف کی حقیقت 130
فقہی اختلافات میں صحابہ کرامؓ کا طریق کار 130
صحابہ کرام کے بعد اختلاف رائے میں امت کا طرزِ عمل 131
فقہی اختلافات میں ائمہ مجتہدین کا طریق کار 132
عصر حاضر کے علماء کرام کا فقہی اختلافات میں طریقہ کار 134
اصول فقہ میں اختلافات کے تین اہم اسباب 135
1۔ قرآن مجید کی تفسیر (قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ۔ ظنی الثبوت وظنی الدلالۃ) میں اختلاف 135
2۔سنت کی اقسام کے قبول و تشریح میں اختلاف 136
حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فقہاء کے اختلاف کے اسباب 137
الف۔قبول حدیث کی شرائط میں اختلاف 137
ب۔اقسام حدیث کے قبول میں اختلاف 138
ج۔تشریح حدیث میں اختلاف 139
د۔متعدد ادوار کی مختلف احادیث و سنن 140
3۔ مختلف ملکی حالات و واقعات کی رعایت کی وجہ سے اختلاف 140
فقہی اختلافات کے بارے میں دو اہم نکات 141
فقہی اختلافات میں ہماری ذمہ داری 142
فقہی اختلافات میں تقلید کرنے والوں کے لئے مناسب طریقہ 143
حوالہ جات 145

پہلا باب

حکم 147
(Shriah Ruling Or Order/Rule of Law)
احکام کی بحث / حکم شرعی 147
(Rule of Islamic Law/Legal Rules)
(1)حکم 147
حکم کی تعریف: 148
(Shariah Order/Rule of Law)
تعریف کے چند اصطلاحات کی تشریح 148
1-خطاب:(Address) 148
2-مُکلّفین:(Responsibles) 149
3-اقتضاء:(Demand) 149
4- تخییر:(Option) 149
5-وضع:(Declaration) 149
حکم کے بقیہ مباحث 149
1- حکم شرعی (Leagal Rule) اور اُس کی دو اقسام: 150
حکم تکلیفی اور حکم وضعی 151
(Responsibility Creating Rule & Declaratary Rule)
حکم تکلیفی 151
حکم تکلیفی اور حکم وضعی کے درمیان فرق 151

Marfat.com

حکم تکلیفی کی دو تقسیمات:	152
1- حکم تکلیفی کی پہلی تقسیم	152
ا۔ جمہور علماء اصول کے نزدیک حکم تکلیفی کی پانچ اقسام	153
1-واجب: (Obligatory act / Essential)	153
واجب کی قسمیں: (Classification of Obligatory Act)	154
ا۔ واجب بلحاظ وقتِ ادا	154
ب۔ مقدار کے اعتبار سے واجب کی قسمیں	154
ج۔ مطلوب کی تعین کے اعتبار سے واجب کی قسمیں	156
د۔ مکلّف کے اعتبار سے واجب کی قسمیں	157
2-مندوب:(Recomended)	159
مندوب کی مزید تشریح	159
3-حرام:(Prohibited/Forbidden)	161
حرام کی اقسام	162
ا۔حرام لِذاتِہ (Prohibited for itself)	162
ب۔حرام لغیرہ (Prohibited for an External Factors)	163
4- مکروہ:(Disapproved)	164
5-مُباح:(Permissible/Optional)	165
ب۔ حنفی علماء اصول کے نزدیک حکم تکلیفی کی آٹھ اقسام	166
احناف اور جمہور کے اختلاف کی وجہ	166
1,2-فرض اور واجب کی تعریف: (Obligatory)	167
سنت کی اقسام	167
3-سنت مؤکدہ: (Emphatic Recommended)	167
4-سنت غیر مؤکدہ: (Non Emphatic Recommended)	168
5-حرام ومکروہ	168
6- مکروہ تحریمی: (Forbidden for Instrinsic Resonos)	169
7- مکروہ تنزیہی: (Forbidden for Extrinsic Reasons)	169
8-مباح:(Permissible/Optional)	169
احناف کے اختلاف کی وجہ	169
2- حکم تکلیفی کی دوسری تقسیم	170
عزیمت ورخصت: (Initial Rules and Exemtions)	170
1-عزیمت:(Initial Rules)	170
2-رخصت:(Exemptions)	171
حکم وضعی (Declaratory Rule)	172
ا۔حکم وضعی کی پہلی تقسیم	172
1-سبب:(Cause)	173
2-شرط:(Condition)	173
3-مانع:(Obstacle)	174
حکم وضعی کی دوسری تقسیم	175

Marfat.com

1,2- صحیح و باطل:(Validity & Nullity) 175
(2)حاکم (Ruler) 176
حاکم کی تعریف 176
رسول اکرم ﷺ بحیثیت شارع(Lawgiver) 177
حاکم کے حکم کی پہچان کا طریقہ (اشیاء کا حُسن و قبح):(Good & Bad or Evil) 177
پہلا نظریہ معتزلہ کی رائے 178
دوسرا نظریہ اشاعرہ؛(جمہور) کی رائے 179
تیسرا نظریہ: ماتریدیہ کی رائے 179
(3)محکوم فیہ یا محکوم بہ:(The Act) 180
محکوم فیہ کی تعریف 180
محکوم فیہ کی پانچ شرائط: 181
(The Conditions for the Creation of Obligation)
ا۔صحتِ حدوث: 181
(Bearablle Trouble)
۲۔بندے کے ذاتی فعل سے اس کا حصول 181
۳۔بندے کو اچھی طرح معلوم ہونا 182
۴۔اللہ تعالیٰ (شارع) کی جانب سے اس حکم کا ہونا 182
۵۔اس پر عمل کرنا اطاعت خداوندی کا موجب ہو 182
محکوم فیہ کی چار اقسام: 182
(Classification of Act on the Basic of Rights)
ا۔حق اللہ:(Right of Allah) 182
۲۔حقوق العباد:(Rights of Individual) 183
۳۔حق اللہ اور حق العبد مگر حق اللہ کا غلبہ 183
(Mixed Right of Allah & the Individual Right of Allah Predominant)
۴۔حق اللہ اور حق العبد مگر حقوق العباد کا غلبہ: 184
(Right of Individual Predominant)
(4)- محکوم علیہ(The Subject) 184
محکوم علیہ کی شرائط: 185
(Requirments of Subject)
بے شعور انسان کی حیثیت 185
اہلیت شرعی: اقسام، مراحل اور اس کے عوارض: 186
(Legal Capacity and Causes of Its Deficiency in Shariah)
اہلیت کی تعریف: 186
(Defination of Legal Capicity)
اہلیت وجوب: 186
(Capicity for Acquisition)
اہلیت ادا: 187
(Capacity for Execution or Performance of Duities)
کامل وناقص اہلیت: 188
(Complete & Deficient Capacity)
عقل وشعور کے چار ادوار: 188
(Four Periods of Intellect and Discretion)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(1)حالت جنین 188
(2)پیدائش سے لے کر سن تمیز تک 189
(3)سن شعور سے سن بلوغ تک 189
(4)بلوغ اور اس کے بعد کا زمانہ 190
عوارض ساویہ (Natural Causes) 190
عوارض مکتسبہ (Acquired Causes) 190
حوالہ جات 191

دوسرا باب

مآخذِ شرعیہ (اسلامی مآخذِ قانون)

(Sources of Islamic Law)

لفظ مآخذ کی لغوی تحقیق 193
اسلامی مآخذ قانون کی حقیقت 193
مآخذ کا اصطلاحی مفہوم 194
مآخذ احکام کی تقسیم اور ان کی ضرورت واہمیت 195
فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ اور ان کی ترتیب 196
ترتیب مآخذ کے دلائل 196
1-پہلا ماخذ قرآن مجید 198
(Holy Quran/The Book)
قرآن مجید کی تعریف 198
قرآن کریم کے پانچ اہم خواص 199
اول: محمد ﷺ پر نازل شدہ 199
دوم: الفاظ ومعانی کا مجموعہ 199
سوئم: تواتر کے ساتھ منقول 199
چہارم: محفوظ کتاب 200
پنجم: معجزانہ کتاب 200
قرآن مجید کی حُجیت 201
بندوں کو حکم دینے میں قرآن حکیم کے اصول 201
I)عدم حرج 201
II) قلت تکلیف 202
III) تدریج 203
IV) نسخ 204
2-دوسرا ماخذ: سنت 205
Sunnah/ The petern of prophet (S.A.W.)
سنت کی لغوی تعریف 205
اصولیین کے نزدیک سنت کی تعریف 206
تشریعی احکام میں سنت کی حیثیت بطور ماخذ 207
قرآن مجید سے ثبوت 207
سنت رسول ﷺ سے ثبوت 209
حجیت سنت کا ثبوت صحابہ کے عمل سے 210
ا-ماہیت کے اعتبار سے سنت کی تین اقسام 212
1-سنت قولیہ (قولی سنت) 213
2-سنت فعلیہ (فعلی سنت) 213
3-اور سنت تقریریہ (سکوتی سنت) 214
ب-تعداد راوی کے اعتبار سے سنت کی تین اقسام: 214
1-حدیث متواتر 215
حدیث متواتر کی تعریف 215
متواتر کا حکم 215

Marfat.com

2۔حدیث مشہور 216
3۔حدیث واحد (جس کا راوی ہر دور یا کسی دور میں
ایک ہو) 216
حدیث مشہور کی تعریف 216
حدیث مشہور کا حکم 216
خبر واحد کی تعریف 216
3- تیسرا ماخذ: اجماع (Consensus) 217
اجماع کی لغوی تعریف 217
اجماع کی حقیقت 218
اجماع کی اصطلاحی تعریف 219
اجماع کی اصطلاحی تعریف کا تجزیہ 220
اجماع کی حُجیت 220
اجماع کی دو قسمیں 222
اجماع صریح (عزیمت) 222
اجماع سکوتی (رخصت) 222
4-چوتھا ماخذ: قیاس (Analogy) 223
قیاس اور اس کے چار ارکان کی تشریح اور مثال 223
1-پہلی مثال 223
2-قیاس کے ارکان کی دوسری عام مثال 224
قیاس کی عمومی تشریح اور قیاس و اجتہاد میں فرق 224
قیاس کے لغوی و اصطلاحی معنی اور ارکان 225
قیاس کے چار ارکان 226
قیاس کی قرآن و حدیث سے مثالیں 227
حجیت قیاس کے دلائل قرآن و حدیث سے 229
صحت قیاس کی شرائط 232
اصل کے متعلق دو شرطیں 232
اصل کے حکم کے متعلق پانچ شرطیں 233
فرع سے متعلق تین شرطیں 235
علت سے متعلق پانچ شرطیں 235
علت کی تعریف 235
علت اور حکمت میں فرق 236
5-پانچواں ماخذ: استحسان 237
(Juristic Preference/Lenient Interpratation)
استحسان کی تشریح 237
استحسان کی لغوی و اصطلاحی تعریف 238
استحسان کی حُجیت 240
قرآن حکیم میں لفظ استحسان کے مفہوم کی طرف
اشارہ 240
سنت میں استحسان کے استعمال کی طرف اشارہ 241
صحابہؓ کے طرزِ عمل سے استحسان کا ثبوت 241
استحسان کی چار اقسام 242
ا۔استحسان بالنص 242
قرآن مجید سے مثال 242
حدیث سے مثال 242
بیع سلم اور استحسان 243
۲۔استحسان بالاجماع 244
۳۔استحسان ضرورت 245
۴۔استحسان قیاس (خفی) 245
استحسان و مصالح مرسلہ میں فرق 246

Marfat.com

6-چھٹا ماخذ: استصلاح یا مصالح مرسلہ 247
(Unrestricted Public Interest)
لغوی تعریف 247
استصلاح کی تعریف 247
اسلامی شریعت کا مقصد 248
مصالح مرسلہ کی تشریح 248
مصالح مرسلہ کی شرطیں 248
ایک مثال کے ذریعہ وضاحت 249
مصالح کی تین اقسام 249
1۔مصالح معتبرہ:(جن کا اعتبار کیا جائے) 249
2۔مصالح مُلغاہ:(جن کو لغو قرار دیا جائے) 250
3۔مصالح مرسلہ:(جن کے بارے میں کوئی ہدایت نہ ہو) 251
مصالح مرسلہ کی حُجیت کے دلائل 251
قرآن مجید سے دلائل 251
تعامل صحابہؓ سے دلائل 252
عقلی دلائل 252
مصالح مرسلہ پر عمل کی مزید شرائط 253
مصالح مرسلہ سے کام لینے کے محل یعنی مقام: 253
7-ساتواں ماخذ: شرع من قبلنا 254
(شرائع سابقہ۔اسلام سے پہلے کی شریعتیں) 254
(Eerlier Scriptures / Previous Devine Law)
اصطلاحی تعریف 254
قرآن حکیم سے استدلال 255
سنت رسول اللہ ﷺ سے ثبوت 255
تمام شرائع کا مقصد 256
سابقہ شریعتوں کی اقسام اور ان کا حکم 257
پہلی قسم 257
دوسری قسم 257
تیسری قسم 257
چوتھی قسم 258
پانچویں قسم 258
قائلین کے دلائل 260
منکرین کے دلائل 260
قرآن مجید سے دلائل 260
سنت سے دلائل 261
صحابہ کرام کے عمل سے استدلال 262
اجماع سے استدلال 262
8- آٹھواں ماخذ: عرف (رواج) 263
(Customs)
عرف و رواج کی تعریف و اقسام 263
عرف عملی 264
عرف قولی 264
عرف و رواج کا اسلامی فقہ کی نشوونما میں کردار 264
قرآن سے عرف کی حجیت 265
فقہاء کے نزدیک عرف کی اہمیت 266
عرف کو ماخذ قانون بنانے کی چار شرائط 266
عرف کے ماخذ ہونے کی عقلی دلیل 267
عرف کی مزید دو اقسام 267

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

1۔عرف فاسد 267

2۔عرف صحیح 267

9-نواں ماخذ:سدِ ذرائع 269

لغوی اور اصطلاحی معنی 269

سدالذرائع کے حوالہ سے انسانی افعال کی پہلی قسم 271

==========دوسری قسم 271

==========تیسری قسم 272

سدالذرائع کی حُجیت کے قرآنی دلائل 272

حدیث سے دلائل 272

مزید دلائل 273

علماء اصول کا سدِ ذرائع کے بارے میں موقف 274

10-دسواں ماخذ: استصحاب 275

(Presemption of Continuity)

استصحاب کی تعریف 275

لغوی تعریف 275

اصطلاحی تعریف 275

استصحاب کی قسمیں 275

اصل میں تمام چیزوں کے حلال ہونے کے بارے میں استصحاب 276

قرآن مجید سے دلائل 276

2۔انسانوں کی ذمہ داری سے متعلق استصحاب 277

استصحاب کے بارے میں علماء اصول کی رائے 278

استصحاب بحیثیت ماخذ قانون 278

11- گیارھواں ماخذ: تعامل 279

(Practice)

تعامل صحابہ: 280

(Practice of Holy Companions)

اصحاب رسول ﷺ کا مقام و مرتبہ 280

قرآن مجید سے ثبوت 280

احادیث سے "تعامل" کے ماخذ ہونے کا ثبوت 281

تعامل صحابہ، شرائط و درجات 281

تعامل اہل مدینہ 283

تعامل اہل مدینہ کی تعریف 283

12-بارھواں ماخذ: مسلّمہ شخصیتوں کی آراء 285

(Opionions of Eminent Personalties/Jurists)

صحابہؓ کی آرا کے مستند ہونے پر دلائل: 285

(The Opinions of Companions)

تابعین کے اقوال کے ساتھ فقہاء کا طرزِ عمل: 286

(The Opinion of Scuccessors)

13-تیرھواں ماخذ: ملکی قانون 288

(Countries Laws)

ملکی قانون سے استفادہ 288

رسول ﷺ نے عرب کے بعض پرانے قوانین کو قبول کیا 289

صحابہ کرامؓ کے مختلف ملکوں کے قوانین سے استفادہ 290

حوالہ جات 292

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تیسرا باب

استنباط احکام کے طریقے اور اس کے قاعدے

(وُجُوہ دَلالات)

(Principles of Interpretation)

استنباط احکام کے طریقے اور اس کے قاعدے (طُرقِ الاستنباط) 297

استنباط احکام کے پانچ اہم طریقے جاننے کی ضرورت اورعربی زبان کے اہمیت 298

استنباط احکام کے پانچ اہم قواعد اور اُن کی اہمیت 299

(ا) اصولی ولغوی قواعد کی بحث اور اُن کا تعارف 300

اصولی ولغوی قواعد کی شرعی مثال 301

اصولی ولغوی قواعد کی عام مثال 302

اصولی ولغوی قواعد کی تفصیل اور پانچ اقسام 304

1-احناف کی اقسام 305

2-جمہور کی اقسام 306

(1/1) الفاظ کی وضع (بناوٹ) کے لحاظ سے تین اقسام

ا- خاص ۲-عام ۳-مشترک 307

1-خاص (Specific Word) 307

خاص کا حکم 308

خاص کی مثالیں 308

کفارہ قسم کے بارے میں قرآن مجید کی آیت میں خاص لفظ 309

مطلقہ کی عدت کے بارے میں خاص لفظ 309

وضو میں نیت اور ترتیب کے مسئلہ میں لفظ (فاغسلو) پر خاص کا اطلاق 311

خاص کی چار اقسام: 313

ا-مطلق ب-مقید ج-امر د-نہی 313

(ا) مطلَق: (Indeterminate) 313

مطلق کا حکم 313

مطلق کی مثالیں 314

(ب) مقید: (Determined) 315

مقید کا حکم: 316

مقید کی مثال: 316

ایک ہی لفظ کا مطلق اور مقید استعمال ہونا: 317

1-مطلق اور مقید حکم اور سبب میں متفق 317

2-مطلق اور مقید، حکم اور سبب دونوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں 318

3-مطلق اور مقید کا حکم مختلف ہو، اور سبب ایک ہو 319

4-مطلق اور مقید کا حکم ایک ہو، لیکن دونوں کا سبب مختلف ہو 319

(ج،د) امر ونہی 320

(Command & Prohibation/ Proscription)

امر کے موضوع میں تین اصطلاحات۔ 320

ا-آمر ۲-مامور بہ ۳-مامور 320

امر کی اہمیت اور اس کے مختلف طریقہ 320

امر کی تعریف 321

امر کا متعدد معنی میں استعمال 323

ا-وجوب: (یعنی فرض ہونا) 323

Marfat.com

٢۔استحباب:(یعنی سنت،نفل وغیرہ ہونا) 323
٣۔اباحت:(مباح ہونا) 323
۴۔تہدید(دھمکانا) 323
۵۔ارشاد(ہدایت یا راہنمائی کرنا) 323
٦۔تادیب(ادب سکھانا) 324
٧۔تعجیز(عاجز کرنا) 324
٨۔دعا(مانگنا) 324
٩۔امتنان(احسان جتانا) 324
١٠۔اکرام:(عزت کرنا) 324
١١۔تسخیر(مسخر کرنا) 324
١٢۔اہانت:(بے عزتی کرنا) 324
١٣۔تسویہ(برابر کرنا): 325
١۴۔استدعا کرنا: 325
١۵۔حقارت سے کہنا: 325
١٦۔تکون:(بنانا) 325
١٧۔امر خبر کے معنی ہیں 325
١٨۔خبر امر کے معنی ہیں 325
امر کی تین حالتیں 325
ا۔وجوب ٢۔استحباب ٣۔اباحت 325
امر کی بحث میں مزید چار صورتیں 325
1-نہی کے بعد امر 326
2۔کیا امر تکرار کو ظاہر کرتا ہے 327
3۔کیا امر تاخیر فعل کا متقاضی ہے یا فوری عمل کا 328
4۔جس شے سے فرض کی تکمیل ہوتی ہو اس کا
حصول فرض ہونا 328

امر کی تین اصطلاحات 329
2-مامور بہ اور اُس کی اقسام 329
مامور بہ کی ادائیگی کے لحاظ سے اقسام 329
(ا)مامور بہ مطلق 329
حکم 329
(ب) مامور بہ مؤقت 330
مامور بہ کا حُسن و قبح 330
اداء۔قضاء۔تعجیل۔اعادۃ 331
مامور بہ کی تعمیل حکم کے لحاظ سے اقسام: 331
ا۔اداء ب۔قضا 331
ا۔ادا کی تعریف 331
ب۔قضا کی تعریف 331
مثال 331
ادا کی تین اقسام(حقوق اللہ وحقوق العباد میں) 332
ادائے خالص کی اقسام 332
قضا کی اقسام 332
حقوق اللہ میں قضا کی اقسام 332
قضائے خالص کی اقسام 333
اداء فی حقوق اللہ 333
1-ادائے خالص کامل 333
2-ادائے خالص قاصر 333
3-ادا شبیہ بالقضا 334
4-اداء فی حقوق العباد کی دو اقسام:
کامل۔قاصر 334
حقوق اللہ میں قضا کی تین اقسام 335

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حقوق اللہ و حقوق العباد میں قضاء کی مزید اقسام	335	2۔عام مخصوص البعض کی مثال اور حکم	345
1-قضاء بمثل معقول (حقوق اللہ میں)	335	عام اور اُس کی چار شرائط	345
2-قضاء بمثل غیر معقول (حقوق اللہ میں)	336	عموم کے لئے چھ اہم الفاظ	346
3-قضاء بمثل معقول کامل (حقوق العباد میں)	336	عام اور جمع کی مختلف اقسام کا حکم	346
4-قضاء بمثل معقول قاصر (حقوق العباد میں)	336	مثالیں	348
5-قضاء فی معنی الادا (حقوق العباد میں)	337	عام کی تخصیص اور مُخصِّص کی اقسام	348
د۔نہی	337	مُخصِّص کی سات قسمیں	348
نہی کی اصطلاحی تعریف	337	1-وہ مستقل کلام جو عام سے ملا ہوا ہو	349
نہی کے صیغے	338	2-ایسا مستقل کلام جو عام سے جدا ہو	349
نہی کے صیغہ کا مختلف معانی میں استعمال	339	3-عقل کی بنیاد پر عام میں تخصیص کرنا	350
ا۔حرمت کی مثال	339	4-عرف (رسم و رواج) کی بنیاد پر عام میں تخصیص	
2۔کراہت کی مثال	339	کرنا	351
3۔دعا کی مثال	339	5-صفت کی بنیاد پر عام میں تخصیص کرنا	351
4۔شفقت کی مثال	339	6-شرط کی وجہ سے عام میں تخصیص کرنا	352
5۔بیان عاقبت کی مثال	340	7-خبر واحد سے قرآن مجید کی تخصیص	353
6۔مایوسی کی مثال	340	قرآن مجید میں عام الفاظ کی خبر واحد سے تخصیص کی	
نہی کا حکم	340	مثالیں	353
نہی کی دو اقسام:	341	3- مشترک۔مؤول:	356
1- نہی عن افعال شرعیہ	341	(Equivocal Word)	
2- نہی عن افعال حسیہ	341	مشترک کی تعریف اور مثال	357
2-عام(General Word)	342	مشترک کا حکم	357
1- لفظی شمول	342	مثالیں	358
2- معنوی شمول	343	مُؤَوَّل	359
''عام'' کی دو اقسام	343	مؤول کی تعریف: حکم مؤول	359
1۔عام غیر مخصوص البعض کی مثال اور حکم	344	مؤول من المشترک کی مثال	359

Marfat.com

المفسر من المشترک کی مثال	360
عربی زبان میں مشترک الفاظ کے موجود ہونے کے چار اسباب	361
(1/2) الفاظ کے استعمال کے لحاظ سے چار اقسام	363
ا۔حقیقت ۲۔مجاز ۳۔صریح ۴۔کنایہ	
حقیقت ومجاز اوراس موضوع کی اہمیت	363
لفظ کی کسی معنی میں استعمال کے اعتبار سے قسمیں	364
1- حقیقت کا بیان	364
حقیقت کی تعریف	364
لغوی حقیقت	365
شرعی حقیقت	365
عرفی حقیقت	365
حقیقت کا حکم	365
مثال	366
2- مجاز کا بیان	368
مجاز کی تعریف	368
حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تعلق کی سات قسمیں	369
1۔مشابہت	369
2۔الکون	369
۳۔الایلولة	370
4۔استعداد	370
5۔حلول	371
6۔جزئیت یا اس کا عکس	371
7۔سببیت	372
استعارہ ومجاز مرسل	373
حقیقت کو مجاز بنانے والے قرینہ کی تعریف اور قسمیں	373
قرینہ کی چار قسمیں	373
1۔قرینہ حسیہ	373
2۔قرینہ عقلیہ	373
3۔قرینہ عادیہ	374
4۔قرینہ شرعیہ	374
مجاز کا حکم	374
3,4 صریح وکنایہ کا بیان	376
صریح کی تعریف	376
حقیقتِ صریحہ کی مثال	377
حقیقتِ مجازی کی مثال	377
صریح کا حکم	377
کنایہ کی تعریف	377
کنایہ کا حکم	378
(1/3) الفاظ کی اپنے معنی پر دلالت (واضح اور غیر واضح) کے لحاظ سے اقسام (متقابلات کی بحث)	379
1- ظہورِ مراد۔ واضح الدلالة چار الفاظ	380
ا۔ظاہر (Manifest)	380
ب۔نص (Explicit)	381
ظاہر ونص کے درمیان فرق	382
ج۔مفسر: (Elaborated)	383

Marfat.com

د۔ محکم: (Unalterally Fixed) 383
محکم کا حکم 384
واضح الدلالت الفاظ میں تعارض اور ان میں ترجیح کا اصول 385
ظاہر ونص میں تعارض 385
نص اور مفسر میں تعارض 385
ظاہر، نص یا مفسر سے محکم کا تعارض 386
محکم کو ظاہر پر ترجیح 386
محکم کو نص پر ترجیح 386
محکم کو مفسر پر ترجیح 387
2- خفائے مراد، غیر واضح الدلالۃ چار الفاظ 387
ا۔ خفی کی تعریف اور مثال: (Obscure) 388
خفی کا حکم 389
ب۔ مشکل کی تعریف اور مثال: (Difficult) 390
ج۔ مجمل کی تعریف اور اُس کی مثال: (Unelaborated) 391
مجمل کی مراد کے لئے استفسار، تلاش اور تامل 392
د۔ متشابہ کی تعریف: (Unintelligible) 393
متشابہ کا حکم 393
(1/4) الفاظ کی استدلال (حکم شرعی کے حصول) کے لحاظ سے چار اقسام 394
ا۔ عبارۃ النص ۲۔ اشارۃ النص ۳۔ دلالۃ النص ۴۔ اقتضاء النص

(1) عبارۃ النص (The Plain Meaning of the text) 396
تعریف 396
(2) اشارۃ النص (The Connotation of the Text) 398
اشارۃ النص کی تعریف 398
اشارۃ النص اور عبارۃ النص میں دو فرق 398
عبارۃ النص اور اشارۃ النص کی مثالیں 398
(3) دلالۃ النص (The Implication of the Text) 400
تعریف 400
(4) اقتضاء النص (Requirment of the Text by Necessity) 402
دلالات اربعہ کے مراتب 403
دلالات اربعہ میں تعارض اور ان میں ترجیح کا اصول 403
(1/5) وَجوہُ البیان (بیان کے طریقے) 405
وجوہ البیان کی سات اقسام: (Mode of Elaboration) 405
1۔ بیانِ تقریر: (Complementary Expression / Elaboration) 405
مثالیں 406
2۔ بیانِ تفسیر: (Enabling Expression) 406

SULEMANI.COM.PK
Marfat.com

3۔بیانِ ضرورت: (Elabration by Necessity)	407	مختلف احکام میں انسانوں کے لئے فوائد	426
		مقاصد شریعت اور مسلم علماء کرام کی مساعی	428
4۔بیانِ حال	408	تاریخی پسِ منظر	430
5۔بیانِ عطف	408	امام شاطبیؒ اور بقیہ ائمہ کرام کے اضافے	432
6۔بیانِ تغییر: (Elaboration by Exception)	409	شاہ ولی اللہؒ کے اضافے	434
		احکام شریعت کا مقصد اور انسانوں کا حقیقی فائدہ	435
7۔بیانِ تبدیل (نسخ): (Conditional Expression)	411	مصالح یا مقاصد کی تین اقسام	437
		ا۔مقاصد ضروریہ اور اُس کی پانچ اقسام (Basic Needs)	437
(2)حروفِ معانی کی بحث	413		
حروفِ معانی کی تعریف	414	مقاصد خمسہ	437
حرف عاطفہ"و"	414	1۔حفظ دین (مذہب)	439
حج کے دوران حروف معانی کے ذریعہ صفا اور مروہ		2۔حفظ نفس (جان)	440
میں سعی کی ترتیب	415	3۔حفظ عقل (آزادی فکر اور ہوش وحواس)	440
ترتیبِ وضو میں حروف معانی	415	4۔حفظ نسل (سلسلہ پیدائش ونسب)	440
(3-4) تعارض ادلۃ۔ترجیح اور نسخ کی بحث		5-حفظ مال (دولت)	441
قواعدِ ترجیح:(Preference)	418	ب۔مقاصد حاجیات (Necessaries)	441
نسخ:(Abrogation)	420		
نسخ کی حکمت	421	ج۔مقاصد تحسینیات(Luxuries)	442
نسخ کی قسمیں	421	(ب) مصالح یا مقاصد کی مکملات	443
نسخ کا وقت اور وہ احکام جس کا منسوخ ہونا		1-ضروریات کی مکملات	443
جائز ہے	422	2-حاجیات کی مکملات	444
وہ چیزیں جن سے نسخ جائز ہے	422	3- تحسینیات کی مکملات	444
(5) مقاصدِ شریعت (شریعت کے عمومی مقاصد) (Objectives of Shariah)		اہمیت کے لحاظ سے مصالح کے درجے	444
		حوالہ جات	446
مقاصدِ شریعت کی ضرورت	425		

Marfat.com

چوتھا باب

اجتہاد و تقلید اور قواعدِ فقہیہ 451

فصل اول

اجتہاد و تقلید

(Ijtihad / Independent Reasoning & Conformation)

1-اجتہاد 451

اسلامی شریعت کی جامعیت 451

اسلامی شریعت کی خصوصیات اور اجتہاد 452

اجتہاد کی مثال 453

اسلام کا مقصد اور اس کی خصوصیات 454

دین کا حقیقی فہم اور مجتہد 455

اجتہاد کا عمومی مفہوم 456

اسلام میں تصور اجتہاد کا آغاز 457

اجتہاد کی لغوی تعریف 458

اصطلاحی تعریف 458

اجتہاد اور اُس کی شرائط 459

مجتہد کی تعریف 460

اجتہاد کا طریقہ اور حُجیت 460

قرآن مجید سے حُجیت 460

سنت سے حُجیت 461

تعامل صحابہؓ سے حُجیت 462

اجماع امت سے حُجیت 463

اجتہاد کا حکم 463

مجتہدین کی اٹھ اہم شرائط 463

1- قرآن مجید کا علم 463

2-سنت رسول ﷺ کا علم 464

3-عربی زبان کا علم 464

4-اجماع سے واقفیت 464

5-اصول فقہ کا علم: 465

6-فقہی احکام سے آگاہی 465

ا۔اختلاف کو تطبیق دینے کی صلاحیت 466

ب۔مقاصدِ شریعت سے واقفیت 466

ب۔1۔مقاصدِ شریعت سے مکمل واقفیت 466

ب۔2۔فقہی اصول وکلیات کا علم 466

ب۔3۔علم الکلام کے احکام اور دلائل سے واقفیت 466

7-عدالت 466

8-ذوق اجتہاد 467

مجتہدین کی اقسام 467

(1) مجتہد فی الشرع: (مجتہد مطلق) 467

(2) مجتہد مطلق منتسب 468

(3) مجتہد فی المذہب 468

(4) مجتہد اصحاب الروایات یا اصحاب تخریج 469

(5) مجتہد ترجیح یا اصحاب ترجیح 469

(6) مجتہد فی العلم 469

(7) مجتہد فی المسئلہ / المسائل 469

2- تقلید 470

تقلید کی لغوی تعریف 470

تقلید کا اصطلاحی مفہوم 470

SULEMANI.COM.PK

۱۲۳۵۸۲

Marfat.com

تقلید اور اصول فقہ 471

تقلید کی شرعی حیثیت 472

1۔قرآن اور سنت سے دلائل 472

2۔دور صحابہ و تابعین سے دلائل 474

3۔عقلی دلائل 477

تقلید کی اقسام 478

ا۔تقلید محمود 478

ب۔تقلید مذموم اور اُس کی تین اقسام 478

1-پہلی قسم 479

2-دوسری قسم 479

3- تیسری قسم 479

تقلید کی حقیقی حیثیت 479

مجتہد اور تقلید 480

تقلید کا طریقہ 480

مختلف فقہی مذاہب کی حقیقت 481

تقلید اور عامی کا فرض 482

مقلِد کے لئے اہم ہدایت 482

حوالہ جات 484

فصل دوم

قواعدِ فقہیہ (قواعدِ کلیہ)

(Shariah Legal Maxums)

قواعدِ فقہیہ کی تعریف 486

قواعدِ فقہیہ اور قواعدِ شرعیہ یا اصولیہ/قواعدُ الاحکام میں فرق 487

قواعد فقہیہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف 488

قواعد فقہیہ کا موضوع 489

قواعدِ فقہیہ کی حقیقت 489

قواعد فقہیہ کی تطبیق 490

قواعد فقہیہ کا شریعت اسلامیہ کے مصادر سے تعلق 491

قواعد فقہیہ (کلیہ) کے فوائد 491

قواعد فقہیہ کے مصادر و مآخذ 492

قواعد فقہیہ کی ابتداء و تاریخ 493

قواعد فقہیہ کی تلخیص میں فقہاء کا کردار 494

قواعد فقہیہ کی اہم کتب 496

چند مشہور قواعد 498

1۔مشقت سہولت لاتی ہے 498

مشقت کی قسمیں 499

2۔حرج اٹھایا گیا ہے 499

حرج کی تحقیق 500

3۔نقصان دور کیا جائے 501

اس اصول پر عمل درآمد کی چند مثالیں 501

4۔ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں 502

5۔ضرورت کی بنا پر اباحت (جائز ہونا) بس ضرورت ہی کی مقدار ہوگی 502

6۔عذر کی بنا پر جو جواز ہوگا وہ عذر کے بعد ختم ہو جائے گا 503

7۔نقصان کو نقصان سے نہ دور کیا جائے 503

Marfat.com

8۔عام نقصان کی خاطر خاص نقصان برداشت کیا جائے 504
9۔بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان کے ذریعہ دور کیا جائے 505
10۔جب دو خرابیوں کا ٹکراؤ ہو تو ہلکی خرابی کو قبول کرلیا جائے 505
11۔مفاسد (نقصان) دور کرنا مصالح (فوائد) حاصل کرنے سے زیادہ مقدم ہے 506
12۔احتیاج ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے 507
13۔حلال اور حرام کے جمع ہونے کی صورت میں حرام کو غلبہ ہوگا 508
14۔وسعت میں تنگی اور تنگی میں وسعت سے کام لیا جائے 509
15۔ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہے 510
16۔کام مقاصد کے لحاظ سے دیکھے جاتے ہیں 511
17۔یقین شک سے نہیں زائل ہوتا 511
18۔جو حالت پہلے تھی اس کو باقی رہنے دینا اصل ہے 512
19۔تمام اشیاء میں اصل اباحت (اُن کا جائز ہونا) ہے 512
20۔حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں 513
21۔فائدہ ضمان کے بدلہ ہے 514
22۔جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے 514
23۔عادت فیصلہ کرنے والی ہے 515
24۔ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا 516
25۔خاموش کی طرف کسی بات کی نسبت نہ ہوگی 517
حوالہ جات 518

Marfat.com

حرفِ آغاز

اسلامی اصولِ فقہ

(پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

قانون معاشرہ کی بنیادی ضرورت:

قانون ایک معاشرہ کی فطری، بنیادی، اور ابتدائی ضرورت ہے۔ کسی قوم، ملک، سلطنت، خطہ، علاقہ اور آبادی کے ایک واضح یا غیر واضح، اعلانیہ یا غیر اعلانیہ یعنی ثقافتی و روایتی قوانین کی علمداری کے بغیر زندگی گزارنا ایک محال عمل ہوتا ہے۔ اسی فطری ضرورت کو مدنظر رکھتے اور اسے پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی دنیا میں آمد کے ساتھ ہی اُسے آگاہ فرما دیا تھا:

فاما یا تینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا یضل ولا یشقی (طٰہٰ:123)

"اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت (قانون، زندگی گزارنے کا طریقہ) پہنچے تو جو میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا" (زندگی اس قانون کے مطابق گزارے گا۔) وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔

دور قدیم سے لے کر دور جدید تک دنیاء ارضی کا کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے جہاں کسی نہ کسی واضح، علانیہ یا روایتی و رواجی قانون کی علمداری نہ رہی ہو حتی کہ غیر متمدن اور جاہل معاشروں اور صحرا و پہاڑوں کی اجڈ اقوام میں بھی سردار، وڈیرہ، چوہدری یا مَلک کا بنایا ہوا قانون موجود ہوتا ہے جس کے مطابق وہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ گویا کہ ابتداء انسانیت سے ہی قانون ایک انسان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی جسے معاشرہ کہتے ہیں کی بنیادی ضرورت رہا ہے۔ اس فطری تقاضہ کو دور قدیم سے لے کر دورِ حاضر تک کی متمدن اقوام نے مختلف انسانی وغیر انسانی (وحشیانہ) طریقوں سے پورا کیا ہے۔

جس کی قرآن مجید نے اس طرح عکاسی کی ہے۔

ان الملوك اذا دخلو قرية افسدوها وجعلو اعزة ا هلهاأذلة (النمل:34)

Marfat.com

''بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو (اپنے وحشیانہ وغیر انسانی قوانین پر عمل کرتے ہوئے) اُسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔''

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس (الروم:100)

''خشکی وتری (سمندروں اور بقیہ دنیاء ارضی) میں فساد برپا ہو گیا ہے۔لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے (اپنے وحشیانہ بنیادوں پر بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرنے کی وجہ سے)''

اصول قانون، نافذ العمل قانون کی بنیادیں:

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ جب بھی کسی خطہ، علاقہ، ملک وغیرہ میں قانون نافذ کیا جاتا ہے تو اس نفاذ سے قبل اس قانون کی بنیادیں طے کی جاتی ہیں ان بنیادوں کو علوم اسلامیہ کی اصطلاح میں اصول فقہ اور عمومی طور پر اصول قانون کہا جاتا ہے۔ قانون کی بنیادوں سے مراد یہ ہے کہ کیا اس ملک کا قانون، بادشاہ، وڈیرہ، جاگیردار، رئیس کے مرضی کے مطابق ہوگا، عوام کی مرضی کے مطابق ہوگا، خواص کی مرضی کے مطابق ہوگا یا جس کی لاٹھی اس کی بھینس یعنی ہر طاقت والے کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ مزید یہ بھی کہ اس قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہونگے یا برہمن کا درجہ بلند تر اور شودر کا کم ترین ہوگا۔ پھر اس کی بنیاد نسلی امتیاز، وطنیت (وطن پرستی)، قومیت (اپنی ذات قبیلہ کی برتری) علاقائیت (اپنے علاقہ کی تمام انسانوں پر بالادستی مثلاً مغرب کی مشرق پر فوقیت وغیرہ) امتیازِ رنگ وخون پر ہوگی یا بنی نوع سے بلا امتیاز محبت پر ہوگی۔

غرضیکہ یہ اور اس طرح کی متعدد ایسی بنیادیں ہوتی ہیں جن کو مدنظر رکھ قانون بنایا جاتا ہے اور ان کو اصول فقہ یا اصول قانون کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان بنیادوں کو کبھی بیان کر دیا جاتا ہے اور اکثر بیان نہیں کی جاتیں لیکن ہر نافذ قانون میں یہ لامحالہ کارفرما ہوتی ہیں جن کا مطالعہ اُس قانون کی عملداری کے دوران بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کا یہ طرہ امتیازہ ہے کہ اس نے بقیہ اقوام کی قانونی روایات کے برعکس ابتداء سے ہی اپنی اصول فقہ یعنی اصول قانون واضح ٹھوس، فطری، انسان دوستی اور سادہ علمی بنیادوں پر قائم کیئے جس کا مطالعہ آپ اس کتاب میں کریں گے۔

مسلمان علمی دنیا کے بانی:

تاریخی حقائق اس امر پر گواہ ہیں کہ بنی نوع انسان میں مسلمانوں نے ہی علمی دنیا کا باقاعدہ آغاز کیا مسلمانوں سے قبل یونانی دور، رومی دور، یا مصر، ایران ہندوچین میں باقاعدہ علمی دنیا اور علمی ترقی کے کوئی خاص آثار نہیں ملتے۔ یونانی دور میں کچھ طبعی سائنس، جنرل سائنس اور سوشل سائنسز پر کام ہوا تھا لیکن وہ عقلی

Marfat.com

بنیادوں پر اتنا قابل ذکر نہیں تھا کہ جس کی بنیاد پر علمی دنیا کا آغاز ہوتا۔ یہ بھی مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہے کہ انہوں نے دنیا ارضی کی علمی دنیا میں عقلی معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس نے پوری انسانی دنیا کو متاثر اور فیض یاب کیا۔ مسلمانوں نے سوشل سائنسز میں علم تفسیر، اصول تفسیر، علوم القرآن، علم حدیث، علوم الحدیث، علم اسماء الرجال، فقہ، اصول فقہ، قواعد فقہیہ، علم الفروق، علم الکلام، سیرۃ النبی ﷺ، تاریخ، الملل والنحل، کتاب الحیوان، فلسفہ، عمرانیات، سیاسیات، معاشیات، ادب القاضی کے علاوہ بے شمار علوم اور پھر ان علوم کی مختلف اقسام ایجاد کی ہیں۔ علوم القرآن میں ساٹھ سے زیادہ ذیلی علوم ہیں، علوم الحدیث میں ایک سو سے زیادہ علوم ہیں، تاریخ میں تیس اقسام ہیں، فقہ میں پندرہ سے زیادہ ذیلی علوم اور اس طرح بقیہ تمام علوم کی ذیلی شاخیں اور اقسام آج ایک علمی حقیقت اور مسلمانون کی اقوام عالم پر علمی برتری اور انسانی تاریخ میں علمی دنیا کے باقاعدہ آغاز کا ایک واضح اور بیّن ثبوت ہیں۔ (۲)

مسلمانوں کے علمی کارنامے:

مسلمانوں نے سابقہ پیرہ میں بیان کردہ سوشل سائنسز کے علاوہ نیچرل سائنسز جنرل سائنسز لینگویج سائنسز وغیرہ میں لاتعداد نئے علوم کی بنیاد رکھ کر ایک ہزار سال تک علمی دنیا میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ جن کی بنیاد پر مغرب نے علمی دنیا کا آغاز کیا اور اسے آج تک عُروج ثریا سے ہمکنار کرنے میں مصروف ہے۔

سوشل سائنسز میں مسلمانوں کے ایجاد کردہ علوم میں جو چند اوپر ذکر کیے ہیں ان میں اکثر ایسے علوم ہیں جن کا وجود نہ دور قدیم میں تھا اور نہ ہی آج تک دور جدید میں علمی دنیا کی حامل اقوام اور ممالک ان کی مثال اور ان کی نظیر پیش کر سکے ہیں۔ ان علوم میں علم تفسیر، اصول تفسیر، علوم القرآن، علم حدیث، علوم الحدیث، سیرت النبی ﷺ، فقہ اصول فقہ، تاریخ وغیرہ وہ علوم ہیں جو آج کی غیر مسلم تمام اقوام کے لیے سابقہ چودہ صدیوں سے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ اقوام اس قسم کے علوم پیش کریں۔

اسلامی نظریہ حیات کا مختصر تعارف یہ ہے۔

اسلام پہلے انسان اور تمام انبیاء کرام کا دین ہے

اسلام کی متعدد امتیازی شانوں میں سے ایک اہم یہ بھی ہے کہ یہ دنیاء ارضی پر آنے والے پہلے انسان اور نبی حضرت آدم علیہ السلام اور پھر بعد میں آنے والے تمام پیغمبروں کا دین ہے۔ اسی دین اسلام کو قبول کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو نصیحت کی، گو کہ شریعتیں زمان

Marfat.com

ومکان کے مصالح اور تقاضوں کے لحاظ سے مختلف رہی ہیں لیکن اصول دین ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی ایک حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا ''تمام انبیاء سوتیلے بھائی ہیں یعنی سب کے باپ ایک ہیں مائیں مختلف ہیں اور ان تمام کا ایک دین ہے'' (متفق علیہ) قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے اسی دین کی اپنی اولاد کو وصیت کی۔ (3)

دین ایک جامع اصطلاح

درحقیقت قرآن مجید میں لفظ دین ایک جامع اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد ایک ایسا نظام زندگی ہے جس میں خالق کائنات اللہ تعالیٰ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں انسان حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی تسلیم کرتا ہوا اسی کی اطاعت میں زندگی بسر کرتا ہو۔ وہ اس کی فرمانبرداری پر اچھے بدلے اور جنت کا امیدوار ہو، اس کی نافرمانی پر ذلت وخواری اور جہنم کا خوف اس پر طاری ہو۔ اس لحاظ سے لفظ دین پورے نظام زندگی پر حاوی ہے۔ دین اور شریعت کا فرق اور اس کی تفصیل آپ تعارفی باب میں مطالعہ کریں گے۔

لفظ دین کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل آیات کریمہ پر تدبر کیجیے۔

ان الحکم الا للہ امر الا تعبدو الا ایاہ ذلک الدین القیم (سورۃ یوسف:40)

''حکمرانی اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی صحیح اور مضبوط دین (طریقہ) ہے۔''

ام لھم شر کاء شرعو لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ (سورۃ الشوریٰ:21)

''کیا انہوں نے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں جو ان کے لیے دین کی قسم کے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کا اللہ نے اذن نہیں دیا ہے''۔

لکم دینکم ولی دین (سورۃ الکافرون6)

''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین''

ان الدین عنداللہ الا سلام (سورۃ آل عمران19)

''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے''۔

ان آیات کریمہ میں دین سے مراد قانون حیات اور طریقہ زندگی ہے جس کی پابندی کرتے ہوئے انسان زندگی بسر کرتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اسلام کا معنی

لفظ اسلام ''سلم'' سے مشتق ہے جو عام طور پر مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ ہونا، سلامتی پانا، صلح کرنا، امن وامان پانا، حکم بجالانا، اطاعت وفرمانبرداری کرنا، سرِتسلیم خم کرنا وغیرہ۔(4)

شریعت کی رو سے اسلام کا اطلاق اس دین کی اطاعت وفرمانبرداری پر ہوتا ہے جسے حضرت محمد ﷺ لے کر آئے۔ اسلام کی تعریف ان الفاظ میں بھی کی جاتی ہے کہ کلمہ شہادت کا زبان سے اقرار کرنے اور دل سے اس پر یقین وایمان رکھنے کا نام اسلام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز، روزہ، حج، زکوۃ کے فرائض کی ادائیگی اور جن کاموں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے روکا ہے، ان سے رکنا اور جن امور کی پابندی کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرنا اسلام ہے۔

لفظ اسلام ہی سے لفظ ''مُسلم'' اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں اللہ کے قانون یا حکم کی مکمل فرمانبرداری اختیار کرنے والا۔ اردو میں مروج لفظ مسلمان بھی دراصل اسی لفظ مسلم سے بنایا گیا ہے۔

اسلام کا مفہوم

لفظ دین اور اسلام کو سمجھنے کے بعد دین کا اصل مدعا خدا کی حاکمیت اعلیٰ کی بنیاد پر ایک پورا اور مکمل نظام زندگی برپا کرنا ہے جس میں انسانوں کے لیے سراسر سرتاسر اور سرتاپا سلامتی اور امن ہو۔ اسلام ایک طرف بنیادی عقائد کی شکل میں زندگی کی حقیقتوں سے انسان کو روشناس کراتے ہوئے کائنات اور حیات دنیوی واخروی کے بارے میں صحیح زاویہ نظر عطا کرتا ہے۔ دوسری طرف اسلام زندگی کا مفصل قانون پیش کرتا ہے اور انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام گوشوں کے بارے میں جامع اصول اور احکام بتاتا ہے جن پر عمل کرنے میں تمام نوع انسانی کے لیے دنیا وآخرت کی فلاح ہے۔

اسلامی شریعت کا مفہوم

اسلامی شریعت سے مراد اسلام کا نظام زندگی اور وہ قانون جس کو فقہ اور اس کی بنیاد کو اصولِ فقہ کا نام دیا گیا ہے جو ہدایت الٰہی کے نور سے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی اصلاح کرتا ہے، خواہ وہ شعبہ انسان کی انفرادی زندگی سے تعلق رکھتا ہو یا اجتماعی زندگی سے، مادی ہو یا روحانی، معاشی ہو یا معاشرتی۔ ہر گوشہ زندگی سے متعلق اپنے خاص احکام کے ذریعے انسانی زندگی کو سلامتی کا گہوارہ بنا دیتا ہے۔

اسلامی شریعت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ کے بندوں پر اللہ کا قانون جاری ونافذ ہو اور وہ دنیا میں

Marfat.com

امن وسلامتی کے ساتھ زندگی گزاریں اور آخرت میں سرخرو ہوں۔ یہی اصول فقہ کا موضوع ''حکم شرعی تک رسائی ہے'' (5)

اسلامی شریعت کی سات امتیازی خصوصیات

اسلامی شریعت جس کا ایک حصہ فقہ ہے اور اس کی بنیاد اصول فقہ ہے کی بہت سی امتیازی خصوصیات ہیں جن میں سے سات اہم کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ الہامی شریعت

اسلامی شریعت کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا نظام حیات ہے جو عقل انسانی کی کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی بنیاد ہدایت ربانی اور وحی الٰہی پر رکھی گئی ہے۔ اس نظام حیات کے احکام اس خدا کے نازل کردہ ہیں جس نے زمین وآسمان اور خود انسان کو پیدا کیا ہے اور جو ماضی وحال اور مستقبل سے بخوبی واقف ہے اور نوع انسانی کے سارے احوال و حاجات اس پر عیاں ہیں۔ اس لیے یہ نظام حیات دنیا میں مروجہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں سے ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انسانی ذہن میں اس قدر وسعت نہیں کہ وہ ہر خطہ، علاقہ اور تمام انسانوں کی فطری ضروریات اور اس کے ماضی، حال اور مستقبل کو سامنے رکھ کر ہر زمانے، ہر قوم اور ہر ملک کے لیے ان کے احوال وظروف اور حاجات و ضروریات کے مطابق کوئی جامع نظام پیش کر سکے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا ذہن اور اُس کی سوچ محدود ہے اور وہ اپنے ماحول و معاشرے سے بلند ہوکر سوچ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے اگر ہم مطالعہ کریں تو اس وقت تمام ممالک میں انسان کے بنائے ہوئے سارے نظام انسانی مسائل حل کرنے کے غیر فطری، جزوی اور وقتی مساعی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس اسلامی شریعت یا فقہ اس خالق و مالک کا عطا کردہ نظام زندگی ہے جس نے انسان کو پیدا کیا، اس کی تخلیق کی اور اس کو اپنا نائب وخلیفہ بنایا ہے۔ اس نے اس شریعت میں جہاں انسان کی مادی اور جسمانی ضروریات کی تکمیل کا سامان مہیا کیا ہے، وہیں اس کی روحانی، اخلاقی و تمدنی ضروریات کی تکمیل کا بھی پورا خیال رکھا ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالی نے بار بار بنی نوع انسان کی بلوغت سے قبل ہر ملک، ہر شہر، ہر بستی، ہر قریہ، ہر گاؤں اور ہر قوم میں لاتعداد اور بے شمار انبیاء ورسل بھیجے کہ وہ الہامی ہدایت کی روشنی میں انسانوں کو صحیح راستہ دکھائیں۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

شرع لكم من الدين ما وصى به نو حا و الذى اوحينا اليك وما وصينا به ابرهيم وموسى وعيسى ان اقيمو الدين ولا تتفرقو فيه كبر على المشركين ما تدعوهم

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

الیه الله یجتبی الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب (سورة شوریٰ 13)

''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا اور جس کی ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کی دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

قرآن مجید میں پیغمبر خدا ﷺ جو انسانوں کے لیے فطری، آسان اور الہامی شریعت لائے تھے کی بعثت کو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا۔

لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلو علیهم ایته ویزیکهم ویعلمهم الکتب والحکمة وان کانو من قبل لفی ضلل مبین.

(سورة آل عمران:164)

''تحقیق اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی (اللہ تعالیٰ کی) آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے''

۲۔ مکمل اور جامع شریعت

اسلامی شریعت کی دوسری اہم امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نوع انسانی کے لیے ایک مکمل نظام زندگی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الا سلام دینا

(سورہ المائدہ3)

آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کر لیا۔

یہ آیت کریمہ 9 ذوالحجہ کو جمعۃ المبارک کے دن 10 ہجری میں حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی جبکہ آپ میدان عرفات میں حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف فرما تھے۔اس دن خدا نے یہ وحی بھیج کر مسلمانوں کو بتایا کہ بنی نوع انسان کے بالغ ہونے کی وجہ سے نزول وحی اور انبیاء کرام کی آمد کا جو سلسلہ جاری تھا وہ مکمل ہو چکا، چنانچہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اکرم ﷺ کل 81 روز اس دنیائے فانی میں رہ کر عالم بقا کو رخصت

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہو گئے۔ اس عرصے میں چند اور آیات نازل ہوئیں مگر کوئی نیا حکم اللہ کی طرف سے نہیں آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔

دین کو مکمل کرنے کا مطلب کیا ہے؟ مکمل کے معنی ہیں پورا جس میں کسی قسم کی کمی نہ ہو اور دین کو مکمل کر دینے سے مراد اس کو نظامِ فکر و عمل اور ایک مکمل نظام تہذیب و تمدن بنا دیا ہے جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا حل اصولاً یا تفصیلاً موجود ہو اور قیامت تک ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے بنی نوع انسان اور روئے زمین کے تمام انسانوں کو ہر دور میں اور کسی حال میں بھی اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے اور ان کو اپنے تمام مسائل کا فطری حل اس دین کے احکامات میں مل جائے۔

بے شک اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن و حدیث میں زندگی گزارنے کے تمام اصول بتا دیئے ہیں اور ہر معاملہ کی تفصیلات کو اس اصول کی روشنی میں حل کرنے کی تلقین کی ہے۔ اسلام کے یہ اصول ہر زمانے، ہر قوم، ہر ملک کی ضروریات کے لیے کافی ہیں، نیز حیاتِ انسانی کے تمام گوشوں پر محیط ہیں، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی ہوں یا بین الاقوامی، معاشی ہوں یا سیاسی، معاشرتی ہوں یا تہذیبی قانونی ہوں یا اخلاقی، اسلام کے بہترین رہنما اصول ہر ہر گوشہ زندگی کے بارے میں موجود ہیں اس لیے اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اور محض نماز و روزے تک محدود نہیں۔ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیجیے کہ اسلام صرف چند عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ اسلام انسانوں کے پیدا ہونے سے موت تک اور صبح سو کر اٹھنے سے شام سونے تک انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق بہترین اصول پیش کرتا ہے جن کی پابندی تمام انسانوں اور خصوصاً ہر مسلمان پر لازم ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آیا:

یایھا الذین امنوا ادخلو فی السلم کافۃ ولا تتبعو خطوٰت الشیٰطن(سورۃ البقرہ208)

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو"۔

مطلب یہ ہے کہ بنی نوع انسان اور خصوصاً مسلمان اپنی زندگی کے سارے معاملات اور اعمال و افعال کو ہدایت الٰہی کے تابع کر دیں اور اس کی خلاف ورزی کو شیطان کی اتباع تصور کریں۔

۳۔ ایمان و عمل کے مجموعہ والی شریعت

اسلامی شریعت کی تیسری امتیازی خصوصیت ایمان و عمل ہے۔ ایمان کامل اعتقاد و یقین کا نام ہے، یعنی اللہ، رسول ﷺ اور آخرت پر ایمان اسلام کی بنیاد ہے اور عمل اس کی عمارت ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہنی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

چاہیے کہ ایمان میں عقیدہ و عمل دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ یہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کا عمل اس کے عقیدے ہی کا مظہر ہوتا ہے، اس لئے اگر ایمان قوی ہے تو انسان اس ایمان کی تقاضوں کو بھی ادا کرنے میں پختہ و راست ہوگا۔

اس کے برعکس اگر ایمان کمزور ہے تو اس کا عکس عمل پر پڑے گا اور انسان کا عمل بھی کمزور ہوگا۔ انسان کے اچھے اور برے عمل کے اثرات براہ راست انسان کے دل پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اعمال صالحہ سے دل روشن اور اعمال سیئہ سے دل سیاہ ہوتا ہے۔ دل کی روشنی سے مراد نور ایمانی ہے۔ ایمان قول و فعل اور اعتقاد و عمل کا نام ہے اور یہی ایمان کے لوازمات ہیں جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اگر ہم اور آپ ایمان و اسلام کے دعوے دار ہیں لیکن قول و فعل ایمان اور ایمان کے تقاضوں کے منافی ہے تو ہم ہرگز مخلص اور سچے مسلمان کہلانے کے حق دار نہیں۔

۴۔ دین و دنیا کی تفریق سے پاک شریعت

اسلامی نظام حیات یعنی اسلامی شریعت کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ اس میں دین و دنیا کی وہ مصنوعی تفریق نہیں ہے جو دور حاضر کے مختلف نظریات اور سابقہ الہامی و غیر الہامی مذاہب میں پائی جاتی ہے اکثر خیال کیا جاتا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان دنیوی علائق سے دور رہے۔ اکثر مذاہب میں ترک دینا کی تعلیم ملتی ہے لیکن اسلام میں ترک دنیا یعنی عملی زندگی کے معاملات سے علیحدہ ہو جانے کی شدت کے ساتھ مخالفت کی گئی ہے بنی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لا رهبا نية في الاسلام (6)

''اسلام میں رہبانیت کا کوئی وجود نہیں۔''

اسلام میں نہ صرف ترک دینا کی ممانعت ہے بلکہ ان اعمال کو جنہیں عام طور پر دنیاوی اور مادی سمجھا جاتا ہے مثلاً دکھی انسانیت کی خدمت، اکتساب رزق، فکر عیال و جنسی خواہشات کی جائز ذرائع سے تکمیل وغیرہ اسلام نے ان تمام دنیاوی امور کی تکمیل اور بجا آوری کو عبادت اور باعث اجر و ثواب قرار دیا ہے۔

اسلام نے جو ہمہ گیر نظام زندگی فقہ اور شریعت کی صورت میں پیش کیا ہے وہ انسان کی دنیاوی فلاح کا بھی ضامن ہے کیونکہ اگر انسان اس دنیوی زندگی کو الہامی ہدایت کے تحت گزارے تو دنیوی زندگی کا یہ سنوار خود بخود اخروی زندگی کے سنوار کا راستہ ثابت ہوگا۔ اس لیے مسلمانوں کو جو دعا سکھائی گئی، وہ یہ ہے۔

ربنا اتنا في الدنيا حسنة وفي الاخرة حسنة وقنا عذاب النار (سورۃ البقرہ 201)

Marfat.com

''اے اللہ تو ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''

۵۔سادہ اور عقلی معیار کی حامل شریعت

اسلام کی تعلیمات اور اسلامی شریعت کے احکام واضح طور پر انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں مزید سادہ، یعنی غیر پیچیدہ اور قابل عمل ہیں اور عقل و وجدان ان کی تائید کرتے ہیں۔ اسلام اندھی، بہری اطاعت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں لوگوں کو بار بار اس بات پر ابھارا گیا ہے کہ وہ تفکر و تدبر اور تعقل کی قوتوں کو استعمال کریں۔ قرآن کہتا ہے۔

افلایتدبرون القران ام علی قلوب اقفالھا (سورۃ محمد24)

''بھلا یہ لوگ قرآن مجید میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں''۔

حضور ﷺ نے علم حاصل کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے مثلاً فرمایا

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' اور ایک حدیث میں حکم دیا کہ ''دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو'' (7)

اسلام کی انہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ اہل عرب جو حضور رسالت مآب ﷺ پر ایمان لانے سے قبل جاہل وامی تھے، ایمان و اسلام کی دولت پاکر علم و تہذیب کے علمبردار بن گئے اور انہوں نے بہت سے علوم وفنون ایجاد کیے ان میں سے بے شمار علوم محض کتاب اللہ کے رہین منت ہیں۔ ان علوم میں علم اصول فقہ اور فقہ بھی ہیں۔

۶۔ابدی و دائمی شریعت

اسلامی شریعت، فقہ یا نظام حیات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایسا نظام فکر و عمل پیش کرتا ہے جو دائمی اور ابدی ہے اور انسانی معاشرے کی بدلتی ہوئی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے۔ انسان کے لیے محض اپنی فکر اور تجربے کی بناء پر ایسے اصول پیش کرنا ممکن نہیں۔ زمان و مکان کی مجبوریاں انسان کو لاحق ہیں جن کی بناء پر وہ اس کے لئے قطعاً نااہل ہے مزید تاریخ انسانی کے مختلف نظاموں کا مطالعہ بھی اس حقیقت پر شاہد ہے۔ یہ اسلامی نظام ہی کی خصوصیت ہے کہ جہاں وہ ایک طرف زندگی کے ابدی اصول پیش کرتا ہے، وہیں انسانی معاشرے میں جو فطری تغیرات رونما ہوتے ہیں یا قیامت تک ہوتے رہیں گے ان پیش آمدہ مسائل کا حل بھی فراہم کر دیتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

لا تبدیل لکلمات اللہ (سورۃ یونس 64)

اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (سورۃ الاحزاب 62)

تم خدا کی سنت میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

مطلب یہ ہے کہ اسلامی شریعت فطری وابدی صداقت کی حامل ہے، اس میں کسی تبدیلی یا کمی بیشی کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ نظام، کائنات کے خالق و مالک کا بنایا ہوا ہے جو دل کا حال بھی جانتا ہے اور اس وسیع کائنات کے ایک ایک ذرے کی خبر بھی رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

واسروا قولکم او اجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور (سورۃ الملک 13)

''اور تم بات پوشدہ کہو یا ظاہر، وہ دل کے بھیدوں تک کو جانتا ہے۔''

دنیا میں کوئی قانون بھی زمان ومکان کی قید سے پورے طور پر آزاد نہیں لیکن دین اسلام کے ابدی وفطری قوانین ماضی کے ساتھ ساتھ نظریہ اجتہاد کے ذریعے اپنے اندر حال واستقبال کی رہنمائی کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے شریعت اسلامیہ اپنے اندر فطری وسعت اور دائمی صلاحیت رکھنے کی وجہ سے اپنے اندر جدت وابدیت کی صفت رکھتی ہے محض زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ وہ لوگ قابل مذمت ہیں جو

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں

اس لیے نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو قابل رو قرار دیا ہے جو دین میں کوئی نئی بدعت نکالتے ہیں۔

دین اسلام بنیادی طور پر اصولی رہنمائی کرتا ہے اور ان بنیادی اصولوں اور اقدار کو بیان کرتا ہے جن پر زمان ومکان کے تغیر کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ اصول غیر متبدل ہیں اور ان میں تبدیلی فطرت کے قانون کے خلاف ورزی ہوگی۔ ان کا مطالعہ آپ آخری باب اجتہاد وتقلید میں کریں گے۔

۷۔ انسانی فطرت سے ہم آہنگ شریعت

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (سورۃ الروم 30)

''پس تم یک سو ہو کر اپنا رخ دین پر قائم رکھو اور خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا

Marfat.com

کیا ہے (اختیار کیے رہو) خدا کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا، یہی مضبوط دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے"

قرآن مجید میں اسلام کو اس فطرت سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسان کو عطا ہوئی ہے اور وہی فطرت خداوندی ہے مثلاً خدا کا فرمان ہے "پس تم یکسو ہو کر اپنا رخ دین پر قائم رکھو اور خدا کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) خدا کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا یہی مضبوط دین ہے۔ (سورۃ الروم 30)

مطلب یہ ہے کہ فطرت خداوندی ہی دین ہے اور اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ دین اسلام ہے۔ (سورۃ آل عمران 19) اس لیے یہی دین فطری دین ہے۔ یہ خالی دعویٰ یا بے بنیاد خیال نہیں بلکہ دلائل وشواہد سے ثابت شدہ ایک حقیقت ہے جس کی صداقت جو چاہے اور جب چاہے شریعت اسلامی کے احکام کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کر کے معلوم کرسکتا ہے۔ شریعت میں انسان کے فطری تقاضوں اور طبعی میلانات کی خصوصی رعایت کی گئی ہے اور انسانی جذبات کا بڑا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کا ہلکا سا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات وخیرات کرنے کی بڑی تاکید کی ہے اور اس عمل کو بہت پسند فرمایا ہے مگر انسانی طبیعت اور اس کے نازک احساسات کا پاس کرتے ہوئے اپنے اس محبوب عمل کی بھی اس شکل کو منع کر دیا گیا جس سے جذبات کو ٹھیس پہنچے اور طبعی تقاضوں کے مجروح ہونے کا امکان تھا، چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"اپنا ہاتھ اتنا فراخ نہ کر لینا کہ تمام دولت لٹا بیٹھو پھر بعد میں پچھتانا پڑے" (8)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا قول ہے:۔

"تمہارا اپنے رشتہ داروں کو خوش حال چھوڑ کر جانا اس سے بہتر ہے کہ انہیں نادار چھوڑ جاؤ (اپنا تمام مال خرچ کر جاؤ) اور تمہارے پیچھے انہیں لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑے" (9)

پیغمبر خدا کے الفاظ قابل غور ہیں۔ اس میں فطری تقاضوں کی رعایت کس حد تک ملتی ہے! اس کے علاوہ شریعت کے جس حکم پر بھی غور کیا جائے گا، یہ حقیقت اسی طرح نمایاں ہوتی جائے گی کہ خدا کی بنائی ہوئی اس شریعت میں نہ کہیں جھول ہے نہ تنگی، یہ انسانی فطرت پر پوری طرح موزوں اور اس سے ہر لحاظ سے مناسبت رکھتی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مسلمان ایک قانونی قوم:

دین اسلام کے اس مختصر مگر جامع تعارف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دور حاضر میں دنیا کے تمام نظریات، مذاہب، ادیان یا نقطہ ہائے نظر میں اسلام ہی واحد نظریہ ہے جو قانونی نظریہ دین یا مذہب ہے اور اقوام عالم میں مسلمان وہ واحد قوم ہے کہ جو قانونی قوم کہلانے کی مستحق ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی اور نظریہ یا مذہب اور مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور قوم اس اعزاز کی مستحق نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واحد نظریہ یا دین ہے جس کا آغاز ہی علم سے ہوتا ہے یعنی اس دین کی پہلی وحی لفظ ''اقراء'' پڑھو تعلیم حاصل کرو ہے۔ پھر اس تعلیم حاصل کرنے کے آغاز کو ایک قانون کا پابند اور ایک ضابطہ سے جکڑ دیا گیا ہے کہ (اقراء باسم ربک الذی خلق) (علق 1) پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اب علمی اور تعلیمی دینا کی ابتداء میں ہی پہلا ضابطہ اور پہلا قانون یہ دیا گیا کہ اس علمی دنیا کا آغاز ہی خالق کائنات و انسان اللہ تعالیٰ کے نام سے ہوگا۔ گویا کہ علمی دنیا کا آغاز اور اس کی ابتداء ایک ضابطہ، قانون اور حدود کی رہین منت ہوگی، ذہنی آزادی کی حامل مادر پدر آزاد، انسانی و اخلاقی قوانین و حدود سے ماوراء علمی دنیا کے قیام یا علمی سرگرمیوں کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی۔ کیونکہ آزاد علمی دنیا بنی نوع انسان کے لیے سود مند اور فائدہ مند نہیں ہوگی اور ایسا تعلیمی ماحول علم غیر نافع اور علم ضار کا باعث ہو کر انسانوں کے لیے نقصان کا باعث اور دنیاء ارضی کو ظلم و ستم اور بدامنی سے بھر دے گا جس طرح قرآن مجید کی سابقہ بیان کردہ آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

علمائے اسلام نے اسی قانونی نکتہ اور ابتدائی ضابطے کو لے کر مختلف علوم کی غرض و غایت اور مقاصد کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اسلام کے تصور علم میں اس ابتدائی قانون اور مسلمانوں کے نظریہ تعلیم میں کسی بھی علم کے اہداف و مقاصد اور غرض و غایت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اہداف و مقاصد تعمیری، مثبت اور بامعنی ہوں تو وہ علم علم نافع ہے۔ اگر کسی علم کی غرض و غایت منفی مقاصد کا حصول ہو تو وہ علم غیر نافع اور ضرر رساں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اسی قانون کی پاس داری کرتے ہوئے ہمیشہ علم نافع کی دعا فرمائی اور علم غیر نافع سے پناہ مانگی اور امت کو بھی یہی سکھایا۔ اس نبوی تعلیم کے زیر اثر یہ بات مسلمانوں کے علمی مزاج کا حصہ بن گئی کہ وہ جب کسی علم و فن کو حاصل کرنے کا ارداہ کریں تو آغاز اس کی غرض و غایت اور اہداف و مقاصد سے کریں۔

علمی دنیا میں اسی بنیادی ضابطہ اور قانون کو لے کر مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک تمام علمی میدان میں نفع آور علوم جن کو علم نافع کا نام دیا گیا ہے، ایجاد کیے اور ہر علمی میدان میں اپنی علمی فتوحات کے جھنڈے گاڑے ان علوم کی تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن اس حقیقت کا ادراک تمام علوم کی کتب کا مطالعہ کر کے حاصل کیا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جا سکتا ہے کہ تمام علوم سابقہ بیان کردہ قانونی ضابطے کے مطابق ایجاد کئے گئے اور یہ اس قوم کے قانونی ہونے کا بین ثبوت ہے۔

اسلامی علوم کے مراتب اوران کی تفصیل:

ا۔ مسلمانوں کے تمام علوم کی ایک ہی بنیاد اوراُن کا ایک ہی منبع ہے اوراسی سے ہی تمام علوم ایجاد اور مرتب کیئے جاتے ہیں۔ وہ بنیاد الہامی کتاب قرآن مجید ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ایک بنیادی، بدیہی اور فطری امر ہے کہ قرآنی الفاظ کی تشریح وتوضیح کے لیے فکرونظر سے کام لیا جائے اور عقل کو جواللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت اور بنی نوع انسان کی باقی مخلوقات پر فوقیت کی وجہ ہے کو بروئے کار لایا جائے تاکہ قرآن میں بیان کردہ علوم کی حقیقت آشکارہ ہو۔ تو یہ علم تفسیر ہے جوعلوم قرآنیہ کی ایک قسم ہے۔

۲۔ اسی قرآن مجید کی تلاوت اوراسے خوش الحانی سے پڑھنے کے مختلف طریقوں اوران میں اختلاف کا مطالعہ بہت ضروری ہے اور یہ علم قرأت ہے۔

۳۔ یہ قرآن مجید یعنی کلام اللہ جس شخصیت رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہمیں ملا ہے اُن کے اس کتاب کے بارے میں اقوال وآراء جواس کتاب کی تشریح وتفسیر میں بنیادی اہمیت اورابتدائی معلومات کی حامل ہیں کو علمِ حدیث یا علم السنہ کہتے ہیں۔

۴۔ علمِ حدیث اور علم السنہ یعنی رسول اکرم ﷺ کے ان اقوال کونقل کرنے والے راویوں پر بحث وکلام اوران کے حالات اوران کے عدالت کی معرفت حاصل کرنا، علم حدیث یا علوم الحدیث کہلاتے ہیں۔

۵۔ اسی طرح قرآن مجید کی آیات اور حدیث کے حکیمانہ اورمعرفت بھرے الفاظ سے مسلمانوں کے لیے زندگی گزارنے کے احکام تلاش کرنے اوران احکام کو اپنے ماٰخذ سے استنباط میں کچھ قانونی اصولوں کی ضرورت ہے جن کے ذریعہ دلائل سے استنباطِ قوانین کا طریقہ معلوم ہو یہ اصولِ فقہ ہے۔

۶۔ اصول فقہ کے ان ماٰخذ سے زندگی کے مسائل مستنبط کرکے عوام الناس کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ بتانا فقہ ہے

۷۔ فقہی احکام کے مطابق زندگی گزارتے ہوئے عبادات اور زندگی کے معاملات میں ظاہر کے ساتھ باطن یعنی اعمال کے ساتھ خالص نیت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلبی تعلق اور محبت کی تعلیم علم تصوف ہے۔

۸۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام عقائد اور اعمال کا مجموعہ ہے بعض تکلیفاتِ شرعیہ بدنی اور بعض قلبی ہیں۔ قلبی وہ ہیں جن کا تعلق ایمان سے ہے اور وہ عقائد یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات قیامت حشر ونشر،

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جنت، جہنم، ملائکہ اور تقدیر وغیرہ سے متعلق ہیں۔ یہ اور بقیہ تمام اعتقادی امور کا عقلی دلائل سے ثابت کرنا علم الکلام ہے۔

۹۔ سابقہ سطور میں تمام بیان کردہ علوم اور خصوصاً قرآن وحدیث اور فقہ و اصولِ فقہ میں فکر ونظر کے لئے ضروری ہے کہ علوم لسانیہ (Languages Science) سے واقفیت حاصل ہو۔ کیونکہ قرآن وحدیث عربی زبان میں ہیں اس لئے ان علوم کے افہام کے لئے عربی زبان اور اس کی متعدد شاخوں مثلاً علم لغت، علم نحو وصرف، علم البیان اور علم ادب وغیرہ سے مکمل آگہی ضروری ہے جو علم اللغۃ کہلائے گا۔

۱۰۔ مذکورہ بالا علوم کے علاوہ علم السباحثہ، مناظرہ، تاریخ اور اس کی اقسام علم اسماء الرجال، علم طبقات الرجال اور اسی طرح سیاسیات، معاشیات، عمرانیات، معاشرت، جنرل سائنسز کے متعدد علوم، قدرتی (Natural) سائنسز کے متعدد علوم، طبعی سائنسز کے متعدد علوم جو دراصل اوپر بیان کردہ علوم کی ہی شاخیں ہیں تمام علوم اسلامیہ کے زمرہ میں شامل ہیں۔

علوم اسلامیہ کی تقسیم اور علوم شرعیہ کی برتری:

علوم اسلامیہ کو پھر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) ایک علومِ شرعیہ (۲) دوسرا علومِ عامہ (General Sciences) ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جس میں بقیہ تمام علوم کی بنیادیں اور زندگی گزارنے کے تمام احکام اور ان احکام کو حاصل کرنے کے طریقوں سے بحث ہوتی ہے۔ یہ شرعی علوم یا علوم شرعیہ کہلاتے ہیں جن میں انسانی زندگی کی بنیادی اکائیوں (Fundemental Guidence & Instructions/Basic Foundaction) عقائد، ایمانیات، عبادات، معاملات وغیرہ کے بارے میں ابتدائی، اہم اور اصولی ہدایات کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کو مختلف زمانوں میں درپیش نئے نئے اور گوناگوں مسائل کو حل کرنے کے طریقہ بیان کیے جاتے ہیں۔ ان اصول وضوابط کو مدنظر رکھ کر ایک طرف تو بنی نوع انسان معاشرہ میں امن، سکون اور پریم کی زندگی گزارتے ہوئے سعادت دارین حاصل کرتی ہے اور دوسری طرف علوم اسلامیہ کی دوسری قسم علوم عامہ کو بھی، ان بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھ کر علم نافع کی حدود میں عروج ثریا سے ہمکنار کرتی ہے علامہ ابن خلدون کے نزدیک علوم شرعیہ یہ چار ہیں؛

۱۔ علوم القرآن ۲۔ علوم الحدیث ۳۔ علم فقہ واصول فقہ ۴۔ علم العقائد (12)

یہ علوم شرعیہ باقی علوم عامہ (General Science) جن میں سوشل سائنسز، جنرل سائنسز، طبعی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سائنسز اور لسانیاتی سائنسز وغیرہ کے علوم ہیں کے لئے بمثل، جڑ، بنیاد اور اساس ہیں۔ سابقہ بیان کردہ تمام علوم عامہ، ان علوم شرعیہ کی رہنمائی (Guidence) میں اور ان سے روشنی لے کر اپنے علوم اور اُن کے اقسام کو مکمل کر کے انہیں علم نافع کے سودمند، فائدہ مند، اور پرکشش حصار میں داخل کرتے ہیں۔ اگر بقیہ علوم عامہ، ان علوم شرعیہ کی بیان کردہ حدود سے تجاوز (Deviation) کریں یا ان کے قواعد کی پابندی نہ کریں تو وہ علوم اسلامیہ نہیں رہتے بلکہ علم غیر نافع اور علم ضار کی قسم بن جاتے ہیں جو بنی نوع انسان کے لیے ازل سے لے کر ابد تک اور سراسر سر تاسر اور سرتاپا نقصان، بدامنی، بے چینی اور قتل وغارت کا باعث ہوتے ہیں جن کا نظارہ ہم آج مغربی علوم کے اثرات کے ذریعہ اکیسویں صدی کی دنیاء ارضی میں کر رہے ہیں۔

علوم شرعیہ میں اصولِ فقہ کا مقام:

ان علوم شرعیہ میں اصول فقہ اعلیٰ شان، عظمت ورفعت کا حامل، بلند مرتبہ، جلیل القدر اور امام غزالی کے نزدیک تمام علوم شرعیہ کا گل سرسبد اور اشرف العلوم ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ علم ابتداء اسلام سے لے کر آج تک ہر دور کے تمام ممکنہ انفرادی واجتماعی انسانی مسائل کو بقیہ علوم شرعیہ کی روشنی میں اس طرح حل کرتا ہے کہ وہ حل اس دنیا میں انسانی فطرت سے عین مطابق بنی نوع انسان کو سہولتوں اور ترقیوں سے ہمکنار کرتے ہوئے اُخروی دنیا میں بھی کامیابیوں کی نوید دیتا ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس علم کو مرتب کرنے میں دور نبوی ﷺ سے جاری روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے عقل اور نقل دونوں سے کسب فیض کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد وحی یعنی شریعت الٰہی ہے اور اسی شرعی بنیادوں پر خالص عقلی استدلال اور منطقی ترتیب سے پورے اس علم کی عمارت استوار کی گئی ہے۔ علم اصولِ فقہ کے قواعد وکلیات ان کی اقسام اور اس کی ذیلی علوم مثلاً علم الفروق، علم الاشباہ والنظائر، علم المقاصد الشرعیہ وغیرہ شریعت کے بیان کردہ نقلی اصول اور عقل یعنی عقلی ونقلی دونوں معیاروں سے دور حاضر تک ہم آہنگ اور ان دونوں کے تقاضوں کو ابھی تک مکمل طور پر پورا کر رہے ہیں۔

بقیہ تین شرعی علوم یعنی علوم قرآنیہ، علوم الحدیث اور علم العقائد نقلی ہیں ان میں عقل کو زیادہ دخل نہیں کیونکہ ان میں آخری حوالہ وحی الٰہی ہے چاہے وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو ہو۔ ان تینوں علوم میں عقلی بحثوں، موشگافیوں اور کاوشوں سے زیادہ قوت حافظہ اور بہترین یادداشت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن علم اصول فقہ میں عقل اور نقل دونوں کا فطری اور حسین امتزاج ہے اس لئے یہ علوم شرعیہ میں اشرف العلوم کا درجہ رکھتا ہے (13)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اقوامِ عالم پر مسلمانوں کی علمی برتری کے پانچ اسباب:

امت مسلمہ اس اکیسویں صدی میں بھی دنیا کی تمام اقوام اور نظریات پر ان پانچ امور کی وجہ سے علمی برتری اور عروج کی حامل ہے کہ جن میں بقیہ اقوام، نظریات، مذاہب اور افکار وغیرہ بانجھ بلکہ اپاھج ہیں وہ پانچ امور درج ذیل ہیں؛

۱۔ مسلمان عقیدہ توحید کے حامل ہیں۔ دنیا کی کسی قوم کے پاس یہ عقیدہ خالص، ٹھوس اور عقلی بنیادوں پر موجود نہیں ہے۔

۲۔ مسلمانوں کے پاس ایک الہامی کتاب "قرآن مجید" ہے۔ دنیا میں کسی مذہب کے ماننے والوں کے پاس اس قسم کی مسلّم تاریخی روایات سے ثابت شدہ اور اندرونی و بیرونی واضح نشانیوں کی حامل کتاب نہیں ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے پاس اپنا رسول محمد ﷺ ہیں۔ دنیا کی کسی قوم کے پاس رسول نہیں ہے اگر چند اقوام کچھ رسولوں کو مانتی ہیں تو وہ برائے نام اور دکھاوے کے لئے ہیں حقیقی مقام رسالت اور مُطاع نبی کی شان سے وہ قومیں بالکل نابلد بلکہ کوسوں دور ہیں اور دنیا میں کسی قوم یا مذہب کے پاس مُطاع نبی قطعاً نہیں ہے۔ مُطاع نبی سے مراد ایسا نبی ہے جو رول ماڈل (Role Model) یا اسوہ حسنہ ہو اور زندگی کے تمام معاملات میں اُس کی اطاعت کو کامیابی اور نافرمانی کو ناکامی تصور کیا جائے۔

۴۔ مسلمانوں کے پاس ایسا نظام عبادت ہے جو بیک وقت دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن، الہامی، عقلی، آسان، انسانی فطرت سے مکمل ہم آہنگ، مقصدیت کا حامل، نوع انسانی کے لئے حقیقی سکون کا باعث اور پرکشش ہے۔ اس نظام میں مصنوعی تخیلاتی اور جذباتی انداز کی نفی کر کے دل اور روح کی تڑپ کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کا نظام عبادت دنیا کی کسی قوم، مذہب یا نظریہ کے پاس نہیں ہے۔

۵۔ مسلمانوں کے پاس ایسا علمی سرمایہ ہے جو دنیا کی کسی قوم کے پاس نہیں۔ سابقہ شرعی علوم اور مزید علوم اسلامیہ کا سرمایہ ابھی تک کسی قوم کے پاس نہیں۔ کیا سابقہ الہامی کتب کی حامل اقوام نے علم تفسیر، علوم قرآنیہ جیسے علوم ایجاد کئے ہیں۔ سابقہ ادوار کو اگر چھوڑ بھی دیں تو آج اکیسویں صدی میں بھی وہ علم تفسیر اور علوم قرآنیہ کی مثال اور نظیر لانے سے قاصر ہیں۔

اسی علوم قرآنیہ کی مانند علوم الحدیث، سیرت النبی ﷺ، علم العقائد، علم فقہ و اصول فقہ، علم اسماء الرجال، علم الملل والنحل اور علم تاریخ کی مثال بھی کوئی قوم، خطہ، مذہب، فکر آج تک نہیں پیش کر سکا اور آج بھی ساری

Marfat.com

دنیا کی ترقی یافتہ، ترقی پذیر یا غیر ترقی یافتہ اقوام اگر اپنے اپنے نظریات، مذاہب یا افکار کو علمی سمجھتے ہیں تو مسلمانوں جیسا علمی سرمایہ پیش کریں یا اب مرتب کر کے دکھائیں۔

اصول قانون، اصول فقہ کے میدان میں دور حاضر تک مسلمانوں کا علمی غلبہ:

مسلمانوں کے اقوام عالم پر ان تمام علمی برتری کے حامل علوم میں علم اصول فقہ ایسا علم ہے کہ جس میں مسلمانوں نے آج سے چودہ صدیاں قبل وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں کہ آج تک کوئی قوم مذہب حتیٰ کہ بعض سائنسی میدانوں میں ہم سے سبقت لے جانے والی مغربی اقوام بھی دور حاضر تک اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی اکثر اقوام اصول فقہ یعنی اصول قانون کے میدان میں تقریباً بانجھ ہیں۔ یہ وہ علم ہے جو دورِ نبوی ﷺ میں 622ء سے شروع ہوا اور دور خلفاء راشدین کے اختتام 660ء تک اپنی جڑیں مضبوط کر کے اپنی شاخوں کو چار دانگ عالم پھیلا چکا تھا۔ اس کے بعد یہ علم تدوین اور مزید نکھار کے مراحل سے گزرتا ہوا گیارھویں صدی عیسوی تک عروج ثریا سے ہمکنار ہو چکا تھا اور دور حاضر تک اس کا تسلسل جاری ہے۔ اس علم کے بارے میں دور قدیم کی اقوام میں تو ہمیں کوئی مثال نہیں ملتی ان کے ہاں اس علم کا وجود ہی نظر نہیں آتا البتہ دور حاضر کی بعض یورپی اقوام نے مسلمانوں سے متاثر ہو کر اس علم اصول قانون پر کچھ کام کیا ہے لیکن وہ کام بھی ہمارے اصول فقہ کے علمی سمندر کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی نہر، بلکہ بند نالہ کا منظر پیش کرتا ہے۔

مسلمانوں نے علم اصول فقہ میں بیک وقت یکساں دو مآخذ یا بنیادوں قرآن، سنت کو مدنظر رکھتے ہوئے متعدد اصولِ فقہ ترتیب دیں جن میں سے چند کی تفصیل یہ ہے؛

ا۔ اصول فقہ حنفی	۲۔ اصول فقہ مالکی	۳۔ اصول فقہ شافعی	۴۔ اصول فقہ حنبلی
۵۔ اصول فقہ جعفری	۶۔ اصول فقہ امامی	۷۔ اصول فقہ زیدی	۸۔ اصول فقہ معتزلی
۹۔ اصول فقہ اباضی	۱۰۔ اصول فقہ اوزاعی	۱۱۔ اصول فقہ طبری	۱۲۔ اصول فقہ ثوری
۱۳۔ اصول فقہ حسن بصری	۱۴۔ اصول فقہ ابوثور	۱۵۔ اصول فقہ ظاہری	

یہ اور چند مزید غیر معروف مذاہب کی اصول فقہ جو بہت جلد دوسرے اصول فقہ میں ضم ہو گئیں کی بنیادیں یعنی مآخذ وہی دو تھے جو اوپر ذکر کیے گئے ہیں یعنی قرآن وسنت۔ اب دوسری تیسری صدی ہجری کے مسلمانوں کی عقلی ماہیت کا عروج اور علمی حیثیت کی بلندی کا اندازہ کریں کہ صرف ان دو مآخذ کی بنیاد پر کتنی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اصول فقہ مرتب کیں اور پھر ان تمام اصول فقہ کی بنیاد پر ہر فقہی مذہب میں عظیم فقہی سرمایہ مرتب کیا جو آج بھی روز روشن کی مانند اسلام کے بقیہ اقوام پر اصول قانون کے میدان میں علمی برتری کا واضح ثبوت ہے۔

ان اصول فقہ میں بعض ایسی بھی تھیں اور ہیں جن پر کوئی ایک کتاب نہیں بلکہ تیسری صدی ہجری سے دور حاضر تک متواتر کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور اس طرح صرف علم اصولِ فقہ کے متعدد مذاہب کی کتب کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے اور ان اصول فقہ کی بنیاد پر مرتب شدہ علمی سرمایہ یعنی فقہی کتب اور فتاوی جات وغیرہ کی تعداد تو لاکھوں سے بھی تجاوز کر چکی ہے بلکہ نا قابل شمار ہے۔ اب کیا دور حاضر کی ترقی یافتہ مغربی اقوام یا کوئی اور مذہب و نظریہ اس قسم کا علمی سرمایہ پیش کر سکتا ہے؟ یہ ابتداء اسلام سے دور حاضر تک اصول قانون کی علمی دنیا میں مسلمانوں کے علمی غلبہ کی روز روشن کی مانند، ٹھوس اور کوہ ہمالیہ کے بلندی کی طرح واضح دلیل ہے۔

مسلمانوں میں اصول فقہ کا آغاز

علمی دنیا کا یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ کسی علم کی تدوین یعنی اس کو کتابی شکل دینا اس علم کے وجود کی خبر دیتی ہے نہ کہ اس علم کہ وجود بخشتی ہے۔ اگر امام بخاری نے تیسری صدی ہجری میں صحیح بخاری مدون کی تو اس سے مراد یہ نہیں کہ علم حدیث اور اصول حدیث کا آغاز اسی دور سے ہوا تھا بلکہ اس سے یہ واضح ہوتا ہے احادیث کا مجموعہ زبانی لوگوں کے حافظہ میں یا بے ترتیب تحریری صورت میں پہلے سے ہی موجود تھا جس کو امام بخاریؒ نے علمی اور تحقیقی انداز میں ترتیب دے کر صحیح بخاری کی صورت میں مدون کر دیا ہے۔ اسی طرح خلیل نحوی نے اگر علم عروض کی بنیاد رکھی تو کیا یہ علم پہلے موجود نہیں تھا؟ یہ علم پہلے عرب کے جاہلی شعرا میں بھی تھا لیکن اس نے اس کو علمی انداز میں مرتب اور مدون کیا یہی صورت علم اللغۃ علم تاریخ اور بقیہ تمام علوم کی ہے۔

علم اصول فقہ بھی دور نبوی ﷺ میں ہی معروض وجود میں آچکا تھا۔ رسول اکرم ﷺ خود اور ان کے متعین کردہ بقیہ تمام کافی صحابہ کرام اس علم کو مدنظر رکھ کر فتوی دیتے اور فیصلے کرتے تھے جس کا مطالعہ آپ تعارفی باب میں کریں گے۔ دور نبوی ﷺ کے یہ اصول پہلی صدی ہجری یعنی خلفا دراشدین کے دور میں ٹھوس علمی و عملی بنیادوں پر حکومت کے ذریعہ سلطنت اسلامیہ کے تمام علاقوں میں نافذ العمل ہوئے اور علمی حلقوں میں پھیل گئے۔ دوسری صدی ہجری میں ان پر تصنیفی کام کا آغاز ہوا اور امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری اور بقیہ آئمہ کرام نے خلفاء راشدین اور اس دور کے صحابہ کرام کے بیان کردہ اصول فقہ کی روشنی میں جزوی یا کلی طور پر اس علم سے متعلقہ تحریری سرمایہ ترتیب دینے کا آغاز کر دیا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جس کی تفصیل فہرست ابن ندیم میں مطالعہ کی جا سکتی ہے۔

اصول فقہ کا ارتقاء

دوسری صدی ہجری میں علم اصول فقہ کے ابتدائی سطح پر بنیادی اصولوں کی حامل مرتب شدہ اہم نہیں بلکہ اہم ترین معرکۃ الآراء کتاب امام شافعیؒ کی ''کتاب الرسالہ'' اب تک اپنی اصلی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے یہ کتاب دور حاضر کی فنی ترتیب کے مطابق نہیں ہے لیکن یہ وہ کتاب ہے جسے انسانی دنیا میں علم اصول قانون یا اصول فقہ کی پہلی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کتاب کی ترتیب اور مرتب کرنے میں امام صاحب نے دور حاضر کی طرح علم اصول فقہ کے فنی مباحث کی ترتیب اختیار نہیں کی کیونکہ یہ ترتیب چوتھی صدی ہجری میں متعارف ہوئی تھی، لیکن ابتدائی اور بنیادی اصول اسطرح بیان کر دیئے کہ بعد میں آنے والے علماء اصول اور اصولیین کے لیے یہ کتاب ایک روشنی کا منبع اور مشعل راہ ثابت ہوئی۔ (15)

اصول فقہ میں تیسری صدی ہجری تک کا تحریری سرمایہ اس علم کی دور حاضر کی ترتیب اور فنی اصولوں کے مطابق نہیں تھا لیکن اس میں فنی ارتقائی منازل کے آثار واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری میں احناف میں سے قاضی ابوبکر جصاصؒ نے ابتدائی طور پر اس علم کو ایسی علمی اور فنی ترتیب دی کہ یہ علم اُسی ترتیب کے مطابق اپنی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا ایک کامل اور اکمل علم کی حیثیت اختیار کر گیا۔ انہوں نے اس علم کے چار عنوانات ۱۔ مآخذ شرعیہ ۲۔ حکم شرعی ۳۔ استنباط احکام کے طریقے اور قاعدے ۴۔ اجتہاد و تقلید، متعین کئے لیکن ان کو باقاعدہ اپنی کتاب میں ترتیب کے ساتھ بیان نہیں کیا بعد کے حنفی اصولی، امام بزدوی، امام سرخسی وغیرہ نے ان عنوانات کو ترتیب دے کر ان پر فنی انداز میں بحث کرتے ہوئے علم اصول فقہ کو عروج ثریا سے ہمکنار کر دیا۔

علم اصول فقہ کی فنی تکمیل

علامہ جصاصؒ کے طریقہ نے امت مسلمہ میں قبولیت عام حاصل کر لیا اور پھر بقیہ تمام مذاہب کے اصول فقہ کی کتب اسی کے مطابق مرتب ہونا شروع ہوئیں اور چوتھی صدی ہجری تا دور حاضر تک امام شافعیؒ کی کتاب الرسالۃ کے بنیادی اصولوں کو فنی طور پر تمام مذاہب کے علماء اصول نے اپنی آراء کی روشنی میں ان چار عنوانات کے مطابق اپنی اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے بعد اس علم کی فنی ترتیب اور اس کے علمی انداز میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ حالات کے مطابق کچھ تقدم و تاخر اور چند نئے علوم مثلاً فقہ المقاصد، قواعد کلیہ، ضوابط فقہیہ، قواعد الاحکام وغیرہ کا اضافہ ہوتا رہا ہے لیکن بنیادی ترتیب اور اصول و قواعد

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اصول فقہ پر مستشرقین کے اعتراضات اوران کی حقیقت

سابقہ تمام سطور کے مطالعہ سے ایک طالب علم اور قاری پر یہ بات بھی اظہر من الشمس اور پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اصول فقہ یا اسلامی اصول قانون کے یہ تمام قواعد جن کا آپ اس کتاب میں مطالعہ کریں گے مسلمانوں کے اپنے بنائے ہوئے، اپنے مرتب کئے ہوئے اور اپنی ہی بنیادوں پر قائم و دائم ہیں مزید یہ قواعد کسی دوسری قوم، نظریہ یا مذہب وغیرہ سے نہیں لئے ہوئے۔ اس پس منظر میں مستشرقین اور بعض مغربی قانون دانوں کا یہ دعویٰ کہ اسلامی اصولِ فقہ کی بنیادیں یونانی قانون، رومی قانون یا عرب میں دور جاہلیت کے مروجہ رسوم رواج سے حاصل کی گئی تھیں بالکل خام اور کھوٹا نظر آتا ہے۔ ان مستشرقین کی قیادت جوزف شاخت (1902-1969) جو بنیادی طور پر جرمن یہودی ہیں کر رہے ہیں۔ ان کے خیال میں اصول فقہ کی بنیاد اور اس کا آغاز دوسری صدی ہجری میں دور بنوامیہ کے آخری عہد میں ہوا۔ شاخت نے اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کے لئے ایک کتاب (Origin of Muhammadan Juris Prudence) لکھی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اسلامی قانون کا خمیر بنوامیہ کے انتظامی عمل سے اٹھایا گیا ہے اور حدیث نبوی ﷺ دوسری صدی ہجری تک موجود نہیں تھی اور جب تیسری صدی میں حدیث کو جمع کرنا شروع کیا تو وہ اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں تھیں بلکہ اس میں دو صدیوں کے رسوم ورواج بھی شامل ہو چکے تھے۔ ان تمام کو اکٹھا کر کے ان کے ملغوبہ کو حدیث اور سنت کا نام دے دیا گیا تھا۔ بنوامیہ کے ابتدائی دور اور اس سے قبل دور خلفائے راشدین اور دورِ نبوی ﷺ یعنی پہلی صدی ہجری پورے ایک سو سال میں عرب کے جاہلی معاشرہ اور خلافت اسلامیہ سے ملحق ملکوں اور قوموں کے رسوم ورواج کو قانونی ماخذ کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا تھا (16)

سابقہ اوراق اور آئندہ کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جوزف شاخت کا دعویٰ کس حد تک صحیح اور کس حد تک غلط ہے۔ اول تو علم اصول فقہ یا اصول قانون مسلمانوں سے پہلے کسی قوم میں با قاعدہ طور پر موجود ہی نہیں تھا تو جو چیز کسی کے پاس ہے ہی نہیں وہ اس سے کس طرح لی جا سکتی ہے۔ دوسرا یہ کہ علم اصول فقہ چوتھی صدی ہجری سے لے کر اس وقت تک مسلمانوں کے پاس جس علمی، فنی اور تحقیقی طریقہ پر موجود ہے اس کی کوئی نظیر یا مثال دور قدیم یا دور حاضر کے کسی مغربی ترقی یافتہ ملک میں دکھا دی جائے تو جوزف شاخت کے دعویٰ کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اب اس اکیسویں صدی میں بھی اس علم اسلامی اصول

Marfat.com

فقہ کی مثال ہمیں کسی جدید یا قدیم مغربی ملک میں میسر نہیں تو کم از کم اس قسم کے دعوے کرتے ہوئے مستشرقین کو کچھ تو اخلاقی اقدار کا پاس رکھنا چاہیے۔ لیکن حقیقت میں یہ مستشرقین کا ٹولہ اخلاقیات، صداقت، تحقیق اور علمی دنیا کی تمام حدیں عبور کر کے اپنی خود ساختہ باطل، دروغ بافی، اندھیری اور منفی حقائق کی دنیا میں انسانیت کو لخت لخت کرنے والی وحشی حکومتوں کے سائے میں اس قدر مست ہے کہ اسے علم نافع کی اقدار اور انسان دوستی وانسانیت کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ذرہ برابر شرم حیاء اور عار محسوس نہیں ہوتی۔

علماء اصول کی عبقریت اور دور حاضر کا جمود

مسلم ماہرین علوم کے نزدیک یہ ایک علمی حقیقت ہے کہ تمام علوم اسلامیہ میں اصول فقہ مشکل، خشک، نکتہ رس اور باریک بینی کا حامل علم ہے۔ اس لئے اس علم کے مصنفین ومولفین کی تعداد اور علوم کی کتب بقیہ علوم اسلامیہ مثلاً علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، سیرۃ النبی ﷺ، علم تاریخ، علم لغۃ وغیرہ کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ یہ وہ علم ہے جس میں خامہ فرسائی کے لئے اعلی دماغ جینئس بلکہ اس سے بھی زیادہ ذہن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اس علم کا آغاز کرنے، اس کو علیحدہ شکل دینے اور اس کو فنی ترتیب سے آشنا کرنے والے عبقری اعلی عقلی پیمانوں کے حامل، علمی اور تحقیقی دنیا کے موجد ہمارے ائمہ کرام وہ در نایاب ہیں جن کی نظیر ہمیں مسلمانوں سے قبل قدیم تاریخ میں میسر ہے اور نہ ہی دور جدید میں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے اس علم کی چوتھی تا ساتویں صدی ہجری تک اصول فقہ کی تصنیف شدہ کتب میں اس کے چاروں عنوانات کی تفصیل اور ان موضوعات سے متعلق قرآن وحدیث کی جو مثالیں بیان کی گئی تھیں وہی مثالیں آج تک کی کتب میں لکھی جارہی ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی یا اضافہ نہیں کیا گیا۔ دور حاضر میں لاتعداد عربی مصنفین کی کتب اور اردو مصنفین کی معدودِ چند کتب میں وہی چوتھی اور پانچویں صدی کی کتب کی مثالوں کو دھرایا گیا ہے اور قرآن وسنت سے نئی مثالیں، نئے مسائل کا استخراج، نئی ضرب الامثال، نئے نتائج یا کلیات سمجھانے کا کوئی نیا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا یہ علمی تقلیدِ محض اس امر کی عکاس ہے کہ علم اصول فقہ میں آٹھویں صدی کے بعد جو علمی جمود کا آغاز ہوا وہ آج تک جاری ہے اور مجھے بھی یہ اعتراف ہے کہ میں بھی اسی جمود کا ایک حصہ ہوں اس کتاب کی تصنیف میں تقلید محض کے حصار سے نہیں نکل سکا۔

حدیث دل:

کتاب کے آغاز سے لے کر اختتام تک تقریباً دو سال کا عرصہ لگا ہے اس عرصہ میں بسا اوقات مجھے بہت محنت بھی کرنی پڑی لیکن اب تکمیل کے بعد میرا سر رب ذوالمنن کے حضور سجدہ ریز اور آنکھیں شکر کے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

آنسوؤں سے لبریز ہیں کہ اس نے مجھ سے یہ کام لیا کہ اس اہم ترین علم کی درسی کتاب ''اسلامی اصول فقہ'' کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر اس کو میرے لئے دنیا میں کامیابی، آخرت کی سرخروئی اور صدقہ جاریہ کا سامان بنا دیا۔ مجھے اس بات کا مکمل ادراک بلکہ اقرار ہے کہ میں نہ اس علم کا ماہر ہوں اور نہ ہی میرا ذہن بہت اعلی وارفع ہے بلکہ میں تو عام اور متوسط ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہوں لیکن یہ اللہ تعالی کا خصوصی کرم ہے کہ اس نے مجھ سے یہ کام لیا۔ ان سطور میں مجھے اس بات کا بھی اقرار ہے کہ میں نے یہ درسی کتاب خود نہیں لکھی بلکہ یہ تو مختلف کتابوں کا مجموعہ ہے جس کو میں نے مدارس، یونیورسٹی اور کالج کے اساتذہ کرام، ماہر قانون وکلاء اور ہائر کلاسز کے طلباء کے لیے دور حاضر کی آسان اور عام فہم اردو میں مرتب کر دیا ہے لہٰذہ اس میں حقیقی طور پر اصل کمال میرا نہیں بلکہ ان مصنفین حضرات کا ہے جن کی کتابوں سے میں نے یہ مواد اکٹھا کیا ہے۔ اللہ تعالی ان آئمہ کرام اور علماء کرام کو قبروں میں کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے اور ان کی محنتوں کو قبول فرمائے۔ ان سطور میں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ یہ تصنیف ایک انسانی کوشش ہے جس میں غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہے اس سلسلہ میں قارئین سے پیشگی معذرت کرتے ہوئے ملتمس ہوں کہ مجھے اس کتاب کی غلطیوں سے ضرور آگاہ کریں تاکہ میں ان کی اصلاح کرتا رہوں۔ آخر میں انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے استاد میرے مربی ڈاکٹر عبدالحی ابڑو اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں میرے رفیق کار ڈاکٹر محی الدین ہاشمی صاحبؒ کے تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے اساتذہ کرام خصوصاً ڈاکٹر احمد حسن مصنف کتاب جامع الاصول اور ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب مرحومین کے حق میں لاتعداد دعاؤں کے ساتھ کہ اللہ تعالی ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، حد نگاہ تک وسیع بلکہ وسیع تر کر کے ان کو جنت میں اعلی ترین مقام سے نوازے اس حدیث دل کا اختتام کر رہا ہوں ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتُب علينا انك انت التواب الرحيم وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين. وماتو فيقى الا بالله عليه توكلت واليه اُنيب.

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی سابق ڈین
فیکلٹی و چیئر مین شعبہ افکار اسلامی، تاریخ وتمدن
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
31-08-2015

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حوالہ جات:

(حرف آغاز)

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

۱۔ غازی۔ ڈاکٹر محمود احمد ۔علم اصول فقہ (ایک تعارف)۔ اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی۔9/1,2002

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں متعدد علوم کی کتب۔علوم القرآن للمناع القطان، تدریب الراوی للیسوطی، الملل والنحل للشہرستانی وغیرہ

۳۔ البقرۃ:133 مزید،عطیہ صقر،دراسات اسلامیہ،کویت 43/1980

۴۔ افریقی ابن منظور۔لسان العرب تفصیل لفظ ''سلم''

۵۔ احمد حسن ڈاکٹر، جامع الاصول، لاہور مطبع مجتبائی۔ 35/1986

۶۔ ابن کثیر عماد الدین، تفسیر ابن اکثیر، تفسیر سورہ الحدید:27

۷۔ علامہ قسطلانی۔ جواھر البخاری، مصر۔مکتبہ التجاریہ الکبری، کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل

۸۔ بنی اسرائیل:29

۹۔ محمد فواد عبدالباقی۔ اللولو والمرجان، کویت، وزارۃ الاوقاف، 1977 ، کتاب الوصیۃ۔ باب الوصیۃ بالثلث

۱۰۔ غازی ڈاکٹر محمود احمد، علم اصول فقہ 24/1

۱۱۔ راغب الطباخ، تاریخ افکار و علوم اسلامی، ترجمہ افتخار بلخی، لاہور۔ اسلامک پبلشر 1974-22-21/2

۱۲۔ ابن خلدون، مقدمہ کتاب العبر ، باب علوم شرعیہ و دینیہ

۱۳۔ غازی محمود احمد، علم اصول فقہ 24,9/1

۱۴۔ بلیق عزالدین، منہاج الصالحین، بیروت، دار الفتح۔ 529/1978

۱۵۔ راغب الطباخ، تاریخ افکار وعلوم اسلامی۔ 30/2

۱۶۔ رسالہ اسلام اور مستشرقین۔ مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، اعظم گڑھ انڈیا۔ دار المصنفین شبلی اکیڈمی۔ :2004. 149-138/2

Marfat.com

تعارفی باب

اصول فقہ کا تعارف

تاریخ اور فقہی اختلاف کے اسباب

فصل اول

اصول فقہ کا تعارف

(The Literal Meaning of FIQH)

اصولِ فقہ دو الفاظ کا مرکب ہے 1۔اصول 2۔فقہ

ابتدائی چند صفحات میں پہلے فقہ کی تعریف اور مختصر تعارف کا مطالعہ کرنے کے بعد علم اصولِ فقہ کی تفصیل بیان ہوگی۔

فقہ کے لغوی معنی اور تلفظ

لغت میں فقہ کے معنی کسی چیز کو جاننے اور سمجھنے کے ہیں عربی میں اس کا تلفظ فِقْہ یعنی ف کی زیر اور قاف کی جزم کے ساتھ ہے۔لیکن اردو میں عموماً غلط العام اور غلط العوام کے طور پر اسے قاف کی زبر کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں یعنی فِقَہ۔

اس لفظ سے مراد عمومی طور پر جاننا یا کسی خاص چیز کو جاننا نہیں بلکہ اس سے مراد کسی چیز یا معاملہ کو باریک بینی سے سمجھنا یا اسمیں گہری بصیرت رکھنا ہے۔گویا کہ کسی بات کرنے والی کی غرض کو سمجھ لینا فقہ کہلاتا ہے اور جو اس غرض کو سمجھ لے اسے فقیہ کہتے ہیں۔

اس معنی کے لحاظ سے اگر کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھ کر یہ سمجھ لے کہ چمکنے والی چیز سورج ہے یا برسنے والی چیز بادل ہے یا یہ آسمان ہے تو وہ فقیہ نہیں کہلائے گا بلکہ فقہ سے مراد علم کی گہرائی حاصل کرنا اور ہر چیز کی ماھیت کو سمجھنا اور اُس کی حقیقت تک پہنچنا ہے:

Marfat.com

فقہ سے مراد:

فهم غرض المتكلم من كلامه. (1)

کسی بات کرنے والے کے حقیقی مفہوم کو سمجھنا۔

فقیہ سے مراد:

الفقيه العالم الذى ينشق الاحكام و يفتش عن حقائقها. (2)

فقیہ وہ عالم ہے جو غور کر کے احکام کی حقیقت تلاش کر لے۔

فِقہ اس خصوصیت، ملکہ اور علمی و دینی بصیرت کا نام ہے جس کے ذریعہ احکام شریعت سے واقفیت ہوتی ہے اور جس شخص کے پاس یہ صلاحتیں ہوں وہ فقیہ کہلاتا ہے۔

قرآن مجید اور عربی لغات میں اس لفظ کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی مطلق جاننا نہیں بلکہ اس سے مراد گہری بصیرت اور باریک بینی سے سمجھنا اور بات کرنے والے کی غرض کا جان لینا ہے۔

جس طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوت دین کے جواب میں کہا:

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾۔ (ھود:۹۱)

ترجمہ: اے شعیب تو جو کچھ کہتا ہے ان میں سے اکثر باتیں ہم نہیں سمجھتے۔

حالانکہ شعیب علیہ السلام کی دعوت توحید رسالت اور بھلائی کی تھی لیکن ان کی قوم شرک کفر اور بدی میں اس قدر پھنس چکی تھی کہ اب یہ پاکیزہ دعوت انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اس طرح ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾۔ (نساء:۷۸)

ترجمہ: آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی۔

یعنی کفار مکہ سے کہا جا رہا ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے پیغام کو کیوں نہیں سمجھ رہے انہیں چاہئے کہ آپ کی دعوت پر غور و فکر کریں تدبر کریں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اسی طرح اللہ تعالیٰ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں مزید فرماتے ہیں:

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا﴾.(الاعراف ۱۷۹)

ترجمہ:ان کے دل ہیں (سوچنے سمجھنے کی صلاحیت) لیکن وہ ان سے سوچتے نہیں۔

گویا فقہ سے مراد باریک بینی سے مطالعہ، گہری سوچ وفکر رکھنا ہے اس لئے عربی زبان کے ماہرین کی رائے میں لفظ فقہ سے مراد ہے:

الفهم الدقيق، الفهم العميق.

''باریک بینی سے سمجھنا، گہری سمجھ بوجھ رکھنا ہے۔''

اسی لغوی معنی کو یہ حدیث واضح کرتی ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين.(3)

ترجمہ:اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی بصیرت یعنی دین کی گہری سمجھ عطا کرتا ہے۔

فقہ کے ایک اور معروف لغوی معنی ''شق'' اور ''فتح'' ہیں، جیسا کی علامہ زمخشریؒ نے کہا ہے۔

الفقه حقيقته الشق و الفتح.(4)

''فقہ کی حقیقت تحقیق وتفتیش کرنا اور کھولنا ہے۔''

امام غزالیؒ نے فقہ کے معنی فہم اور تدبر اور دین میں بصیرت بیان کئے ہیں۔نتیجہ کے لحاظ سے ان دونوں کا مفہوم تقریباً یکساں ہے۔

اسی مفہوم کا لحاظ کر کے عام طور پر فقیہ کی تعریف محققین نے یہ بیان کی ہے۔

الفقية العالم الّذی يشق الاحكام و يفتش عن حقائقها و يفتح ما استغلق منها.(5)

''فقیہ وہ عالم ہے جو تفکر وتدبر کر کے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل ومغلق امور کو واضح کرے۔''

فقیہ کے اوصاف:

لغوی یا اصطلاحی طور پر فقہ کی اس گہرائی تک پہنچنے کے لئے ایک فقیہ عالم دین کو ظاہری علوم وفنون کے ساتھ قلب ودماغ کی صفائی اور نفس وروح کی طہارت بھی درکار ہے کیونکہ اس کے بغیر فکر ونظر میں مطلوبہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سنجیدگی پیدا ہونا نہایت دشوار ہے۔

چنانچہ امام حسن بصریؒ نے اسی حقیقت کے پیش نظر فقیہ میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں۔

فقیہ وہ ہے:

(۱) جو دنیا سے دل نہ لگائے (دنیا مقصود بالذات نہ ہو)۔

(۲) آخرت کے کاموں سے رغبت رکھے۔

(۳) دین میں کامل بصیرت حاصل ہو۔

(۴) طاعات پر مداومت یعنی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت پر پابندی کرنے والا اور پرہیز گار ہو

(۵) مسلمانوں کی بے آبروئی اور ان کی حق تلفی سے بچنے والا ہو۔

(۶) اجتماعی مفاد اس کے پیش نظر ہو (شخصی و گروہی مفاد پر قومی و جماعتی مفاد کو ترجیح دیتا ہو)۔

(۷) مال کی طمع نہ ہو۔(6)

امام غزالیؒ نے بھی فقیہ کے لئے تقریباً یہی باتیں ضروری بتائی ہیں۔ البتہ ان کے بیان میں یہ جملہ نہایت اہم ہے۔

فقیهافی مصالح الخلق فی الدنیا.

''وہ دنیوی امور میں اللہ کی مخلوق کی مصلحتوں کا ماہر اور رمز شناس ہو۔''

اسی بناء پر مشہور حنفی عالم علامہ ابن عابدین نے یہ فتویٰ نقل کیا ہے:۔

و من لم یکن عالماً باهل زمانه فهو جاهل.(7)

''جو فقیہ اپنے زمانے کے لوگوں کے حالات سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہے۔''

خلاصہ:

سابقہ سطور کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فقہ کے لغوی معنی صرف سوچنا، سمجھنا نہیں بلکہ کسی معاملہ کی تہ تک پہنچنا ہے۔ اس لیے یہ لفظ عرب میں قبل از اسلام اس شخص کے لئے بولا جاتا تھا جو اونٹوں کا اس قدر ماہر ہوتا تھا کہ اونٹیوں کو صرف دیکھ کر بتا دیتا کہ ان میں سے کون سی حاملہ ہے اور کون سے نہیں۔ جس طرح فقہ فکر عمیق کا نام ہے اس طرح لغوی طور پر فقیہ وہ شخص ہے جو ہر چیز پر گہری نظر رکھے اور ہر معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرے چاہے اس معاملہ کا تعلق دنیا سے ہو یا دین سے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مثلاً آسمان سے مینہ برستا ہوا دیکھ کر وہ یہ بات سمجھ لے کہ ایک تو کوئی ایسی ہستی ہے جس نے اس طرح کا نظام بنایا ہے کہ آسمان سے اس مقدار میں پانی برس رہا ہے کہ نقصان نہیں ہو رہا اور دوسرا یہ پانی کس طرح زمین میں جذب ہو کر لوگوں کی پیاس بجھانے کا ذریعہ بن رہا ہے مزید دریاؤں اور نہروں کو بہت فائدہ ہوگا۔ اس سوچ کے حامل لوگ فقیہ کہلائیں گے۔ اور بارش کو دیکھ کر خوبصورت اور بھیگے ہوئے موسم کی تعریف کر دینے سے ہم کسی شخص کو فقیہ نہیں کہہ سکتے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف:(Technical Meaning fo FIQH)

فقہ کی اصلاحی تعریف ابتداء اسلام سے مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے لیکن عمومی طور پر علماء اس کو دو ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلے دور میں فقہ کی اصطلاحی تعریف:

یہ دور پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری تک ہے اس دور میں خیر القرون یعنی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا دور بھی شامل ہے۔ اس دور میں لفظ فقہ اصطلاحی طور پر لفظ دین سے مماثلت رکھتا تھا اور دونوں میں کوئی فرق تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ دین تو بنیادی عقائد اور علمی مسائل دونوں کا نام تھا اسی وجہ سے فقہ کو بھی لفظ دین کا مترادف سمجھا جاتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ جنہیں حبر الامۃ بھی کہا جاتا تھا کے علمی شوق کو دیکھ کر انہیں دعا دی تھی کہ:

اللّٰھم فقہ فی الدین.(8)

''اے اللہ ان کو دین کی سمجھ عطا فرما''

اور حضرت عبداللہ بن عباس علم قرآن، علم حدیث علم الانساب، علم تاریخ اور اس دور کے تمام علوم متداولہ اور اسلامی زندگی کے تمام شعبوں کے عالم تھے۔ دور نبوی ﷺ سے لے کر دوسری صدی کے آخری سالوں تک فقہ اور دین دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے تھے۔ اس لیے رسول اکرم ﷺ سے بعض قبائل نے درخواست کی کہ ہمیں دین سکھانے کے لیے کچھ معلمین بھیجے جائیں تو انہوں نے یہ لفظ استعمال کیا:

یفقھوننا فی الدین.(9)

''کہ وہ ہمیں دین سکھائیں۔''

دوسری صدی ہجری میں امام اعظم امام ابوحنیفہ نے اسلامی عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کے لیے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ایک کتاب لکھی اور اس کا نام الفقہ الاکبر رکھا تھا۔

دوسری صدی ہجری تک فقہ کا مفہوم نہایت وسیع اور اسلامی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا اور اس میں جملہ دینی علوم شامل تھے۔ عمومی طور پر اس سے ایسا ملکہ استنباط اور دینی بصیرت مراد تھی جس کے ذریعہ احکام شریعت اور مسائل حکمت سے واقفیت ہوتی ہے۔ اس دور میں امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی تعریف اس طرح کی تھی:

معرفة النفس مالها و ما عليها.(10)

''کسی چیز کی حقیقت کو گہرائی اور گیرائی کے ساتھ اُس کے حقوق و فرائض کو مدنظر رکھ کر سمجھنا۔''

فقہ کی اس اصطلاحی تعریف کی وجہ سے ابتدائی دور میں ہر عالم کو فقیہ کہتے تھے اور اس میں یہ تخصیص نہیں ہوتی تھی کہ وہ قرآن کے عالم ہیں، حدیث کے عالم ہیں یا سیر و مغازی کے عالم ہیں بلکہ ہر علم کے ماہر کو فقیہ کہتے تھے یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تیسری صدی کے آغاز تک ہر عالم تمام اسلامی علوم کا ماہر سمجھا جاتا تھا اور اسے تفسیر، حدیث فقہ، مغازی اور تاریخ جیسے تمام اسلامی علوم پر دسترس حاصل ہوتی تھی۔ مثلاً خلفاء اربعہ، صحابہ کرامؓ، تابعین میں سے حضرت زھری، عکرمہ، مجاہد، حماد، امام ابو حنیفہ وغیرہ تبع تابعین میں سے سفیان ثوری، امام مالک بن انس اور اس طرح دوسرے علماء کرام۔

تیسری صدی کے آخر میں تمام اسلامی علوم اس قدر وسیع ہونا شروع ہو گئے کہ ہر علم کے علیحدہ علماء بلکہ مختلف علوم کے ذیلی حصوں کے ماہر علماء علیحدہ ہونے لگے۔ مثلاً تفسیر اور علم تفسیر، حدیث اور اصول حدیث وغیرہ۔ اس دور میں فقہ بھی ایک علیحدہ علم کی حیثیت سے روشناس ہوئی اور اس نئی علمی کروٹ نے فقہ کو ایک ایسے علم کی حیثیت دے دی جو باقی تمام علوم سے زیادہ اہمیت حاصل کر گئی اور بقیہ تمام علوم کا مقصود بن گئی۔ مثلاً علوم قرآنی سے فقہ القرآن کا علم معرض وجود میں آیا، علم الحدیث والسنہ سے فقہ السنہ کا علم ظاہر ہوا۔ لغت سے فقہ اللغتہ، سیرت سے فقہ السیر ۃ کا علم واضح ہوا۔ فقہ کی اس وسعت کی وجہ سے اس فن کے علماء نے ضرورت محسوس کی اب اس علم کی علیحدہ تعریف کر کے اس کو باقی تمام علوم سے ممتاز کرنا چاہیے۔

دوسرے دور میں فقہ کی اصطلاحی تعریف:

دوسرے دور مین فقہ کی وہ اصطلاحی تعریف مروج ہوئی جس پر آج تک اکثر علماء کا اتفاق ہے اور وہ یہ ہے۔

العلم بالا حكام الشرعية العمليه المكتسبه من ادلتها التفصيلية.(11)

Marfat.com

''ایسا علم جس میں صرف ان شرعی احکام سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہو اور ان کو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا جاتا ہو۔''

یعنی فقہ، اسلامی نظام زندگی (شریعت اسلامیہ) کے ان قوانین کا نام ہے جن کا تعلق عبادات، معاملات سے ہو اور ان کو تفصیلی دلائل (اسلامی مآخذ قانون، قرآن، سنت، اجماع، قیاس، استحسان وغیرہ) سے حاصل کیا جائے۔

گویا کہ فقہ سے مراد ''شریعت اسلامیہ کے ان عملی احکام کا علم ہے جو اسلامی مآخذ قانون کے ذریعے حاصل کیے جاتے ہیں''۔

تعریف کے اہم اصطلاحات کی تشریح:

سابقہ سطور میں فقہ کی مذکورہ تعریف میں تین اصطلاحات تفصیل طلب محسوس ہوتی ہے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ شرعی احکام ۲۔ عمل سے تعلق ۳۔ تفصیلی دلائل

۱۔ شرعی احکام:(Shariah Rulings/Legal Rules)

اسکو عربی میں ''الا حکام الشرعیۃ'' بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ تمام حکم ہیں جن کے ادا کرنے یا جن سے اجتناب کرنے یا پرہیز کرنے کا حکم اسلام نے دیا ہے۔ اس تعریف میں شرعی احکام کی شرط اس لیے رکھی گئی ہے تا کہ یہ بات واضح ہو کہ فقہ یا فقیہ کا تعلق صرف شریعت اسلامیہ کے بیان کردہ احکام سے ہے۔ اس کے علاوہ عقلی احکام مثلاً دنیا حادث ہے یعنی فنا ہو جائے گی۔ دو ایک کا آدھا ہے یا حسی احکام کہ آگ جلاتی ہے، سورج حرارت کا باعث ہے یا نحوی صرفی احکام سے اس علم کا کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ عمل سے تعلق:(Physical Acts)

اس سے مراد یہ ہے کہ شریعت اسلامی ایک وسیع اصطلاح ہے اس کے کئی شعبہ ہیں۔ ان تمام شعبوں میں سے جس کا تعلق عمل سے ہے، یہ علم صرف اس سے بحث کرتا ہے اور باقی تمام شعبوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً ایسے احکام جن کا تعلق عقائد سے ہے ان سے فقہ بحث نہیں کرتی کیونکہ عقائد یا ایمانیات کا تعلق انسانی دل سے یعنی باطن سے ہے۔

قلبی عقائد کی مثال یہ ہے کہ اگر ایک آدمی دل میں کلمہ پڑھ لے اور اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کر لے تو وہ مسلمان تصور ہو گا چاہے وہ فوری طور پر عوام کے سامنے اس کا اظہار نہ بھی کرے۔ اس طرح ایسے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

احکام جن کا تعلق اخلاقیات سے ہو وہ بھی علم فقہ کے مباحث میں شامل نہیں۔ یا ایسے شریعت کے احکام جن کا تعلق علم الکلام یا علم تصوف یا طریقت اور حقیقت وغیرہ سے ہو ان سے یہ علم کوئی سروکار نہیں رکھتا۔

فقہ کا تعلق شریعت اسلامی کے ان حکموں سے ہے جن کا تعلق بندوں کے افعال سے ہو جیسے نماز، روزہ، زکوۃ۔ خرید وفروخت نکاح، طلاق، معاہدہ جات، جرائم، انصاف، سزا، کاروبار حکومت اور اس طرح کے باقی تمام امور۔ گویا کہ فقہ اسلامی شریعت کے دو شعبوں عبادات اور معاملات سے بحث کرتی ہے کیونکہ ان دونوں کا تعلق عمل سے ہے۔ ذہنی رجحان یا قلبی اطمینان سے نہیں۔ (12)

۳۔ تفصیلی دلائل:(Detailed Proof/Evidence)

تفصیلی دلائل سے مراد اسلامی مآخذ قانون ہیں جنہیں مآخذ شریعۃ بھی کہتے ہیں۔ عربی میں انہیں "الادلة الشرعية" کہتے ہیں۔ لفظ "الا دلہ" دلیل کی جمع ہے۔ اگر ہم کسی کو کچھ کام کرنے یا کسی کام سے رکنے کا حکم دیتے ہیں تو ہمیں اِس حکم کی شرعی دلیل پیش کرنا پڑے گی۔ یہ شرعی دلیل ہم قرآن مجید، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، رواج، سابقہ نازل شدہ شریعتیں یا اس طرح سے مختلف اسلامی مآخذ قانون سے پیش کریں گے۔ مثلاً اگر حاکم وقت کسی کو نماز پڑھنے کا حکم دے تو وہ اس کی شرعی دلیل قرآن مجید سے "اقیموا الصلوۃ" پیش کرے گا۔ لہذہ تفصیلی دلائل سے مراد اسلامی مآخذ قانون ہیں اور مآخذ جمع ہے ماخذ کی اس سے وہ ذرائع مراد ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یعنی قرآن، سنت، اجماع وغیرہ۔ (13)

ایک نکتہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ فقہ سے مراد شریعت کے وہ عملی مسائل ہیں جن کو ان شرعی مآخذ سے غور وفکر اور استدلال کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اگر کوئی حکم قرآن اور حدیث میں واضح طور پر موجود ہے اور اس کے لیے کسی غور وفکر کی ضرورت نہیں تو ان مسائل کا علم فقہ کہلائے گا اور نہ ہی ان مسائل کا عالم فقیہ۔ فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی ماخذ قانون کو سامنے رکھے مزید اسے احکام شریعت اسرار معرفت اور مسائل حکمت سے واقفیت ہوا اور وہ نئے پیدا شدہ مسائل کا حل ان کی روشنی میں عوام کے سامنے رکھے تا کہ وہ اس پر عمل کر کے سعادت دارین حاصل کر سکیں۔

قرآن مجید کے واضح حکم کو بیان کرنے والا مفسر اور حدیث کے حکم کو بیان کرنے والا محدث کہلائے گا انہیں کسی صورت میں فقیہ نہیں کہا جا سکتا۔

سابقہ بحث کو مدنظر رکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "فقہ شریعت اسلامیہ کے ان عملی احکام کا علم ہے جن کو اسلامی مآخذ قانون (الادلة الشرعيه) سے حاصل کیا جائے۔"

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تفصیلی، جزئی اور اجمالی دلیل میں فرق:

دلیل یا دلائل جن کو عربی میں ''الادلتہ'' کہتے ہیں کی تعریف آپ سابقہ عنوان تفصیلی دلائل میں پڑھ چکے ہیں۔علم اصول فقہ کے علماء جن کو علماء اصول یا اصولین کہتے ہیں کے نزدیک دلائل دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ اجمالی دلائل ۲۔ تفصیلی یا جزئی دلائل

اجمالی دلائل:(Specific Evidence)

اس سے مراد تمام اسلامی مآخذ قانون قرآن، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، عرف، قول صحابی، شرائع ماقبل وغیرہ مزید وہ تمام قواعد جو علماء اصول نے ان کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیئے مثلاً ''الامر یقتضی الوجوب'' (امر کا صیغہ حکم کو واجب قرار دیتا ہے)، الضرر یُزال (نقصان کو پورا کیا جائے گا) یا اس طرح کے بے شمار قواعد الأدلتہ الاجمالیہ کہلاتے ہیں علماء اصول ان اجمالی دلیلوں سے بحث کرتے ہیں اور ان کے ذریعے مزید ضابطے اور قاعدے بناتے ہیں جن کو مدنظر رکھ کر فقہا شرعی حکم معلوم کرتے ہیں۔

تفصیلی و جزئی دلیل:(General & Specipic Evidence)

ان سے مراد علماء اصول کے مقرر کردہ مآخذ قانون (الادلتہ الشرعیہ) اور دوسرے قواعد کو مدنظر رکھ کر کسی ایک خاص مسئلہ کے متعلق کوئی مکمل دلیل نکالنا ہے۔ وہ دلیل تفصیلی کہلائے گی اور اگر کسی مسئلہ کے ایک جزو سے متعلق ہے تو جزئی دلیل کہلائے گی۔ مثلاً شریعت اسلامیہ میں حرام رشتہ کئی ہیں ان حرام رشتوں کے بارے میں سورہ النساء کی آیت نمبر 23 میں مکمل احکام ہیں۔ اب یہ آیت حرام رشتوں کے بارے میں تفصیلی دلیل کہلائے گی۔ لیکن اگر ہم صرف ماں کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو قرآن مجید کی آیات محرمات جو حرام رشتوں۔کہ بارے میں تفصیلی دلیل ہے، میں سے اس کے بارے میں جزئی دلیل تلاش کر کے ان کا حکم بیان کریں گے جو یہ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ. (النساء:۲۳)

''تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئیں۔''

حرام رشتوں سے متعلق یہ ایک تفصیلی دلیل میں سے جزئی دلیل لی گئی ہے جو ایک مقرر حکم بتاتی ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ ماؤں کے ساتھ نکاح حرام ہے۔(14)

علماء اصول یعنی اصول فقہ کے علماء کا کام اجمالی دلائل سے بحث کرنا ہے اور فقہ کے علماء یعنی فقیہ حضرات کا تعلق تفصیلی اور جزئی دلیلوں کے ذریعے مسائل کا حکم اور ان کا حل پیش کرنا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس طرح یہ بات ذہن نشین رکھ لینی چاہیے کہ علماء اصول اور فقیہ دونوں کی ذمہ داریاں مختلف نوعیت کی ہیں۔ گویا کہ علماء اصول مختلف اقسام کی اینٹیں تیار کرتے ہیں اور فقیہ حضرات حسب عمارت ان انیٹوں کو جوڑ کر عمارتیں تیار کر دیتے ہیں۔

فقہ اسلامی کی جامعیت اور اہم شعبے:

انسان کی عملی زندگی اور اس کے ظاہری اقوال و افعال کو منظّم و منضبط کرنے والے علم کی حیثیت سے فقہ کا دائرہ کار قریب قریب پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔ انسان کی پیدائش سے لے کر مرنے تک اس سے جو بھی اقوال و افعال سرزد ہوتے ہیں علم فقہ ان سے بحث کرتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ فقہ کے احکام کا اطلاق انسان کی ذات پر اس کی پیدائش سے پہلے سے شروع ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد تک جاری رہتا ہے۔ اس پوری مدت میں انسان کو کوئی قول یا فعل ایسا نہیں جس کے بارہ میں فقہ کا کوئی مثبت یا منفی موقف نہ ہو اور جس کے بارہ میں فقہ کا کوئی حکم موجود نہ ہو۔

فِقہ کے آٹھ اہم شعبے: (The Important Branches of FIQH)

دوسری صدی ہجری کے آخر سے فقہی مضامین کو پیش کرنے کی جو ترتیب اختیار کی گئی تھی یعنی کتب فقہ میں جو فقہی ابواب قائم کئے گئے تھے، وہ کم و بیش آج تک چلی آرہی ہے اور بہت کم فقہی کتابیں ایسی ملیں گی جن میں اس ترتیب سے نمایاں طور پر انحراف کیا گیا ہو۔ اگر کوئی فرق کہیں نظر آتا ہے وہ عام طور پر جزوی قسم کا ہی ہے بنیادی اور جوہری قسم کا نہیں ہے۔ اس ترتیب کے لحاظ سے فقہ کی کتابوں میں فقہی امور یعنی عبادات و معاملات کے مندرجات کو درج ذیل آٹھ بڑے بڑے شعبوں یا عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک شعبہ عبادات اور بقیہ سات معاملات سے متعلق ہیں۔

ا۔عبادات:(Religious Observances)

یہ فقہ اسلامی کا اولین موضوع ہے جس سے فقہ کی ہر کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس جزو میں طہارت، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج وغیرہ کے احکام سے بحث ہوتی ہے۔ اس کو فقہ العبادات بھی کہتے ہیں۔

۲۔ عائلی قوانین۔فقہ الأسرۃ:(Family Law)

عائلہ کنبہ، گھرانہ یا خاندان کو کہتے ہیں اس سے لفظ عائلی بنا ہے جس کی عربی اُسرہ ہے۔ اُسرۃ سے مراد خاندان، کنبہ یا گھرانہ ہے۔ عائلی قوانین فقہ الأسرہ سے مراد خاندانی امور سے متعلق قوانین (Family Law) ہیں اِن کو فقہ المناکحات اور الأحوال الشخصیہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ فقہ اسلامی کا وہ حصہ ہے جو انسان کی

Marfat.com

عائلی یعنی خاندانی اور گھریلو زندگی کو منظم و منضبط کرتا ہے۔فقہ الاسرہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے۔کہ قرآن پاک کی آیات احکام کا (جن کی تعداد کا اندازہ 500-550 کے درمیان ہے) کم و بیش ایک تہائی یا اس سے کچھ زائد صرف شخصی اور عائلی قوانین سے متعلق ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دور حاضر کے یورپ کے برعکس اسلام کے نظام معاشرت و قانون میں ادارہ یعنی خاندان کو بڑی بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اسلام کے اکثر حقوق و فرائض کا منبع یہی خاندان اور گھرانہ ہے۔اس مرکزیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ خاندان اور نسل کے تحفظ کو اسلام کے پانچ بنیادی مقاصد میں سے ایک قرار دیا گیا ہے۔خاندانی ادارہ کی یہ اہمیت اسلئے ہے کہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور امت کی تکوین میں سب سے بنیادی اکائی خاندان ہی ہے۔اگر خاندان کی اکائی مضبوط اور اسلامی اساس پر قائم ہے تو وہاں سے جو افراد تیار ہوں گے وہ بنیادی دینی تربیت کے حامل ہوں گے اور ایسے خاندانوں سے جو معاشرہ بنے گا وہ اسلامی اساس سے قریب تر تمام انسانوں کے لئے سودمند ہوگا۔

فقہ الاسرۃ یا عائلی قوانین میں نکاح، طلاق، وراثت، وصیت، نفقہ اور حضانت (بچہ کی نگہداشت اور پرورش کا حق) وغیرہ کے ابواب سے بحث ہوتی ہے۔یعنی ادارہ خاندان وجود میں کیسے آئے گا، افراد خاندان کے حقوق اور فرائض کیا کیا ہوں گے، اگر وجود میں آنے کے بعد خاندان میں اختلاف جنم لینے لگیں تو ان کو کیسے دور کیا جائے گا۔مرنے والے کی جائیداد کو افراد خاندان میں کیسے اور کس تناسب سے تقسیم کیا جائے اور افراد خاندان کی ضروریات کی تکمیل اور مفادات کی نگہداشت کیسے کی جائے گی۔

۳۔معاملات:(Transactions/Civil Law)

منطقی اور واقعاتی ترتیب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو گھریلو زندگی کے بعد انسان کی معاشرتی زندگی آتی ہے اور جس میں اس کو لوگوں سے لین دین، خرید و فروخت اور مال و دولت سے متعلق معاملات طے کرنے پڑتے ہیں۔یہ معاملات دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ تو وہ ہیں جن کو نجی اور انفرادی طور پر حل کیا جا سکتا ہو اور بعض کو عدالتوں کے ذریعہ نافذ کرایا جا سکتا ہو۔ان میں سے پہلی قسم کا اصطلاحی نام فقہ المعاملات ہے۔

فقہ المعاملات میں وہ تمام احکام بھی شامل ہیں جن کا تعلق افراد یا گروہوں کے درمیان لین دین اور تجارتی قسم کے تعلقات سے ہے۔اقتصادی اور مالی معاملات جس کو فقہ المالی بھی کہتے اس کا حصہ ہیں۔

۴۔معاشرتی قوانین۔فقہ التعامل الاجتماعی:(Social Law)

معاشرہ میں رہنے کے لئے جو اصول وضوابطہ متعین کئے جاتے ہیں انہیں اردو میں معاشرتی قوانین اور

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

عربی میں التعامل الاجتماعی کہتے ہیں۔تعامل سے مراد بنی نوع انسان کا ایک دوسرے کے ساتھ میل جول کے دوران مختلف رویہ اور طرزِ عمل اختیار کرنا ہے۔معاشرتی سطح پر میل جول اور طرزِ عمل کے احکام جن کے لئے عموماً فقہ اسلامی میں ''الحظر والاباحۃ'' (حرام وحلال ۔ جائز و ناجائز) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، یعنی عام معاشرتی سطح پر کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔قانون کے اس شعبہ کا مقصد بنیادی طور پر اسلامی معاشرہ کے امتیازی اوصاف کا تحفظ اور اسلامی شخصیت کی بقاء ہے۔دنیا کے ہر نظام، ہر قانون اور ہر تہذیب کی طرح اسلام بھی اپنے نظام، قانون اور تہذیب کی انفرادیت کا تحفظ کرتا ہے اور اس کے لئے مناسب اور ضروری تدابیر اختیار کرتا ہے۔

الحظر والاباحۃ، یعنی حرام ومُباح کے احکام اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے ہیں۔اس ضابطہ میں کھانے پینے کے آداب، حلال وحرام کی تفصیلات، عام معاشرتی سطح پر افراد کا میل جول، غیر مسلموں سے روابط کے انداز، شادی بیاہ کے طریقے اور حدود، لباس اور پردہ کے احکام، رہن سہن کے اصول وقواعد، عام برتاؤ اور اس جیسے دیگر امور سے بحث کی جاتی ہے۔

۵فقہِ دستوری یا سیاست شرعیہ۔الاحکام السلطانیہ

(Political & Constitulional Law)

یہ فقہ اسلامی کا پانچواں بڑا میدان ہے جو اسلام کے دستوری اور انتظامی قانون سے بحث کرتا ہے۔مسلم مفکرین اور فقہاء کے نزدیک قانون اور نظام کی پابندی انسان کی بنیادی فطرت اور سرشت میں داخل ہے۔وہ جدید یورپی افکار کے برعکس انسان کو محض معاشرتی حیوان نہیں مانتے بلکہ ایک ایسی صاحب علم وحکمت مخلوق قرار دیتے ہیں جو قانون اور نظم وضبط کی شعوری پابندی کرتی ہے اور یہی خصوصیت اس کی دوسری تمام مخلوقات پر فوقیت کا سبب ہے۔رومی قانون دانوں نے بھی (شاید مسلمانوں کے اثر سے) یہ کہا کہ جہاں معاشرہ ہوگا وہاں قانون بھی ہوگا، پھر جہاں قانون ہوگا وہاں قانون بنانے والے اور چلانے والے بھی ہوں گے، پھر وہاں تانون کو نافذ کرنے والے اور قانون کو توڑنے پر سزا دینے والے بھی ہوں گے۔یہ فقہ اسلامی کا وہ شعبہ ہے جو بجا طور پر اسلام کا دستوری اور انتظامی قانون کہلاتا ہے۔

۶۔اسلام کا فوجداری قانون۔فقہُ الجنایات/الجنائی

(Criminal Law & Penal Code)

فوجداری سے مراد لڑائی جھگڑے یا جرائم اور اُن کے اثرات سے متعلقہ قوانین ہیں۔ان کو عربی میں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

فقہ الجنایات یا فقہ الجنائی کہتے ہیں قرآن مجید کے ساتھ ساتھ انسانی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے کہ انسان میں خیر وشر یا اچھائی و برائی دونوں قوتیں موجود ہیں اس وجہ سے کوئی معاشرہ ایسا نہیں گزرا جس میں جرائم کا ارتکاب کرنے والے ناپید ہو گئے ہوں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں فسق و فجور اور صلاح و تقوی دونوں رجحانات رکھے ہیں اور دونوں رجحانات کی طرف کھینچنے والی قوتیں انسانوں میں ودیعت کی گئی ہیں اور انہی دونوں قوتوں میں توازن پیدا کر کے بدی کی قوتوں کو قابو کرنا اور بھلائی کو ابھارنا انسان کا فریضہ ہے۔ایسے میں بدی کی قوت کو سرے سے مٹا دینا اللہ کی حکمتِ آزمائش اور دنیا کے دارالامتحان ہونے کے تصور کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

جرائم کے بارہ میں اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ ان کو کم سے کم سطح پر لے آیا جائے، معاشرہ میں جرم کا ارتکاب انتہائی استثنائی صورت میں ہو اور عام لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں، جرم کا ارتکاب علانیہ نہ کیا جا سکتا ہو۔ایک بار جرم ثابت ہو جانے پر سخت، عبرت ناک اور قرار واقعی سزا دی جاتی ہو اور دوسرے ممکنہ مجرمین کے لئے اس کو عبرت بنا دیا جاتا ہو۔جرائم کی سزائیں اور ان کا قانون وضع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے جرم کا تعین کیا جائے کہ جرم کیا ہے اور یہ طے کیا جائے کہ کسی فعل کو کب، کن حالات میں کن شرائط کے تحت جرم قرار دیا جائے گا، وہ اسباب، بنیادیں کون اور کن اصولوں کی اساس پر متعین کرے گا جن کی روشنی میں کسی فعل کو جرم قرار دیا جائے گا، پھر جو افعال جرم قرار دیے جائیں گے ان کی سزائیں کیا ہوں گے اور ان کا تعین کون اور کن اصولوں کی بنیاد پر کرے گا، پھر سزائیں کب اور کن حالات میں دی جائیں گی اور کب اور کن حالات میں ان کو معاف یا ختم یا کم کیا جا سکے گا، ان سب تفصیلات کے مجموعہ کا نام فقہ الجنایات یا اسلام کا فوجداری قانون ہے۔

۷۔ضابطہ ہائے دیوانی یا فوجداری۔ادب القاضی

(Cival & Criminal Proceedure Code)

فقہ اسلامی کا ساتواں بڑا میدان ادب القاضی ہے جس کو بعض جدید عرب مصنفین فقہ المرافعات کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔یہ اسلامی قانون کا وہ شعبہ ہے جس کو آج کل اصطلاح میں قانون ضابطہ یا پروسیجرل لاء کہا جا سکتا ہے جیسے دیوانی یا فوجداری قانون کے ضابطے۔ان عنوان کے تحت فقہائے اسلام حسب ذیل موضوعات سے بحث کرتے ہیں:

ا۔ نظام قضاء وعدلیہ جو اسلام کے نظام عدل واحسان کے قیام کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا

Marfat.com

ہے۔قضاء کے زیرِ عنوان منصب قضاء کی اہمیت، کار قضاء کی فضیلت، قاضی کے تقرر، قاضی کی شرائط، منصب قضاء کی طلب، قاضی کے فرائض، قاضی کے تقرر اور عزل یعنی منصب سے علیحدگی، آداب عدالت، عہدہ داران عدالت، قاضی کی تنخواہ اور مراعات جیسے اہم موضوعات کا ذکر کرتے ہیں۔

ب۔ دعوی اور دعوی کے فریقین، وہ امور جن کا فیصلہ کرانے کے لئے عدالت میں جانا ضروری ہے اور وہ امور جن کا فیصلہ کرانے کے لئے عدالت میں جانا اور دعوی دائر کرنا ضروری نہیں، دعوی کے اسباب، ارکان اور شرائط، دعوی کے مندرجات اور تعارض و تناقض وغیرہ۔

ج۔ سماعت اور فیصلہ کا طریقہ کار، دائرہ اختیار، سمن اور طلبی، آداب کمرہ عدالت، جواب دعوی، حوالات اور حبس احتیاطی، فریق کی غیر حاضری میں فیصلہ، فیصلہ سے رجوع، فیصلہ پر نظر ثانی اور فیصلہ کے اثرات وغیرہ۔

د۔ ثبوت اور گواہی، شہادت، اوصاف گواہاں، گواہی کی شرائط، تزکیۃ الشہود، گواہوں کا اختلاف اور تضاد بیانی، قرینہ قاطعہ، ماہرین فن کی آراء، سرکاری اور عدالتی دستاویزات بطور ثبوت، اقرار، قسم اور نکول یعنی قسم سے انکار وغیرہ۔

ھ۔ نیم عدالتی ادارے، حسبہ اور محتسب، ولایت مظالم، ولایت جرائم، نظام افتاء، تحکیم اور ثالثی، وکالت اور قانونی مشورہ وغیرہ۔

۸۔ بین الاقوامی قانون۔ سِیَر یا الفقہُ الدُّوَلی:(International Law)

اسلام کا بین الاقوامی قانون یا قانون بین الممالک جس کے لئے ''سیر'' سین کی زیر اور یاء کی زبر کے ساتھ کی اصطلاح دوسری صدی ہجری سے ہی رائج ہوگئی تھی اب اس کو فقہ الدُّوَلی بھی کہتے ہیں۔ یہ اسلامی قانون کا وہ شعبہ ہے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں، اسلامی ریاست اور دوسری ریاستوں اور اسلامی حکومت اور اس کے باغیوں کے مابین تعلقات کو منظم اور منضبط کرتا ہے۔ یہ قانون کا وہ شعبہ ہے جس میں اولیت کا شرف فقہائے اسلام کو حاصل ہے۔ مغرب میں بین الاقوامی قانون کے جدا مجد ھیو گو گروشیس (HUGO GROTIUS) سے تقریباً نو سو سال قبل دوسری صدی ہجری کے فقہائے اسلام نے قانون بین الاقوام پر الگ اور مستقل بالذات کتابیں لکھنا شروع کر دی تھیں جن میں سے ایک درجن کے لگ بھگ مکمل یا نامکمل شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہیں۔(15)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اصول فقہ کی تعریف

(Science of the Principles of law)

Islamic Juresprudence

جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اصول فقہ دو الفاظ 1-اصول 2-فِقہ-کا مجموعہ ہے
یہ عربی ترکیب سے مرکب اضافی ہے۔اس کا سادہ مفہوم تو اسے پڑھ کر ہی سمجھ آجاتا ہے کہ ایسے ضابطہ اور قاعدہ جن کو مدنظر رکھ کر فقہ تدوین کی جائے یا جن کی روشنی میں مختلف مسائل حل کر کے مسلمانوں اور بنی نوع انسان کو سہولتیں مہیا کی جائیں۔اس کی اصطلاحی تعریف بھی اس مفہوم سے ملتی جلتی ہے۔

مجموعة القواعد التی تبیّن للفقیه طرق استخراج الاحکام من الادلة الشرعیة.(16)

اصولِ فقہ ان قواعد کا مجموعہ ہے جو ایک فقیہ یا قانون دان کے لئے اسلامی مآخذ قانون سے احکام اخذ کرنے یا حاصل کرنے کا طریقہ واضح کرتا ہے۔

یعنی اصول فقہ ان اصول وقواعد کا مجموعہ ہے جن کی پابندی کرتے ہوئے مسلمان قانون ساز ادارے (پارلیمنٹ، کابینہ، اسلامی نظریاتی کونسل، اعلیٰ عدالتیں وغیرہ) یا انفرادی شخصیات قانون سازی کرتے ہیں اور یہ علم وہ مناہج اور طریقے واضح کرتا ہے جو ایک فقیہ، عالم، مجتہد یا مجتہدین کو قانون سازی میں معاونت کرتے ہیں۔اس لئے شاہ ولی اللہ نے اس علم کی تعریف یہ کی ہے:

العلم بالقواعد التی یتوصل بها الی استنباط الاحکام الشرعیة الفرعیة عن ادلتها التفصیلة.(17)

ایسے قواعد کا علم جن کے ذریعے شریعت اسلامی کے فروعی (عملی) احکام کا اس کے تفصیلی دلائل (مآخذ قانون) سے استنباط (استخراج یعنی مسائل اخذ کرنا، حاصل کرنا) کیا جاتا ہے۔

گویا کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصول فقہ وہ علم ہے جس میں قانون سازی کے ذرائع اور مقامات سے بحث ہوتی ہے اور یہ کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں، یعنی اس علم کے ذریعہ فقہ کی طرح لوگوں کے جزوی مسائل حل نہیں کئے جاتے بلکہ ایسے کلی اصول کا علم ہے جن کے ذریعہ مآخذ قانون معلوم کر کے اُن سے قوانین

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کے استنباط کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور یہ علم واضح کرتا ہے کہ مسائل کو کس طریقہ سے حل کرنا چاہیے اور کس ذریعہ سے حل کرنا چاہیے۔ اصول فقہ کے ماہر کو اصولی یا علماءِ اصول کہتے ہیں جب کہ فقہ کے ماہر کو فقیہ، مفتی، مجتہد وغیرہ کہتے ہیں۔

علماء اصول (Jurists) کا کام:

علماء اصول یا اصولی یعنی اصولِ فقہ کے ماہرین کا کام یہ ہے کہ انہوں نے مآخذ قانون اور اُن سے قانون حاصل کرنے کے طریقے واضح کر دیئے کہ یہ مآخذ قرآن، سنت، اجماع، قیاس وغیرہ ہیں اور پھر ان کے درجات بھی بیان کر دیئے کہ ان مآخذ میں سے پہلا درجہ قرآن دوسرا سنت اور بقیہ کا مقام ان کے بعد ہے۔ پھر انہوں نے مختلف قواعد ان مآخذ کے مطالعہ سے ترتیب دئے مثلاً (الامر یقتضی الوجوب) یعنی قرآن وسنت اور دوسرے مآخذ کے کسی حکم میں اگر امر کا صیغہ استعمال ہو تو وہ حکم فرض وواجب شمار ہوگا۔ (النہی یقضی التحریم) کسی حکم میں اگر نہی کا صیغہ استعمال ہو تو وہ حکم حرام شمار ہوگا۔ (الدین یسر) دین زندگی کے تمام مسائل میں آسان راستہ اختیار کرنے کا نام ہے۔ اس طریقہ سے انہوں نے مجتہدین، قانون دان اور دستور ساز اداروں کے لئے شریعت اسلامیہ سے قانون سازی اور اُس کے ذریعے عوام الناس کے انفرادی مسائل حل کرنے کا طریقہ واضح کر دیا۔

اصول فقہ سے استفادہ کا طریقہ:

علماء اصول کی ہدایات اور ان کلیات کو سامنے رکھ کر ایک فقیہ حج کے بارے میں شریعت کا حکم معلوم کرنا چاہے گا تو قرآن کی یہ آیت پڑھے گا:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾. (آل عمران: ۹۷)

ترجمہ: لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

اب اس آیت میں حج کا حکم دیا گیا اور عربی نحو کے اعتبار سے اُمر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا قواعد کی رو سے حج اُن مسلمانوں پر فرض ہے جو استطاعت رکھتے ہوں۔

اس طرح نشہ کے بارے میں حکم دریافت کرنے کے لئے ایک فقیہ قرآن کی یہ آیت پڑھے گا:

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ﴾.

(المائدہ: ۹۰)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ترجمہ: یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو۔

اس آیت میں نشہ سے سختی سے روکا گیا ہے اور نہی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا قواعد کی رو سے نشہ کرنا حرام ہے۔

عوام الناس کے تمام مسائل حل کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

فقہ اور اصول فقہ میں فرق:

اب یہ بات تقریباً واضح ہوگئی ہے کہ اصول فقہ ان کلیات اور قواعد کا نام ہے جو ایک فقیہ، مجتہد یا قانون ساز اداروں کو مسائل حل کرنے یا قانون بنانے کی بنیادیں فراہم کرتا ہے اور فقہ ان کلیات وقواعد کو سامنے رکھ کر مسائل حل کرنے یا قانون سازی کرنے کا نام ہے۔ اس لئے اصول فقہ علیحدہ علم شمار ہوگا اور اس کے ماہر کو اصولی یا علماء اصول کہا جائے گا اور فقہ اور علم شمار ہوگا اور اس کے ماہر کو فقیہ، مفتی، مجتہد وغیرہ کہا جائے گا اور دونوں میں ایسا تعلق ہے جس طرح علم اللغتہ کا نحو وصرف سے ہے۔

اس لئے بعض علماء اصولی ہوتے ہیں لیکن فقیہ نہیں ہوتے اور بعض علماء فقیہ ہوتے ہیں مگر علماء اصول میں سے نہیں ہوتے اور کچھ اصولی بھی ہوتے ہیں اور فقیہ بھی۔ یہ بات بھی محل نظر رہے کہ اصول فقہ کے ماہرین فقہی بھی ہونگے لیکن عام فقہاء کے لئے اصول فقہ کا ماہر ہونا ضروری نہیں وہ مسائل کا حل فتاویٰ جات میں سے نقل کر کے بھی دے سکتے ہیں۔ جس طرح فقہ حنفی میں فخر الاسلام بزدوی بہت بڑے اصولی تھے لیکن بڑے فقیہ نہیں تھے کیونکہ اُن کی فقہ میں کوئی کتاب نہیں اور ابو بکر مرغینانی صاحب الھدایہ معروف فقیہ تھے کیونکہ اُن کی اصول فقہ میں کوئی کتاب نہیں ہے لیکن شمس الائمۃ امام سرخسیؒ اصولی بھی تھے اور فقیہ بھی تھے کیونکہ اُن کی کتب اصول فقہ اور فقہ دونوں میں ہیں۔ یہ آخر الذکر علماء، ائمہ مجتہدین بھی کہلائے جاسکتے ہیں۔

اصول فقہ کا موضوع اور چار عنوانات:(Subject & Four Titels)

اصول فقہ کا موضوع ''شرعی احکام تک رسائی ہے'' یعنی زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔ علماء اصول اس موضوع کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر وہ اصول فقہ کی کتاب جس میں ان چار عنوانات پر تفصیلی بحث ہو اصول فقہ کی مکمل کتاب کہلائے گی اور اگر ان میں کسی ایک یا ایک سے زیادہ حصوں کا بیان ہو تو وہ اصول فقہ کے ذیلی عنوانات کی کتاب کہلائے گی۔ وہ چار عنوانات یہ ہیں:

Marfat.com

1۔ مآخذ قانون (الادلة الشرعية)

2۔ حکم شرعی۔الحکم الشرعی (اللہ تعالیٰ کا حکم)

3۔ احکام حاصل کرنے کے طریقے۔وجوہ دلالات (احکام استنباط کرنے کے طریقے اور قاعدے)

4۔ اجتہاد و تقلید (اجتہاد کی ضرورت ،مجتہد،شروط، اقسام اور تقلید کی ضرورت)

ان چار عنوانات پر تفصیلی بحث آئندہ ابواب میں دی جائے گی اور یہاں ان کا مختصر سا تعارف پیش کیا جا رہا ہے تا کہ آپ کے ذہن میں یہ چار عنوانات واضح ہو جائیں۔بعض مصنفین تیسرے عنوان (وجود دلالات) کو پہلے عنوان (اسلامی مآخذ قانون) میں پہلے ماخذ ''القرآن'' سے حکم حاصل کرنے کے طریقے اور قاعدے میں سمو دیتے ہیں اور اس کو علیحدہ عنوان میں نہیں لاتے۔مزید بعض مصنفین اِن چار عنوانوں کی ترتیب بھی مقدم یا موخر کر دیتے ہیں۔

1۔مآخذِ قانون۔الادلۃ الشرعیۃ: (Sources of Islamci Law)

اس میں تمام شرعی مآخذ سے بحث اور ان کی حجیت واضح کی جاتی ہے۔مشہور شرعی مآخذ قرآن، سنت اجماع، قیاس ، استحسان، مصالح مرسلہ، عرف، استصحاب،شرائع ماقبل، تعاملِ صحابہ، تعاملِ اہلِ مدینہ، سدُ الذرائع وغیرہ ہیں۔

2۔حکمِ شرعی۔الحکم الشرعی:(Rule of Islamic Law)

اس موضوع کے تحت شارع یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت ،فلاح اور ترقی کے جتنے احکام دیئے ہیں ان کی حیثیت کا تعین کیا جاتا ہے اور عمل کرنے کے لحاظ سے ان احکام کی درجہ بندی کی جاتی ہے۔کون سا عمل کس وقت ضروری ہوتا ہے اور اور کون سی قسم کا صیغہ اس حکم سے اجتناب کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے۔گویا کہ اس موضوع کے تحت حکم شرعی کو دو اقسام تکلیفی اور وضعی میں تقسیم کر کے حکم تکلیفی کی پانچ اقسام فرض ، واجب ،مکروہ ،حرام اور مباح وغیرہ کی بحث کو بیان کر کے مختلف علماء کے درمیان ان میں اختلاف اور پھر ان کی اقسام کا بیان اور حکم وضعی یعنی سبب ،شرط، مانع کی تفصیل بھی بیان کی جاتی ہیں۔مزید اس میں حاکم، محکوم فیہ وغیرہ کے مباحث بھی ہیں۔

3۔استنباط احکام کے طریقے اور قاعدے (وجوہ دلالات)

(Principals for Deduction of Orders)

اس میں اسلامی مآخذ قانون سے احکام مستنبط کرنے کے طریقوں کی وضاحت کی جاتی ہے۔اُن

Marfat.com

ضابطوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے جن کی مدد سے ایک فقیہ یا مجتہد ان مآخذ سے احکام کا استخراج کرنے اور ان سے واقفیت کے حصول کے لئے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔اس موضوع میں تین عنوانات کو واضح کیا جاتا ہے۔

1۔ اصولی ولغوی قاعدے یعنی خاص، عام، مشترک مووّل، حقیقت، مجاز، دلالات وغیرہ اور چند مزید قواعد کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

2۔ تشریع احکام کے مقاصد، یعنی ایسی قانون سازی ہو جس میں اسلامی مزاج کا خیال رکھتے ہوئے لوگوں کے نفع کا خیال رکھا جائے۔ان کی کی ضرورتیں پوری ہوں۔ان قواعد کا بیان ہوتا ہے۔

3۔ تعارض وترجیح کے اصول قاعدے۔اگر مختلف نصوص میں کچھ تعارض پایا جا رہا ہو یعنی قرآن مجید کی دو آیات کے احکام ایک دوسرے سے مختلف ہوں یا یہ کہ قرآن کے حکم سے حدیث کا حکم مطابقت نہ رکھتا ہو یا بعض احادیث دوسری حدیث کے حکم سے موافقت نہ کر رہی ہوں تو اس صورت میں ایک مجتہد، ایک اصول فقہ کا عالم یا ایک فقیہ دلائل کی بنیاد پر ایک حکم کو دوسرے پر ترجیح دے گا یا دونوں حکموں کو جمع کر دے گا یا کسی ایک کو منسوخ کر دے گا اور دوسرے کو اس کا ناسخ بنائے گا اور ان قواعد میں تعارض و ترجیح اور ناسخ ومنسوخ کی حقیقت سے بھی بحث کی جاتی ہے۔

نوٹ: بعض کتب میں اِس عنوان کو اسلامی مآخذ قانون کے پہلے ماخذ "قرآن مجید" سے استنباطِ احکام کے قواعد میں ہی سمو دیا جاتا ہے اور علیحدہ عنوان نہیں بنایا جاتا۔

4۔ اجتہاد وتقلید:(Interpratation of Law & Confirmation)

اس عنوان کے تحت دو موضوعات پر تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔پہلا موضوع اجتہاد ہے۔اس میں اجتہاد کی لغوی واصطلاحی تعریف اور اس کی شرائط اس طرح اجتہاد کرنے والے علماء یعنی مجتہدین کی شرائط، اقسام اور ان کے اجتہاد کا اسلامی شریعت میں مقام۔یعنی اجتہاد کی شرعی حیثیت اور اگر ایک سے زیادہ مجتہد ایک ہی وقت اجتہاد کریں اور ان میں اختلاف ہو تو کس کی رائے مبنی برحق ہوگی اور کسی کی صحیح نہیں ہوگی۔غرضیکہ اس قسم کے مسائل کو اس موضوع میں سمیٹا جاتا ہے۔

دوسرا موضوع تقلید ہے اِس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک مجتہد یا چند مجتہدین کی آراء کو قبول کرنا اور عملی زندگی کے معاملات کو ان کے مطابق حل کرنا تقلید کہلاتا ہے۔اس موضوع میں تقلید کی شرعی حیثیت اور مقلد کے مقام ورتبہ سے بحث کی جاتی ہے۔نیز تقلید کے لغوی واصطلاحی معنی اور مختلف علماء کے اختلاف کو اس میں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

واضح کیا جاتا ہے۔(18)

اصول فقہ کے عنوانات کی تشکیل جدید:

دور جدید کے عرب علماء نے اصول فقہ میں اس چار عنوانوں والے اسلوب کو اور ترقی دی۔ انہوں نے فرانسیسی قانون اور اصول قانون کے انداز اور منہاج کو سامنے رکھ کر اصول فقہ کو نئی ترتیب اور نئے جامہ میں پیش کیا۔ اس میں اولیت کا شرف جن اہل علم کو حاصل ہوا ان میں شام کے سابق وزیر اعظم اور نامور مفکر ڈاکٹر معروف دوالیبی، شام ہی کے سابق وزیر قانون اور ممتاز فقیہ استاد مصطفیٰ احمد الزرقاء، مصر کے نامور قانون دان ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری اور لبنان کی اعلیٰ عدالت کے سابق سربراہ ڈاکٹر صبحی محمصانی کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کے فاضلانہ تحریروں نے دنیائے عرب کے قانون دانوں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک بہت بڑی تعداد کے ذہنوں کو متاثر کیا اور اصولِ فقہ و اسلامی قانون کی معنویت اور دور جدید میں اسکی ضرورت اور اہمیت کے بارے میں بہت سے شبہات کو دور کیا۔

اِن تمام کوششوں کے باوجود بھی اصول فقہ کے اس پورے علم پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے اہم اور بڑے بڑے عنوانات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کا مطالعہ آپ کر چکے ہیں مزید تفصیل یہ ہے:

۱۔ ادلہ شرعیہ یعنی اسلامی قانون کے مآخذ یہ احکام فقہ کے بنیادی اور ثانوی مصادر و مآخذ ہیں یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ اور عرف و عادت وغیرہ۔

۲۔ ان ادلہ شرعیہ سے معلوم ہونے والے حکم شرعی کے احکام یعنی حکم شرعی، اس کی اقسام، حکم شرعی کی مختلف قسموں اور حکم وضعی کے اپنے احکام اور تفصیلات۔ مزید حکم، حاکم، محکوم فیہ، محکوم علیہ اور عزیمت و رخصت کی بحثیں۔

۳۔ ادلہ شرعیہ، اسلامی مآخذ قانون سے حکم شرعی معلوم کرنے کا طریقہ اور منہاج جس کے لئے بعض جدید علمائے اصول نے وجوہ دلالات کی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی تعبیر قانون اور تفسیر نصوص کے قواعد و احکام اور استنباط احکام یعنی اسلامی مآخذ قانون سے مسائل اخذ کرنے یا حل کرنے کے طریقے اور قاعدے (Principles of Interpretation)۔ اصول قانون کا یہ شعبہ بھی جو آج Principles of Interpretation کے نام سے جانا جاتا ہے اور قانون علوم کا ایک بہت اہم اور مشکل حصہ سمجھا جاتا ہے مسلمان فقہاء ہی کی ایجاد ہے۔ فقہائے اسلام سے قبل نہ تعبیر قانون کے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

طے شدہ اور منضبط اصول مدون طور پر موجود تھے اور نہ یہ کوئی الگ شعبہ قانون سمجھا جاتا تھا۔

۴۔ ادلہ شرعیہ سے حکم شرعی معلوم کرنے والے فقیہ اور ان پر عمل کرنے والے افراد یعنی مجتہد کی ضروری شرائط اور اس عمل کی تفصیلات و مدارج یعنی اجتہاد تقلید اور مجتہد و مقلد کے احکام، اقسام اور شرائط۔

خلاصہ:

اب اصول فقہ کے بارے میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اس علم کا موضوع ''حکم شرعی تک رسائی ہے''، یعنی زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو تلاش کر کے اُس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ تا کہ بنی نوع انسان سعادت دارین حاصل کر سکے۔ سعادت دارین سے مراد دنیوی زندگی کی کامیابی اور اُخروی زندگی کی کامیابی ہے۔ مزید یہ علم اسلامی شریعت کے ان قواعد کا مجموعہ ہے جن کو مدنظر رکھ کر مسلمانوں کے قانون ساز ادارے یا مختلف شخصیات جنہیں مجتہدین کہا جاتا ہے ہر دور میں نئے پیدا ہونے والے اور نئے ابھرنے والے مسائل کو حل کر کے عوام الناس کی عملی زندگی میں رہنمائی کرتے ہیں تا کہ ان پر عمل کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔

سابقہ بیان کردہ چار عنوانات کے ذریعے قانون ساز اداروں اور شخصیات کو چند اصول و قواعد کا پابند بنا دیا جاتا ہے جس کو مدنظر کر دہ مسائل حل کرتے ہیں۔ یہ اصول فقہ ہے جس کی وجہ سے دور نبوی ﷺ سے لے کر آج تک ہمیں عالم اسلام میں مسائل کے حل میں ایک جوہری اتفاق نظر آتا ہے اور یہ اسلام کے بین الاقوامی اور آفاقی ہونے کی ایک اہم اور رسول اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔

اصول فقہ کی بیس اہم اصطلاحات اور ان کا تعارف:

اصول فقہ کے مطالعہ کے دوران متعدد مقامات پر مختلف اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ بسا اوقات ایک استاد یا طالب علم کے لئے ان اصطلاحات کو سمجھنا قدرے مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی رہنمائی اور اس موضوع سے متعلق درسی مواد کو آسانی سے سمجھنے کے لئے درج ذیل بیس اہم اصطلاحات کی مختصر تشریح پیش کی جارہی ہے اِن میں سے چند کی تشریح سابقہ اوراق میں بھی ہو چکی ہے۔ ان اصطلاحات کے سمجھ لینے اور ذہن نشین کر لینے سے اصول فقہ کے آئندہ بیان کر دہ موضوعات کو سمجھنے میں دقت کا سامنا نہیں ہوگا وہ درج ذیل ہیں:

1۔دین	2۔شریعت	3۔فقہ
4۔عبادات	5۔معاملات	6۔اجمالی دلیل

Marfat.com

7۔تفصیلی وجزئی دلیل	8۔قانون اور فقہ	9۔اصول فقہ اور علماء اصول
10۔ محدث	11۔الأدلة،شرعی مآخذ، دلائل شرعیہ	12۔استنباط (استدلال استخراج)
13۔مجتہد واجتہاد	14۔مقلّد ، مکلّف	15۔مقاصِد شریعت
16۔قَواعدِ فقہیہ	17۔تَعامُل	18۔حجیت
19۔فقہی مذاہب	20۔جمہور وشذُوز	

1۔دین(Religion/Faith)

دین دال کی زیر کے ساتھ کا لغوی معنی خود کو جھکا دینا یا کسی کی عبادت کرنا ہے۔اس کا ایک معنی طریقہ بھی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾.(آل عمران:۱۹)

ترجمہ:۔بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

یعنی انسان کے لئے پیدائش سے موت تک زندگی گزارنے کے مختلف طریقہ دنیا میں موجود ہیں ان میں ایک طریقہ اسلام ہے۔فقہاء کے نزدیک لفظ دین ، شریعت اور فقہ مختلف معنی رکھتے ہیں اور ان اصطلاحات میں کافی فرق ہے۔

دین ان بنیادی عقائد کا نام ہے جن میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔یعنی وہ بنیادی اصول جو ابتداء انسانیت میں پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام لائے اور بقیہ تمام انبیاء کے دور میں بھی ان میں تبدیلی نہیں ہوئی حتی کہ وہی عقائد ہمارے نبی محمد ﷺ جو خاتم النبیین ہیں لائے اور قیامت تک ان میں تبدیلی ممکن نہیں۔وہ نبیادی عقائد توحید، رسالت، آخرت، عذاب قبر، جنت ،جہنم ، ملائکہ اور تقدیر وغیرہ ہیں۔گویا کہ وہ اصول جن کو ہم عقائد کا نام دیتے ہیں جو تمام انبیاء میں مشترک تھے اور جن کو کسی نے بھی تبدیل نہیں کیا دین کہلاتے ہیں۔اس لحاظ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام انبیاء کا دین ایک تھا لیکن شریعتیں مختلف۔جس طرح قرآن مجید میں ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ﴾.(شوریٰ:۱۳)

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور اسی دین کی وحی آپ کی طرف کی گئی ہے۔

2۔شریعت:(Shariah)

لفظ شریعت کا مادہ (ش ر ع) ہے اس کے لغوی معنی وہ راستہ ہے جو پانی کی طرف لے جائے۔مثلاً

Marfat.com

پہاڑی علاقہ میں چشمہ سے پانی حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اس راستہ کو شریعت کہتے ہیں۔

اصطلاحی طور پر شریعت سے مراد وہ اصول وضوابط یا قوانین ہیں جو تمام انبیاء یا مرسلین اپنے دور کے لوگوں یعنی اپنی امت کے لئے اُس زمانہ کے حالات کے مطابق لاتے تھے۔یعنی ہر نبی اپنے دور کے مخصوص حالات کے مطابق لوگوں کو زندگی گزارنے کو جو طریقہ بتاتے ہیں وہ شرعیت کہلاتی ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان شروع دن سے آج کل کی طرح دور جدید کی سہولتوں سے آشنا نہیں تھی۔ بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے زمین پر انسانوں کا آغاز ایک مرد اور ایک عورت سے ہوتا ہے اور پھر مختلف ادوار میں پتھر کا زمانہ، لکڑی کا زمانہ، کوئلے کا زمانہ، لوہے کا زمانہ اور کتنے ہی مراحل سے گزر کر آج ہم اس ترقی یافتہ، جدید اور سہولت آشنا دور میں داخل ہو چکے ہیں۔

ماضی کے ان مختلف دشوار گزار ادوار میں زندگی گزارنے کے لئے کافی محنت اور تگ ودو کرنی پڑتی تھی اس لئے اس زمانہ میں زندگی گزارنے کا طریقہ دور جدید سے قطعاً مختلف ہوتا تھا۔ان ادوار کے انبیاء اپنی قوم وعلاقہ کے لوگوں کے لئے زندگی گزارنے کا جو طریقہ لاتے تھے وہ شریعت کہلاتی تھی۔ہمارے نبی محمد ﷺ کے دور میں بنی نوع انسان جو حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں بچپن میں تھی اور پھر مختلف انبیاء کے ادوار میں طفولیت، لڑکپن، نوجوانی کی عمر گزار کر جوانی اور بلوغت کی عمر میں داخل ہو چکی تھی۔اس لئے آپ کو ایسی شریعت دی گئی جو بنی نوع انسان کی موت یعنی قیامت تک کے لئے اس کے حالات سے مطابقت رکھتی ہو۔

گویا کہ کہا جاتا ہے کہ تمام انبیاء کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں حتی کہ ایک نبی اپنی قوم کو سابقہ نبی کی شریعت کی پیروی سے روکتا ہے لیکن تمام انبیاء کا دین ایک ہے جس طرح قرآن مجید ہے۔

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾. (المائدہ:۴۸)

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔

سابقہ بحث کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شریعت سے مراد وہ تمام قوانین وتعلیمات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دور میں اس دور کے نبی کو عطاء کی گئیں اور اسلامی شریعت سے مراد وہ تعلیمات ہیں جو ہمارے رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطاء کیں۔ان کا تعلق عقائد سے بھی ہو سکتا ہے، ایمانیات سے بھی، اخلاقیات سے بھی، عبادات سے بھی اور معاملات سے بھی ہو سکتا ہے۔یعنی زندگی کے تمام معاملات سے متعلق تعلیمات شریعت کہلاتی ہیں۔اس لحاظ سے شریعت ایک وسیع اصطلاح ہے جو انسان کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے لیکن فقہ اس کے ایک جزء عبادات اور معاملات کا نام ہے۔

Marfat.com

3۔فقہ:(Islamic Law)

فقہ کے لغوی معنی تدبر اور غور وفکر کرنا یعنی کسی بات کی تحقیق و تفتیش کرنا ہے۔لغت میں ہی اس سے مراد کسی چیز کے بارے میں گہری سوچ رکھنا اور اس کا باریک بینی سے مطالعہ کرنا ہے۔اس پر تفصیلی بحث سابقہ اوراق میں عنوان فقہ کے معنی میں گزر چکی ہے۔

اصطلاحی طور پر اس سے مراد شریعت کے صرف ان عملی احکام کا علم ہے جن کو اسلامی مآخذ قانون (قرآن ،سنت ، اجماع، قیاس وغیرہ) سے اخذ کیا جائے۔یعنی شریعت کل ہے اور فقہ اُس کا جزو ہے کیونکہ شریعت کا تعلق عقائد ، ایمانیات، اخلاقیات اور معاملات (نکاح، طلاق، لڑائی جھگڑا، قانون، اقتصادیات وغیرہ) سے ہے۔فقہ عقائد، ایمانیات اور اخلاقیات یا اس قسم کے زندگی کے شعبہ جن کا تعلق دل سے ہو یا قلب کی پاکیزگی سے ہو تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس کا تعلق زندگی کے عملی میدان میں لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ سر انجام دینا ہے۔اس کا تعلق صرف عبادات اور معاملات سے ہے ،اس ۔لئے اس کی اصطلاحی تعریف یہ کی گئی ہے۔

العلم بالاحكام الشرعية العمليه المستنبطه من الأدلة التفصيلة.(19)

شریعت کے ان عملی احکام کا علم جو اسلامی مآخذ قانون سے مستنبط کئے جائیں یعنی انہیں ان مآخذ کی مدد سے حاصل کیا جائے۔

مختصراً دین ان عقائد کا مجموعہ ہے جن میں تبدیلی ناممکن ہے ،شریعت ان اصول وضوابط کا نام ہے جو ایک انسان کو اس کی پوری زندگی میں رہنمائی مہیا کرتے ہیں اور فقہ شریعت اسلامیہ کے متعدد علوم میں سے صرف اس علم کا نام ہے جو عبادات اور معاملات کے میدان میں مسلمانوں کو خصوصاً اور باقی انسانوں کو عموماً رہنمائی فراہم کرے اور فقیہ وہ شخص ہے جو اسلامی مآخذ قانون کو سامنے رکھ کر ان کے مطابق لوگوں کی ان دو امور میں رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

بعض علماء دور حاضر میں بھی فقہ کی جگہ شریعت کا لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن اس سے ان کی اصطلاحی مراد فقہ ہوتی ہے۔مثلاً صبحی محمصانی کی کتاب ''فلسفہ شریعت اسلامی'' اس سے مراد اسلامی فقہ کا فلسفہ ہے۔

4۔عبادات:(Religious Observances)

اس لفظ کا مادہ (عبد) ہے۔اس سے لفظ ''عبادۃ'' نکلا ہے جس کا اردو میں معنی پوجا کرنا، بندگی کرنا اور پرستش کرنا ہے۔فقہی اصطلاح میں اس سے مراد وہ کام ہے جس میں انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہوتا ہے۔انسان تین قسم کے تعلقات رکھتا ہے۔انسان کا تعلق خالق سے، انسان کا تعلق اپنی جان سے اورانسان کا تعلق دوسری مخلوقات سے۔پہلا تعلق عبادات اور دوسرے دو تعلقات، معاملات کہلاتے ہیں۔اصطلاحی طور پر عبادات سے مراد وہ امور ہیں جن میں انسان اپنے خالق سے تعلقات قائم کرتا ہے۔مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، دعائیں، صدقہ، خیرات وغیرہ۔فقہ عمومی طور پر ان بیان کردہ تینوں تعلقات سے بحث کرتی ہے اس لئے فقہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔فقہ العبادات اور فقہ المعاملات اور یہ دونوں علم فقہ کا موضوع ہیں۔

5۔معاملات:(Transactions)

اس لفظ کا مادہ (عمل) ہے۔یعنی مصروف رہنا، کارروائی کرنا ہے اِس سے باب مفاعلہ کے وزن پر لفظ معاملہ نکلا ہے جس سے مراد باہم لین دین کرنا باہم کوئی چیز طے کرنا، ایک دوسرے سے کوئی سلوک کرنا، مل جل کر کوئی طرزِ عمل اختیار کرنا ہے۔

انسان ایک معاشرتی جانور ہے یعنی وہ معاشرہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اس کی زندگی کے لئے معاشرہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔کسی معاشرہ میں لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ لین دین، میل ملاپ، آنے جانے کو معاملہ کہتے ہیں۔زندگی کے تمام شعبوں میں مختلف انسان ایک دوسرے کے ساتھ جو سلوک روا رکھتے ہیں انہیں معاملات کہتے ہیں۔ان تمام امور کے بارے میں جنہیں ہم فقہی اصطلاح میں معاملات کہتے ہیں اسلامی شریعت نے مکمل ہدایات دی ہیں ان ہدایات کو فقہ المعاملات کا نام دیا جاتا ہے۔گویا کہ عبادات سے متعلق احکام و ہدایات فقہ العبادات اور معاملات کے متعلق احکام و ہدایات فقہ المعاملات کہلائے جاتے ہیں۔

6۔اجمالی دلیل:(Specific Evidence)

فقہ یا اصول فقہ میں لفظ دلیل، مآخذ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔جس کی جمع الادلہ یعنی مآخذ ہے۔مآخذ قانون کے موضوع پر عنوان نمبر ۱۱ میں بحث گزر چکی ہے۔اجمالی دلیل میں دو اشیاء شامل ہیں۔

(۱) فقہ اسلامی کے اجمالی یعنی تمام مآخذ۔اس سے مراد تمام اسلامی مآخذ قانون قرآن، سنت اجماع، قیاس، استحسان وغیرہ ہیں۔

(۲) اس سے مراد وہ مزید قواعد وکلیات جو ان مآخذ کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیئے جاتے ہیں مثلاً الامر یقتضی الوجوب (امر کا صیغہ کسی حکم کو فرض قرار دے گا) جن کے بارے میں اوپر قواعد فقہیہ نمبر 13 میں بیان ہو چکا ہے۔

Marfat.com

یہ تمام مآخذ وقواعد اجمالی دلیل کہلاتے ہیں۔ یہ بھی اصول فقہ کا ایک عنوان ہے اور سابقہ اوراق میں فقہ کی تعریف کے باب میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔

7۔ تفصیلی وجزئی دلیل:(Detailed & Partial Evidence)

اس سے مراد اسلامی مآخذ قانون اور قواعد فقیہہ کو مدنظر رکھ کر کسی ایک مسئلہ کے متعلق کوئی دلیل نکالنا ہے۔ اگر وہ دلیل پورے مسئلہ کو واضح کر رہی ہوگی تو تفصیلی کہلائے گی اور اگر مسئلہ کے ایک جزو کو واضح کر رہی ہوگی تو جزئی دلیل کہلائے گی۔ مثلاً میراث کا حکم معلوم کرنے کے بارے میں قرآن مجید کی آیت میراث (یوصیکم اللہ فی اولادکم) میراث کے بارے میں تفصیل دلیل کہلائے گی لیکن اگر کسی ایک شخص کی میراث مثلاً بیوی کا حکم معلوم کرنا ہے تو آیت (ولھن ربع ماترکتم) جزئی دلیل کہلائے گی۔ اس طرح حرام رشتوں کے بارے میں آیت محرمات (حرمت علیکم امھاتکم) ایک تفصیلی دلیل کہلائے گی اور اگر صرف پھوپھی کے بارے میں حکم معلوم کرنا ہو تو آیت (وعماتکم) ایک جزئی دلیل کہلائے گی۔ یہ عنوان بھی علم اصول فقہ سے متعلق ہے۔

8۔ قانون اور فقہ:(Law & Fiqh)

آج کل عام طور پر اسلامی قواعد وضوابط کے لئے ایک اصطلاح اسلامی قانون استعمال ہوتی ہے جب کہ صدر اول سے آج تک ہمیں اسلامی کتب میں اس اصطلاح کے بدلے لفظ فقہ یا اسلامی فقہ یا اسلامی شریعت کے الفاظ ملتے ہیں اور آج بھی عالم عرب میں لفظ قانون عمومی طور پر غیر اسلامی قواعد وضوابط کے لئے بولا جاتا ہے لیکن پاکستان اور برصغیر کے دوسرے ممالک میں قانون کے ساتھ اسلام کا لفظ لگا دینے سے عمومی طور پر اس سے مراد نظام شریعت یا اسلامی فقہ لیا جاتا ہے۔

لفظ قانون دراصل یونانی کلمہ ہے (Kainon) وہاں سے انگریزی میں آیا تو (Canon) ہوا۔ یہ لفظ قدیم عربی بھی مستعمل ہے اور اس سے مراد ذیلی اصول وقواعد ہیں۔ یعنی بنیادی قواعد وضوابط کے لئے عرب فقہ اسلامی یا شریعت اسلامی کی اصطلاح استعمال کرتے تھے اور ان کے ذیلی قواعد کے لئے قانون کی اصطلاح استعمال کرتے تھے جس طرح ابن ارشد نے لکھا ہے کہ:

لتکون قانون للمجتھد.(20)

اور یہ چیزیں مجتہد کے لئے ایک قانون بن جائیں۔

الماوردی لکھتے ہیں:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

لانه مندوب لحفظ القوانين.(21)

اور یہ امر قوانین کی حفاظت کے لئے اچھا ہے۔

علماء عرب کے سابقہ اور موجودہ عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی قانون کی اصطلاح کو شریعت اسلامی یا فقہ اسلامی کے متبادل کے طور پر استعمال کرنا قرین قیاس نہیں ہے لیکن برصغیر میں اکثر علماء نے اسلامی قانون (Islamic Law) کی اصطلاح کو سابقہ معنی میں کثرت سے استعمال کیا ہے۔ لہٰذا اِن علاقوں میں جب ہم اسلامی قانون کی اصطلاح استعمال کریں گے تو اس سے مراد اسلامی فقہ ہوگی اور جب ہم اسلامی قانون کے اصول کہیں گے تو اس سے مراد اصول فقہ ہوگی۔ اب یہ اصطلاحات اس قدر مروج ہو چکی ہیں کہ غلط العام اور غلط العوام کی منزل تک پہنچ چکی ہیں۔

وہ طالب علم جنھوں نے دین، شریعت، فقہ، اصول فقہ اور حدیث وغیرہ کے مباحث کا تفصیلی مطالعہ کرلیا ہو یعنی وہ ایم اے، ایم فل یا ڈاکٹریٹ کی سطح تک پہنچ چکے ہوں ان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اسلامی شریعت، فقہ اور اصول فقہ کی اصطلاحات استعمال کریں اور اس نئی اصطلاح سے پرہیز کریں البتہ عام آدمیوں کو ان اصطلاحات کے استعمال سے روکنا موزوں نہیں۔

9۔ اصول فقہ اور علماء اصول (اصولین) (Islamic Jurisprudance & Jurists)

جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ اصول فقہ ان قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے جس کے مسلمان قانون ساز ادارے یا شخصیات پابند ہو کر قانون سازی کرتے ہیں۔ یہ علم وہ طریقہ واضح کرتا ہے جو ایک فقیہ، عالم، مجتہد یا مجتہدین کو قانون سازی میں معاونت کرتا ہیں۔ اس کی تعریف کچھ اس طرح ہے:

مجموعة القواعد التي يتبين للفقيه طُرق استخراج الاحكام من الادلة الشرعية.(22)

اصول فقہ ان قواعد کا مجموعہ ہے جو ایک فقیہ کے لئے اسلامی مآخذ قانون (قرآن، سنت، اجماع، قیاس وغیرہ) سے احکام حاصل کرنے یا اخذ کرنے کا طریقہ واضح کرتا ہے۔ علم اصول فقہ واضح کرتا ہے کہ روزانہ پیش آنے والے مسائل کو کس طریقہ اور کس ذریعہ سے حاصل کرنا چاہیے۔ اس کی تفصیل سابقہ اوراق میں عنوان اصول فقہ کی تعریف میں گزر چکی ہے۔

اصول فقہ کے عالم یا ماہر کو علماء اصول یا اصولی جس کو جمع اصولین ہے کہا جاتا ہے۔ جس طرح فقہ کے ماہر یا عالم کو فقیہ کہتے ہیں۔ اس طرح علم اصول فقہ کے عالم کو فقیہ نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ اصولی یا علماء اصول

Marfat.com

کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔

10۔محدث:(Scholar of Traditions)

فقہ اسلامی کے دوسرے ماخذ سنت کے ثبوت کا ایک اہم ترین ذریعہ حدیث نبوی ﷺ ہے۔محدثین کرام کی رائے کے برعکس فقہاء کے نزدیک لفظ سنت اور حدیث میں فرق ہے۔لفظ سنت عامٌ ہے اور حدیث خاص ہے۔حدیث رسول اکرم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر (سکوت) کا نام ہے۔جس طرح فقہ کے ماہر کو فقیہ کہتے ہیں اس طرح جو عالم علم حدیث کے مباحث میں مشغول ہو جائے اسے محدث کہتے ہیں۔حدیث سے متعلق بھی بے شمار علوم ہیں اس لئے ان علوم میں زندگی صرف کر دینے والے کو محدث کہتے ہیں۔

محدث حضرات واضح کرتے ہیں کہ بے شمار احادیث میں سے کون سے صحیح یعنی قابل اعتماد اور کون سی ناقابل اعتماد ہیں اور فقہاء اُن کی اس وضاحت کے مطابق اس حدیث کو مدنظر رکھ کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔

گویا کہ محدثین اینٹیں تیار کرتے ہیں، اور علماء اصول اِن اینٹوں سے عمارت بنانے کا طریقہ یعنی عمارت سازی کے اصول واضح کرتے ہیں۔فقہاء ان کو جوڑ کر عمارت کھڑی کر دیتے ہیں جس سے بنی نوع انسان فائدہ اٹھاتی ہے۔

11۔الأدلۃ،فقہی مصادر یا شرعی مآخذ (شرعی دلائل):(Sourses of Islamic Law)

مصادر، مآخذ یا دلائل سے مراد کسی چیز کے وہ منبع ہیں جہاں سے ہم اس شے کو حاصل کرتے ہیں۔جس طرح ہم چشمہ، جھیل، دریا، نہر یا کنویں وغیرہ سے پانی حاصل کرتے ہیں تو یہ تمام اشیاء پانی کے مصادر، مآخذ یا دلائل کہلائیں گے۔

اسی طرح لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے جن ذرائع کو ایک عالم دین، فقیہ مجتہد استعمال کرتا ہے وہ مصادر، مآخذ یا دلائل کہلاتے ہیں۔مثلاً کسی انسان کا مسئلہ قرآن مجید کے ذریعہ حل کیا گیا ہو، کسی کا سنت کے ذریعہ، کسی کا اجماع کے ذریعے، کسی کا قیاس کے ذریعے، کسی کا استحسان کے ذریعے اور کسی کا عرف کے ذریعہ تو یہ تمام ذرائع فقہ کی اصطلاح میں فقہی مصادر، شرعی مآخذ، دلیل، الأدلۃ اور دلائل شرعیہ یا اسلامی مآخذ قانون کہلاتے ہیں۔ان مآخذ یا مصادر کے بارے میں علم اصول فقہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔یہ اس علم کا ایک اہم عنوان ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

12۔استنباط:(Deduction)

استنباط کا اصل مادہ (نبط ہے) جس کے معنی زمین یا چشمہ سے پانی کا ابلنا ہے یا کسی جگہ سے پانی یا تیل وغیرہ نکالنا ہے۔اس مادہ سے باب استفعال کے وزن پر لفظ استنباط فقہ اور اصول فقہ میں مروج ہے۔اس سے مراد شرعی مآخذ سے مسائل کا حل نکالنا ہے۔یعنی قرآن ، سنت، اجماع، قیاس وغیرہ کے ذریعے لوگوں کے مسائل حل کرنا استنباط کہلاتا ہے۔اسے استنباط مسائل یا استخراج مسائل یا استدلال مسائل کہا جاتا ہے۔جس طرح داڑھی کٹوانے یا منڈوانے کی عادت کا قرآن یا سنت کی روشنی میں جائزہ لے کر واضح کرنا کہ یہ عادت صحیح ہے یا غلط ہے اس مسئلہ کا قرآن وسنت سے استنباط، استخراج یا استدلال کہلائے گا۔

13۔اجتہاد و مجتہد:(Interpratation of Law-Jurist)

اجتہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے جس سے لغوی طور پر مراد کوشش کرنا ہے اس سے باب افتعال کے وزن پر اجتہاد سے مراد بہت زیادہ کوشش کرنا، اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لانا ہے۔شرعی اصطلاح میں ان سے مراد کسی مسئلہ کو مآخذ شرعیہ کی روشنی میں حل کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش کرنا اپنی تمام توانائیاں صرف کر دینا ہے اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ مجتہد کہلائے گا۔جس طرح کسی کے آگے لجاجت کے ساتھ جھک جانے کو انکسار کہتے ہیں اور جو یہ کام کرے اسے منکسر کہا جاتا ہے اسی طرح وہ عالم دین یا فقیہ جو مسائل حل کرنے کے لئے تمام کوششیں صرف کرے مجتہد کہلائے گا اور اس کا یہ عمل اجتہاد کہلائے گا۔مجتہد یا اجتہاد کی بحث بھی اصول فقہ کا اہم اور آخری عنوان ہے اس کے مطالعہ کے لئے اصول فقہ کی کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

14۔مقلّد ، مکلّف:(Conformist/Responsible/Legal Person)

مقلدلام کی شد اور زیر کے ساتھ سے مراد تقلید کرنے والا ہے اور تقلید سے مراد کسی کے نقش قدم پر چلنا اور پیروی کرنا ہے۔اگر کوئی شخص زندگی کے عملی میدان میں مسائل کے حل میں کسی ایک فقیہ یا مجتہد کے بیان کردہ راستہ کو دلیل طلب کئے بغیر اختیار کرتا ہے اور ان کے حل کے لئے خود قرآن وسنت یا دوسرے مآخذِ شرعیہ کی طرف رجوع نہیں کرتا تو وہ شخص اس فقیہ یا مجتہد کا مقلد کہلائے گا۔کیونکہ اس نے اس فقیہ کی پیروی کی یا اس کی ہدایات کے مطابق چلا۔مثلاً امام ابوحنیفہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں زندگی کے مختلف مسائل کو حل کرنے کا جو طریقہ پیش کیا بعض لوگ اسے اختیار کرتے ہیں بعض امام شافعی بعض امام مالک چند امام جعفر صادق، کچھ ابن حزم ظاہری تو اس طرح سے یہ لوگ ان اماموں کے مقلد ہو گئے اور ان کے اس عمل کو تقلید کہتے ہیں۔یہ بھی اصول فقہ کا ایک عنوان ہے اور اس بحث کے لئے بھی اصول فقہ کی کتب کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

لفظ مکلّف لام کی شد اور زبر کے ساتھ تکلیف سے نکلا ہے اس سے مراد وہ جاندار ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی کام کرنے یا اس سے رک جانے کا حکم دیا ہے۔یعنی چند فرائض کی بجا آوری کی یا چند کاموں سے رک جانے کی تکلیف دی ہے۔مثلاً نماز پڑھنے، جہاد کرنے، زنا سے رکنے، شراب سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔جس جاندار کو ان امور کا حکم دیا جائے گا وہ مکلف لام کی فتح کے ساتھ کہلائیں گے۔مثلاً اوپر بیان کردہ امور کے حکم سے چوپائے، پرندے اور بنی نوع انسان میں سے بچے، دیوانے مستثنیٰ ہیں اس لحاظ سے وہ مکلف نہیں ہوں گے بلکہ جوان، عقل منداور ہوش وحواس رکھنے والے انسان مکلف کہلائیں گے۔

15۔مقاصد شریعت:(Objectives of Shariah)

اس اصطلاح کی مراد خود الفاظ سے ہی واضح ہے کہ اسلامی شریعت کے کیا مقاصد ہیں۔یعنی اگر لوگ مسلمان ہوکر اسلامی شریعت پر عمل کریں یا حکومت کے ذریعہ اِسے نافذ کریں تو انہیں اس سے کیا حاصل ہوگا یا اگر کوئی حکومت کسی علاقہ میں اسلامی شریعت نافذ کرتی ہے تو اسے اس علاقہ کے لوگوں کے لئے کن سہولتوں کو فوری طور پر مہیا کرنا ہوگا۔علماء نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے جس کی وجہ سے یہ بھی ایک مکمل علم کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

علماء نے شریعت کے دو مقاصد بیان کیے ہیں یعنی عوام الناس کو یہ دو اشیاء مہیا کی جائیں گی:

1۔ جلب المنفعہ — لوگوں کی نفع پہنچانا۔
2۔ دراء المفاسد (دراء الضرر) — لوگوں کے نقصان یا ضرر کو دور کرنا۔

پھر ان دو اشیاء کے لئے تمام انسانوں کو پانچ حقوق کی حفاظت مہیا کی جائے گی:

1۔ حفظ دین — لوگوں کے دین کی حفاظت۔
2۔ حفظ جان — لوگوں کی جان کی حفاظت کی جائے گی۔
3۔ حفظ عقل — لوگوں کو سوچنے سمجھنے اور رائے کی آزادی دی جائے گی۔
4۔ حفظ نسل (عزت) — لوگوں کی عزت یعنی آبروکی حفاظت کی جائے گی۔
5۔ حفظ مال — لوگوں کو برسر روزگار کرنے کی ذمہ داری اور ان کے کمائے ہوئے مال کی حفاظت کی جائے گی۔

یہ علم بھی اصول فقہ کی ایک شاخ بن چکا ہے دور حاضر میں فقہ المقاصد کے نام سے اس پر بہت کام جاری ہے۔اس عنوان کو اس کتاب کے تیسرے باب میں بھی واضح کیا گیا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

16۔قواعد فقہیہ (Shariah Legal Maxums)

مجتہدین اور فقہاء نے قرآن و حدیث کے مطالعہ کے بعد ان سے چند اصول اخذ کیے ہیں جن میں ان دونوں مآخذ شرعیہ کی کسی مسئلہ کے بارے میں اصل روح کو سمو دیا گیا ہے۔ان اصولوں کو فقہی اصطلاح میں قواعد فقہیہ کا نام دیا گیا ہے۔مثلاً معاشرتی میدان میں صدیوں کے تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص کسی کے لئے کنواں کھودے گا یعنی کسی کو ذلیل و رسواء یا نقصان پہچانے کی کوشش کرے گا ایک دن خود بھی ذلت یا نقصان سے دوچار ہوگا۔اس تجربہ کو ایک معاشرتی قاعدہ واضح کرتا ہے:

جاہ راکن چاہ درپیش: کسی کے لئے کنواں کھودو گے تمہیں اپنے راستے میں کئی کنوؤں سے پالا پڑے گا۔

فقہاء کرام نے بھی قرآن و حدیث کی تعلیمات کا خلاصہ کچھ فقروں میں بند کر دیا ان فقروں کو قواعد فقہیہ کہتے ہیں۔مثلاً لوگوں کو دین کے احکام بتانے میں سختی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے یا نرمی تو انہوں نے خلاصہ کے طور پر یہ قاعدہ روشناس کرایا:

1۔ الدین یسر — دین آسانیوں کا نام ہے۔

2۔ الضرر یزال — نقصان کا مداوہ کیا جائے گا۔

3۔ الضرورات تبیح المحظورات — ضرورت حرام کو جائز قرار دے دیتی ہے۔

۴۔ الامور بمقاصدھا — کسی کے فعل کا فیصلہ اس کے ارادہ سے کیا جائے گا۔

اس طرح بے شمار قواعد ہیں جن پر کئی کتب لکھی جا چکی ہیں اور یہ بھی علم فقہ کا ایک حصہ شمار ہوتا ہے اور اُس کا ایک جزو ہے۔اس عنوان کو اس کتاب کے چوتھے باب میں بھی واضح کیا گیا ہے۔

17۔تعامل:(Practice)

یہ اصطلاح بھی اصول فقہ کی ہے اور اس کا مادہ بھی (عمل) ہے جس پر عنوان نمبر 5 میں بحث گزر چکی ہے۔تعامل سے مراد بے شمار لوگوں یا کئی نسلوں کا متواتر عمل ہے۔مثلاً صحابہ کرام کسی ایک عادت کو ساری زندگی اختیار کر لیں یا کسی ایک عادت کو اکثر صحابہ اکثر تابعین اور اکثر تبع تابعین نے ساری زندگی اختیار کیے رکھا تو اول الذکر تعامل صحابہ اور دوسرا تعامل خیر القرون کہلائے گا۔

اس کو دوسری مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں خیبر پختون خواہ کے لوگ نسل در نسل مہمان نواز ہیں۔بلوچستان کے لوگ کئی نسلوں سے بہادری میں مشہور ہیں تو مہمان نوازی صوبہ کے پی کے کے لوگوں کا تعامل ہے اور بہادری بلوچستان کے لوگوں کا تعامل ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اصول فقہ میں مآخذ کی بحث میں تعامل صحابہ، تعامل اہل مدینہ اور تعامل علماء وغیرہ مآخذ قانون تصور ہوتے ہیں۔

18۔ حُجیت:(Leagal Validity/Authority)

اس لفظ کا مادہ (ح،ج،ج) ہے لغوی طور پر اس سے مراد قصد کرنا ہے، دلیل دینا ہے۔ حجیت، ح کی پیش سے مراد کسی چیز کا دلیل بننا ہے۔ حُجیت کا مترادف مشروعیت ہے یعنی کسی حکم کی شرعی حیثیت بتانا۔ مثلاً جنگی معاملات میں کسی سابقہ تجربہ کار جرنیل کی بات کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ یعنی حربی امور میں اس کی بات حُجت شمار ہوگی۔ اسی طرح سے شرعی امور کو حل کرنے میں ہم جس کی عبارت یا بات کو دلیل کے طور پر پیش کریں وہ دلیل حُجت شمار ہوگی۔ کیونکہ فقہ کے بنیادی و خودمختار مآخذ دو ہیں قرآن اور سنت اس لئے ہر مسئلہ کے حل میں ان دو کی عبارت حُجت شمار ہوں گی یعنی بہترین اور آخری دلیل ہوں گی۔

حجیت سے مراد دلیل ہونا ہے۔ عمومی طور پر لفظ حجیت قرآن، حجیت سنت، حجیت اجماع، قیاس، حجیت قول صحابی وغیرہ بولے جاتے ہیں۔ ان سے مراد ان چیزوں کو مسائل کے حل میں دلیل کے طور پر قبول کرنا ہے۔ بعض لوگ حدیث کو شرعی مسئلہ کے حل کی دلیل نہیں مانتے انہیں ہم منکرین حجیت حدیث کہتے ہیں۔ فقہاء کے نزدیک متفقہ طور پر قرآن اور سنت دونوں حجت ہیں۔ یعنی ان کی حجیت پر تمام متفق ہیں باقی مآخذ کے دلیل یعنی حجیت ہونے پر اختلاف ہے یہ موضوع بھی اصول فقہ کا ہے اور اس کے پہلے عنوان الادلۃ الشرعیۃ (مآخذ قانون) سے متعلق ہے۔ لفظ حُجیت وسیع معنی رکھتا ہے لیکن مشروعیت محدود معنی کا حامل ہے۔

19۔ فقہی مذاہب:(Legal Schools of Thought)

فقہی مذاہب یا فقہی مسالک سے مراد یہ ہے کہ عملی زندگی میں درپیش مسائل کو متعدد علماء نے اسلامی شریعت کی روشنی میں مختلف طریقہ سے حل کیا ہے۔ ان کے پیش کردہ حل فقہی مذاہب اور مسالک کہلاتے ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ نہانے کے لئے پانی کی کتنی مقدار ہو کہ شرعی طور پر غسل پورا ہو جائے؟ اس مسئلہ کے بارے میں بعض علماء ایک بالٹی، بعض علماء دو بالٹیاں، بعض آدھی بالٹی اور بعض اس سے کم شرط عائد کرتے ہیں۔ اب اس مسئلہ کے بارے میں ہر عالم کی رائے اس کا مذہب شمار ہوگی۔

اہل سنت میں حنفی مذہب، مالکی مذہب، شافعی مذہب اور حنبلی مذہب مروج ہیں ان کو مذاہب اربعہ بھی کہتے ہیں۔ جب کہ اہل تشیع میں امامیہ، زیدیہ اور جعفریہ مذہب مروج ہے۔ ان تمام فقہی مذاہب کو فقہی مسالک بھی کہا جاتا ہے۔ گویا کہ مختلف مسائل کے بارے میں ائمہ مجتہدین کی آراء کو ان کا مذہب، مسلک

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

فقہ کہا جائے گا۔اہل سنت میں سابقہ بیان کردہ مذاہب اربعہ (چار مذاہب) پائے جاتے ہیں۔ان کے علاوہ ظاہری مذہب،معتزلی مذہب اور اوزاعی مذہب بھی پائے جاتے ہیں لیکن عالم اسلام میں اکثر مسلمان حنفی مذہب کے اختیار کرنے والے ہیں۔اِس عنوان پر اسی تعارفی باب کی فصل دوم میں تفصیلی بحث موجود ہے۔

20۔جمہور وشذوذ:(Majority & Minority)

یہ اصطلاح فقہ، اصول فقہ اور تقریباً تمام علوم اسلامیہ میں متداول ہے۔جمہور سے مراد کثیر اور شذوذ سے مراد قلیل ہے۔اگر کسی ایک مسئلہ پر اکثر علماء ایک رائے پر متفق ہیں یا اس رائے کے حامل ہیں تو اس رائے کو جمہور کی رائے، جماعت یا اکثر لوگوں کی رائے کہا جائے گا اور دوسری رائے کو شذوذ کی رائے۔مثلاً روزہ کھولنے کے وقت کے بارے مالکی، شافعی، حنبلی نقطہ نظر ایک ہے لیکن امام اعظم امام ابوحنیفہ کی رائے اس سے مختلف ہے تو اول الذکر جمہور کی رائے کہلائے گی اور آخر الذکر شذوذ کی رائے۔

اسی طرح جمہور علماء، جمہور فقہاء، جمہور محدثین، جمہور مفسرین کی اصطلاح سے مراد اکثر فقہاء وغیرہ ہیں۔امت مسلمہ کا اول یوم سے یہ رجحان رہا ہے کہ ہر مسئلہ میں جمہور علماء اور ہر دور میں جماعت یعنی کثیر لوگوں کے طریق کو اختیار کرتے ہیں اور شذوذ کو چھوڑ دیتے ہیں اس لئے ان کو اہل السنہ والجماعہ کہا جاتا ہے۔

اسلامی اصول فقہ اور غیر اسلامی اصول قانون کا تقابل:

اسلام دنیا کا واحد نظریہ ہے جس نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اپنے تمام نظاموں کی اپنے خصوصی مزاج کے مطابق بنیاد رکھی۔ اِن نظاموں میں اہم اخلاقی نظام، سیاسی نظام، معاشرتی نظام، معاشی نظام، قانونی نظام، دستوری نظام اور خانگی نظام وغیرہ ہیں۔اسلام کے خصوصی مزاج کی بنیاد بنی نوع انسان سے محبت اور مساوات انسانی پر قائم ہے۔قانونی نظام کسی نظریہ اور معاشرہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اسی وجہ سے 622ء میں رسول اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھتے ہوئے میثاق مدینہ کے ذریعہ اسلام کے قانونی نظام کی بنیاد رکھی اس سلسلہ میں یہ بات محل نظر رہے کہ اسلام میں قانون اور اصول قانون یعنی فقہ اور اصول فقہ دونوں کا ایک ہی وقت میں آغاز ہوا۔یعنی جب لوگوں کے مسائل، معاملات، تنازعات اور مقدمات کا فیصلہ یا حل پیش کرنا ہوتا تو اُس کے لئے اول روز سے ہی پہلا ماخذ قرآن مجید اور دوسرا ماخذ رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس جسے آج کل حدیث یا سنت کہتے ہیں اور تیسرا ماخذ شوری یعنی مشاورت تھی۔ دور نبوی ﷺ کے قانونی نظام کے تحت جتنے بھی فیصلہ ہوئے ہیں اُن تمام کے ماخذ یہی تھے گویا کہ اصول فقہ کی بنیادیں بھی ساتھ ساتھ استوار ہو رہی تھیں۔ یہ صورت حال ہمیں دنیا کے دوسرے نظاموں کی ترویج میں نظر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

نہیں آتی جس کا مطالعہ آپ آئندہ اوراق میں کریں گے۔

دور حاضر میں دنیا کے اکثر ممالک میں اصول فقہ یا اسلامی اصول قانون کے مقابلے میں مغربی اصول قانون مروج ہیں۔ اس لئے ان دونوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اصول فقہ اور دور حاضر کے مغربی اصول قانون میں بنیادی فرق ہے، جس کی تفصیل درج ہے۔

ا۔ابتداء اور بنیادی اقدار میں فرق:

مغربی اصول قانون اور اصول فقہ میں پہلا فرق اس کی ابتداء اور بنیادی قدروں میں ہے۔ مشہور مغربی مفکر اور ماہر قانون سامن (SALMOND) نے اصول قانون کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ اصول قانون یا جورس پروڈنس (Juris Prudence) سے مراد عموم، مجرد اور نظری قسم کی وہ تحقیق ہے جس کا ہدف قانون اور قانونی نظام کے ضروری اور بنیادی اصول کو واضح اور ممیّز کرنا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ تعریف اصول فقہ پر منطبق نہیں ہوتی۔ جس کا مطالعہ آپ سابقہ اوراق میں کر سکتے ہیں۔ نہ اصول فقہ کے مباحث محض نظری اور مجرد مباحث ہیں اور نہ اصول فقہ کا مقصد محض قانون کے بنیادی اصولوں کو ممیّز کرنا ہے۔

مغربی مصنفین اپنے عام دستور اور خواہش کے مطابق ہر اچھی چیز کا آغاز قدیم یونان سے اور ہر بری یا کمزور بات کا آغاز کسی نہ کسی مشرقی ملک کے تذکرہ سے کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں علم و حکمت کا ہر موتی یونان ہی کے صدف کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ علم اصول قانون یا جورس پروڈانس کے آغاز پر گفتگو کرتے ہوئے بھی ان کی نگاہ مکالمات افلاطون اور تصنیفات ارسطو پر ہی پڑی ہے۔ افلاطون کی ''جمہوریہ'' میں سقراط کی زبان سے قانون کی اہمیت کے اعتراف اور پابندی کے لزوم وغیرہ کے بارہ میں جو گفتگوئیں اور اشارے دیے گئے ہیں ان کا حوالہ دے کر علم اصول قانون کا آغاز یونان سے ہوتا بیان کیا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس دور کی تحریروں میں (ان کی تاریخی حیثیت سے قطع نظر) علم الاصنام، اساطیر، اخلاقی ہدایات، مظاہر فطرت پر استعجاب اور مذہبی خیالات اس طرح ملے جلے ہیں کہ ان کی بنیاد پر قانون کا کوئی واضح تصور نہ خود یونانیوں نے پیش کیا اور نہ آج ان تحریروں کی مدد سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ قدیم یونانیوں کی تحریروں میں عدل و انصاف کی دیویاں اور طاقت و حکومت کے دیوتا تو بولتے نظر آتے ہیں، وہاں یونانیوں کے مشرکانہ اساطیر کے قصوں میں کہیں کہیں اخلاقی ہدایات کا حوالہ تو ملتا ہے، وہاں یونانیوں کے قدیم دیوتا تو چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کے مکالمات سے اصول قانون یا جورس پروڈنس کے تصورات برآمد کرنے کا دعویٰ کرنا نہ صرف تاریخی طور پر بے بنیاد بات ہے بلکہ ایک مضحکہ خیز جسارت بھی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس مختصر جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دیگر مغربی اور مشرقی اقوام میں یا تو سرے سے علم اصول قانون کا کوئی تصور ہی موجود نہیں ہے (جیسے ہندو قانون میں) یا اگر کہیں کوئی تصور موجود بھی ہے تو اس کا آغاز نامعلوم اور مجہول ہے۔اس کے برعکس مسلمانوں میں ابتداء سے یہ علم دور نبوی ﷺ سے ہی اپنے موجودہ مآخذ، احکام اور بقیہ تفصیلات کے مطابق واضح طور پر موجود تھا اور انہیں بنیادوں پر آج تک قائم ہے۔(23)

2۔تعریف میں فرق:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ مغربی اصول قانون میں جورس پروڈنس کا ترجمہ عموماً اصول قانون کیا جاتا ہے۔اور یوں یہ قریب قریب اصول فقہ کا مترادف قرار پاجاتا ہے۔اسی لئے بہت سے حضرات جنہوں نے اصول فقہ انگریزی میں لکھا ہے وہ اصول فقہ کے لئے اسلامک جورس پروڈنس کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔جورس پروڈنس کو مغربی مفکر اصول قانون سامن (SALMOMD) نے قانون کا منظم و مرتب مطالعہ (SYSTEMATIZED STUDY OF LAW) قرار دیا ہے۔لیکن یہ تعریف اصول قانون پر تبھی پوری اتر سکتی ہے جب خود قانون مرتب و منظم نہ ہو اور نہ اس کا منظم و مرتب مطالعہ کیا جا سکتا ہو۔لہذا جورس پروڈنس کی یہ تعریف کم از کم فقہ پر پوری نہیں اترتی۔ایک تو اس لئے کہ فقہ خود قانون الٰہی کے عمیق، منظم اور مرتب مطالعہ کا نام ہے، پس سامن کی مذکورہ بالا تعریف کی حد تک فقہ ہی جورس پروڈنس ہے۔بعض مفکرین نے جورس پروڈنس کو قانون کا تجزیاتی علم کہا ہے۔اس معنی کے اعتبار سے بھی اصول فقہ کو جورس پروڈنس قرار دینا مشکل ہے۔مزید برآں سامن اور دوسرے کئی مغربی مصنفین اصول قانون نے خود کو دیوانی قوانین کے اصولوں اور مباحث تک محدود رکھا ہے اور فوجداری قانون کے معاملات سے تقریباً صرف نظر کیا ہے۔اس کے برعکس اصول فقہ جس کا آپ سابقہ اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں تمام قانونی معاملات کی بنیادیں فراہم کرتا ہے مزید اس میں زندگی کے عملی پہلو کے دو حصہ عبادات اور معاملات سے متعلق امور کو اسلامی مآخذ قانون کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے اور یہ امور مغربی اصول قانون میں کہیں بھی نظر نہیں آتے۔لہذا مغربی اور اسلامی تعریف میں بھی بنیادی اور جوہری فرق موجود ہے۔

۳۔اہداف و مقاصد میں فرق:

اصول قانون کی تعریف اور نوعیت کی طرح اصول قانون کے ہدف اور مقصد کا سمجھنا بھی اس تقابل کے لئے ضروری ہے۔جب تک مغربی ماہرین اصول قانون کے اپنے بیان کردہ مقاصد کی روشنی میں اصول قانون کے اہداف کو نہیں سمجھا جائے گا اس وقت تک اصول فقہ سے اس کا یہ تقابل مکمل نہیں ہوگا۔انگریزی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اصول قانون کا ایک نامور ماہر جس کو ہمارے برصغیر میں اپنے موضوع پر سب سے بڑی سند مانا جاتا ہے سامن (SALMOND) ہے، جس کی کتاب ''JURISPRUDENCE'' کم و بیش گذشتہ ستر اسی برس سے پورے جنوبی ایشیا کی قانون درسگاہوں میں پڑھائی جارہی ہے، اور ہمارے بیشتر ماہرین قانون کا مبلغ علم بلکہ منتہائے علم سامن کی یہی کتاب ہوتی ہے۔اس کتاب میں سامن نے اصول قانون کے درج ذیل مقاصد کتاب کے آغاز میں بیان کئے ہیں:

۱۔ اصول قانون کے مطالعہ کا کوئی علمی مقصد یا ہدف نہیں، یہ محض ایک نظری بحث ہے جس سے دلچسپی لینے یا جس کو پڑھنے پڑھانے کے کوئی عملی نتائج نہیں نکلتے۔

۲۔ علم اصول قانون سے ایک ماہر اصول قانون کی دلچسپی اسی نوعیت کی ہوتی ہے جس نوعیت کی دلچسپی ایک ماہر ریاضی کو اعداد سے ہوتی ہے۔جس طرح ایک ماہر ریاضی کے لئے اعداد کا کھیل بڑا دلفریب ہوتا ہے اس طرح ایک ماہر اصول قانون کو قانون کے مجرد اور نظری مباحث سے ایک مسحور کن دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے جو اس کو ان موضوعات کے مطالعہ پر آمادہ کرتی ہے۔

۳۔ فکر مجرد اور مباحث نظری کی خود ایک اپیل ہوتی ہے جس کی وجہ سے لوگ ایسے امور پر غور کرتے ہیں۔جس طرح حقیقت نور پر غور کرنے سے لذت محسوس ہوتی ہے اسی طرح حقیقت قانون پر غور کرنے میں بھی مزا آتا ہے۔

یہ ہیں اصول قانون کا مطالعہ کرنے کے محرکات و اسباب جو سامن نے بیان کئے ہیں۔اگر ان اسباب ومحرکات کا ان مقاصد و اہداف سے موازنہ کریں جو علمائے اصول فقہ نے اصول فقہ کے ذیل میں بیان کئے ہیں تو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے

اس کے مقابلہ میں دیکھئے علمائے اصول فقہ کیا مقاصد پیش نظر رکھتے ہیں۔مثلاً شافعی فقیہ اور متکلم علامہ سیف الدین آمدیؒ (م ۶۳۱ھ) لکھتے ہیں کہ علم اصول الفقہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ شریعت کے احکام کی معرفت حاصل کی جائے جن پر دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں اور کامیابیوں کا دار و مدار ہے۔ایک اور مفکر کے نزدیک اصول فقہ کا اصل مقصد فقہی احکام کے ثبوت کے لئے وحی الٰہی سے دلائل فراہم کرنا اور ان کی مدد سے اس بات کا عملی اطمینان اور فکری تسلی حاصل کرنا ہے کہ ہم جن احکام پر عمل کررہے ہیں وہ فی الواقع خدائے بزرگ و برتر کے احکام ہیں۔ایک اور مفکر کے نزدیک دین الٰہی کی حفاظت، اس کے دلائل کا تحفظ اور لامذہبوں اور ملحدوں کے شبہات سے اس کو پاک صاف رکھنا اصول فقہ کا اصل ہدف ہے۔

کہاں یہ اعلیٰ و ارفع ہدف اور کہاں وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف۔کہاں یہ پاکیزہ مقصد اور کہاں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

وہ بے مقصدی۔ کہاں یہ نتیجہ خیزی اور ثمر انگیزی اور کہاں وہ بے نتیجہ اور بے ثمری نظری بحثیں۔ یہی وجہ ہے کہ دور بنوی ﷺ سے جب سے علم اصول فقہ وجود میں آیا ہے اس وقت سے ہر دور کے فقہاء بالفعل اس کے قواعد وضوابط کے مطابق ہی قانون سازی، قانون کی تعبیر اور قانون کی تطبیق وتشریح کرتے چلے آرہے ہیں۔ بلکہ جوں جوں وقت گزرتا گیا اصولین کی گرفت فقہ اور فقہاء پر مضبوط ہوتی چلی گئی۔ گویا اصول فقہ ایک ایسا آہنی سانچہ ہے جس سے گزر کر فقہی احکام اپنی خاص شکل میں ڈھلتے رہے ہیں۔ اصول فقہ نے اسلامی قانون کے تسلسل اور تشخص کی حفاظت کی اور اس کو نت نئے وقتی رجحانات سے متاثر ہو کر اپنا رخ تبدیل کرنے سے ہمیشہ بچایا۔ لہٰذا اصول فقہ وہ مضبوط بنیاد ہے جس پر فقہ اسلامی کی ساری عمارت نہ صرف مضبوطی سے کھڑی ہے بلکہ دن بدن اس میں توسیع ہی ہوتی آئی ہے۔

۴۔ عنوانات اور مندرجات میں فرق:

مغربی اصول قانون اور اصول فقہ کے اغراض ومقاصد کے بعد موازنہ اور تقابل کا اہم میدان اصول قانون کے اہم موضوعات ومندرجات ہیں۔ اصول فقہ کے موضوعات ومندرجات کا اوپر جائزہ لیا جا چکا ہے، ان کو سامنے رکھتے ہوئے مغربی قانون کے اہم موضوعات کا جائزہ لیجیے تو درج ذیل امور ومباحث سامنے آتے ہیں:

ا۔ قانون کیا ہے اور دنیا (یعنی مغربی دنیا) کے ممالک میں قانون کا مفہوم کیا ہے؟

۲۔ قانون کیسے کام کرتا ہے؟

۳۔ قانون کیسے وجود میں آتا ہے؟ یعنی اس کے وجود میں آنے کی صورت (FORM) کیا ہے؟

۴۔ قانون کی سند یعنی اتھارٹی (Autroraty) کیا ہے؟

۵۔ قانون کیسے نفاذ پذیر ہوتا ہے؟ اور اسے کیسے نفاذ پذیر ہونا چاہیے؟

۶۔ اجتماعی رائے قانون اور قانون کی تشکیل پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے؟

۷۔ قانون کن اسباب وعوامل سے متاثر ہوتا ہے؟

۸۔ قانون کی قوت نافذہ کیا ہے؟ یعنی کون نافذ کرتا ہے اور اس کے نفاذ کے لئے کس قوت سے کام لیا جاتا ہے؟

۹۔ قانون کی قسمیں کون کون سی ہیں، ان قسموں میں آپس میں کیا فرق ہے؟ اور مختلف اقسام قانون کا نفاذ کیسے ہوتا ہے؟

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۱۰۔ دوسرے معاشرتی اور اجتماعی علوم، مثلاً تاریخ، سیاسیات، معاشیات وغیرہ کا قانون سے کیا تعلق ہے اور ان علوم کے ساتھ علم قانون کے کون کون سے مشترک مباحث ہیں؟

ان دس نکات کو سامنے رکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اِن میں چند قانونی اور دستوری نوعیت کے ہیں لیکن اکثر کا تعلق علم عمرانیات، سیاسیات، معاشرت اور اجتماعیت سے ہے۔

ان میں سے بیشتر موضوعات خالص نظری نوعیت کے ہیں جن کے پیش نظر سامن (SALMOND) نے بجاطور پر کہا تھا کہ ان کی کوئی عملی افادیت نہیں ہے۔ دوسری طرف اگرچہ علمائے اصول فقہ نے بھی بعض فکری اور کلامی بحثیں اٹھائی ہیں جو بادی النظر میں غیر ضروری یا کم اہم معلوم ہوتی ہیں لیکن ان بحثوں کا بڑا گہرا ربط اسلام کے تصور قانون (حکم خداوندی) کے فلسفیانہ اساس سے ہے اس لئے وہ بلاشبہ عملی افادیت رکھتی ہیں۔

مغربی اصول قانون کے مقابلے میں اصول فقہ کے اہم عنوانات چار ہیں جن کا تفصیلی مطالعہ آپ سابقہ سطور میں کر چکے ہیں۔ یہ چاروں خالص دستوری اور قانونی نوعیت کے ہیں ان میں کسی اور علم کا ملغوبہ شامل نہیں اور یہ چاروں عنوانات قانون سازی یا دستور سازی کے لئے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ بلکہ اگر کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ یہ عناوین اصول فقہ کی دراصل جان اور بنیاد ہیں۔ تعبیر قانون کے یہ اصول پہلی بار مسلمان فقہاء نے دنیا کو دیئے۔ فقہ اسلامی سے قبل رومن لاء میں تعبیر قانون کے نہایت ابتدائی تصورات ملتے ہیں جن کو نہ کوئی مکمل اور مربوط ضابطہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی رومن قانون دانوں نے ان کو ترقی دے کر ایسے اصول تیار کئے جیسے علمائے اصول نے اسلام کی ابتدائی تین چار صدیوں میں کر دئے تھے۔ رومن قانون دانوں کو اس کام کا آغاز ہی کرنے میں کم وبیش بارہ سو سال کا عرصہ لگا۔(24)

۵۔ مصادر و مآخذ میں فرق:

قانون کے مآخذ و مصادر کے باب میں بھی اصول فقہ اور اصول قانون کے تصورات و ترجیحات میں نمایاں فرق ہیں۔ مغربی اصول قانون میں قانون کے بڑے مآخذ دو ہیں: بقیہ مآخذ تقریباً اِسی کے ذیل میں آجاتے ہیں

۱۔ قدیم رواجات

۲۔ سرکاری قانون سازی جس کی بنیادیں مختلف زمانوں میں مختلف رہی ہیں۔

دیگر ضمنی مآخذ میں وہاں نظائر اور معاہدہ جات کا ذکر ملتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اسلامی قانون کی رو سے قانون سازی کی اصل اور بنیادی ماخذ دو ہیں:

۱۔ وحی الٰہی یعنی قرآن وسنت

۲۔ انسانی عقل وفہم پر مبنی اجتہاد

اجتہاد اگر اجتماعی ہو تو اجماع کہلاتا ہے جس کا درجہ وحی الٰہی یعنی کتاب وسنت کے فوراً بعد ہوگا مزید یہ کہ وہ وحی الٰہی کی مخالفت بھی نہیں کر رہا ہوگا۔ سرکاری یا ریاستی قانون سازی کا دائرہ فقہ اسلامی میں نسبتاً محدود ہے۔ اگر سامن (SALMOND) کی اصطلاح استعمال کی جائے تو اسلام میں اصل (یعنی پرنسپل) قانون سازی کی گنجائش نہیں ہے البتہ ذیلی اور ضمنی یا ماتحت (سبارڈی نیٹ) قانون سازی ہوسکتی ہے جو اسی صورت میں قابل قبول ہوگی جب وہ اصل قانون یعنی شریعت سے متعارض نہ ہو۔ آخر میں عرف یعنی رواج اور معاہدہ جات وغیرہ کا درجہ ہے جو پہلے ماخذ کے تابع ہیں۔

۶۔ مذہب سے بےزاری اور لگاؤ کا فرق:

اصول فقہ اور مغربی اصول قانون میں ایک فرق مذہب سے لگاؤ اور بغاوت کا ہے، مغرب میں قانون اور اصول قانون کی تعریفات، مآخذ ومصادر، مباحث ومسائل اور مقاصد واہداف کے بارہ میں جو بنیادی اور جوہری اختلافات پائے جاتے ہیں ان کے اسباب میں سے اہم سبب مذہب اور قانون، قانون اور اخلاق اور قانون اور نظریہ یا مذہب ودین کے درمیان ربط اور تعلق کے بارہ میں اہل مغرب کا رویہ ہے اس کے اثرات جدید اصول قانون پر بھی ہیں۔

اہل مغرب کے ہاں مذہب یا دین اور قانون کے رشتہ کے بارہ میں صدیوں سے شدید قسم کا اختلاف چلا آرہا ہے۔ وہاں مذہب کے غلط نظریات اور اہل مذہب کے استحصالی رویہ کی وجہ سے پندرھویں صدی کے اواخر ہی سے مذہب کے خلاف ایک شدید بغاوت پیدا ہوگئی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک وہاں کے بیشتر اہل فکر کا دماغ صرف اس ایک نقطہ پر کام کرتا رہا کہ مذہب کو اجتماعی زندگی سے کیوں کر بے دخل کیا جائے اور اس کے لئے کیا کیا جواز فراہم کیے جائیں۔ انیسویں صدی کے آتے آتے لامذہبیت کو ایک طے شدہ نظریہ کی حیثیت حاصل ہوگئی اور مذہب کا رشتہ تمام اجتماعی اداروں اور عمرانی علوم سے منقطع ہوگیا۔ اس طرز فکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون اور دوسرے تمام عمرانی علوم اور اجتماعی اداروں کی حقیقی فکری بنیاد کے بارہ میں شدید ترین اختلاف پیدا ہوگئے اور کسی ایک بنیاد پر اتفاق رائے کا وجود ناممکن ہو کر رہ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ہر قابل ذکر قانونی مفکر اپنا الگ نظریہ قانون مرتب کرنا ضروری سمجھتا ہے اور از سرنو تمام مباحث کو اٹھانا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اور ان پر اپنا منفرد نقطہ نظر پیش کرنا بھی ضروری قرار دیتا ہے۔اس کا نتیجہ سوائے مزید اختلاف اور الجھاؤ کے اور کیا ہوسکتا ہے۔

پھر جب مذہب واخلاق ہی کی سند مجروح ہوگئی تو قانونکی آخری بنیاد آپ سے آپ ختم ہوگئی اس لئے کہ مذہب واخلاق ہی وہ چیزیں ہیں جو مختلف الخیال اور مختلف المزاج لوگوں کے مابین کوئی متفقہ بنیاد فراہم کر سکتے ہیں۔مجرد انسانی عقل کی بنیاد پر کوئی متفقہ اساس تلاش کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ جتنے انسان ہوں گے اتنی ہی ان کی عقلیں ہوں گی اور جتنی عقلیں ہوں گی اتنی ہی بنیادیں تجویز کی جائیں گی۔انسانی عقلوں کو عقل سلیم بنانے اور فطرت سلیمہ کی شاہراہ پر چلانے والے واحد چیز مذہب واخلاق ہی ہے جس سے اہل مغرب بدکتے ہیں۔جہاں خود زندگی کے اصل الاصول کے بارہ میں ابہام پایا جاتا ہو وہاں قانون کی اصل اساس اور آخری سند کے بارہ میں کیوں ابہام نہ پایا جائے گا۔

دوسری طرف مسلمان اپنے مذہب سے مکمل لگاؤ رکھتے ہیں اور اُن کے اصول فقہ کی بنیاد ہی ان کا مذہب اسلام ہے مزید اُن کے درمیان اِس سلسلہ میں بھی بحران یا اختلاف نہیں ہے۔مثلاً فقہ اسلامی کو دیکھیے کہ وہاں کبھی بھی ایسا کوئی بحران اور تعارض جنم نہیں لے سکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک فطری اور آسان دین ہے اس کے تمام احکام اور ان کی بنیادیں انسانی طبیعت سے اسی طرح مطابقت رکھتی ہیں جس طرح ٹرین اپنی لائن پر چلتے ہوئے یا کار بس وغیرہ پختہ سڑک بھی چلتے ہوئے فطری مطابقت کی وجہ سے فراٹے بھرتے ہوئے جاتی ہیں۔اسی طبعی موافقت کی وجہ سے اسلام میں نہ صرف فقہ وشریعت بلکہ ریاست وحکومت، سیاست واجتماع، تجارت معیشت اور اخلاق وروحانیات، غرض ہر چیز کی ایک متعین اور طے شدہ اساس موجود ہے اور وہ وحی الٰہی ہے جو ہر چیز کے حسن وقبح کا فیصلہ کرنے میں آخری اور سب سے حتمی سند ہے۔پھر مغربی اصول قانون میں حاکمیت اعلیٰ (Soverign Power) کے بارے میں یونانی، رومی اور دور جدید میں مختلف تصورات جنم لیتے رہے ہیں کبھی بادشاہ کبھی پوپ، کبھی مذہب اور کبھی جمہور اس کے مصداق ٹھہرتے رہیں لیکن اصول فقہ میں روز اول سے یہ مقام خالق کائنات اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوا اور آج تک یہی فطری اصول اس کی بنیاد ہے۔(25)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حوالہ جات:

تعارفی باب (فصل اول)

فقہ و اصولِ فقہ کا تعارف

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

(1) فیروز آبادی۔ القاموس۔ بیروت۔ موسسۃ الرسالۃ۔ 1987-/1614

(2) ابوزھرہ امام۔ اصول الفقہ۔ بیروت درالفکر العربی۔ (ت۔ن) 6/

(3) امام مسلم۔ صحیح مسلم۔ بیروت دار احیاء التراث الاسلامی (ت۔ن) 817/6

(4) محمد تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ لاہور۔ اسلامک پبلیکیشز 31/1983

(5) الغزالی محمد بن محمد۔ احیاء علوم الدین۔ بیروت۔ دارالمعرفہ (س۔ن) 24/1

(6) الغزالی محمد بن محمد۔ احیاء علوم الدین۔ بیروت۔ دارالمعرفہ (س۔ن) 24/1

(7) ابن عابدین محمد امین بن عمر۔ ردالمحتار علی الدر المختار۔ بیروت۔ دار النشر والتوزیع 1995۔ مقدمہ 5/

(8) ابن سعد عبدالرحمٰن۔ طبقات ابن سعد (طبقات کبری) بیروت۔ 1957-363/2

(9) ابن ہشام۔ سیرہ ابن ھشام۔ قاھرہ۔ مکتبہ المعارف 1329ھ۔ 32/3

(10) بہاری۔ محبّ اللہ محمد بن عبدالشکور شرح مسلّم الثبوت۔ قاھرہ۔ مطبعہ کردستان علمیہ۔ 1326ھ۔101

(11) آمدی۔ سیف الدین۔ الإحکام فی أصول الاحکام۔ قاھرہ۔ مطبعہ المعارف 7/1

(12) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع الاسلامی۔ کراچی ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔ 3/1987

(13) حوالہ سابقہ

(14) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول۔ لاہور۔ مطبع مجتبائی 1986-/32

(15) غازی محمود احمد ڈاکٹر۔ اصول فقہ (علم اصولِ فقہ ایک تعارف ا) اسلام آباد، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2002ص 14-21

(16) عبدالکریم زیدان الوجیز فی اصول الفقہ بیروت الموسسہ الرسالۃ 1405ھ 11/

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(17) مظہر الدین بقاء ڈاکٹر۔ شاہ ولی اللہ اور علم اصول الفقہ۔/25

(18) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع الاسلامی/8 مزید دیکھیں جامع الاصول/25، میں ڈاکٹر احمد حسن صاحب نے یہی چار باب بنائے ہیں۔

(19) تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/48

(20-21) محمد امین ڈاکٹر۔ عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون۔ لاہور۔ ادارہ ترجمان القرآن۔ 4/1989

(22) علی حسب اللہ اصول التشریع الاسلامی/2

(23) غازی ڈاکٹر محمود احمد۔ علم اصول الفقہ 25/2

(24) حوالہ سابقہ/32

(25) ایضاً/36

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تعارفی باب

فصل دوم

اصول فقہ کی تاریخ خصوصاً برصغیر کے تناظر میں

علم اصول فقہ کا آغاز اور ارتقاء

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا آپ سابقہ اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ جس زمانہ میں علم فقہ وجود میں آیا، علم اصول فقہ کی ابتداء بھی اسی دور سے ہوئی۔اس کا سبب یہ تھا کہ عوام الناس کے مابین اختلافات، تنازعات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے اور فقہ یعنی قانون بنانے کے لئے چند مقررہ اصول اور ضابطوں کی ضرورت ہوتی ہے، اور انہی اصول اور قاعدوں کو اصول فقہ کا نام دیا گیا۔

اگرچہ زمانہ دونوں کا ایک ہی ہے، لیکن جزوی اور بے قاعدہ طور پر فقہ کی تدوین پہلے ہوئی دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اصول فقہ کے قاعدوں کی تدوین اور اس کے علیحدہ ایک فن کی صورت میں آنے سے قبل فقہ کچھ حد تک مدون ہو چکی تھی، اس کے مسائل کافی حد تک چھانٹ کر علیحدہ لکھے جا چکے تھے، اس کے قاعدے اور ضابطے بن چکے تھے، اور ان سب کو ممتاز حیثیت بھی حاصل ہو چکی تھی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ اصول فقہ کے قاعدوں کا آغاز بھی فقہ کی تدوین کے بعد ہوا، اور اس سے پہلے ان کا وجود بھی نہ تھا، اور یہ کہ اس سے قبل فقہاء دور حاضر میں موجود اصول فقہ کے مقررہ قاعدوں اور طریقوں کو استنباط احکام کے سلسلہ میں کام میں نہیں لاتے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ اس علم کے قواعد اور طریقے ابتداء اسلام یعنی دور نبوی ﷺ اور دور صحابہ میں موجود تھے اور ان کے مطابق قانون سازی یعنی فقہ مرتب اور مدون کی جاتی تھی۔لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اصول صحابہ کرامؓ اور مجتہدین کے ذہنوں میں موجود تھے، اور انہی کے روشنی میں وہ تمام فقہی مسائل حل کرتے، اگرچہ وہ اس کی تصریح نہیں کرتے تھے۔مثلاً عبداللہ بن مسعود جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، اور فقیہ بھی یہ فرماتے تھے کہ جس حاملہ عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اس کی عدت وضع حمل یعنی بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔اور اپنے اس قول کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش

Marfat.com

فرماتے تھے۔

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾. (طلاق:۴)

ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔

ان کا استدلال یہ تھا کہ سورہ طلاق جس میں یہ آیت ہے سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی اور سورہ بقرہ میں اس عورت کے عدت کے بارے میں جس کا شوہر مرجائے ایک دوسری آیت ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾. (بقرہ ۲۳۴:۴)

ترجمہ: جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن تک روکے رکھیں یعنی دوسری شادی نہ کریں۔

اب اس مسئلہ میں انہوں نے دورِ حاضر میں اصول فقہ کے اصول کے مطابق قرآن مجید کو اولین ماخذ قانون کا درجہ دیا۔ اور یہی مقام اس ماخذ کا آج تک ہے۔(۱)

اصول فقہ دور نبوی ﷺ میں

سابقہ مثال سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اصول فقہ ابتداہی سے ہمیشہ فقہ کے ساتھ رہی، اور دونوں پہلے دور رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے ہی لازم وملزوم کی حیثیت سے ساتھ ساتھ چلتے رہے بلکہ فقہ کے آغاز سے پہلے بھی یہ علم موجود تھا، کیونکہ اس میں استنباط احکام کے قوانین ہوتے ہیں اور مختلف رایوں کو جانچنے کے لئے یہ میزان کا کام دیتا ہے۔

یہ بات اہل علم پر روز روشن کی مانند واضح ہے کہ انسانی مسائل حل کرنے کے لئے کچھ اخلاقی، قانونی تہذیبی یا علاقائی بنیادیں ہوتی ہیں۔ مسائل کبھی بھی بنیادوں کے بغیر حل نہیں کئے جاسکتے مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی بنیادیں اصول فقہ کہلاتی ہیں جو فقہ سے پہلے موجود تھا۔ تاہم تدوین کے میدان میں فقہ سے پہلے اس کی تدوین کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس علم کے قاعدوں کے بارے میں چنداں بات کرنے کی ضرورت نہ تھی، اُس کی وجہ یہ تھی کہ عہد نبوی میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی خود اصول فقہ کی بنیاد تھیں مزید بیانِ احکام اور فتوے کے لئے مرجع ومرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لئے وہاں استنباط احکام کے طریقوں اور اس کے ضابطوں کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وسنت میں کسی مسئلہ میں حکم موجود نہ ہونے کی صورت میں حکم معلوم

Marfat.com

کرنے کے طریقوں کی طرف خود ہی رہنمائی فرمائی۔آپ کے زمانہ میں صحابہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف ہوا تو اس کا فیصلہ یا تو آپ نے خود فرمایا، یا پھر وسعت کے پیش نظر اس میں اجتہاد کی گنجائش رہنے دی۔اور یہی چیز آپ کی وفات کے بعد خیر کا پہلو رکھتے ہوئے، فقہاء صحابہؓ کے درمیان اختلاف کا سبب بنی۔(2)

اصول فقہ دور صحابہؓ و تابعین میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے نئے واقعات پیش آئے۔اس لئے کتاب سنت سے ان کے لئے احکام دریافت کرنا ضروری تھا۔تاہم فقہاء صحابہ نے اجتہاد کے اصولوں اور استدلال کے طریقوں پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہ سمجھی، کیونکہ عربی ان کی مادری زبان تھی، وہ اس کے اسلوب اور ضابطے خوب سمجھتے تھے، وہ یہ جانتے تھے کہ عربی کے الفاظ اور عبارتیں اپنے معانی پر کس طرح دلالت کرتے ہیں، نیز ایک طویل عرصہ تک رسول اکرم ﷺ کی صحبت و مصاحبت میں رہنے کی وجہ سے وہ شریعت کے اسرار، اس کی حکمت، مختلف آیات کے اسباب نزول، اور احادیث کے موقع ومحل سے خوب واقف تھے۔

استنباط احکام میں ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی واقعہ حکم دریافت کرنے کے لئے ان کے سامنے پیش کیا جاتا تو پہلے وہ اُس کا حکم قرآن مجید میں تلاش کرتے، اگر اس میں نہ ملتا تو سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر سنت میں بھی نہ ملتا تو پھر وہ شریعت کے ان مقاصد کی روشنی میں اجتہاد کرتے جو انہیں پہلے سے معلوم تھے، یا نصوص سے جن کی طرف کوئی اشارہ نکلتا تھا۔اجتہاد کرنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہ آتی تھی، اس لئے انہیں اصولِ فقہ اور اس کے قواعد مدون کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔علاوہ ازیں مدت دراز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے سبب ان میں ایک فقہی ذوق اور ملکہ پیدا ہوگیا تھا، نیز ذہن کی تیزی، نفس کی پاکیزگی اور فہم کی رسائی میں وہ دوسروں سے ممتاز تھے۔

صحابہ کرام کا دور بھی اسی طرح گزر گیا اور اس دور میں بھی اس علم کے قواعد وضوابط کے مطابق اجتماعی و نفرادی مسائل حل ہوتے رہے لیکن مدون نہیں ہوئے۔اور تابعین بھی انہی کے نقش قدم پر چلے۔انہی کے طریقوں کے مطابق وہ بھی احکام مستنبط کرتے تھے۔تابعین کا زمانہ بھی عہد نبوی سے قریب تھا، انہیں بھی صحابہ کی صحبت ملی تھی، اور ان سے استنباطِ احکام کا علم اخذ کیا تھا، اس لئے استنباطِ احکام کے اصول مدون کرنے کی ضرورت انہیں بھی پیش نہ آئی۔(3)

Marfat.com

اصول فقہ کا دور تدوین

لیکن تابعین کا زمانہ ختم ہونے کے بعد اسلامی سلطنت وسیع تر ہوتی گئی، اور بے شمار نئے نئے واقعات پیش آنے لگے۔ عربوں کا غیر عربوں کے ساتھ اس طرح اختلاط ہوا کہ اس کے سبب سے عربی زبان ان نومسلم اقوام میں اپنی اصلیت کے ساتھ باقی نہ رہ سکی۔ اسلامی سلطنت کے وسیع ہونے کی وجہ سے تمام نئے علاقوں کے عدالتی نظام کو اسلامی قانون کے مطابق ترتیب دینے اور سلطنت اسلامیہ میں اس بارے میں یک رنگی اور جوہری اتفاق پیدا کرنے کے لئے شدت سے ضرورت محسوس ہوئی کہ دور نبوی اور دور صحابہ کے اصولوں کو آسان پیرایہ میں ترتیب دے کر مدون شکل دے دی جائے تاکہ مشرق و مغرب کی تمام نومسلم اقوام اِن اصولوں کو مدنظر رکھ کر اپنے فیصلے کریں اور اپنے انفرادی و اجتماعی مسائل حل کریں۔ اس وجہ سے اجتہاد اور مجتہدین کا دور دورہ ہوا۔ استنباط احکام کے متعدد طریقے وضع کئے گئے، بحث و مباحثہ میں وسعت پیدا ہوئی، ان تمام اسباب کی بنا پر فقہاء نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اجتہاد کے قاعدے اصول اور ضابطے وضع کئے جائیں تاکہ اختلاف کی صورت میں مجتہدین ان کی طرف رجوع کرسکیں، اور وہ صحیح اور درست رائے کے لئے میزان بن سکیں۔

عربی زبان، اس کے اصول و مبادی، شریعت کے معروف مقاصد و اسرار، شریعت میں مصالح کی رعایت، اور صحابہ کے طرز استدلال سے ان قواعد وضوابط کے بنانے میں مدد لی گئی۔ انہی قواعد اور مباحث کے مجموعہ کا نام اصول فقہ ہے۔ (4)

یہ علم اپنی مدون شکل میں فقہاء کے کلام اور احکام کے سلسلہ میں ان کی توضیحات کے درمیان مختلف جگہوں پر بکھرے ہوئے قواعد کی صورت میں نمودار ہوا۔ ایک فقیہ نے کسی حکم کا ذکر کیا، اس کی دلیل بیان کی اور وجہ استدلال پر گفتگو کی۔ اسی طرح فقہاء کے درمیان اختلاف کو اصول فقہ کے ضابطوں سے تقویت پہنچی، جن پر ہر فقیہ اپنے نقطہ نظر کی تائید، اپنے مسلک کو استحکام بخشنے اور اجتہاد میں اپنا مآخذ بیان کرنے کے لئے اعتماد کرتا تھا۔ تمام اختلافات میں اُن مجتہدین کرام کے مآخذ قرآن وسنت ہی ہوتے تھے اور وہ اپنے استدلال کو دور صحابہ و تابعین کے واقعات سے مدلل کرتے تھے۔ (5)

دور نبوی ﷺ کے اہم مآخذ قانون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جب صحابہ کرامؓ کو بالعموم اور خلفائے راشدینؓ کو بالخصوص نئے نئے مسائل اور گوناگوں مشکلات سے واسطہ پڑا تو انہوں نے ان کے جواب

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اور حل کے لئے قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح رہنمائی حاصل کی جیسے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے دوران آپ سے حاصل کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی دو مآخذ قرآن اور سنت کے علاوہ اجتہاد اور قیاس کی صحابہ کرامؓ کو اپنی ذاتی نگرانی میں خود تربیت دی تھی جس کی مثالیں سنت کے ذخیرہ میں موجود ہیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جب بطور گورنر یمن روانگی کے وقت حضور علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں کہ اگر کسی معاملہ میں حل قرآن وسنت میں نہ ملا تو کیا کرو گے، یہ جواب دیا تھا کہ اپنی رائے اور فہم کے مطابق اجتہاد کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کی تصویب فرمائی تھی بلکہ اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار بھی فرمایا تھا۔ گویا اجتہاد کا اصول عہد نبوی میں نہ صرف عملاً روبعمل آنا شروع ہو گیا تھا بلکہ اس کو ایک طے شدہ مآخذ قانون کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ (6)

دور صحابہؓ میں اصول فقہ کا ارتقاء

عہد نبوی میں صحابہ کرامؓ کے قیاس کے ذریعہ حکم شرعی معلوم کرنے کے واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ علامہ ابن عقیلؒ حنبلی (م ۵۳۱ھ) نے ان واقعات کو متواتر قرار دیا ہے جن سے علم قطعی حاصل ہو جاتا ہے۔ قیاس کی طرح کتب حدیث میں صحابہ کرامؓ کی طرف سے استدلال، استحسان اور استصحاب کے اصولوں پر عمل کرنے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے عہد مبارک میں اسی تربیت نبوی سے کام لیتے ہوئے اجتہاد و قیاس اور استدلال واستحسان کے اصولوں پر عمل کیا گیا اور اصول فقہ کے ایسے اصول وکلیات طے پا گئے جن پر اس پورے علم کا دارو مدار ہے۔

یہاں ہم چند ایسے اہم اصولی احکام وکلیات کا ذکر کرتے ہیں جو عہد صحابہؓ میں طے کئے اور جن کی بنیاد پر اصول فقہ کے بہت سے اصول واحکام مرتب کئے گئے۔ اوپر اجتہاد و قیاس کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ان دونوں اصولوں پر عمل درآمد شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ جب بھی اجتہاد سے کام لیتے یا قیاس کی بنیاد پر کوئی حکم دریافت کرتے تو اس کو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، اگر وہ اجتہاد درست ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی توثیق فرما دیتے ورنہ اس میں مناسب اصلاح فرما دیتے تھے۔ اور غلطی کی نشان دہی کر دیتے تھے۔ عہد نبوی میں اجماع کا کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اس لئے کہ اجماع کی تعریف ہی یہ ہے کہ کسی ایسے معاملہ میں جہاں کتاب وسنت کی براہ راست راہنمائی دستیاب نہ ہو امت مسلمہ کے تمام مجتہدین مل کر کسی ایک اجتہاد پر اتفاق کر لیں ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کی حیات طیبہ میں اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آ سکتی تھی۔ (7)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

واضح رہے کہ اصول فقہ کے مباحث میں جس چیز کو قیاس (یعنی ANALOGICAL REASONING) کہا جاتا ہے وہ یونانی منطق کے قیاس (یعنی SYLLOGISM) سے مختلف چیز ہے۔ ماضی قریب کے مشہور مفکر و مورخ ڈاکٹر علی سامی نشار نے لکھا ہے کہ علمائے اصول کا تصور قیاس علم کی تاریخ میں ایک نئے دور کا نقیب تھا۔ اس نے ایک ایسے منہاج تحقیق (RESEARCH METHODOLOGY) کو جنم دیا جس نے آگے چل کر استقرائی (INDUCTIVE) اور تجربی (EMPRICAL) مناہج کو فروغ دیا۔(8)

تاہم رسول اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق کتاب وسنت کے بعد قیاس یا اجتہاد کو نہیں بلکہ اجماع کو تیسرا درجہ دیا ور اس کی بنیاد پر معاملات کا فیصلہ کرنے کی طرح ڈالی۔ محدثین نے مشہور تابعی میمون بن مہرانؒ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی معاملہ پیش ہوتا تھا تو سب سے پہلے کتاب اللہ میں اس کا حکم تلاش کرتے تھے۔ وہاں اس کا حکم مل جاتا تو اس کے مطابق اس کا فیصلہ کرتے تھے۔ کتاب اللہ میں اس معاملہ کا حل نہ ملتا تو اگر خود ان کے علم میں کوئی حدیث ہوتی جس کی روشنی میں معاملہ نبٹایا جا سکتا تو اس کے مطابق اس کا فیصلہ کرتے، ورنہ مسلمانوں سے معلوم کرتے کہ کیا ان میں سے کسی کے علم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کا کیا فیصلہ فرمایا ہے۔ اگر کسی کے پاس متعلقہ معاملہ کے بارہ میں کوئی حدیث ہوتی تو وہ پیش کر دیتا اور یوں معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا۔ اگر ایسا نہ ہوسکتا تو وہ سربرآوردہ لوگوں (رؤوس الناس) اور بہترین افراد (خیار الناس) کو جمع کرتے، ان سے مشورہ کرتے اور جب ان کی رائے کسی ایک معاملہ میں متفق ہو جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ یہی طرز عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی رہا۔ انہوں نے اس میں اتنا اضافہ کیا کہ سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رہنمائی نہ ملنے کی صورت میں وہ اجماع سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور کی نظیر دریافت کرتے اور اگر کوئی نظیر مل جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ اور اگر کسی معاملہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نظیر بھی نہ ملتی تو پھر اجماع امت کا بندوبست واہتمام فرماتے۔(9)

دور صحابہؓ میں اصول فقہ کے قواعد

صحابہ کرامؓ کے دور میں اصول فقہ کے جو تصورات اور قواعد سامنے آئے جن پر سب کا اتفاق رائے ہو گیا ان میں سے چند بطور مثال درج ذیل ہیں:

ا۔ قرآن وسنت میں اگر ایک موضوع سے متعلق دو حکم ملتے ہیں تو بعد والے حکم کو پہلے والے حکم کا ناسخ یا

Marfat.com

مخصص قرار دیا جائے گا۔ یعنی پہلا حکم یا تو منسوخ قرار دیا جائے گا یا اس کے انطباق کو دوسرے حکم کی روشنی میں محدود یا مخصوص کر دیا جائے گا۔ محدثین نے روایت کیا ہے اور اس کا ذکر پچھلے صفحات میں بھی ہے کہ صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی بیوہ خاتون امید سے ہو تو اس کی عدت کیا ہے؟ اس سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۴ میں بیوہ کی عدت چار مہینہ دس دن بیان ہوئی ہے، اور سورۃ الطلاق کی آیت ۵ میں حاملہ کی عدت وضع حمل بیان کی گئی ہے۔ اب اگر کوئی خاتون بیوہ بھی ہو اور حاملہ بھی تو اس کی عدت کیا ہو گی۔ اس پر صحابہ کرامؓ کے مابین اختلاف رائے ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ چھوٹی سورت النساء (یعنی سورۃ الطلاق) بڑی سورۃ النساء (یعنی سورۃ البقرہ) کے بعد نازل ہوئی تھی (۶)۔ گویا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ اصول بیان فرما رہے تھے کہ بعد والا حکم پہلے والے حکم کا مخصص، مقید یا ناسخ ہوتا ہے۔ (10)

۲۔ کسی معاملہ کا فیصلہ کرتے وقت یہ دیکھنا چاہئے کہ اس فیصلہ سے بالآخر کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ اسی طرح کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ کرتے ہوئے یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں۔ اگر کسی چیز کے نتائج غلط نکل رہے ہوں تو اس کو ناجائز قرار دیا جانا چاہئے۔ اس اصول کی بنیاد پر خود قرآن پاک میں کئی احکام دیے گئے ہیں۔ احادیث میں بہت سے معاملات میں یہ اصول کار فرما نظر آتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اس اصول کی بنیاد پر بہت سے معاملات کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں شراب خوری کی سزا کے تعین کی بابت مشورہ ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے اسی کوڑوں کی سزا تجویز کی اور فرمایا کہ جو شراب پیتا ہے وہ نشہ میں آ کر ہذیان بکتا ہے، اور جو شخص ہذیان بکتا ہے وہ بہتان طرازی بھی کر گزرتا ہے جس کی سزا اسّی کوڑے ہے۔ لہٰذا شراب نوشی کی سزا بھی اسّی کوڑے ہی ہونی چاہئے۔ قانون سازی کا یہ اصول اصطلاح میں حکم بالمآل کہلاتا ہے۔ یعنی کسی چیز کی بابت فیصلہ کرنے میں اس کے انجام اور نتائج کو پیش نظر رکھنا۔

۳۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ میں یمن میں ایک عورت نے اپنے آشنا اور اس کے ایک ملازم سے مل کر اپنے سوتیلے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ یمن کے گورنر حضرت یعلی نے امیر المومنین کو ریفرنس بھیجا اور پوچھا کہ اس صورت حال میں کیا حکم ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جواب میں لکھا کہ ان سب لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور فرمایا کہ اگر صنعاء (یمن کے دارالحکومت) کے تمام باشندے اس بچے کے قتل میں شریک

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہوتے تو میں ان سب کو اس بچہ کے قصاص میں قتل کرا دیتا۔ یہاں واضح طور پر آنجناب نے سدِ ذریعہ کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے تمالئو کا قاعدہ وضع کیا۔

۴۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے کسی مستغیث کی شکایت پر ایک خاتون کو طلب فرمایا۔ آنجناب کی طلبی کا حکم آنے سے وہ ایسے خوف و دہشت کا شکار ہوئی کہ اس کا اسقاط حمل ہو گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ اس بچہ کی دیت آپ پر واجب ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ رائے قبول کی اور اپنی عائلہ کے ذریعہ مرنے والے بچہ کی دیت ادا کرائی۔ اس رائے کے قائم کرنے میں ان دونوں اکابر صحابہؓ نے قیاس سے کام لیا۔

اس قسم کی بے شمار مثالیں اور واقعات کتب حدیث، مغازی فقہ اور تاریخ اسلام کی کتب میں موجود ہیں یہاں پر چند واقعات کا ذکر کر کے یہ بات واضح طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک تو اصول فقہ کے قواعد ابتداء میں ترتیب پا چکے تھے اور دوسرا یہ کہ ان قواعد کو ہم نے کسی یونانی رومی، مصری یا ایرانی قوانین سے اُخذ نہیں کیا بلکہ یہ تمام اسلام کے اپنے ہیں اور مسلم فقہاء کرام نے ہی انہیں مرتب کیا ہے۔ (11)

اصول فقہ کی تصنیفات کا آغاز

اصول فقہ کے تصنیفاتی دور کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اس کا آغاز احناف نے کیا اور انہوں نے اس علم کو جڑیں، تنا، شاخیں اور ٹہنیاں عطا کر کے ایک زندہ و جاوید علم کی حیثیت دی۔ احناف کے اس احسان کا امت مسلمہ قیامت تک بدلہ نہیں اتار سکتی۔ احناف کے بعد اس علم کی آبیاری اور اِسے عروج سے ہمکنار کرنے میں شوافع نے بڑا کام کیا اور ان کے بڑے بڑے ائمہ کرام امام جوینی، امام غزالی، امام رازی، امام بیضاوی وغیرہم نے اس علم پر بہت وقیع اور اعلیٰ درجہ کا اضافہ کیا احناف اور شوافع کے کارہائے نمایاں میں صرف اتنا فرق ہے کہ احناف نے اصول فقہ کے تمام مباحث کو نقلی اور شرعی اعتبار سے ترتیب دینے پر زور دیا اور اگر کہیں عقلی مباحث کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُس کو بقدر ضرورت استعمال کیا۔

فقہاء احناف کو فقہی باریکیوں پر دسترس اور مسائل فقہیہ (جو قرآن و سنت کو مدنظر رکھ کر اخذ کئے گئے) سے اصول فقہ کے قواعد و قوانین اخذ کرنے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ اصول فقہ کے قواعد ترتیب دینے میں نقلی مواد کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اس لئے حنفی اصول فقہ میں عقلی اور فلسفیانہ بحثیں بہت کم ملتی ہیں اور وہ اس سلسلے میں نقلی مواد یعنی قرآن، سنت، خلفاء راشدینؓ کا طریقہ، فقہاء صحابہؓ کی آراء اور مزید علماء کرام کی آراء کو بنیاد بنا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کر اصول فقہ مرتب کرتے ہیں۔

فقہاء شافعیہ نے احناف کے برعکس اپنی ترتیب میں عقل اور فلسفہ کو بہت زور شور اور بنیادی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہوئے اپنی اصول فقہ کے مباحث میں سمویا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر شافعی علماءِ اصول فلسفہ کے بڑے ماہرین میں سے تھے مثلاً امام غزالی، امام رازی تو فلاسفہ کے امام تھے، مالکیہ اصول فقہ کے میدان میں شافعی مسلک کی ابتدائی کتب کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر اُن کو اپنے اصولوں کے مطابق ڈھال کر پیش کر دیتے ہیں۔

حنابلہ نے بھی شافعی اصولوں کو مدنظر رکھا لیکن اس میں انہوں نے فلسفہ اور عقلی رجحان سے کنارہ کشی کی دور حاضر میں سعودی عرب کی حکومت کے زیر اثر حنبلی اصول فقہ پر بہت زور و شور سے وقیع علمی کام ہو رہا ہے۔(12)

قبل ازیں اصول فقہ کی ابتدائی تاریخ کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ اصولی مباحث پر دوسری ہجری کے اوائل ہی سے تالیفات اور تحریری کاوشوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ (150) اور ان کے تلامذہ نے رائے، استنباط، اجتہاد اور استحسان جیسے اہم اصولی مسائل و مباحث پر تحریریں مرتب کیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے ''کتاب الرائے'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس کو بعض مورخین نے اصول فقہ کی پہلی باقاعدہ کتاب قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام صاحب کے شاگرد امام محمد ابن الحسن الشیبانیؒ نے کتاب اجتہاد الرای، کتاب الاستحسان اور کتاب اصول الفقہ کے نام سے تین کتابیں مرتب کیں۔ امام مالکؒ نے قیاس اور خبر واحد، اجماع و عمل اہل مدینہ اور اختلاف فقہاء جیسے خالص اصولی مسائل پر، امام لیث بن سعدؒ نے انہی مسائل پر امام مالکؒ کے جواب میں اور شیعہ مورخین کے بقول امام باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ نے ہی ابتداء طور پر بعض اہم اصولی مسائل پر تحریری کاوشیں چھوڑیں۔ ان تحریری کاوشوں میں سے آج صرف امام مالکؒ اور امام لیث بن سعدؒ کی تحریریں موجود ہیں۔ بقیہ تمام تحریریں آج ناپید ہیں لیکن یہ کتب اور اِس قسم کی مزید لاتعداد کتب کا ذکر تاریخِ کُتب کی کتاب فہرست ابن ندیم میں موجود ہے جس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ بعد میں دوسری صدی ہجری کے اواخر میں امام شافعیؒ نے اپنا وہ شہرہ آفاق رسالہ لکھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بقائے دوام کی دولت اور شہرت عام کی عزت سے نوازا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا، یہی وہ کتاب تھی جس نے امام شافعیؒ کو بلاشبہ علم اصول قانون کے مدون اولین کے طور پر دنیائے قانون کی تاریخ میں سب سے نمایاں مقام عطا کیا۔ آج اِس کتاب کی وجہ سے مغربی اہل علم پر ہماری علمی بالادستی قائم ہے۔(13)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اسلامی اصول فقہ کی تاریخی فوقیت

جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ اصول فقہ کا آغاز وارتقاء اور خود فقہ کا آغاز وارتقاء قریب قریب ایک ساتھ ہی شروع ہوئے۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جہاں فقہی مسائل پر تحریریں مرتب ہو رہی تھیں وہیں اصول فقہ کے موضوعات پر بھی غور وخوض ہو رہا تھا۔ تیسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے جہاں علم فقہ (یعنی قانون) ایک مرتب ومنضبط علم بن چکا تھا وہیں علم اصول فقہ (یعنی اصول قانون) ایک مرتب ومنضبط علم کے طور پر سامنے آ چکا تھا۔

اس کے مقابلہ میں دوسری اقوام میں اصول قانون مرتب ہونے میں ہزار ہا سال لگے۔ ہندو شاستر کم وبیش تین ہزار سال سے رائج ہے۔ لیکن ہندو آج تک اپنا کوئی منفرد اور مستقل بالذات علم اصول قانون مرتب نہیں کر سکے۔ یہودی قانون کئی ہزار سال سے موجود ہے۔ لیکن کیا یہودی آج بھی اپنا کوئی ایسا مرتب ومنضبط اصول قانون دکھا سکتے ہیں جو اصول فقہ کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ خود مغربی اقوام میں قانون کی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ اصول قانون کا آغاز قانون کی انتہائی ترقی، عروج اور پختگی وکمال کے مرحلہ میں ہوتا ہے۔ جب تک خود قانون میں مکمل پختگی نہ آ جائے اور اپنی ترقی اور تصورات ونظریات کی پختگی کے آخر مرحلہ تک نہ پہنچ جائے اصول قانون کی تدوین ممکن نہیں ہوتی۔ مغرب میں دیکھئے کہ قانون کی تاریخ کی ابتداء اگر اہل یونان کے ابتدائی تصورات سے کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہاں قانون کے ارتقاء کو کم وبیش ڈھائی ہزار سال ہو چکے ہیں لیکن اصول قانون کی تاریخ چند سو سال سے زیادہ نہیں۔ ان چند سو سالوں پر بھی اسپین اور جنوبی اٹلی کے ذریعہ آنے والے مسلمانوں کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں اسلامی قانون قوانین عالم کی تاریخ میں وہ واحد قانون ہے جس میں روز آغاز ہی سے نظریات وتصورات کی پختگی اور اندرونی نظام کا کمال اس درجہ کا موجود تھا کہ جوں جوں قانون میں وسعت آتی گئی اصول قانون بھی آپ سے آپ مرتب ہوتا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کا واحد اور پہلا علم اصول قانون کہلانے کا مستحق قرار پایا۔ ہم بلا خوف تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر سے آئندہ آٹھ سو سال کا طویل عرصہ وہ ہے جب اصول قانون کے نام سے دنیائے علم وفکر میں ایک ہی سکہ کی حکمرانی تھی اور قلمروئے عقل ودانش اور مملکت عدل وانصاف میں ایک ہی فن کی فرمانروائی تھی اور وہ علم اصول فقہ تھا۔ اس زمانہ میں روئے زمین پر کسی اور قوم یا تمدن کے پاس سرے سے اصول قانون نام کا کوئی مستقل بالذات اور ترقی یافتہ فن موجود نہیں تھا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اصول فقہ کے تین تدوینی اسلوب

اصولِ فقہ کی ان تمام تحریری کاوشوں میں نسبتاً زیادہ دیر پا اثرات امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تحریروں کے ہوئے جن کے تلامذہ اور متبعین نے ان کے اسلوب کو آگے بڑھایا اور یوں جلد ہی دو نمایاں اور منفرد اسلوب سامنے آگئے۔ایک اسلوب احناف کا اسلوب (طریقہ احناف) ہے جس کو طریقہ فقہاء بھی کہا جاتا ہے۔یہ اسلوب استقرائی انداز کا ہے،اس میں فقہی جزئیات یعنی مختلف مسائل کے متعدد حل جو فقہی کتب اور فتاوی میں موجود ہیں کا مطالعہ کر کے ان کی پشت پر کارفرما کلیات دریافت کیے جاتے ہیں۔دوسرا اسلوب امام شافعیؒ اور ان کے متبعین کا ہے جس کو طریقہ شافعیہ یا طریقہ متکلمین یا فلاسفہ کا طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔یہ اسلوب کتاب الرسالہ اور امام شافعیؒ کی دوسری تحریروں سے متاثر ہے۔ان کا انداز عموماً استخراجی نوعیت کا ہے، یعنی اس میں پہلے اصول وضع کیے جاتے ہیں اور بعد میں ان اصولوں کی روشنی میں جزئیات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔گویا پہلا اسلوب عملی انداز کا اور دوسرا اسلوب نظری انداز کا ہے۔

اصول فقہ میں حنفی طریق کار جسے فقہاء کا اسلوب کہتے ہیں فقہ سے زیادہ ربط اور استنباط فروع کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ اُن کی کتب میں فروعی مسائل کی مثالیں اور اُن کے شواھد کی کثرت کے ساتھ ساتھ فقہی نکتوں پر مسائل کی بنیادیں استوار ہیں۔متکلمین کے طریقہ میں فقہی مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے عقلی میلان کی طرف رجحان زیادہ ہے۔احناف کے علاوہ شافعیہ اور اکثر حنبلیہ اور مالکیہ نے شافعی طریقے کے مطابق اُس دور کے یونانی فلسفہ کے عقلی رجحان کے غلبہ کی روشنی میں اصول فقہ ترتیب دیئے اس لئے اُن میں عقلی دلائل کو غلبہ حاصل ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے وسط سے یہ دونوں اسلوب ایک دوسرے کے قریب آنا شروع ہوئے اور یوں ایک تیسرے اسلوب نے جنم لینا شروع کیا جو ان دونوں کا مجموعہ بلکہ امتزاج تھا۔اس تیسرے اسلوب کا مقصد پہلے دونوں اسلوبوں کی خوبیوں کو ایک جگہ سمونا اور پچھلے تمام اصولیین کی فکری کاوشوں کو یکجا کر کے ان میں ایک امتزاج پیدا کرنا تھا۔(14)

ذیل میں ان تینوں اسالیب کا قدرے مفصل تعارف اور ان کے نمائندہ مصنفین کا مختصر تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

1-اسلوب فقہاء

پہلا اسلوب جو طریقہ فقہاء یا طریقہ احناف کہلاتا ہے تاریخی طور پر پہلے سامنے آیا۔اس کی بنیاد امام

Marfat.com

اسلامی اصول فقہ کی تاریخی فوقیت

جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ اصول فقہ کا آغاز وارتقاء اور خود فقہ کا آغاز وارتقاء قریب قریب ایک ساتھ ہی شروع ہوئے۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جہاں فقہی مسائل پر تحریریں مرتب ہو رہی تھیں وہیں اصول فقہ کے موضوعات پر بھی غور وخوض ہو رہا تھا۔ تیسری صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے جہاں علم فقہ (یعنی قانون) ایک مرتب ومنضبط علم بن چکا تھا وہیں علم اصول فقہ (یعنی اصول قانون) ایک مرتب ومنضبط علم کے طور پر سامنے آ چکا تھا۔

اس کے مقابلہ میں دوسری اقوام میں اصول قانون مرتب ہونے میں ہزار ہا سال لگے۔ ہندو شاستر کم وبیش تین ہزار سال سے رائج ہے۔ لیکن ہندو آج تک اپنا کوئی منفرد اور مستقل بالذات علم اصول قانون مرتب نہیں کر سکے۔ یہودی قانون کئی ہزار سال سے موجود ہے۔ لیکن کیا یہودی آج بھی اپنا کوئی ایسا مرتب ومنضبط اصول قانون دکھا سکتے ہیں جو اصول فقہ کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ خود مغربی اقوام میں قانون کی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ اصول قانون کا آغاز قانون کی انتہائی ترقی، عروج اور پختگی وکمال کے مرحلہ میں ہوتا ہے۔ جب تک خود قانون میں مکمل پختگی نہ آ جائے اور اپنی ترقی اور تصورات ونظریات کی پختگی کے آخر مرحلہ تک نہ پہنچ جائے اصول قانون کی تدوین ممکن نہیں ہوتی۔ مغرب میں دیکھئے کہ قانون کی تاریخ کی ابتداء اگر اہل یونان کے ابتدائی تصورات سے کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہاں قانون کے ارتقاء کو کم وبیش ڈھائی ہزار سال ہو چکے ہیں لیکن اصول قانون کی تاریخ چند سو سال سے زیادہ نہیں۔ ان چند سو سالوں پر بھی اسپین اور جنوبی اٹلی کے ذریعہ آنے والے مسلمانوں کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے صاف معنی یہ ہیں اسلامی قانون قوانین عالم کی تاریخ میں وہ واحد قانون ہے جس میں روز آغاز ہی سے نظریات وتصورات کی پختگی اور اندرونی نظام کا کمال اس درجہ کا موجود تھا کہ جوں جوں قانون میں وسعت آتی گئی اصول قانون بھی آپ سے آپ مرتب ہوتا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کا واحد اور پہلا علم اصول قانون کہلانے کا مستحق قرار پایا۔ ہم بلا خوف تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر سے آئندہ آٹھ سو سال کا طویل عرصہ وہ ہے جب اصول قانون کے نام سے دنیائے علم وفکر میں ایک سکہ کی حکمرانی تھی اور قلمروئے عقل ودانش اور مملکت عدل وانصاف میں ایک ہی فن کی فرمانروائی تھی اور وہ اصول فقہ تھا۔ اس زمانہ میں روئے زمین پر کسی اور قوم یا تمدن کے پاس سرے سے اصول قانون نام کا کوئی مستقل بالذات اور ترقی یافتہ فن موجود نہیں تھا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اصول فقہ کے تین تدوینی اسلوب

اصولِ فقہ کی ان تمام تحریری کاوشوں میں نسبتاً زیادہ دیر پا اثرات امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تحریروں کے ہوئے جن کے تلامذہ اور متبعین نے ان کے اسلوب کو آگے بڑھایا اور یوں جلد ہی دو نمایاں اور منفرد اسلوب سامنے آ گئے۔ایک اسلوب احناف کا اسلوب (طریقہ احناف) ہے جس کو طریقہ فقہاء بھی کہا جاتا ہے۔یہ اسلوب استقرائی انداز کا ہے، اس میں فقہی جزئیات یعنی مختلف مسائل کے متعدد حل جو فقہی کتب اور فتاوی میں موجود ہیں کا مطالعہ کر کے ان کی پشت پر کارفرما کلیات دریافت کیے جاتے ہیں۔دوسرا اسلوب امام شافعیؒ اور ان کے متبعین کا ہے جس کو طریقہ شافعیہ یا طریقہ متکلمین یا فلاسفہ کا طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔یہ اسلوب کتاب الرسالہ اور امام شافعیؒ کی دوسری تحریروں سے متاثر ہے۔ان کا انداز عموماً استخراجی نوعیت کا ہے، یعنی اس میں پہلے اصول وضع کیے جاتے ہیں اور بعد میں ان اصولوں کی روشنی میں جزئیات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔گویا پہلا اسلوب عملی انداز کا اور دوسرا اسلوب نظری انداز کا ہے۔

اصول فقہ میں حنفی طریق کار جسے فقہاء کا اسلوب کہتے ہیں فقہ سے زیادہ ربط اور استنباط فروع کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے کیونکہ اُن کی کتب میں فروعی مسائل کی مثالیں اور اُن کے شواہد کی کثرت کے ساتھ ساتھ فقہی نکتوں پر مسائل کی بنیادیں استوار ہیں۔متکلمین کے طریقہ میں فقہی مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے عقلی میلان کی طرف رجحان زیادہ ہے۔احناف کے علاوہ شافعیہ اور اکثر حنبلیہ اور مالکیہ نے شافعی طریقے کے مطابق اُس دور کے یونانی فلسفہ کے عقلی رجحان کے غلبہ کی روشنی میں اصول فقہ ترتیب دیئے اس لئے اُن میں عقلی دلائل کو غلبہ حاصل ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے وسط سے یہ دونوں اسلوب ایک دوسرے کے قریب آنا شروع ہوئے اور یوں ایک تیسرے اسلوب نے جنم لینا شروع کیا جو ان دونوں کا مجموعہ بلکہ امتزاج تھا۔اس تیسرے اسلوب کا مقصد پہلے دونوں اسلوبوں کی خوبیوں کو ایک جگہ سمونا اور پچھلے تمام اصولیین کی فکری کاوشوں کو یکجا کر کے ان میں ایک امتزاج پیدا کرنا تھا۔(14)

ذیل میں ان تینوں اسالیب کا قدرے مفصل تعارف اور ان کے نمائندہ مصنفین کا مختصر تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

1-اسلوب فقہاء

پہلا اسلوب جو طریقہ فقہاء یا طریقہ احناف کہلاتا ہے تاریخی طور پر پہلے سامنے آیا۔اس کی بنیاد امام

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ابوحنیفہؒ کے اقوال و اجتہادات اور امام محمد بن حسن الشیبانیؒ کی تاریخ ساز تصانیف تھی۔ جن میں چھ کتب ظاہر الروایۃ اور بقیہ نادر الروایۃ کے نام سے مشہور ہیں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ نے اپنے اجتہاد سے جو فقہی احکام مرتب کئے تھے وہ اکثر و بیشتر امام محمد بن حسن شیبانیؒ جو دور حاضر میں مغربی قانون دانوں میں شیبانی اعظم کے نام سے موسوم ہیں، کی کتابوں میں مدون ہیں۔ ان اجتہادات کی تعداد ہزاروں اور بعض مورخین کے بقول لاکھوں میں ہے۔ قدیم حنفی مورخینِ فقہ کی روایت کے بموجب امام ابوحنیفہؒ نے تراسی ہزار مسائل میں اجتہاد کیا اور کم وبیش پانچ لاکھ فروعی احکام مرتب کرائے۔

بعد میں آنے والے حنفی فقہاء نے ان مسائل اور فروعی احکام پر غور کر کے یہ پتا چلایا کہ ان کے ائمہ نے کن اصولوں اور قواعد کو سامنے رکھ کر یہ احکام مرتب کئے تھے۔ جوں جوں ان کا فروعی مسائل پر غور وخوض ہوتا گیا ان کی پشت پر کارفرما اصول و قواعد بھی واضح ہوتے چلے گئے، اور یوں علم اصول فقہ کا وہ اسلوب واضح ہوتا گیا جو طریقہ احناف کہلاتا ہے۔ اس پورے اسلوب میں توجہ کا مرکز ائمہ احناف کے اجتہاد رہے جن پر جوں جوں غور وفکر ہوتا گیا اس کے ذریعہ اصول فقہ کا فن مرتب ہوتا گیا۔

احناف کے اسلوب پر لکھی جانے والی مفصل اور باقاعدہ تصانیف میں سب سے اولین کتاب امام ابوبکر جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) کی کتاب ''اصول الجصاص'' ہے۔ امام جصاصؒ کی یہ کتاب جس کا اصل نام کتاب ''الفصول فی الاصول'' ہے نہ صرف طریقہ احناف پر لکھی جانے والی اصول فقہ کی پہلی مبسوط کتاب ہے بلکہ تاریخ قانون میں اصول فقہ کے موضوع پر سب سے پہلے مفصل اور جامع کتاب ہے۔ اصول فقہ پر اس سے قبل کی تحریروں میں کوئی تحریر اتنی مبسوط، مفصل اور جامع نہیں ہے۔ اس کتاب نے نہ صرف طریقہ احناف یا طریقہ فقہاء کو باقاعدہ طور پر مدون کر کے پیش کیا بلکہ بعد میں آنے والوں کے لئے راستہ اور اسلوب بھی متعین کر دیا۔ یوں یہ کتاب اصول فقہ کی ابتدائی تاریخ میں ایک رجحان ساز (TREND SETTER) کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام جصاصؒ نے اس کتاب میں حنفی اسلوب کے مطابق اصول فقہ کی جو بنیادیں مقرر کیں اور جو اصول مرتب کئے ان کی بعد میں سینکڑوں سال تک پیروی کی گئی۔

اصول الجصاص کے بعد احناف کی جس کتاب نے اصول فقہ کے ارتقاء پر گہرا اثر ڈالا وہ فخر الاسلام بزدویؒ (م ۴۸۲ھ) کی ''کنز الوصول'' ہے۔ فخر الاسلام بزدویؒ کی کتاب'' کنز الوصول الی معرفۃ الاصول'' جو عام طور پر ''اصول البزدوی'' کے نام سے معروف ہے طریقہ احناف کی مقبول ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ مقبولیت کے اعتبار سے اس کا درجہ ''اصول الجصاص'' سے بلند ہے۔ کتاب کے مصنف علامہ بزدویؒ اپنے زمانہ کے نامور ترین حنفی فقہاء میں سے تھے اور فقہ اور اصول کے موضوعات پر ان کی بلند پایہ کتابیں ان

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کے اپنے زمانہ ہی سے مقبول و معروف تھیں۔اصول فقہ پر ان کی یہ بلند پایہ کتاب اپنے روز تالیف ہی سے اپنے موضوع پر ایک بنیادی اور اہم کتاب قرار دی گئی۔درس و تدریس، تحقیق و افتاء اور تصنیف و تالیف کے حلقوں میں اس کتاب کی بنیاد پر بہت سا علمی کام کیا گیا ہے۔اس کی شرحیں اور حواشی لکھے گئے، اس کی تلخیصیں تیار ہوئیں اور اس میں بیان کردہ احادیث کی تخریج کی گئی۔اس کتاب پر لکھی جانے والی کتابوں اور ان کی شرحوں میں غالباً سب سے زیادہ مشہور علامہ عبدالعزیز بخاریؒ (م۷۰۴ھ) کی کتاب ''کشف الاسرار'' ہے جو بارہا دنیائے عرب اور برصغیر وغیرہ میں چھپی ہے اور اصول فقہ کی اعلیٰ درسی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ مزید، امام سرخسیؒ کی کتاب اصول سرخسی بھی فقہ حنفی کی بنیادی اور معرکۃ الاراء کتابوں میں سے ایک ہے۔(15)

2-اسلوب متکلمین

متکلمین کے اسلوب کے مطابق لکھی جانے والی اکثر کتابیں شافعی، ظاہری اور معتزلی فقہاء کے قلم سے ہیں۔ اگرچہ اس میدان میں مالکی علمائے اصول کی تحریری بھی ملتی ہیں لیکن ان کا حصہ اس باب میں نسبتاً کم معلوم ہوتا ہے۔اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مالکی فقہ کا رجحان ابتداء میں روایات اور نقل کی طرف زیادہ تھا۔ان کے اسلوب میں روایات اور استدلال کا درجہ ثانوی تھا۔اس لئے ابتدائی صدیوں کے مالکی فقہاء کی دلچسپیاں اس میدان میں کم نظر آتی ہیں۔ بہر حال امام شافعیؒ کی کتاب ''الرسالہ'' کے بعد کی تین صدیوں میں اسلوب متکلمین کے مطابق جو کتابیں سامنے آئیں ان میں قابل ذکر کتابیں تین ہیں:

۱۔ علامہ ابوالحسین بصری المعتزلیؒ (م۴۳۶ھ) کی کتاب المعتمد

۲۔ امام غزالیؒ کے استاد امام الحرمین الجوینیؒ (م۴۷۸ھ) کی کتاب ''البرھان فی اصول الفقہ''

۳۔ امام غزالیؒ کی تین کتابوں میں سے ان کی مشہور اور مایہ ناز کتاب ''المستصفی من علم الاصول'' جس کو طریقہ متکلمین کی بہترین نمائندہ کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

ان کتابوں کو اصول فقہ کی تاریخ میں بڑی نمایاں حیثیت حاصل ہے۔جن دنوں دنیائے اسلام میں یہ کتابیں لکھی جا رہی تھیں ان دنوں روئے زمین پر دنیا کے کسی گوشہ میں بھی اصولِ قانون کے مباحث پر اس انداز سے گفتگو نہیں ہو رہی تھی جس انداز کی گفتگوؤں کے نمونے ان کتابوں میں ملتے ہیں۔ بعد کی صدیوں میں کم از کم آئندہ چار پانچ سو سال تک طریقہ متکلمین پر لکھی جانے والی کوئی کتاب ان تین بنیادی کتابوں سے مستغنی نہیں ہو سکتی۔ بعد کی کتابیں اکثر و بیشتر انہی تین کتابوں کی شرحوں، تلخیصوں اور ترتیباتِ نو سے عبارت ہیں چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ (م۶۰۶ھ) کی مشہور کتاب ''المحصول'' اور علامہ سیف الدین الآمدیؒ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(م۶۳۱ھ) کی مایہ ناز تالیف ''الاِحکام فی اصول الأحکام'' بنیادی طور پر انہیں تینوں کتابوں سے ماخوذ ہیں۔(16)

3- تیسرا مشترکہ اسلوب

جیسا کہ عرض کیا گیا پہلے دونوں اسالیب کو ملا کر ایک تیسرا مخلوط یا مشترک اسلوب بھی جلد ہی وجود میں آگیا اور تیزی سے مقبول ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ساتویں ہجری کے اوائل سے جو کتابیں لکھی گئیں وہ اکثر و بیشتر اسی جامع اسلوب کے مطابق تھیں۔ اس اسلوب اور اس کے مطابق لکھی جانے والی کتابوں کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی کہ چند علاقوں میں انہوں نے پہلے دونوں اسلوب کی کتابوں کو (چند کے استثنا کے ساتھ) پیچھے چھوڑ دیا۔ درسی حلقوں کے چند مخصوص علاقوں میں اکثر و بیشتر اب انہی نئی کتابوں کو درسی کتابوں کے طور پر اختیار کر لیا گیا، تصنیف و تالیف کے میدان میں یہی کتابیں معیار قرار پائیں اور محققین و مفکرین اصول نے انہی کتابوں اور اسی اسلوب کو اپنی علمی فکری اور تحقیقی کاوشوں کا مرکز بنایا۔ ذیل میں اس نئے اور جامع اسلوب کے آغاز اور ابتدائی سرگرمیوں کا سرسری تذکرہ کیا جاتا ہے۔

علمائے احناف کی جس کتاب نے اس اسلوب کو پروان چڑھانے اور مقبول بنانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا وہ صدر الشریعہ علامہ عبید اللہ بن مسعودؒ (م۷۴۷ھ) کی ''التنقیح'' تھی۔ یہ کتاب اس دور کے عام رجحان کے زیر اثر نہایت مختصر لکھی گئی۔ کتاب کو عام فہم کے بنانے کے لئے خود مصنف ہی نے اس کی ایک شرح ''التوضیح'' کے نام سے لکھی۔ جلد ہی یہ دونوں کتابیں درسی حلقوں میں مقبول ہوگئیں۔ ''التوضیح'' کی ایک شرح ''التلویح'' کے نام سے علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (م۷۹۲ھ) نے تیار کی جو آج بھی بعض قدیم درسگاہوں میں اصول فقہ کی اعلیٰ تعلیم میں درسی کتاب کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حنفی امام احمد بن علی المعروف ابن الساعاتی (694ھ) نے اصول البزدوی اور الاِحکام للآمدی کو جمع کر کے بہترین ترتیب و تہذیب کے ساتھ البدائع کے نام سے ایک کتاب تالیف کی یہ کتاب اپنی تحقیق اور اسلوب بیان میں ندرت اور جدت کی حامل ہے۔(17)

اصول فقہ میں جدید رجحان

دور جدید میں جہاں دوسرے اسلامی علوم میں سابقہ بنیادوں اور قدیم روایات کی اُساس پر نئے نئے رجحانات پیدا ہوئے ہیں اور تحقیق و تدبر کے نئے نئے میدان سامنے آئے ہیں وہاں اصول فقہ میں بھی سابقہ علمی سرمائے کی بنیاد پر نئے نئے رجحانات پیدا ہوئے ہیں اور تحقیق اور غور و فکر کے لئے بہت سے نئے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

موضوعات سامنے آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ پچاس سال اصول فقہ کے لئے ایک دور جدید کے منار ثابت ہوں گے اور جو رجحانات گزشتہ پچاس ساٹھ سال میں ابھر کر سامنے آئے ہیں وہ پایہ تکمیل تک پہنچیں گے اور ان کے حتمی نتائج وثمرات سامنے آجائیں گے۔

اس سے قبل یہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ جدید مغربی اصول قانون کے اثر سے بہت سے معاصر اہل علم نے اصول فقہ کے مضامین کو نئے انداز سے مرتب کرنا شروع کیا ہے۔ اس ترتیب نو کے دو بڑے بڑے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک رجحان جو دنیائے عرب میں پایا جاتا ہے وہ اصول فقہ کے موضوعات کو اپنی سابقہ بنیادوں اور اصولوں کے مطابق فرانسیسی اصول قانون کی ترتیب سے مرتب کرنے کا ہے۔ اس رجحان کے ابتدائی اور پیشرو نمائندوں میں معروف دوالیبی، مصطفیٰ زرقاء، صبحی محمصانی اور سلام مدکور وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ ان حضرات میں بیشتر کی اصل اور بنیادی تعلیم اسلامی علوم اور بالخصوص فقہ اسلامی کی تھی جس کو انہوں نے اسلام کے بنیادی مآخذ ومصادر اور فقہ اسلامی کے جید اساتذہ سے پڑھا اور سمجھا تھا، بعد میں ان حضرات نے فرانس کی درسگاہوں میں فرانسیسی زبان اور قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں اور تصورات پر وہاں کے جامعات میں مقالات لکھے اور یوں فقہ اسلامی کے موضوعات کو فرانسیسی اسلوب میں پیش کرنا سیکھا۔

دور جدید میں اصول فقہ کے رجحان

اس سلسلہ کا آغاز تو بیسویں صدی کے اوائل ہی میں ہو گیا تھا لیکن اصل پیش رفت بیسویں کے صدی کے وسط میں ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب شام، مصر اور الجزائر ومراکش سے بڑی تعداد میں طلبہ فرانس گئے اور وہاں کی یونیورسٹیوں میں قانون کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ اس انداز سے اصول فقہ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں استاد مصطفیٰ احمد زرقاء کی ''الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید'' ایک ممتاز مقام رکھی ہے۔ استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء نے اس کتاب میں اصول فقہ کے چند اہم مباحث کے ساتھ ساتھ فقہ اسلامی سے بہت سا ایسا مواد اخذ کر کے مرتب کیا ہے جو روایتی طور پر اصول فقہ کے مباحث میں شامل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ بلاشبہ ایک بڑا تاریخ ساز اور اجتہادی نوعیت کا کام تھا جو استاد مصطفیٰ زرقاء اور ان کے معاصر اہل علم نے بڑی کامیابی اور عرق ریزی سے انجام دیا۔

ان حضرات نے فقہ کی بنیادی کتابوں کے عمیق اور تنقیدی مطالعہ سے ایسے اصول اور تصورات دریافت کئے جن کی ضرورت متقدمین نے محسوس نہ کی تھی اور وہ ان اصولوں اور تصورات کی اس نئے انداز کے بجائے

Marfat.com

اپنے قدیم روایتی انداز سے جزئیات اور فروعی مسائل کے سیاق وسباق میں پیش کرتے تھے۔استاد مصطفیٰ الزرقاء، شیخ علی الخفیف اور استاد ابوزہرہ جیسے علمائے اصول نے ملکیت، مالک، قبضہ، حق اور ایسے بہت سے فقہی اصولوں اور تصورات کو نئے انداز سے مرتب کر کے اصول فقہ کی کتابوں میں شامل کیا اور یوں بہت سے فقہی مباحث کو نئی ترتیب دے کر اصول فقہ کے دائرہ میں شامل کرلیا۔(18)

اس سلسلہ میں دوسرا بڑا رجحان ہمارے برصغیر میں سامنے آیا جہاں برطانیہ کی حکمرانی کی وجہ سے انگریزی قانون کی فرمانروائی اور انگریزی اسلوب کی حکمرانی تھی۔ یہاں کے مسلمان اہل علم نے اصول فقہ کے مباحث کو انگریزی اصول قانون کے انداز میں مرتب کرنے کی طرح ڈالی۔اس رجحان کے اولین نمائندہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا جسٹس سر عبدالرحیم ؒ تھے۔ان کی کتاب ''PRINCIPLES OF MUHAMMAD JURISPRUDENCE'' اس اعتبار سے اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی کہ اس میں اصول فقہ کے مباحث کو انگریزی اصول قانون کے اسلوب میں بیان کیا گیا تھا۔اس کتاب نے انگریزی تعلیم یافتہ اور قانون دان طبقہ میں اصول فقہ کے مباحث کو متعارف کرایا۔(19)

دور جدید میں اصول فقہ کی خصوصیات

آج اصول فقہ پر کمی (QUANTITY) اور کیفی (QUALITY) دونوں اعتبار سے جتنا کام عرب دنیا میں ہوا ہے وہ ابتدائی چند صدیوں کے بعد ہونے والے مجموعی کام سے (چند اہم مستثنیات کو نکال کر) زیادہ نہیں تو اس کے برابر ضرور ہے۔ چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری کو ہم بلا تامل اصول فقہ کے عہد تجدید اور احیائے نو سے تعبیر کر سکتے ہیں۔گزشتہ ہجری صدی کے اوائل سے عرب دنیا میں جو کام ہونا شروع ہوا ہے اس میں دو بنیادی خصوصیات نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں۔

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ دور جدید کی اصول فقہ کی کتابوں میں کسی متعین اور پہلے سے طے شدہ فقہی یا اصولی مسلک کی پابندی کم کی گئی ہے۔ بہت کم کتابیں ایسی ہیں جن میں کسی خاص فقہی مسلک کی پابندی کو پیش نظر رکھا گیا ہو۔ ورنہ اکثر تحریروں کا رجحان یہی ہے کہ فقہ اور اصول فقہ کے پورے سرمایہ کو مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ قرار دے کر بحیثیت مجموعی علمائے اصول کے خیالات کو پیش کیا جائے اور فقہی مسالک اور اصولی نقطہ ہائے نظر کے مابین ایک مثبت اور صحت مندانہ تقابلی مطالعہ کے رواج کو فروغ دیا جائے۔ استاد مصطفیٰ زرقاء، استاد محمد ابوزہرہ، محمد سلام مدکور اور ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری کی تحریروں میں یہ بات واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(2) دوسری قابل ذکر بات جس کے بارہ میں پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ دورِ جدید کے بہت سے عرب مصنفین نے مختلف مغربی تصورات کا بھی تنقیدی مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اصول فقہ کے نظریات و تصورات کا تقابل مغربی قانون کے اصولوں سے کیا ہے۔اس تقابل سے بہت سی ایسی غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں جو بعض مغربی مصنفین کی تحریروں سے پیدا ہوئی تھیں۔مثال کے طور پر بعض مغربی مصنفین نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ فقہ بالعموم اور اصول فقہ کے بعض نظریات بالخصوص رومن قانون سے ماخوذ ہیں۔اور چند جزوی مشابہتوں کو ادھر ادھر سے جمع کر کے بعض مغربی مصنفین یہ لکھنے لگے تھے کہ یہ چیزیں رومن لاء کے زیر اثر اسلامی قانون میں داخل ہوئیں۔تقابلی مطالعہ بات سے یہ غلط فہمی دور ہونے لگی اور اسلامی قانون کے اصل مآخذ اور اصولوں کے ارتقائی مطالعہ نے اس تاثر کو ہمیشہ کے لئے ختم کر ڈالا۔

دورِ حاضر کی عرب دنیا میں اب نیا رجحان یہ بھی ہے کہ وہاں سینکڑوں مصنفین نے اصول فقہ کی درسی کتب تصنیف کی ہیں اور اُن تمام کا طریق کار ایک ہے اُن کتب میں اختصار اور مذاہب اربعہ کی آراء کے خلاصہ کو اس طریقہ سے ترتیب دیا گیا ہے کہ یہ علم طلباء کے لئے آسان ہو گیا ہے۔ اِس طریقہ میں بنیادی کتب میں موجود طویل اور اختلافی مسائل سے صرف نظر کر کے صرف اصول فقہ کے چار عنوانات کو مختصر اور ایک یا دو مثالوں کے ذریعہ عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ عالم عرب میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

لہٰذہ برصغیر میں بھی اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو مدنظر کر آسان زبان میں اس علم پر متعدد کتب تصنیف کی جائیں تاکہ وہاں پر برطانوی اور غیر اسلامی قانون کی اجارہ داری ختم ہو اور فطری اصول و قانون کو بالا دستی حاصل ہو۔(20)

برصغیر پاک و ہند میں اصول فقہ

برصغیر میں اسلام کا آغاز:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر جسے عربی میں شِبہُ القارۃ اور انگریزی میں "Sub Contenant" کا نام دیا جاتا ہے میں اسلام دو طرف سے آیا تھا ایک بحری راستہ سے اور دوسرا خشکی کے راستہ سے۔

بحری راستہ سے عرب کے فاتحین نے اس دین کو اس علاقہ کے لوگوں سے روشناس کرایا اور خشکی کے راستے سے ترکوں نے اس علاقہ میں متعدد اسلامی حکومتیں قائم کیں۔۔عرب تلوار اور قلم دونوں کے دھنی یعنی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ماہر تھے جبکہ ترک صرف تلوار کے دھنی تے لیکن قلم یعنی علمی طور پر وہ کافی حد تک کمزور واقع ہوئے تھے۔

92ھ یعنی 714ء میں محمد بن قاسم بحری راستہ سے دیبل کی بندرگا کے ذریعہ وارد ہوا تھا اور اُس نے موجودہ سندھ (پاکستان و ہندوستان دونوں طرف) اور پنجاب میں ملتان تک اور بلوچستان کے کچھ حصوں پر اسلامی حکومت قائم کی جس کی تفصیل قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔(21)

اس دور میں علوم اسلامیہ کی کافی ترویج ہوئی جس کی تفصیل برصغیر کی سیاحت کرنے والے عربی مورخین اور جغرافیہ دان کی کُتبِ تواریخ مثلاً فتوح البلدان، احسن التقاسیم، مروج الذہب، المسالک والممالک وغیرہ میں ملتی ہے لیکن اُس دور کا علمی سرمایہ کتب یا مزید محفوظ صورت میں ہمیں نہیں ملتا۔

یہ دور تقریباً چار صدیوں پر محیط ہے لیکن اس دور کی کتب تفاسیر، کتب حدیث فقہی فتاوی اور مزید کتب تاریخ کے اوراق میں تو موجود ہیں لیکن ٹھوس کتابی صورت میں آج ہمارے پاس اُس کا کوئی حصہ نہیں پایا جاتا۔

دسویں صدی عیسوی سے ترک محمود غزنوی کی صورت میں برصغیر میں وارد ہوئے اور اُس کے بعد اس علاقہ میں اسلامی حکومت اور مسلمانوں کے عہد کا آغاز ہوا جو آج تک جاری ہے مسلمان اِس دور میں ایک ہزار عیسوی سے انیسویں صدی عیسوی یعنی (1000ء۔1800ء) تک اس علاقہ میں اقلیت ہوتے ہوئے بھی حکمران اور فاتح رہے اور اِس دوران متعدد خاندانوں نے سارے برصغیر پر حکومتیں کیں اور اسلام کو اِس علاقہ میں پھیلانے میں اپنی حد تک کردار ادا کیا۔

انیسویں صدی کے اوائل سے بیسویں صدی کے نصف (1800 تا 1947) تک برصغیر پر یورپ کے ملک برطانیہ کا قبضہ رہا اور یہاں کے باشندوں نے یہ مدت غلامی میں بسر کی۔ 1947 میں آزادی ہند کے بعد دو بڑی سلطنتیں پاکستان اور ہندوستان معرض وجود میں آئیں اور اب اکیسویں صدی میں برصغیر میں سات چھوٹے و بڑے ممالک ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ پاکستان	۲۔ ہندوستان	۳۔ بنگلہ دیش	۴۔ نیپال
۵۔ بھوٹان	۶۔ مالدیپ	۷۔ سری لنکا	

ان تمام میں پاکستان، بنگلہ دیش اور مالدیپ مسلم اکثریتی ممالک ہیں اور اس وقت برصغیر میں تقریباً ستر کروڑ مسلمان ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

برصغیر میں علوم اسلامیہ کی ترویج

برصغیر میں علوم اسلامیہ کا آغاز محمود غزنوی (1030-997) کے دور سے ہو گیا تھا لیکن کیونکہ اِس خطہ میں حکومت اسلامیہ کا اصل بانی شہاب الدین غوری (1206-1175) تھا۔ اس لئے برصغیر میں علوم اسلامیہ کی ترویج کا باقاعدہ آغاز اُس کے دور سے ہوا اور پھر اُس کے جانشین قطب الدین ایبک (1215-1206) اور بعد میں شمس الدین التمش (1236-1215) اور اُس کی اولاد، غیاث الدین بلبن، (1286-1266) خلجی خاندان، تغلق خاندان، لودھی دور مغلیہ دور سے ہوتا ہوا دور حاضر تک جاری وساری ہے۔

مغلیہ دور میں اور اُس سے قبل فقہ کے میدان میں کئی فقہی فتاوی جات مدوّن کیے گئے جن میں فتاوی غیاثیہ، غیاث الدین بلبن کے دور میں، فتاوی قراخانی وفتاوی تا تارخانیہ فیروز شاہ تغلق کے دور میں، فتاوی حمادیہ، فتاوی بابریہ از شیخ فرید الدین برہان پوری، ظہیر الدین بابر کے دور میں، فتاوی عالمگیری جسے عرب دنیا میں فتاوی ہندیہ بھی کہتے ہیں اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں بہت اہم ہیں۔

فقہی میدان میں اِس کے علاوہ بھی کام ہوا لیکن اصول فقہ کے میدان میں کوئی خاطر خواہ کام اِس خطہ میں نہیں ہوا۔

برصغیر میں علم اصول فقہ اور اُس کا ارتقاء

یہ تاریخی حقیقت پہلے بیان جا چکی ہے کہ برصغیر میں علوم اسلامیہ کی باقاعدہ ترویج کا آغاز ترکوں کی حکومتوں سے ہوا۔

ترک تلوار کے تو دھنی تھے لیکن قلم کے دھنی نہیں تھے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ محمود غزنوی اور اُس کے بعد جن لوگوں کی حکومتیں آئیں اُن میں اکثر ترکی النسل اور روسی ترکستان سمرقند بخارا، تاشقند وغیرہ کے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے برصغیر کی اکثر علمی ترقی کی اساس ان، علاقوں کے علماء کرام ہیں اور کیونکہ اُن کی زبان فارسی تھی اس لئے مغلیہ دور تک برصغیر میں علوم اسلامیہ کی ترویج زیادہ تر فارسی زبان اور کچھ حد تک عربی زبان میں ہوئی ہے۔

اصول فقہ میں بھی ابتدائی طور پر اِن ہی علاقوں میں مروج حنفی اصول فقہ کی کتب برصغیر میں معروف ہوئیں اور پھر اُن کی شروح بھی لکھی گئیں لیکن باقاعدہ اس علاقہ میں اِس علم پر تصنیف بہت ہی کم ہوئی۔ برصغیر میں سب سے پہلی کتاب بہار کے علامہ ملا محب اللہ محمد بن عبدالشکور بہاری 1119ء نے مسلّم الثبوت کے نام

Marfat.com

سے عربی زبان میں تالیف کی۔

اس سے قبل روسی ترکستان کے جن اہم علماء اور اُن کی کتب برصغیر میں مروج ہوئیں وہ یہ ہیں:

ا۔	اصول الشاشی:	اسحاق بن ابرہیم خراسانی شاشی۔325ھ
۲۔	اصول البزدوی:	علی بن محمد البزدوی۔482ھ
۳۔	منتخب الحسامی:	حسام الدین اخسیکثی۔644ھ
۴۔	المنار۔کشف الاسرار شرح المنار	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی۔710ھ
۵۔	التلویح	صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود۔747ھ

یہ تمام کتب مختلف اوقات میں متعارف ہوئیں اور بعد میں جب یہ قبولیت عامہ حاصل کر گئیں تو اُن کے متعدد حواشی لکھے گئے۔ ان کے علاوہ بھی چند کتب متعارف ہوئیں اُن کی کچھ شروح بھی لکھی گئیں لیکن وہ قبولیت عامہ حاصل نہیں کرسکیں۔

سابقہ بیرونی مصنفین کے کتب کی اہم شروح:

(1) اصول الشاشی کی کافی شروح لکھی گئیں لیکن اُن میں عمدۃ الحواشی حاشیہ مولانا فیض الحسن گنگوھی زیادہ مشہور ہے اصول الشاشی کی اردو شرح حکیم نجم الغنی رامپوری نے مزیل الغواشی کے نام سے کی ہے جو بہت معقول اور مقبول ہے۔ علاوہ ازیں حاشیہ مولانا برکت اللہ، مولانا محمد حسن سنبھلی اور مولانا عبدالرشید لکھنوی بھی موجود ہیں۔ اس کا ایک نامکمل اردو ترجمہ آج کل پاکستان کی اکثر جامعات میں مروج ہے۔

(2) اصول البزدوی کی سب سے مشہور شرح کشف الاسرار ہے جو عبدالعزیز بخاری نے لکھی ہے ان کا تعلق برصغیر سے نہیں تھا۔ برصغیر میں اس کی مختلف شروح علامہ شہاب الدین دولت آبادی 849ھء شیخ اللہ داد جونپوری 923ھ سعد الدین خیر آباد 882ھ اور شیخ وجیہ الدین گجراتی۔998ھ نے لکھیں لیکن ان میں کوئی بھی اُس طرح قبولیت عامہ حاصل نہ کرسکی جس طرح عبدالعزیز بخاری کی شرح نے حاصل کی بخاری صاحب کی شرح عربی میں ہے۔

(3) حسامی کی بھی متعدد شروح لکھی گئیں لیکن اُن میں مولانا عبدالحق حقانی کی شرح ''النامی'' نے کافی مقبولیت حاصل کی بقیہ شروح شیخ معین الدین عمران دہلوی، سعد الدین خیر آبادی، یعقوب بن یوسف ملتانی لاہوری، مولانا فیض الحسن گنگوھی اور مفتی نظام الدین کیرانوی کی کتاب نظامی شرح حسامی تحریر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کردہ ہیں۔

(4) النسفی کی المنار کی ایک شرح تو خود انہوں نے کشف الاسرار کے نام سے لکھی تھی جو کافی مقبول ہوئی۔

کشف الاسرار نامی کتابیں دو ہیں: ایک کشف الاسرار اصول البز دوی کی شرح اور دوسری یہ ہے۔ اس کی برصغیر میں شرح اورنگ زیب عالمگیر کے استاد ملا جیون 1130ھ نے نور الانوار کے نام سے عربی میں لکھی جو سارے برصغیر میں مقبول ہوگئی۔ اس کے علاوہ عبدالعلی بحر العلوم 225ھ نے بھی اس کی ایک شرح فارسی زبان میں تنویر المنار کے نام سے تحریر کی تھی۔ مولانا عبدالحکیم لکھنوی نے اس کی شرح قمر الاقمار حاشیہ نور الانور اتحریر کی جو بعض علاقوں میں کافی مقبول ہے۔ اس کے علاوہ مولانا سعد الدین محمود دہلوی سید یوسف بن جمال ملتانی، نظام الدین محمد سہالوی نے ؛ بھی المنار کی شروح لکھیں۔

(5) علامہ صدر الشریعہ نے اپنی کتاب تنقیح الاصول لکھی پھر اس کی شرح التوضیح کے نام سے خود لکھی پھر اس کتاب کا نام التوضیح مشہور ہوا تو التوضیح کی شرح علامہ سعد الدین تفتازانی 792ھ نے التلویح کے نام سے لکھی جو قبولیت عامہ کا درجہ حاصل کر گئی لیکن ان کا تعلق برصغیر سے نہیں تھا۔ اس علاقہ میں اس کی بیسیوں شروح، حواشی اور خلاصہ لکھے گئے جن میں مشہور شرح عبدالحکیم سیالکوٹی کی ہے بقیہ حواشی احمد بن سلیمان گجراتی، شیخ امان اللہ بنارسی، مولانا قطب الدین سہالوی، مولوی ایوب علی گڑھی وغیرہ کی ہیں۔

برصغیر میں اصول فقہ کے قدیم وجدید رجحان

دنیائے اسلام کے دیگر علاقوں کے ساتھ ساتھ برصغیر جنوبی ایشیاء بالخصوص پاکستان میں بھی اصول فقہ پر تحقیق وتصنیف کی ایک نئی رو گزشتہ سو سال کے دوران سامنے آئی ہے۔ برصغیر میں اصول فقہ کی تاریخ دوسرے علوم کی تاریخ سے مختلف نہیں رہی۔ یہاں کے اہل علم کی متعدد فقہی اور اصولی تالیفات نے دنیائے اسلام کے علمی اور تعلیمی حلقوں کو متوجہ کیا۔ عہد مغلیہ کے مشہور ومعروف فقیہ، اصولی اور فلسفی قاضی محب اللہ بہاریؒ (م ۱۱۱۹ھ) کی مشہور ومعروف کتاب ''مسلّم الثبوت'' اصول فقہ کی ایک انتہائی مقبول اعلیٰ درسی کتاب کے طور پر دنیائے اسلام کے مختلف حصوں میں متداول رہی ہے۔ برصغیر کے علاوہ ترکی، مصر، شام اور افغانستان کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ایک طویل عرصہ تک ''مسلّم الثبوت'' اصول فقہ کے نصاب کی ایک اعلیٰ کتاب کے طور پر پڑھی اور پڑھائی گئی۔ برصغیر میں اصول فقہ پر لکھی جانے والی کسی اور کتاب کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جتنی ''مسلم الثبوت'' کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ ''مسلم الثبوت'' کے علاوہ بھی برصغیر پاک وہند کے مختلف

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حصوں میں بالعموم اور پاکستان کے مختلف علاقوں میں بالخصوص اصول فقہ کے موضوع پر متعدد قابل ذکر کتابیں لکھی گئیں۔ یہاں ان سب کا تذکرہ تو دشوار ہے البتہ ایک معروف درسی کتاب ''نور الانوار'' کا ذکر ضروری ہے۔ یہ کتاب جو برصغیر میں گزشتہ تین سو سال سے ایک متداول کتاب چلی آرہی ہے، عہد شاہ جہانی اور عہد عالمگیری کے مشہور استاد اور فقیہ ملا احمد جیون امیٹھویؒ (م ۱۱۳۰ھ) کی تصنیف ہے۔ ملا جیونؒ مغل اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاد اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ''نور الانوار'' ایک اور قدیم تر اصولی کتاب ''المنار'' کی شرح ہے۔

دنیائے اسلام کے نامور مفکر اور برصغیر پاک و ہند میں تجدید و اصلاح کے رجحان ساز قائد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی کتابوں نے بھی اصول فقہ کی درس و تدریس پر گہرا اثر ڈالا۔ شاہ صاحب نے براہ راست اصول فقہ پر کوئی کتاب تو نہیں لکھی لیکن انہوں نے متعدد اہم اصولی مسائل کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا۔ ان کی کتابوں ''حجۃ اللہ البالغۃ''، ''الانصاف'' اور ''عقد الجید'' میں اجتہاد، اجماع اور تفسیر و تعبیر سنت جیسے اہم مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ شاہ صاحب کے افکار نے بعد میں آنے والے تقریباً تمام اہل علم، فقہاء اور علمائے اصول کو متاثر کیا۔ ان کے خیالات میں جو جامعیت اور اعتدال پایا جاتا ہے۔ اس نے بعد میں آنے والوں کے ذہنوں پر گہرا اثر ڈالا اور یوں برصغیر میں ایک نیا اسلوب سامنے آیا۔

اوپر سر عبدالرحیمؒ کی کتاب ''PRINCIPLES OF MUHAMMADIAN JURISPRUDENCE'' کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، اِس کا اردو ترجمہ مولوی مسعود علی نے ''اسلامی فقہ کے اصول'' کے نام سے کیا تھا اور اسے جامع عثمانیہ حیدر آباد دکن نے پہلی مرتبہ شائع کرایا تھا اور اب اس کا نام اصول فقہ اسلام ہے جو بیسویں صدی کے آغاز میں سامنے آنے والی ایک منفرد انداز کی کتاب تھی۔ اس کتاب نے پہلی بار مغربی تعلیم یافتہ قانون دانوں کے حلقے کو اصول فقہ کے مباحث سے متعارف کرایا۔ اگرچہ سر عبدالرحیمؒ کی کتاب عربی میں لکھی جانے والی بعض درسی کتابوں کے اردو تراجم کی انگریزی تلخیص ہے، تاہم اس کی ترتیب میں ایک جدت پیدا کی گئی تھی اور اسلوب بھی نئے انداز کا تھا۔ اس نئی ترتیب اور اسلوب نے اصول فقہ کو مغربی اصول قانون کی ترتیب اور اسلوب میں پیش کرنے کی طرح ڈالی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ سر عبدالرحیمؒ کی ڈالی ہوئی نیو بعد میں مزید تعمیر کی جاتی اور اس اسلوب پر کام کو آگے بڑھایا جاتا لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور مغربی تعلیم یافتہ حضرات میں سے کسی اور قانون دان نے اس کام کو آگے بڑھانے میں دلچسپی نہ لی۔ (22)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

پاکستان اور ہندوستان میں اصول فقہ پر تدوینی کام:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر میں اصول فقہ کے موضوع پر کوئی قابل ذکر کام محمود غزنویؒ کے دور سے لے کر سلطنت مغلیہ کے آخر تک نہیں ہو سکا۔ البتہ چند فقہی فتاوی مدون ہوئے ہیں جن کا ذکر سابقہ اوراق میں عنوان ''برصغیر میں علوم اسلامیہ کی ترویج'' میں گزر چکا ہے۔ شاہد اُس کی وجہ یہ ہو کہ اس دور کے حکمرانوں کا تعلق روسی ترکستان سے تھا اور وہ اصول فقہ کے میدان میں اُن علاقوں کے علماء کی کتب سے استفادہ کرتے رہتے ہوں گے اور پھر اُس دور میں اُن علاقوں سے علماء کرام متواتر برصغیر آ رہے تھے۔ اِن علماء کی آمد جب مغلیہ دور میں کم ہوگئی تو پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ اس علاقہ میں بھی تدوین کا آغاز ہو۔

1- برصغیر کے علماء کرام کے اصول فقہ پر باقاعدہ تدوینی کام کا آغاز اٹھاویں صدی عیسوی میں مغلیہ سلطنت کے دور زوال کے دوران ملا محبّ اللہ بہاری کی تالیف مسلّم الثبوت سے ہوتا ہے اس کا تعارف سابقہ اوراق میں بھی آچکا ہے۔ اس کے بعد اِس علم پر اس پایہ کا عالمانہ، فاضلانہ اور وقیع کام ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ لیکن مختلف علماء کرام نے اپنی حد تک اس علم میں متعدد کتب تصنیف کی ہیں جن میں مولانا امان اللہ بناری کی کتاب المفسر جس کی شرح بھی انہوں نے خود لکھی تھی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی کتاب الفصول ہے۔

2- ہندوستان کے مشہور امام المجاهدین شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب مختصر الاصول بھی اِس علم پر ایک مختصر کتاب ہے جس کی شرح مولانا عبدالکریم صاحب ٹونکی نے لکھی ہے۔ شاہ ولی اللہ کی عقد الجید صرف اجتہاد اور تقلید کے موضوع پر ہے۔

14 اگست 1947ء کو برصغیر کی تقسیم کے بعد دو بڑی سلطنتیں پاکستان اور ہندوستان معرض وجود میں آئیں۔

1- ان دونوں ممالک میں درسی طور پر اصول الشاشی (مصنفہ نظام الدین شاسی الحنفی 375) اور نور الانوار کے اردو ترجمہ کافی عرصہ سے متداول ہیں لیکن عام فہم اور دور حاضر کی اردو زبان سے مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا ہے۔

2- ایک اور کتاب اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ڈاکٹر مظہر بقا میرے دادا استاد کی ہے لیکن وہ بھی صرف شاہ ولی اللہ کے اصولی افکار سے بحث کرتی ہے اس لئے مقبول نہیں ہو سکتی۔

3- مولانا محمد تقی امینی کی کتاب فقہ اسلام کا تاریخی پس منظر بہت اچھی اور اہم کتاب ہے لیکن اصول فقہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کے تمام موضوعات کا احاطہ نہیں کرتی مگر اصول فقہ کے بعض مباحث کے لئے بہت ہی مفید کتاب ہے۔

4- صبحی محمصانی کی کتاب فلسفہ تشریع اسلامی کا اردو ترجمہ بہت اچھا ہے لیکن وہ بھی اصول فقہ کی فنی اور درسی کتاب کا درجہ حاصل نہیں کر سکی کیونکہ اُس میں اصول فقہ کے چاروں عنوانات کو بیان نہیں کیا گیا۔

5- استاد محترم ڈاکٹر احمد حسن مرحوم 1997ء جو پاکستان میں اصول فقہ کے بہت بڑے عالم تھے انہوں نے انگریزی میں اصول فقہ کے ارتقاء، اجماع اور اِس علم کے بنیادی تعارف پر چند کتب لکھی جو بہت پائے کی ہیں لیکن اردو میں نہ ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں ہوسکیں مزید انہوں نے ایک مصری مصنف عبدالکریم زید ان کی اصول فقہ کی تصنیف ''الوجیز فی اصول الفقہ کا اردو ترجمہ مع اضافہ ''جامع الاصول'' کے نام سے 1986ء میں کیا تھا جو آج کل پاکستان میں مروج ہے لیکن درسی کتب کے لحاظ سے وہ ایک طویل اور مشکل کتاب ہے۔

اسی کتاب کا ایک اور ترجمہ بھی مروج ہے جو ھیئۃ العلماء نے کرایا ہے اور لاہور مکتبہ رحمانیہ نے چھاپا ہے لیکن ترجمہ بہت ہی مشکل ہے۔

6- انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی میں شریعت اکیڈمی کے ڈی جی اور میرے استاد محترم ڈاکٹر محمود احمد غازی 2010ء کے دور میں اصول فقہ کے تعارف اور بقیہ عنوانات پر مختلف لوگوں سے تقریباً 20 کے قریب یونٹ لکھوائے اور انہیں 2002ء میں شائع بھی کر دیا بعد میں ان تمام یونٹوں کو برادر عزیز ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں پروفیسر انجیرنگ یونیورسٹی لاہور نے دو جلدوں میں شائع بھی کرادیا۔ اب یہ دونوں جلدیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں اور اصول فقہ کے بارے میں تفصیلی معلومات کی حامل ہیں لیکن تفصیل کی وجہ سے درسی کتب کا مقام حاصل نہیں کر سکیں۔

7- ایک اور کتاب مولانا معین الدین خٹک صاحب کے دروس پر مبنی ہے جس کو اُن کے شاگرد مولانا نورور جان نے دو جلدوں میں اصول فقہ کے نام سے شائع کرائی ہے اس میں تفصیل بہت زیادہ ہے اور انداز بھی قدیم ہے لیکن اصول فقہ کے تمام عنوانات کا بہت عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں احاطہ کرتی ہے۔

8- پاکستان میں اصول فقہ کے موضوع پر جامعہ حقانیہ اکھوڑہ خٹک کی طرف سے التوضیح والتلویح کا اردو ترجمہ مزید اصول الشاشی اور نور الانوار کے کئی غیر معروف لوگوں کے اردو تراجم مروج ہیں جو متعدد مدارس و جامعات میں پڑھائے جاتے ہیں لیکن اِن تمام تراجم کی اردو بہت قدیم، ثقیل اور سابقہ ادوار

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کی حامل ہے۔

9- پاکستان کے معروف عالم اور سیاستدان ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے الحکم الشرعی کے عنوان سے کتاب لکھی ہے اس میں مکمل اصول فقہ سے بحث نہیں کی گئی۔

10- ایک اور کتاب ''آسان اصول فقہ'' مفتی محمد خان قادری جامعہ اسلامیہ ٹھوکر نیاز بیگ لاہور کی ہے یہ ایک مختصر رسالہ ہے مکمل کتاب نہیں ہے۔

11- کراچی کے مشہور مدرسہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاد محمد اسحاق سندیلوی مولانا نے بھی ایک کتاب اسلامی قانون کا تعارف لکھی ہے اس میں بھی اصول فقہ کے تمام عناوین کو نہیں سمیٹا گیا۔

12- جماعت اسلامی پاکستان کے رہنما اور مولانا مودودیؒ کے دست راست عاصم الحداد مولانا نے بھی ایک مختصر رسالہ اصول فقہ ایک نظر میں لکھی ہے لیکن اِس میں انہوں تنقیدی طریقہ تحقیق استعمال کیا ہے اور یہ اس علم پر تنقید کی کتاب تو ہے لیکن علم اصول فقہ کی کتاب نہیں ہے۔

13- پاکستان میں انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کی شریعت فیکلٹی کے استاد عمران خان نیازی نے بھی انگریزی میں اصول فقہ کا تعارف (Islamic Jurisprudence) اور اس موضوع پر کافی کام کیا ہے۔ جو انگریزی زبان میں اس علم کی ابتدائی اور بنیادی معلومات حاصل کرنے کے لئے نہایت مفید ہے۔ مزید اُن کی کتاب (Theories of Islamic Law) بھی بہت معروف ہے۔

14- اس یونیورسٹی کے شریعت اکیڈمی کے سابق ڈی جی ڈاکٹر یوسف فاروقی صاحب بھی انگریزی زبان میں اس علم کے ابتدائی معلومات پر کچھ کام ''اصول فقہ کا ارتقاء'' اور ''اجتہاد مناھج و اسالیب'' ''فقہ اسلامی میں تشریح وتعبیر کے اصول'' کے نام سے کیا ہے مزید کام بھی کر رہے ہیں وہ بھی عنقریب سامنے آجائے گا۔

15- اسی اکیڈمی کے سابقہ ڈائریکٹر ڈاکٹر طاہر منصوری نے بھی اجتماعی اجتہاد اور اُس کی عملی صورتوں، پر کتاب مرتب کی ہے جو بہت معلومات افزاء ہے۔

16- شاہ ولی اللہؒ کی معروف کتاب ''عقد الجید'' کا اردو ترجمہ معروف سکالر ڈاکٹر محمد میاں صدیقی نے کیا ہے جو بہت بلند پایہ ترجمہ اور اصول فقہ کے ایک عنوان کی جامع کتاب ہے۔

17- انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کے فاضل استاد ڈاکٹر حافظ حبیب الرحمٰن نے ایک کتاب ''قواعد اصولیہ فقہاء کا اختلاف اور فقہی مسائل پر اُس کا اثر'' تصنیف کی ہے اس میں بھی اصول فقہ کے فنی مباحث کو کافی حد تک سمیٹا گیا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

18- ہندوستان کے معروف سکالر اور ماہر معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے بھی اصول فقہ کے ایک ذیلی عنوان مقاصد شریعت پر ایک کتاب تحریر کی ہے۔

19- ہندوستان کے مصنف عبید اللہ اسعدی جو جامعہ عربیہ ہتھورا یو پی کے استاد ہیں کی کتاب اصول فقہ بہت جامع، مختصر اور درسی نوعیت کی ہے میں نے اُسے عمدہ کتاب پایا ہے اصول فقہ کے تمام موضوعات کا احاطہ کرتی ہے بعض مقامات پر اردو قدیم ہے لیکن یہ بہت اچھی اس علم کی کتاب ہے۔

اصول فقہ پر مزید تصانیف کی ضرورت

اصول فقہ کے چاروں عنوانات میں بعض عناوین پر علیحدہ علیحدہ تحریر شدہ کتب کافی دستیاب ہیں۔ مثلاً استحسان بحثیت ماخذ قانون، عرف تعامل صحابہ اور اجتہاد و تقلید وغیرہ پر برصغیر اور خصوصاً پاکستان میں بیسیوں کتب لکھی جا چکی ہیں لیکن ایسی کتاب جو تمام عنوانوں کا احاطہ کرے اور درسی نوعیت کی بھی ہو یعنی یونیورسٹی، کالج، مدارس کے اساتذہ کرام اور طلباء کے علاوہ ججز، وکلاء اور ماہرین قانون اُس سے آسانی سے استفادہ کرسکیں مزید انہیں اسلامی اصول قانون سمجھنے اور سمجھانے میں دشواری نہ ہو ابھی تک برصغیر میں نہیں لکھی گئی۔

عالم عرب میں شام، عراق، سعودی عرب، مصر، تیونس اور مراکش وغیرہ میں درسی نوعیت کی لاتعداد کتب تحریر کی جا چکی ہیں اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ جس کی وجہ سے وہاں اسلامی اصول قانون کے سلسلہ میں نہ ابہام پایا جاتا ہے اور نہ ہی وہاں مغربی قانون کو پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کی طرح برتری حاصل ہے۔

Marfat.com

حنفی اصول فقہ کی اہم کتب

۱۔ اصول الکرخی	ابوالحسن عبیداللہ الکرخی۔340ھ
۲۔ اصول الشاشی	اسحاق بن ابراھیم الشاشی الخراسانی۔325ھ
۳۔ اصول الجصاص (الفصول فی الاصول)	امام ابوبکر احمد الجصاص الرازی۔370ھ
۴۔ اصول البزدوی (کنز الوصول الی معرفۃ الاصول)	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی۔482ھ
۵۔ اصول السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد ابوبکر السرخسی۔490ھ
۶۔ میزان الاصول فی نتائج المعقول	علاء الدین اَبی بکر محمد بن احمد سمرقندی۔539ھ
۷۔ التوضیح والتلویح	صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود۔747ھ التوضیح والتلویح، کی شرح ہے علامہ سعد الدین تفتازانی۔792ھ
۸۔ کتاب التحریر	کمال الدین محمد بن واحد ابن الھمام۔861ھ
۹۔ تیسیر التحریر شرح کتاب التحریر	امیر بادشاہ محمد امین الحسنی خراسانی۔978ھ
۱۰۔ منتخب الحسامی	حسام الدین اخسیکثی۔644ھ
۱۱۔ المنار۔ کشف الاسرار (شرح)	ابوالبرکات عبداللہ احمد النسفی۔710ھ
۱۲۔ مسلّم الثبوت	ملا محبّ اللہ محمد بن عبدالشکور بہاری۔1119ھ
۱۳۔ کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بخاری۔730ھ
۱۴۔ نور الانوار شرح المنار	ملا جیون احمد بن اَبی سعید۔1130ھ
۱۵۔ النامی شرح الحسامی	عبدالحق حقانی۔1335ھ
۱۶۔ فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت	عبدالعلی بحر العلوم محمد بن نظام الدین۔1235ھ
۱۷۔ مزیل الغواشی شرح اردو اصول الشاشی	نجم الغنی رام پوری۔1932ھ
۱۸۔ مجلّہ الاحکام العدلیہ (فقہ)	خلافت عثمانیہ ترکی کی کمیٹی نے 1860 کے قریب مرتب کیا تھا

Marfat.com

شافعی اصول فقہ کی اہم کتب

۱۔	کتاب الرسالۃ	امام محمد بن ادریس المطلبی الشافعی۔204ھ
۲۔	کتاب اللُمع	ابو اسحاق ابراھیم شیرازی۔476ھ
۳۔	البرھان فی اصول الفقہ	امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ الجوینی 478ھ
	الورقات فی الاصول	ایضاً
۴۔	المستصفی من علم الاصول	حجۃ الاسلام اَبی حامد محمد بن محمد الغزالی امام۔505ھ
۵۔	المنخول فی تعلیقات الاصول	ایضاً
۶۔	المحصول فی علم الاصول	فخر الدین محمد بن عمر الرازی الامام606ھ
۷۔	منہاج الوصول فی علم الاصول	عبداللہ بن عمر البیضادی امام691ھ
۸۔	الاِحکام فی اصول الاَحکام	آمدی سیف الدین ابوالحسن علی بن محمد۔631ھ
۹۔	التحصیل من المحصول (محصول کی شرح)	ارموی سراج الدین محمد بن اَبی بکر۔681ھ
۱۰۔	نھایۃ السول شرح منہاج الوصول	محمد بن الحسن بدخشی
۱۱۔	الابہاج فی منہاج الوصول	سبکی علی بن عبدالکافی شیخ الاسلام۔756ھ
۱۲۔	ادب القاضی	الماوردی قاضی اَبی الحسین 450ھ
۱۳۔	البحر المحیط فی اصول الفقہ	امام زرکشی 794ھ
۱۴۔	تخریج الفروع علی الاصول	ابی المناقب الزنجانی 665ھ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مالکی اصول فقہ کی اہم کتب

۱۔	الاشارہ فی اصول الفقہ	باجی۔امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی
۲۔	إحکام الفصول فی احکام الاصول	باجی۔امام ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی
۳۔	الموافقات فی اصول الفقہ	شاطبی۔ابواسحاق ابراہیم 790ھ
۴۔	مفتاح الوصول فی علم الاصول	تلمسانی شریف أبی عبداللہ محمد بن احمد 771ھ
۵۔	شرح مختصر المنتہی لابن حاجب	ایجی عضد الدین۔
۶۔	شرح تنقیح الفصول	قرافی شہاب الدین احمد بن ادریس۔683ھ
۷۔	الفروق	قرافی شہاب الدین احمد بن ادریس۔683ھ
۸۔	تنقیح الفصول فی علم الاصول	قرافی شہاب الدین احمد بن ادریس۔683ھ

حنبلی اصول الفقہ کی اہم کتب

۱۔	روضۃ الناظر وجُنۃ المناظر	ابن قدامہ موفق الدین 620ء
۲۔	المختصر فی اصول الفقہ	ابن لحام علی بن محمد 620ھ
۳۔	شرح الکوکب المنیر	ابن نجار فتوحی محمد بن احمد 972ھ
۴۔	مذکرہ فی اصول الفقہ	شنقیطی محمد امین 1392ھ
۵۔	المدخل الی مذھب امام احمد بن حنبل	عبدالقادر بن بدران الدمشقی
۶۔	قواعد الاصول	صفی الدین حنبلی
۷۔	القواعد فی الفقہ الاسلامی (قواعد ابن رجب)	ابوالفرج ابن رجب عبدالرحمٰن بن احمد 795ھ
۸۔	الواضح فی اصول الفقہ	ابن عقیل حنبلی
۹۔	المغنی فی اصول الفقہ	امام خبازی حنبلی
۱۰۔	شرح مختصر الروضۃ	نجم الدین الطوفی 716ھ
۱۱۔	تقریر القواعد وتحریر الفوائد	ابن رجب الحنبلی
۱۲۔	اصول مذہب الامام احمد	عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی
۱۳۔	الواضح فی اصول الفقہ	ابن عقیل 513ھ
۱۴۔	قواطع الأدلۃ فی اصول الفقہ	امام سمعانی 891ھ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جعفریہ اصول فقہ (شیعی) کی اہم کتب

۱۔	منتہی الاصول	آیت اللہ العظمیٰ البجوردی
۲۔	دروس فی علم الاصول	ڈاکٹر باقر الصدر
۳۔	غایۃ الاصول فی شرح کفایۃ الاصول	آیت اللہ فیروز آبادی
۴۔	اصول الفقہ	شیخ محمد رضا المظفر
۵۔	ولایت فقیہ	آیت اللہ آملی
۶۔	انوار الاصول	آیت اللہ شیرازی مکارم

مزید مذاہب کی اصول الفقہ پر اہم کتب

۱۔	الاِحکام فی اصول الاحکام	(فقہ ظاہریہ)	ابن حزم ابو محمد علی بن حزم 456ھ
۲۔	کتاب الاجماع	(فقہ ظاہریہ)	ابوداؤد امام 270ھ
۳۔	المعتمد فی اصول الفقہ	(فقہ معتزلی)	بصری۔ ابی الحسین محمد بن علی۔ 436ھ
۴۔	ارشاد الفحول إلی تحقیق علم الاصول	(تمام مذاہب)	شوکانی محمد بن علی بن محمد 1255ھ
۵۔	إحکام الأحکام		الراوندی قطب الدین

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

دورِ جدید میں اصول فقہ کی اہم کتب

ا۔	علم اصول الفقہ	عبدالوھاب خلاف (عربی)
۲۔	الوجیز فی اصول الفقہ	عبدالکریم زیدان (عربی)
۳۔	جامع الاصول اردو ترجمہ الوجیز	ڈاکٹر احمد حسن (اردو)
۴۔	الوجیز فی اصول الفقہ	حسین علی الاعظمی (عربی)
۵۔	(ا) اصول الفقہ	خضری بک محمد (عربی)
	(ب) تاریخ التشریع الاسلامی	ایضاً
۶۔	اصول الفقہ الاسلامی	زکریا بری (عربی)
۷۔	اصول الفقہ الاسلامی	زکی الدین شعبان (عربی)
۸۔	اصول التشریع الاسلامی	علی حسب اللہ (عربی)
۹۔	نظرۃ العامۃ فی تاریخ الفقہ الاسلامی	علی حسن عبدالقادر (عربی)
۱۰۔	فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر	مولانا تقی امینی (اردو)
۱۱۔	المدخل الی علم اصول الفقہ	معروف دوالیبی (عربی)
۱۲۔	اصول الفقہ الاسلامی	وھبہ الزحیلی (عربی)
۱۳۔	اصول الفقہ	محمد ابوزھرہ (عربی)
۱۴۔	اصول الفقہ الاسلامی	شاکر الحنبلی (عربی)
۱۵۔	مصادر الحق فی الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری (عربی)
۱۶۔	فلسفہ التشریع فی الاسلام	صبحی محمصانی (عربی)
۱۷۔	اصول الفقہ	حسین احمد حسان (عربی)
۱۸۔	اصول الفقہ	حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی (اردو)
۱۹۔	اسلامی فقہ کے اصول و مبادی	ساجد الرحمٰن صدیقی (اردو)
۲۰۔	اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ	ڈاکٹر محمد مظہر بقا (اردو)
۲۱۔	علم اصول الفقہ فی ثوبہ الجدید	جواد مغنیہ (عربی)
۲۲۔	مزیل الغواشی شرح اردو اصول الشاشی	نجم الغنی رام پوری 1932
۲۳۔	اصول الفقہ (جعفری)	محمد رضا المظفر (عربی)
۲۴۔	اصول الفقہ الاسلامی (عربی)	بدران ابوالعینین بدران

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حوالہ جات:

تعارفی باب (فصلدوم)

اصولِ فقہ کی تاریخ خصوصاً برصغیر کے تناظر میں

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

(1) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/37

(2) حوالہ سابقہ

(3) حوالہ سابقہ/38

(4) حوالہ سابقہ/39

(5) حوالہ سابقہ/39

(6) غازی محمود احمد ڈاکٹر۔ علم اصول فقہ (ایک تعارف ا)/27

(7) حوالہ سابقہ

(8) حوالہ سابقہ/28

(9) شاہ ولی اللہ۔ الانصاف/37

(10) امام بخاری۔ صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر باب قول۔ والذین یتوفون منکم

(11) امام مالک۔ موطا امام مالک۔ کتاب الاشربہ۔ باب ماجاء فی حدالخمر

(12) خاکوانی ڈاکٹر محمد باقر خان۔ فقہاء کے اصول حدیث۔ لاہور۔ مکتبہ سلیمانی 102/2012

(13) ابن ندیم محمد بن اسحاق۔ فہرست ابن ندیم۔ مصر۔ مطبعہ رحمانیہ (س۔ن)/286

(14) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع الاسلامی۔/7

(15) حوالہ سابقہ/6

(16) غازی محمود احمد ڈاکٹر۔ علم اصول فقہ۔/53

(17) حوالہ سابقہ/62

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(18) حوالہ سابقہ علم اصول فقہ۔ (ایک تعارف II)/44

(19) حوالہ سابقہ/45

(20) حوالہ سابقہ/45

(21) قاضی اطہر مبارک پوری ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں بمبئی مطبعہ حجازیہ 1958۔

(22) غازی محمود احمد ڈاکٹر۔ حوالہ سابقہ/47

Marfat.com

تعارفی باب

فصل سوم

فقہی اختلاف کے اسباب

(Reasons for Difference of Opiniouns of Muslim Jurists/
Schools of Thought)

اختلاف کا مادہ ''خلف'' ہے یہ باب افتعال کا مصدر ہے اس سے مراد کسی فقہی مسئلہ کے بارے میں موجودہ حل سے اختلاف کرتے ہوئے دوسرا حل پیش کرنا ہے۔ اسے اختلاف اور مخالفت کہتے ہیں۔ فقہی مسائل میں ایک حدتک تو اختلاف رحمت ہے اور اگر یہ اختلاف تنازعہ مجادلہ اور جھگڑے کی صورت اختیار کر لے تو پھر باعث زحمت وتکلیف بن جاتا ہے۔ (1)

کسی فقہی مسئلہ کے بارے میں متعدد فقہاءِ کرام کی طرف سے مختلف فقہی حل میں کسی ایک فقیہ کی رائے پر اس قدر سختی سے عمل کرنا کہ اُس رائے پر عمل نہ کرنے والوں سے جھگڑا، مجادلہ اور شقاق (جدائی) کی نوبت آجائے، غیر اخلاقی اور غیر شرعی اختلاف ہے۔ اس کو جدال اور شقاق کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اگر تمام فقہاءِ کرام کی آراء کو صحیح سمجھتے ہوئے کسی ایک کی رائے پر عمل کرنا اور اُس رائے سے اختلاف کرنے والوں کو بھی حق پر سمجھنا ''مراعاۃ الخلاف'' یعنی فقہی اختلاف کی رعایت کرنا کہلاتا ہے۔

فقہی اختلاف کی حقیقت اور نظریہ مُراعاۃُ الخِلاف:

فقہی اختلاف میں نظریہ مراعاۃ الخلاف یہ ہے کہ اگر ایک مسئلہ میں مختلف فقہاء کرام (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفری، ظاہری) کی رائے کے مطابق متعدد حل ہیں اور کوئی شخص اپنے حالات کے مطابق کسی ایک حل پر عمل کرتا ہے اور دوسرا کسی اور حل پر عمل پیرا ہے تو تمام ایک دوسرے کو صحیح اور برحق تسلیم کریں اور کسی کی مخالفت یا کسی کو بُرا بھلا نہ کہیں۔ نظریہ مراعاۃُ الخِلاف کے بانی مالکیہ ہیں اُنھوں نے اس نظریہ میں چند مزید شرائط کا اضافہ بھی کیا ہے لیکن اُن تمام کا خلاصہ سابقہ سطور میں ہے۔ یہ نظریہ آج کل تمام

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

فقہاء میں متداول ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ تمام فقہاء کرام اپنے اپنے فقہی مذاہب میں ''حصر فی الحق''، یعنی حق کے صرف اپنے مذہب تک محدود ہونے کے قائل نہیں۔ بلکہ ہر عالم اور فقیہ یہ سمجھتا ہے کہ کسی مسئلہ کا جو حل اُس نے پیش کیا ہے وہ حق کے زیادہ قریب ہے (اقرب الی الحق) جبکہ باقی تمام فقہاء کے پیش کردہ حل بھی بالکل حق اور قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں اس لئے اپنے امام کی تقلید کرتے ہوئے باقی تمام ائمہ کے مقلدین کو بھی حق پر سمجھنا اور ان کے طریق کار کی نفی یا تذلیل نہ کرنا شرعی اختلاف کہلاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنے اور آمین بالجہر کہنے والے نمازی خود کو اقرب الی الحق سمجھتے ہوئے اس عمل کو نہ کرنے والے نمازیوں کو بھی حق پر سمجھیں اور یہ خیال نہ کریں کہ اُن کی نماز اِن دو اعمال کے بغیر نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ ہمارا موقف حق کے زیادہ قریب ہے اور دوسروں کی رائے بھی صحیح ہے۔ اسی طرح باقی تمام فقہی اختلافات میں پاکستان کے معروضی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث حضرات کا یہ موقف اختیار کرنا نظریہ مراعات الخلاف کہلاتا ہے۔

یہ حقیقت اس مثال سے سمجھی جا سکتی ہے کہ اسلام آباد (پاکستان کا دارالخلافہ) سے کچھ لوگ لاہور (صوبہ پنجاب کا دارالخلافہ) جانا چاہتے ہیں۔ اُن سے کچھ موٹروے کے ذریعے جا رہے ہیں چند لوگ جی ٹی روڈ سے جا رہے ہیں، بعض لوگ ٹرین کے ذریعہ رواں دواں ہیں اور ایک محدود تعداد ہوائی جہاز سے جا رہی ہے۔ اب یہ تمام لوگ صحیح راستہ پر جا رہے ہیں ہر شخص اپنے مالی اور معروضی حالات کے مطابق اپنا راستہ اختیار کر کے لاہور پہنچ رہا ہے۔ اب موٹروے کے ذریعے جانے والے جی ٹی روڈ سے جانے والوں کو برا بھلا کہیں تو اُن کی یہ بات عقل سلیم کے منافی ہے۔ اسی طرح مختلف ائمہ کی تقلید کرنے والوں کی مثال ہے کہ تمام کی منزل اللہ اور اُس رسول کی اطاعت ہے لیکن راستے مختلف ہیں۔

فقہی مذاہب کی حقیقت:

فقہی اختلافات کے اسباب کا مطالعہ کرنے سے قبل یہ بنیادی حقیقت ہمارے ذہن میں رہے کہ اسلام میں فقہی مسالک، مذاہب درحقیقت فقہی مکاتب فکر ہیں، جن کا مقصد شریعت کی نصوص کی تفسیر اور شرعی احکام کا استنباط ہے۔ یعنی مختلف لوگوں کے لاتعداد مسائل اُن کے ذاتی حالات اور زمانہ کے احوال کو سامنے رکھ کر قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنا ہے، احکام کے استنباط اور ان سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے مختلف فقہاء کرام کے ذریعہ جو طریقے اختیار کیے گئے ہیں وہ کوئی نئی شریعت نہیں ہیں، اور نہ ہی اسلام کے علاوہ کوئی

Marfat.com

دوسری چیز ہیں۔

اسلامی شریعت جس کے بنیادی مآخذ قرآن وسنت ہیں اور جو صرف قرآن وسنت کی نصوص کا نام ہے ہر فقہی مکتب کی بنیاد ہیں، اور کوئی بھی مکتب یا فقہی مذہب قرآن وسنت کی حدود سے باہر یا اس سے بڑا اور اس سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔

اسلامی شریعت ہر فقہی مکتب پر حجت ہے، اور کوئی فقہی مسلک بھی اسلامی شریعت پر حجت نہیں ہے۔

ان فقہی مکاتب کی حقیقت یہ ہے کہ ان مکاتب کے اماموں اور مجتہدین نے اسلامی مآخذ قانون سے اپنے اپنے گمان کے مطابق شریعت کے احکام سے اپنے مقلدین کو روشناس کرایا۔ مثلاً امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام جعفر صادق، ابن حزم الظاہری وغیرہ نے اپنے دور میں نئے پیدا شدہ مسائل کا حل قرآن وسنت سے اپنی رائے کے مطابق اجتہاد کر کے عوام کے سامنے پیش کیا۔ (2)

یعنی قرآن یا سنت میں خدا کا جو حکم وارد ہوا ہے ان مذاہب نے مختلف علاقہ کے لوگوں کو سہولتیں مہیا کرنے کے لئے ان کے مسائل اُن احکام کی حدود میں رہتے ہوئے حل کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اور اپنے ظن وگمان کے مطابق ہمیں اس سے واقف کرایا ہے۔ فقہی مسائل میں اس اصول اور جذبہ کے تحت اختلافات کا آغاز دور صحابہؓ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔

صحابہ کے درمیان فقہی اختلاف:

ابتداء اسلام سے اس کو حقیقت کے طور پر قبول کیا گیا کہ اختلاف رائے اُمت کے لیے زحمت نہیں رحمت ہے۔ اُمت کے ایک بڑے فقیہہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ اس اُمت کا اتفاق حجتِ قاطعہ ہے اور اس کا اختلاف رحمت واسعہ ہے۔ (مقدمہ المغنی)۔ یہ بات مختلف علما نے لکھی ہے، جن میں شیخ اسلام علامہ ابن تیمیہؒ بھی شامل ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول ﷺ کے سامنے صحابہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا یا اس کی تشریح وتوضیح مختلف حضرات نے الگ الگ طور پر کی، آپ ﷺ نے اس کا برا نہیں مانا، مثلاً غزوۂ خندق کے بعد آپؐ نے اعلان فرمایا کہ تمام لوگ بنوقریظہ کی طرف کوچ کریں اور وہیں عصر کی نماز پڑھیں۔ اب بعض حضرات نے اس کا مطلب سمجھا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بلا تاخیر بنوقریظہ کی طرف نکل جائیں، یہ مقصد نہیں ہے کہ لازماً بنوقریظہ ہی میں نماز عصر ادا کی جائے، اس لیے وہ مدینہ سے فوراً روانہ ہو گئے لیکن راستے میں نماز پڑھتے ہوئے بنوقریظہ تشریف لائے۔ بعض نے تعمیل حکم نبویؐ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ نماز کا وقت ختم ہو گیا لیکن انہوں نے بنوقریظہ پہنچ کر ہی نماز عصر ادا کی اور ان میں سے کسی گروہ پر بھی

Marfat.com

آپ کی طرف سے نکیر نہیں کی گئی۔ اسی طرح آیت تیمّم نازل ہونے کے بعد ایک سفر میں حضرت عمرؓ اور حضرت عمار بن یاسر دونوں کو غسل کی ضرورت پیش آئی اور پانی میسر نہیں تھا۔ اب حضرت عمرؓ نے اجتہاد کیا۔ ان کو خیال ہوا کہ تیمّم صرف وضو کی جگہ پر کفایت کرتا ہے۔ اگر غسل واجب ہو جائے تو یہ کافی نہیں، اور حضرت عمار بن یاسرؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ جب وضو کا تیمّم، چہرہ اور ہاتھ کا مسح ہے تو غسل کا تیمّم پورے بدن کا مسح ہے، اس لیے وہ ریت میں لوٹ گئے، تاکہ پورے بدن کا تیمّم ہو جائے۔ پھر جب رسول ﷺ کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپ نے کسی کی مذمت نہیں فرمائی، بلکہ فرما دیا کہ تیمّم غسل کا بھی قائم مقام ہے اور ہر صورت میں تیمّم کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اگر اجتہاد کی بنا پر پیدا ہونے والا اختلاف مذموم و ناپسندیدہ ہوتا تو رسول ﷺ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہوتا۔ (3)

صحابہ کرامؓ میں اعتقادی امور میں اختلاف:

یوں تو رسول ﷺ پوری اُمت بلکہ پوری انسانیت کے معلم و مربی تھے، لیکن جس مقدس گروہ کے لیے اللہ نے رسول ﷺ سے براہِ راست استفادے کی سعادت مقرر فرمائی تھی، وہ یہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ صحابہ کے درمیان جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ سینکڑوں مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا، مگر نہ وہ اسے برا سمجھتے تھے اور نہ یہ ان کے درمیان باہمی محبت، تعلق، ایک دوسرے کی اقتدا اور ایک دوسرے کی خوبیوں کے اعتراف میں رکاوٹ بنتا تھا۔ عملی احکام سے زیادہ اہمیت اعتقادی احکام کی ہوتی ہے لیکن ان میں بھی بعض امور میں صحابہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے تھی کہ معراج میں رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا اور اُم المومنین حضرت عائشہؓ کو اس سے انکار تھا۔ ان کی رائے ہے کہ معراج کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ کو اپنی اصل شکل میں دیکھا تھا، حالاں کہ یہ دونوں صحابہ حضور ﷺ کے قریب ترین اہل تعلق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ چچا زاد بھائی ہیں اور کم عمر ہونے کی وجہ سے شب و روز حضور ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے، اور حضرت عائشہؓ نہ صرف ازواجِ مطہرت میں ہیں، بلکہ انھیں ازواج میں بھی خصوصی مقام حاصل تھا۔ اسی طرح بعض صحابہ کا خیال تھا کہ میت کے اہل خانہ کے میت پر رونے اور آہ و بکا کرنے کی وجہ سے میت پر عذاب ہوتا ہے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی قائل نہیں تھیں۔ اس طرح بعض صحابہؓ کی رائے تھی کہ مردے سنتے ہیں اور دوسرا نقطۂ نظر تھا کہ مردے نہیں سنتے۔ غرض کہ وہ عقائد جن پر اہل سنت والجماعت متفق نہیں ہیں، ان میں صحابہ کے دور میں بھی اختلاف رہا ہے۔ لیکن اِن تمام اختلافات کے باوجود اُن کی آپس میں محبت، تکریم، عزت اور رواداری اب تک قابل مثال ہے اور اللہ تعالیٰ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

نے اُن کی تعریف قرآن مجید میں (رحماء بینھم) آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے، کہہ کر کی ہے۔(4)

صحابہ کرام میں فقہی اختلاف اور اُس کی حقیقت:

یہ فقہی اختلاف دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دورِ صحابہ میں بھی تھے۔جن کے اسباب یہ ہیں۔

1۔ کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوا جو دورِ نبوی ﷺ میں نہیں تھا تو اُس مسئلہ کو حل کرتے ہوئے ایک صحابی نے اجتہاد سے کوئی حکم صادر فرمایا لیکن دوسرے صحابی کے پاس صحیح حدیث موجود تھی اور اُس حدیث میں مسئلہ کا حل صحابی کے پیش کردہ حل سے مختلف تھا تو پہلے صحابی نے حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے سابق حکم سے رجوع فرمالیا لیکن اُن کا اجتہادی حل عوام میں رواج پا چکا تھا۔اس طرح ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو آراء سامنے آئیں۔

2۔ کسی صحابیؓ کے اجتہادی حکم کے خلاف ایسی حدیث نہ دریافت ہوئی کہ جس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہو تو اُس صحابی نے اپنے اجتہادی حکم ہی کو باقی رکھا اور حدیث پر عمل نہ کیا دوسرے صحابی نے حدیث پر عمل کیا۔اس طرح دو آراُ مروج ہو گئیں۔

حدیث کے موجود ہوتے ہوئے بھی بعض اصحاب تک وہ نہ پہنچ سکی اور اس کے خلاف لاعلمی کی حالت میں اپنے اجتہاد سے حکم صادر فرمایا اور اسی پر وہ قائم رہے۔اس طرح صحابہ کرام کی آراء میں اختلاف نظر آیا۔

3۔ موقع و محل کی مناسبت سے بعض اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ریاست اور حکومت سے متعلقہ فعل کو قانونی حیثیت دی اور بعض نے اختیاری حیثیت میں رکھا۔بعض نے فعل کو بہر حال ثابت برقرار رکھا اور بعض نے حالات و تقاضا پر محمول کر کے اس کی مدت متعین کی۔یہ فرق بھی آگے چل کر بعض مسائل میں اختلاف کا سبب بنا۔

4۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو دیکھ بعض صحابہؓ نے اس کو فرض اور واجب سمجھا، بعض نے اُسے مستحب اور نفل شمار کیا اور حقیقت میں وہ فعل دونوں کا احتمال رکھتا تھا مثلاً حج کے افعال دیکھ کر کسی نے سمجھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قارن (حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنے والے) تھے اور کسی نے متمتع (پہلے عمرہ اور پھر حج کرنے والے) سمجھا اور کسی نے مفرد جانا۔اب ہر صحابہ کی رائے سامنے آنے کے بعد اختلاف کا آغاز ہو گیا۔

5۔ صحابہ کرام کے پاس حدیث موجود تھی لیکن اس کے پس منظر سے آگاہی یعنی۔اصل موقع و محل تک

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

رسائی نہ ہوسکتی تھی جس کی بنا پر احکام کی توجیہ میں اختلاف ہوا۔

6۔ حکم کی علت میں اختلاف ہوا۔کسی نے اس کی کوئی علت نکالی اور کسی نے کوئی علت قرار دی اور پھر بعد میں اس سے استنباط کی وجہ سے اختلاف رونما ہوا۔

7۔ دو مختلف حدیثوں کے موقع ومحل کی تعیین میں اختلاف ہوا۔کسی نے ضرورت یعنی حدیث کا حکم ایک خاص شخص یا علاقہ پر محمول کیا اور کسی نے عمومی حکم ثابت کیا جس سے بعض مسائل میں اختلاف کی شکل پیدا ہوئی۔(5)

تابعینؒ عظام میں فقہی اختلاف کی حقیقت:

صحابہؓ کے بعد تابعین کا زمانہ آیا اور انہوں نے قرآنی احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کے مختلف اقوال اور مختلف توجیہات وتعبیرات کو محفوظ کیا اور نت نئے حالات ومسائل کے استنباط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ دونوں کو اپنا رہبر بنایا اور دونوں کی عطا کی ہوئی روشنی سے استفادہ کیا۔

ظاہر ہے کہ اختلاف صحابہ کرام میں موجود تھا۔صحابہ کرام کے مختلف علاقوں میں پھیل جانے اور ذرائع وسائل میں کمی کی وجہ سے ہر تابعی کو یہ سہولت نہ حاصل تھی کہ تمام صحابہ کے مختلف اقوال جمع کر کے ان میں باہمی تطبیق وترجیح کی صورت نکالتا۔پھر بھی ان حضرات نے جہاں تک ان کے بس میں تھا مختلف اقوال جمع کیے اور ان میں سے بعض کو بعض پر قوی دلیل کی بنا پر ترجیح دی۔جو اقوال کمزور نظر آئے انہیں چھوڑ دینے کی ترغیب کی اگرچہ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو کسی جلیل القدر صحابہ سے مروی تھے۔علم وتحقیق کی دنیا جذبات کی دنیا سے بالکل دوسری ہے۔ان بزرگوں نے علم وتحقیق کے معیار پر ماسبق کو جانچا اور پرکھا۔اطاعت ومحبت کے جذبہ سے سرشار ہونے کے باوجود رد اور قبول کے معاملہ میں کسی قسم کی رورعایت نہ کی۔

صحابہؓ کے بعد یہی تابعین کرام حضرات ایسے تھے جو مختلف مقامات پر لوگوں کی توجہات کا مرکز بن سکتے تھے۔چنانچہ جہاں جہاں یہ لوگ موجود تھے تو اُس علاقہ کے لوگوں کے مرکز قرار پائے۔کسی کی زیادہ شہرت ہوئی تو دور دراز سے سفر کر کے ان سے استفادہ کے لئے لوگ آتے رہے۔ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تھیں، صحابہؓ کے اقوال اور اُن کی زندگی تھی۔ان کے اقوال، فتاویٰ، فیصلے اور ترجیح کی صورتیں وغیرہ سب تھیں۔ان کے علاوہ کچھ نئے حالات ومسائل بھی تھے جن میں ان حضرات نے مختلف علاقوں کے حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے متعدد آراء دیں۔ان میں بعض سہولت دینے کے قائل تھے بعض راہ

Marfat.com

عزیمت کے قائل تھے۔اس طرح صحابہؓ کرام کے زمانہ کے اختلاف اور سلطنت اسلامیہ کے چار دانگ عالم پھیلنے کی وجہ سے نئے مسائل کو حالات وزمانہ کی رعایت کرتے ہوئے حل کرنے کی وجہ سے فقہی مسائل میں اختلافات شروع ہو گئے یہ اختلاف خیر کا پہلو رکھتے ہوئے ایک واضح اور ٹھوس حقیقت بن کر سامنے آ گئے۔(6)

ائمہ فقہاء کے درمیان فقہی اختلاف کی حقیقت:۔

صحابہ اور تابعین کے بعد تبع تابعین کا دور آیا۔اس دور میں فقہ اور اصول فقہ اور کتب احادیث کی تدوین کا بے قاعدہ آغاز شروع ہو گیا تھا۔وہی آغاز بعد میں ان علوم کو باقاعدہ مدون کرنے کا باعث بنا۔ان ائمہ فقہاء میں سے امام ابوحنیفہؒ صغار تابعین میں سے اور امام مالکؒ تبع تابعی تھے بقیہ ائمہ کرام ان کے بعد تشریف لائے تھے۔

ان تمام ائمہ کرام جن میں امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام جعفر صادق، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابن حزم ظاہری اور ابوالحسین معتزلی بہت زیادہ مشہور ہیں نے اپنی فقہ کو مدون کرنے یا لوگوں کے سامنے عام کرنے سے قبل اس کے اصول یعنی اپنے لئے علیحدہ اصول فقہ ترتیب دیئے۔اس سے مراد یہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں سلطنت اسلامیہ کے مدینہ طیبہ سے نکل کر تین براعظموں ایشاء، افریقہ اور یورپ میں پھیلنے کی وجہ سے ہر علاقہ کے حالات اور نت نئے واقعات کی وجہ سے جو جدید مسائل جنم لے رہے تھے ان کو حل کرنے کے لئے تمام اماموں نے قرآن وحدیث اور صحابہ کرامؓ کی آراء کو مدنظر رکھ کر اپنے اپنے طور پر متعدد اصول وضوابط تشکیل دیئے۔یہ ضابطے بعد میں اصول فقہ کے نام سے موسوم ہوئے۔

تمام ائمہ کرام نے اپنی اصول فقہ کے مطابق مختلف علاقوں کے متعدد مسائل کا حل اس دور کی حکومت اور عوام الناس دونوں کے سامنے پیش کیا۔ان ضابطوں یا اصول فقہ میں اختلاف کی وجہ سے مختلف ائمہ نے ایک ہی مسئلہ کے متعدد حل پیش کر دیئے۔اور جس علاقہ میں جو امام مقیم تھے یا صاحب اثر تھے ان کی آراء وہاں پر مقبول ہو گئیں اور اس طرح عالم اسلام میں باقاعدہ فقہی اختلاف کا آغاز ہوا اور دوسری اور تیسری صدی ھجری میں متعدد ایسے فقہی مذاہب معرض وجود میں آ گئے جو آج تک سارے عالم اسلام میں موجود ہیں۔(7)

فقہی اختلافات میں صحابہ کرامؓ کا طریق کار:

رسول ﷺ کے اپنے اصحاب کو اجتہاد کی اجازت دینے اور اجتہادی غلطی کو قابلِ معافی قرار دینے میں یہ بات شامل ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام وہ ہیں جن میں ایک سے زیادہ رائے کی گنجائش ہے اور ان

Marfat.com

میں فقہائے امت کے درمیان اختلاف ہوسکتا ہے، نیز یہ کوئی مذموم اور ناپسندیدہ بات نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور ہوتی کہ احکامِ شریعت میں کوئی اختلاف نہ ہو تو جیسے قرآن میں ایمانیات کو واضح کر دیا گیا ہے، اسی طرح تمام عقائد اور اعمال صالحہ کو ایسی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہوتا کہ صحابہ اور بعد کے دور میں فقہا کے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا۔

صحابہ کرام کے بعد اختلاف رائے میں امت کا طرز عمل:

ابتداء ہی سے امت میں مثبت جذبوں کے ساتھ عملی مسائل میں تو اختلاف کی کثرت رہی ہے لیکن اس اختلاف کی وجہ سے کبھی اُمت میں کوئی جھگڑا، جدال پیدا نہیں ہوا اور اس نے ان کے دلوں کو نہیں توڑا، بلکہ بعد کے فقہا نے اس اختلاف رائے کو تحسین کی نظر سے دیکھا، چنانچہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے منقول ہے۔ "مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، اس لیے کہ اگر ہر مسئلے میں صحابہ کرامؓ کی ایک ہی رائے ہوتی، تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے، کیوں کہ صحابہ امت کے مقتدیٰ ہیں۔ صحابہ کے اختلاف نے سہولت پیدا کر دی کہ امت کے افراد اگر ان میں سے کسی رائے کو قبول کر لیں تو ان کے لیے اس کی گنجایش ہے۔(8)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے ہم عصر عون بن عبداللہ ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے پڑپوتے ہیں اور تابعین کے ممتاز علما میں ہیں۔ الفاظ میں کسی قدر فرق کے ساتھ یہی بات ان سے بھی منقول ہے، وہ فرماتے ہیں۔ مجھے صحابہ کا اختلاف محبوب ہے، کیوں کہ اگر وہ کسی بات پر متفق ہوں اور اسے چھوڑ دیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سنت ہی کو چھوڑ دیا گیا ہے اور ان کے اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ اگر صحابہ رسولؐ میں سے کسی کی رائے پر عمل بھی کیا جائے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔

الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اسی طرح کی بات امام قاسم بن محمد سے بھی منقول ہے جو حضرت ابوبکر صدیق کے پڑپوتے ہیں اور تابعین کے عہد کے اکابر فقہا میں ان کا شمار ہے۔(9)

فقہی اختلافی مسائل میں فراخی، برداشت، باہمی احترام، کا رویہ اختیار کرنے اور اختلافات کو اہمیت نہ دینے کا رویہ ہمیشہ سے علما کا طریقہ رہا ہے۔ مشہور محدث یحییٰ بن سعید انصاری کا قول ہے کہ اہل علم کے درمیان حلال وحرام کا بعض مسائل میں بھی اختلاف ہوتا رہا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا کہ جس نے کسی چیز کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا، اس نے اپنے مخالف فتویٰ دینے والے کو یہ سمجھا ہو کہ اس نے اپنے لیے ہلاکت کا راستہ اختیار کیا، اور نہ ایسے امور کو حلال ہونے کا فتویٰ دینے والے نے دوسرے فریق کو گمراہ اور ہلاکت کا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

راستہ اختیار کرنے والا قرار دیا ہو۔ نہ یہ ان پر کوئی عیب لگاتا اور نہ وہ ان پر کوئی عیب لگاتا۔ اختلاف کے لفظ سے چوں کہ بظاہر ایک دوسرے سے دُور ہونے کی بو آتی ہے، اس لیے بعض علما تو اختلاف کی تعبیر کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہ نے امام احمد کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے فقہا کے اختلاف پر ایک کتاب مرتب کی اور اس کا نام کتاب الاختلاف رکھا۔ امام احمد نے فرمایا کہ اسے کتاب الاختلاف نہ کہو بلکہ یہ "کتاب السعتہ" ہے۔ (مجموع الفتاویٰ، ۳۰/۷۹)، یعنی فقہا کا اختلاف اُمت کے سہولت اور گنجایش کا نام ہے۔

اختلاف کے معاملے میں وسعت اور گنجایش کی بہترین مثال امام دار الہجرہ حضرت امام مالکؒ کی ہے، جن کی کتاب موطا امام مالک حدیث کی دستیاب کتابوں میں پہلی کتاب ہے۔ ان سے عہد عباسی کے کم سے کم دو خلفاء نے یہ خواہش کی کہ جیسے حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن کو جمع فرمایا اور تمام مسلمانوں پر اس نسخے کو لازم قرار دیا، اسی طرح ہم آپ کی کتاب کو پوری اُمت پر لازم قرار دینا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی بندۂ نفس ہوتا تو اس کے لیے یہ لوگوں پر اپنی بات کو مسلط کرنے کا سنہرا موقع ہوتا، لیکن امام مالک نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

علما کا اختلاف رائے اس اُمت کے حق میں اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔ جس کے نزدیک جو نقطۂ نظر زیادہ درست ہے، وہ اس کی پیروی کرتا ہے۔ اس لیے یہ سب کے سب ہدایت پر ہیں اور ہر ایک کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

کل هدی و کل یرید اللہ (کشف الکفا ۱۵۲)

امام مالک کا یہ قول جہاں ان کے اخلاص و للّٰہیت کی دلیل ہے، وہیں اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ فقہا اور محدثین اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے کو اچھی اور احسن نظر سے دیکھتے تھے۔ (10)

فقہی اختلافات میں ائمہ مجتہدین کا طریق کار:

جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ ائمہ کرام کے فقہی اختلاف کی ایک وجہ عوام الناس کو سہولت مہیا کرنا بھی ہے مزید یہ کہ اِن اختلافات کے باوجود اُن کا ماخذ قرآن مجید اور سنت ہی تھے۔ تو اس سلسلے میں وہ اپنی مجتہدانہ رائے رکھنے کے باوجود متعدد مقامات پر دوسرے امام کی رائے پر عمل کرتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی کے قائل نہیں تھے۔

امام ابو حنیفہ موزوں پر مسح کے قائل تھے لیکن جرابوں پر مسح جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن ان کے شاگرد امام

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ابو یوسف مسح علی الجوربین کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ امام صاحب نے سردیوں کے موسم میں جرابوں پر مسح کرنا چاہا تو اُن کے شاگرد نے اُن کی توجہ مبذول کرائی کہ آپ کے نزدیک تو جرابوں پر مسح جائز نہیں انھوں نے فرمایا کہ بلاشبہ میں اس کا قائل نہیں لیکن اب میں اپنے شاگرد ابو یوسف کی رائے پر عمل کر کے مسح کر رہا ہوں۔(10-A)

قلب ونظر کی اسی وسعت کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔ صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور میں کبھی بھی یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ ہم مخالف نقطۂ نظر کے حامل شخص کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ امام احمد کے یہاں خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام مالک کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام احمد سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر کسی شخص نے وضو کی حالت میں پچھنا لگوایا ہو، یعنی جسم کا فاسد خون نکلوایا ہو پھر اُسی سابقہ وضو کے ساتھ اگر وہ نماز کی جماعت کرارہا ہو تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ امام احمد نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا میں امام مالک اور سعید بن مسیّب جیسے بزرگوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا۔(11)

خونؔ کے نکلنے سے وضو کے ٹوٹ جانے کا جو نقطۂ نظر امام احمد کا ہے، یہی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی ہے، جن میں امام ابو یوسف شامل ہیں۔ امام ابو یوسف نے خلیفہ ہارون الرشید کے پیچھے نماز ادا کی، حالاں کہ خلیفہ نے خون نکلوایا تھا اور امام مالک کے فتویٰ کے مطابق وضو نہیں کیا تھا۔ جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا میں امیر المومنین کے پیچھے نماز نہ پڑھوں؟ پھر ایک اصولی بات فرمائی کہ ایسے ائمہ کے اختلافات کی وجہ سے ائمہ کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اہل بدعت کا طریقہ ہے۔

امام ابو یوسف کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے غسل کیا اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ بعد میں انہیں بتایا گیا کہ کنویں میں مردہ چوہا پایا گیا ہے۔ امام ابو یوسف کی اصل رائے کے مطابق وضو درست نہیں ہوا اور ظاہر ہے کہ جب وضو ہی درست نہیں ہوا، تو اصولی طور پر نماز لوٹانی چاہیے۔ لیکن اس جمعہ کی نماز کو دوبارہ لوٹانا بھی ایک دشواری تھی، اس لیے امام ابو یوسف نے نماز نہیں لوٹائی اور فرمایا: آج ہم علمائے مدینہ کی رائے پر عمل کرتے ہیں، جن کے نزدیک دو مٹکے سے زیادہ پانی ہو تو جب تک نجاست کے گرنے سے تبدیلی نہ پیدا ہو، پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

فقہائے شوافع کے نزدیک پرندوں کی بیٹ بھی ناپاک ہوتی ہے اور اگر کپڑوں پر لگی ہوئی ہو تو وہ ناپاک شمار ہوتے ہیں اور اُن سے نماز نہیں ہو سکتی، لیکن امام احمدؒ اس کے قائل نہیں تھے۔ قاضی ابو الطیب بڑے شافعی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

عالم تھے۔ ایک دن جمعہ کی نماز پڑھانے لگے تو جونہی نماز شروع ہوئی اور انھوں نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا تو ایک پرندے نے ان کے کپڑوں پر بیٹ کر دی۔ انھوں نے نیت باندھ لی اور کہا کہ آج میرا عمل امام احمد کی رائے پر ہے۔(12)

عصر حاضر کے علماء کرام کا فقہی اختلافات میں طریقہ کار:

ظاہر ہے کہ یہ ائمہ اور علماء کے واقعات اس پس منظر میں ہیں کہ ان علماء کی شرعی دلائل پر نظر تھی، البتہ اس سلسلہ میں عوام کو کھلی چھوٹ نہیں دی جاسکتی کہ وہ جس قول پر چاہیں عمل کرلیں، کیوکہ اس سے خواہشاتِ نفس کی اتباع کا راستہ کھل جائے گا۔ لیکن اہل علم کو اس سلسلے میں وسیع النظر ہونا چاہیے اور فقہا کے اس اختلاف کو اس نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ یہ حق و باطل کا اختلاف ہے، کیوں کہ سلف اس بات پر متفق ہیں کہ ایسے مسائل میں مختلف نقطۂ نظر کے حاملین حق پر ہیں اور ان سب کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی پیروی ہے۔ ایسی وسیع القلبی کی مثالیں بعد کے ادوار میں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ دور حاضر میں یعنی اکیسویں صدی عیسوی میں حرمین شریفین میں نماز اور خصوصاً نماز وتر کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ حنبلی فقہ کے مطابق ہے، فقہائے احناف کے یہاں وہ درست نہیں لیکن امام ابوبکر جصاص رازی، علامہ کمال ابن ہمام ان کے استاذ شیخ سراج الدین، اور ماضی قریب کے علما میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی وغیرہ جو اپنے اپنے عہد کے فقہائے احناف کے سرخیل رہے ہیں اور دور حاضر کے اکثر علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسے امام کی اقتدا میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دور حاضر میں بھی اکیسویں صدی کے تمام حنفی، شافعی اور مالکی علماء کرام خانہ کعبہ اور مسجد نبوی ﷺ میں حنبلی اماموں کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے ہیں اور کبھی اُن کے طریقہ کی مخالفت نہیں کرتے۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس طرح کے فقہی مسائل میں اختلاف رائے کو نہ بُرا سمجھیں اور نہ ہی اس کو مناظرہ، شقاق اور مجادلہ کا موضوع بنائیں اور نہ ان آرا کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کی حدود سے بڑھ کر جدال، شقاق اور بے عزتی کا رویہ اختیار کریں۔ اس سلسلہ میں ہمیں مالکیہ کے "نظریہ مراعاۃ الخلاف" کو اپنا رہنما بنانا چاہیے۔(13)

Marfat.com

اصول فقہ میں اختلافات کے تین اہم اسباب

ائمہ فقہاء میں اصول فقہ میں اختلافات کی وجہ یہ نہیں تھی کہ تمام کے مآخذ قانون مختلف تھے بلکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بنیادی مآخذ قرآن وسنت پر تمام ائمہ متفق تھے۔آج بھی اگر ان کی اصول فقہ کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنے اساسی مآخذ یہی دو قرار دیتے ہیں مزید اگر ان ائمہ کرام کے دور حاضر میں بھی فقہی مجموعوں یعنی فتاویٰ وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ ان کے بنیادی اور اساسی مآخذ قرآن اور سنت ہی ہیں۔مزید تمام فقہاء نے متعدد مسائل کا حل انہیں دو مصادر کو سامنے رکھ کر پیش کیا ہے۔ان ائمہ کرام میں اختلافات کی تین اہم وجوہات تھیں۔ ان وجوہات کا مطالعہ آپ تیسرے باب استنباط احکام کے طریقوں میں بھی متعدد مقامات پر کریں گے۔

1۔ قرآن کی تشریح یا اس سے احکام استنباط یا اخذ کرنے میں اختلاف۔

2۔ سنت کی مختلف اقسام کو قبول کرنے اور اس کی تشریح میں اختلاف۔

3۔ مختلف ملکی حالات وواقعات کے مطابق مسائل کا حل پیش کرنے میں اختلاف۔

1۔قرآن مجید کی تفسیر (قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ۔ظنی الثبوت وظنی الدلالۃ) میں اختلاف:

اسلامی قانون، اصول فقہ، فقہ اسلامی یا اسلامی شریعت کا پہلا اور اساسی ماخذ قرآن مجید ہے جس کی تعریف آپ دوسرے باب اسلامی مآخذ قانون میں پڑھیں گے۔قرآن مجید قطعی الثبوت ہے قطعی الدلالۃ نہیں ہے۔اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت اور ہر لفظ کا حق ہونا اور اللہ تعالیٰ کا وہی کلام ہونا جو اس نے اپنے رسول اور بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا مکمل اور واضح ثبوت کے ساتھ موجود ہے اور ان کی آیات قرآنی یا کلام اللہ ہونے پر ذرہ برابر شک بھی نہیں کیا جا سکتا یعنی قرآن مجید کی تمام آیات قطعی الثبوت ہیں ظنی الثبوت نہیں ہیں۔قطعی الثبوت کے مقابلہ میں ظنی الثبوت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

ثانی الذکر یعنی قطعی الدلالۃ نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں وہ آیات جن کا تعلق اسلامی عقائد سے ہے اور اُن سے فقہ کا تعلق نہیں ہے کو چھوڑ کر معاملات کی ہر آیت سے صرف ایک ہی مخصوص واضح

Marfat.com

معنی یا صرف ایک ہی قطعی حکم مراد نہیں لیا جائیگا۔ بلکہ ایک آیت سے متعدد معنی اور مفہوم اور بیک وقت کئی احکام استنباط کیئے جا سکتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ کہنا کہ قرآن مجید کی فلاں آیتِ احکام کا صرف اور صرف یہی ایک معنی ہے اسلامی ماہرین قانون یعنی فقہاء یا علماء اصول کے نزدیک قرین قیاس نہیں ہے یعنی وہ آیات ظنی الدلالتہ ہیں قطعی الدلالتہ نہیں ہیں۔

اختلاف فقہاء کا پہلا سبب قرآن مجید کی آیات، تراکیب اور الفاظ کے معانی میں مختلف ائمہ کا متعدد طریقوں کو اختیار کرنا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸ میں طلاق یافتہ عورتوں کی عدت کے بارے میں لفظ ''قروء'' استعمال ہوا۔ جس سے مراد امام ابوحنیفہؒ نے ڈیڑھ ماہ اور امام شافعیؒ نے تین ماہ کا عرصہ لیا۔

2۔ وضو کی آیات سورہ المائدۃ 6 میں لفظ ''واؤ'' سے امام ابوحنیفہؒ نے مراد جمع لیا اور وضو کے چار فرائض بتائے لیکن امام شافعیؒ نے اس سے مراد ترتیب لیا اور پانچ فرائض ثابت کیئے۔

3۔ قرآن مجید کے کسی حکم کی حدیث سے نسخ کے بارے میں اختلاف ہے بعض فقہاء کے نزدیک حدیث قرآن مجید کی ناسخ ہو سکتی ہے اور بعض کے نزدیک صحیح حدیث قرآن حکیم کے حکم کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

4۔ قرآن مجید کے واضح حکم کی صورت میں اس میں حدیث کے ذریعہ اضافہ کیا جا سکتا ہے یا قرآن مجید کی تشریح حدیث سے ہو بھی سکتی ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے اختلاف کا رونما ہونا۔ مثلاً تعدد زواج میں سورہ نساء کی آیت 3 سے اکثر فقہاء نے چار عورتوں سے شادی کا حکم واضح کیا ہے لیکن ابن حزم ظاہریؒ کے نزدیک اس سے بیک وقت اٹھارہ عورتوں سے شادی جائز ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

مثنٰی: دو + دو = چار۔ ثُلاثۃ: تین + تین = چھ۔ رُباع: چار + چار = آٹھ: چار + چھ + آٹھ = اٹھارہ۔

اس طرح قرآن مجید کی اکثر آیات کے قطعی الدلالتہ نہ ہونے کی وجہ سے مختلف ائمہ کرام نے ان سے استنباط احکام کرنے میں جو ضوابط تشکیل دیئے ان کی وجہ سے متعدد اصول فقہ معرض وجود میں آ گئیں۔ جن کے ذریعہ فقہی اختلاف ایک زمینی حقیقت کی طرح سامنے آئے اور عوام الناس کو سہولتیں میسر ہوئیں۔ (15)

2۔ سنت کی اقسام کے قبول و تشریح میں اختلاف:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل و تقریر اور صحابہ کرام کے قول فعل جس کو علماء اصول، سنت کے نام سے موسوم کرتے ہیں قطعی الثبوت تو نہیں ہیں لیکن ان میں اکثر قطعی الدلالتہ اور بعض ظنی الدلالتہ ہیں۔ یعنی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سنت کا تمام ذخیرہ جو کتابوں کی صورت میں آج ہمارے پاس موجود ہے بالکل صحیح اور ان کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے منقول ہونے میں ذرا برابر شک نہ کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔ بلکہ ان پر شک کیا گیا ہے اور پھر کچھ عقلی و اخلاقی پیمانوں پر ان کتنی ذخیروں کو جانچ کر قبول بھی کیا گیا ہے اور بعض کو رد بھی کیا گیا ہے گویا کہ سنت قرآن مجید کی طرح قطعی الثبوت نہیں ہے۔

البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سنت کے اس ذخیرہ میں اکثر ایسی احادیث ہیں جن کے معنی و مفہوم متعین ہیں اور اس میں تبدیلی ممکن نہیں وہ قطعی الدلالۃ ہیں اور جن احادیث کے معنی و مفہوم میں علماء اصول و فقہاء متعدد معنی لے سکتے ہیں وہ ظنی الدلالۃ ہیں۔ ان متعدد معانی کے احتمال کی وجہ سے بعض فقہاء نے ایک مفہوم سے استدلال کیا اور چند نے دوسرے مفہوم سے استنباط کیا اور اس طرح فقہی آراء میں اختلاف رونما ہوا جو بعد میں فقہی مذاہب کی صورت اختیار کر گیا۔

حدیث سے استنباط کرتے ہوئے فقہاء کے اختلاف کے اسباب:

اسلامی اصول قانون کے دوسرے ماخذ ''السنہ'' کے قبول میں چار قسم کے اختلاف ہیں۔

ا۔ حدیث کے قبول کرنے کی شرائط میں اختلاف۔

ب۔ اقسام حدیث کے قبول کرنے میں اختلاف۔

ج۔ تشریح حدیث میں اختلاف۔

د۔ متعدد ادوار کے مختلف احادیث وسنن۔ (16)

الف۔ قبول حدیث کی شرائط میں اختلاف:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دور صحابہ کے بعد کے مسلمانوں نے رسول اکرم ﷺ اللہ علیہ وسلم کے اقوال ان سے خود نہیں سنے بلکہ کچھ لوگوں کے ذریعہ سے سنے ہیں۔ ان لوگوں کو راوی جس کی جمع رواۃ ہے اور ان کے سلسلہ کو سلسلۃ الرواۃ کہتے ہیں جس کو علم اصولِ حدیث کی اصطلاح میں سند کہتے ہیں۔ اس طرح دور صحابہ کے بعد سے آج تک ہم جو حدیث سنتے ہیں وہ دو اشیاء: سند اور متن کا مجموعہ ہوتی ہے۔ متن سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، فعل اور تقریر ہے۔

ان احادیث کو راویوں سے قبول کرنے کے لئے مختلف ائمہ فقہاء نے اپنی اپنی سطح پر متعدد شرائط عائد کی ہیں۔ بعض فقہاء کی شرائط نرم تھی بعض کی سخت۔ چند ائمہ کی شرائط میں عقلی رجحان زیادہ تھا کچھ نے اس عقلی رجحان میں نرمی کا مظاہر کیا۔ گویا کہ ان شرائط کی وجہ سے ایک حدیث چند ائمہ فقہاء کے نزدیک قبول ہوئی اور

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

وہ اس کو سامنے رکھ کر لوگوں کے مسائل حل کر دیتے تھے لیکن بقیہ ائمہ فقہاء اس حدیث کو رد کر دیتے اور اس سے استنباط نہیں کرتے تھے مثلاً

1۔ احناف ہر اس حدیث کو جس پر صحابی نے عمل نہ کیا ہو، یا صحابہ نے اس کے خلاف فتوی دیا ہو یا صحابہ نے اس کے کسی حصہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہو قابل عمل نہیں سمجھتے۔ جمہور ائمہ اسے قابل عمل اور مقبول سمجھتے ہیں۔

2۔ احناف حدیث قبول کرنے اور حدیث سے احکام اخذ کرنے میں صحابی کی تعریف میں جمہور ائمہ کرام سے اختلاف کرتے ہیں۔ان کی رائے میں اس سلسلہ میں اُس صحابی کی حدیث سے استدلال کیا جائے گا۔ جو کچھ مدت تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا آپ ﷺ اور اسلام کے عمومی مزاج کو سمجھا اور پھر حدیث بیان کی یا روایت کی تو وہ حدیث قبول کی جائے گی۔لیکن جمہور کے نزدیک اگر کسی شخص نے رسول اکرم کو ایمان کی حالت میں دیکھا اور ان سے کوئی بات سنی اور پھر روایت کی تو وہ حدیث قبول کی جائے گی چاہے وہ آپؐ کے ساتھ کافی مدت تک رہا ہو یا نہ رہا ہو۔

3۔ احناف صحابہ کرام کو فقہی طور پر یعنی کسی معاملہ کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنے یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حکمت اور اصلیت کو سمجھنے کے اعتبار سے دو اقسام: فقہی و غیر فقہی صحابی میں تقسیم کرتے ہیں۔فقیہ صحابی کی حدیث کو اگر خلاف قیاس بھی ہو، یعنی اگر اس کے حکم کو عقل تسلیم نہ بھی کرے تو پھر بھی قبول کرتے ہیں لیکن غیر فقیہ صحابی مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت انسؓ بن مالک وغیرھم کی روایات کو اگر خلاف قیاس ہوں یعنی ان کو عقل کسی سطح پر بھی قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو قطعاً قبول نہیں کرتے۔لیکن بقیہ ائمہ اس تقسیم کے مخالف ہیں اور تمام صحابہ کرام کی احادیث کو مقبول سمجھ کر ان سے مسائل استنباط کرتے ہیں۔

4- امام مالک اہل مدینہ کے متواتر عمل جس کو تعامل کہتے ہیں کو معیار مانتے ہیں اور اگر کوئی حدیث اس عمل کے خلاف ہو تو اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔باقی ائمہ اس معیار کو قبول نہیں کرتے تھے۔ان تمام امور کی تفصیل کے لئے میری کتاب **"فقہاء کے اصول حدیث"** کا مطالعہ کریں یہاں پر صرف مختصر انداز میں اشارۃ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔(17)

ب۔اقسام حدیث کے قبول میں اختلاف

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دور میں موجودہ دور کی طرح احادیث کی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

متعدد اقسام مروج نہیں تھیں۔تبع تابعین کے دور میں ائمہ فقہاء نے اس کی مختلف اقسام کو رواج دیا جن میں مرسل اس کی اقسام، مسند، منقطع اور مطعون بہت مشہور تھیں۔ان اقسام کو تیسری صدی ھجری میں، جب محدثین نے علم حدیث کو ایک علیحدہ علم کی حیثیت سے روشناس کرایا تو بے شمار اور لا تعداد اقسام میں تقسیم کیا جس کی تفصیل اصول حدیث میں موجود ہے۔فقہاء کی ان اقسام میں بعض کو کچھ فقہاء قبول کرتے اور کچھ ان کو مردود سمجھ کر رد کر دیتے اور ان سے استنباط نہیں کرتے تھے۔تفصیل کے لئے میری کتاب ''علوم الحدیث'' کا مطالعہ کریں۔

احناف حدیث مرسل کو قبول کرتے تھے شافعیہ قطعاً نہیں کرتے تھے۔حنابلہ ضعیف یعنی منقطع و مطعون حدیث کو بھی اجتہاد پر ترجیح دیتے اور ان سے مسائل استنباط کرتے تھے لیکن مالکیہ وحنفیہ ضعیف و منقطع حدیث سے مسائل اخذ کرنے کو قطعاً تیار نہیں تھے اور اس حدیث کے مقابلہ میں قیاس و اجتہاد سے مسائل حل کرتے تھے۔اس طرح ان حدیث کی اقسام کو قبول کرنے اور نہ کرنے کی وجہ سے فقہی میدان میں اختلاف کا آغاز ہوا۔

ج۔تشریح حدیث میں اختلاف:

سنت جو دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل و تقریر اور صحابہ کرم کے قول و فعل کا نام ہے ایک صدی کی تاریخی مدت پر محیط ہے۔ایک صدی یعنی 609ء سے 710ء میں سے تیئس سالہ مدت کو دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور بقیہ کو دور صحابہ کہا جاتا ہے۔اس دور میں ''ثبات اک تغیر کو ہے زمانہ میں'' کے مصداق متعدد مراحل اور دور آئے۔اور ہر دور میں اس دور کی تبدیلی، معروضی حالات اور علاقہ کے حالات کو مدنظر رکھ کر متعدد احکام جاری کیے گئے جن میں کچھ احکام تو ایسے بھی دیئے گئے جو ایک ہی مقام پر مختلف لوگوں کے لئے بالکل مختلف یعنی ایک دوسرے کے برعکس ہوتے تھے۔مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ادھیڑ عمر صحابی آئے اور پوچھا کہ کیا میں روزہ کی حالت میں بیوی کے ساتھ سو سکتا ہوں یعنی صرف لیٹ سکتا ہوں اور صرف بُوس و کِنار کی حد تک جا سکتا ہوں تو آپ نے اجازت مرحمت فرما دی۔دوسری مرتبہ ایک نوجوان صحابی آئے اور یہی سوال کیا آپ نے ان کو سختی سے اس عمل سے روک دیا۔اب یہ ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو مختلف خصوصیات کی حامل شخصیات کے لئے بالکل متضاد احکام ہیں۔(18)

اسی طرح دور فاروقی کی ابتداء میں مال غنیمت میں مقبوضہ اراضی لشکریوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی لیکن آخری دور میں فتح عراق کے بعد آپ نے مال غنیمت میں سے اراضی اپنے پاس یعنی حکومت کے قبضہ میں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

رکھنے کے بعد بقیہ اموال لشکریوں میں تقسیم فرما دیا۔ یہ ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو مختلف احکام اور مزید یہ کہ قرآن مجید کی سورہ انفال آیت نمبر 41 پر اضافہ بھی تھا۔(19)

اب اس قسم کی احادیث وسنن جن کو سنن متعارضہ یعنی ایک دوسرے سے مخالف سنتیں یا احادیث جب ائمہ فقہاء تک پہنچے تو بعض نے ان کے پس منظر کو سامنے رکھ کر ان سے مسائل کو حل کیا اور بعض نے ان سے عمومی معنی وحکم اخذ کر کے مسائل کا استنباط کیا۔ اس طرح سے ائمہ فقہاء اور بعد کے فقہاء میں اختلاف کی ابتداء ہوئی۔ یہ اختلاف دراصل بنیادی اختلاف نہیں تھا بلکہ جزئی اور فروعی اختلاف تھا۔

۔ متعدد ادوار کی مختلف احادیث وسنن:

اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واحکام کو زمانی اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی دور، درمیانہ دور اور آخری دور کا عمل۔ مثلاً شراب کے بارے میں پہلا حکم اس سے نفرت تھا جس کا ذکر سورہ البقرہ 219 میں ہے دوسرا حکم نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھنے کا تھا جس کا حکم سورہ النساء 143 میں ہے اور آخری حکم میں اس کی حرمت کا المائدہ 90 میں وارد ہوا۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی زمانہ میں نماز میں اشارہ وغیرہ کرنے کی اجازت تھی جو فوراً بعد ہی ختم ہو گئی۔ اسی طرح متعدد احکام کی آپ نے ابتدائی ایام میں اجازت مرحمت فرمائی یا ان سے روکا اور آخری ایام میں ان سے روک دیا یا اجازت مرحمت فرمائی۔ جس طرح آپ نے اپنے اقوال کو ابتدائی دور میں لکھنے سے سختی سے ممانعت فرمائی اور آخری دور میں آپ نے خود بھی اپنے اقوال لکھائے اور بعض صحابہ کو لکھنے کا حکم اور بعض کو لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔(20)

دور تبع تابعین یعنی ائمہ فقہاء کے دور اور اُن سے ماقبل دور میں احادیث وسنن کے تمام مجموعہ جات دور حاضر کی صحاح ستہ، معاجم، سنن، مستدرک اور بقیہ کتب حدیث کی مانند میسر نہیں تھے۔ اس لئے جس امام کے پاس جس دور کی حدیث پہنچتی تو اس نے اس کے مطابق مسئلہ کا حکم عوام کے سامنے پیش کر دیا۔ اسی طرح ایک ہی مسئلہ کے بارے میں متعدد آراء سامنے آگئیں اور فقہی اختلاف رونما ہونا شروع ہو گیا۔(21)

3۔ مختلف ملکی حالات وواقعات کی رعایت کی وجہ سے اختلاف:

اسلام دین فطرت ہے اس وجہ سے اس کے احکام مختلف لوگوں کی طبعی صلاحیتوں اور مختلف علاقوں و ممالک کے معروضی حالات کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں جن کا مطالعہ سابقہ عنوان نمبر 2 تشریح حدیث میں اختلاف میں بھی کر آئے ہیں۔ اسلام کے احکام سردی گرمی، پہاڑی میدانی، صحرائی بارانی، امیری فقیری،

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

طفولیت بلوغت، آزادی غلامی، خوشی غمی، سہولت مجبوری اور جوانی بڑھاپے کی حالت میں ہر مقام پر مختلف ہوتے ہیں۔اور یہ اس کے ایک فطری نظام ہونے کی دلیل ہے۔یعنی بنی نوع انسان کے لئے ہر علاقہ، ہر حالت ہر کیفیت میں یہ نظام ان کو ان کے حالات اور کیفیات کے مطابق سہولت اور کامیابی کی راہ فراہم کرتا ہے۔

مثلاً اگر آپ صحراء میں ہیں اور پانی کی قلت ہے تو آپ ایک چائے کے کپ جتنے پانی سے بھی وضوء اور ایک گلاس جتنے پانی سے غسل کر سکتے ہیں لیکن بارانی علاقہ جہاں پانی وافر ہو وہاں اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔اسی طرح برف پوش پہاڑوں میں انسانوں کو مختصر سے پانی سے غسل جنابت کی اجازت دی جاسکتی ہے لیکن گرم علاقوں میں یہ اجازت نہیں دی جاسکتی۔

فقہاء نے مختلف علاقہ کے لوگوں کو ان کے معروضی علاقائی حالات کی وجہ سے قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق جو احکام دیئے اور بعد میں ان کو جب کتابی شکل دی گئی یعنی وہ تمام مسائل فقہی فتاوی یا فقہی کتب کی صورت میں شائع ہوئیں تو ان مسائل کا حل بھی فقہی اختلاف کا باعث بنا۔یہ بھی کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے بلکہ حالات وزمانہ کی رعایت رکھتے ہوئے مسائل کو حل کرنے اور عوام الناس کو سہولتیں مہیا کرنے کی وجہ سے فروعی اور جزوی اختلاف تھے۔امام شافعیؒ پہلے دمشق میں رہتے تھے آخر عمر میں آپ مصر کے شہر قاھرہ چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے آپ کے دمشق کے فتوے فقہ قدیم اور مصر کے فتوے فقہ جدید کہلاتے ہیں بعض معاملات میں آپ نے ایک ہی مسئلہ پر دونوں مقامات پر متضاد آراء دیں اور ان کی وجہ حالات وزمانہ کی تبدیلی تھی۔

فقہی اختلافات کے بارے میں دو اہم نکات:

اس تمام بحث کو سمیٹے ہوئے ہم پہلی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ یہ تمام اختلاف بنیادی نہیں بلکہ فروعی ہیں۔جس طرح آم کے ایک درخت کا بیج اور تنا تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن شاخیں مختلف ہوتی ہیں اور مزید یہ کہ ان تمام کا رخ ایک طرف نہیں ہوتا بلکہ چاروں طرف پھیلی ہوئی ہوتی ہیں تاکہ لوگوں کو بھرپور انداز میں اپنی چھاؤں سے مستفید کرسکیں۔اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک درخت کے تمام پھل ایک ہی سائز یا ایک ہی وزن کے نہیں ہوتے بلکہ تمام پھلوں کی ماہیئت، شکل اور وزن بھی مختلف ہوتا ہے۔مگر پھلوں اور شاخوں کا مصدر ومنبع اور بیج ایک ہی ہوتا ہے۔اسی طرح فقہاء کے مابین مسائل کے حل میں اختلافات ہونے کے باوجود ان کا بنیادی مصدر اور ماخذ قرآن وسنت اور مقصد عوام کو سہولت

Marfat.com

پہنچانا ہی ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ اختلافات شریعت اسلامی کے اصول ''لوگوں کو سہولتیں فراہم کرو ان کی مشکلات میں اضافہ نہ کرو'' کے مطابق مختلف ممالک علاقہ، خطہ اور قوموں کے مسائل کو فقہاء کرام کے اپنے ظن و گمان کے مطابق حل پیش کرنے کی وجہ سے ہیں۔ائمہ کرام اور بعد کے فقہاء نے اس اصول و کلیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ظن و گمان کے مطابق بنی نوع انسان کو سہولت مہیا کرنے کے لئے ایک ہی مسئلہ کے کئی حل پیش کیے۔جس کی وجہ سے مختلف آراء سامنے آئیں حالانکہ ان تمام افراد کا ماٰخذ اور مقصد ایک ہی تھا۔

اور یہ دو نکات ہی فقہاء کے اختلافات کی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دینے کے لئے کافی ہیں۔

فقہی اختلافات میں ہماری ذمہ داری

ان فقہی مکاتب کے درمیان اختلاف سے ہمیں کبھی تنگ اور بددل نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ احکام کی فہم واستنباط میں اختلاف ایک فطری اور بدیہی امر ہے، اس لئے کہ یہ انسانی عقل کے لوازم میں سے ہے۔مختلف انسانوں کی عقلیں، ان کے احساسات اور ان کی فہم کے درجے قطعی طور پر مختلف ہوتے ہیں، اس لئے استنباط وفہم احکام میں اختلاف ہونا بھی ناگزیر ہے۔ بلکہ ہم اس علمی وفقہی اختلاف پر فخر کرتے ہیں، جس نے ہمارے لئے ایک عظیم الشان فقہی سرمایہ چھوڑا ہے۔یہ فقہی سرمایہ مختلف فتاوی، فقہی کتب اور فقہی علوم کی صورت میں صرف مسلمانوں کے ہی پاس ہے اور دنیا کی کسی اور قوم یہودی، عیسائی، ہندومت، بدھ مت، مجوسیت وغیرہ کے پاس قطعاً نہیں ہیں۔اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اختلاف فقہ کے بڑھنے اور اس کی زندگی کی دلیل ہے، اور ان عظیم المرتبت فقہاء کی وسعت نظر کو بتلاتا ہے۔ اور اس درخشاں اسلامی شریعت کی خدمت انجام دے کر انہوں نے جو اپنا فرض ادا کیا ہے اس پر یہ برہان قاطع ہے۔انہوں نے لوگوں کے لئے سہولت کے دروازہ کھولے ہیں جن پر آج تک ہمیں فخر ہے۔ یہ فقہی سرمایہ دور حاضر میں تمام غیر مسلم قوموں اور خصوصاً اہل یورپ پر مسلمانوں کی علمی فوقیت اور برتری کی ایک واضح دلیل ہے۔(23)

آخر میں ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ان مختلف فقہی مکاتب کے مجتہدین کی قدر و منزلت پہچاننا ہمارا فرض ہے۔ہمیں ان کی انتہائی عزت کرنی چاہئے، ان کے ساتھ نہایت ادب واحترام کا سلوک کرنا چاہئے، ان کے لئے دعا کرنی چاہئے۔

اور ہمیں اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اپنے اپنے اجتہادات میں وہ صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ان کو اس کا اجر ضرور ملے گا۔ہم ان کے حق میں وہی بات کہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے:۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْ م بَعْدِ هِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ﴾.

(حشر۔۱۰)

ترجمہ:اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے یوں دعا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخشدے جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت کر چکے ہیں۔اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کی طرف سے ہمارے دلوں میں بغض و عدات کو جگہ نہ دے۔اے ہمارے پروردگار بیشک تو بڑی شفقت کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

فقہی اختلافات میں تقلید کرنے والوں کے لئے مناسب طریقہ

اسلامی اصولوں کے مطابق ہمیں ان ائمہ کرام اور فقہاء سے آج بھی مسائل میں اختلاف کرنے کا حق ہے اور بعض لوگ دلائل کے ساتھ اختلاف بھی کرتے ہیں لیکن ان کو برا بھلا کہنا یا یہ موقف رکھنا کہ ہمیں قرآن وسنت کافی ہے فقہ کی ضرورت نہیں بالکل جاہلانہ رویہ ہے۔یہ تمام فقہی مکاتب اپنے ائمہ مجتہدین جن کے سرخیل امام ابوحنیفہؒ ہیں قرآن وسنت کی روشنی میں اُن کے اپنے اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر مبنی ہیں، اور ایک خاص نظام اور ضابطے کے ساتھ منسلک ہیں۔ہر مذہب میں اجتہادی احکام کے اپنے دلائل ہیں، اور یہ دلائل اس مکتب کے اصول فقہ کے مطابق متعین کئے گئے ہیں۔اس لئے کسی فقہی مکتب سے اپنے مفید مطلب کی باتیں اخذ کر لینا اور باقی کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہے،اسے فقہ کی فنی زبان میں تلفیق کہتے ہیں۔

تمام فقہی مذاہب نے مسائل کے حل کے لئے مختلف معاملات میں راہ عزیمت اور راہ رخصت دونوں کو سامنے رکھ کر مسائل حل کئے ہیں۔اس لئے عام مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک مخصوص فقہی مکتب کی تقلید کرلے اگر کوئی تمام مذاہب میں راہ رخصت کے ذریعہ حل کردہ مسائل کو اکٹھا کر کے اس پر عمل شروع کردے تو یہ تقلید قطعاً نا جائز ہے۔اگر کوئی عام آدمی یا مقلد اپنے اس مسلک سے مطمئن نہیں ہے جس کی وہ پیروی کر رہا ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اس مسلک کو مکمل طور پر چھوڑ دے،اور دوسرے مسلک کی پیروی اختیار کرے ماضی میں ہمیں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔(25)

لیکن اس کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ ہر عام یا عامی شخص اپنی خواہش کے مطابق کسی مسلک میں کچھ احکام چن لے،اور مختلف فقہی مکتب میں سے اپنے طور پر اخذ کردہ احکام کے مجموعہ پر عمل کرے،اور

Marfat.com

باقی کو کچھ چھوڑ دے۔اس سے اصولی طور پر بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، اصولوں میں تصادم ہوگا، اور خلاف اصول بعض حرام چیزیں حلال ہو جائیں گی، اور بعض حلال حرام۔ان اصول وقواعد کی باریکیوں اور نزاکتوں کو مجتہدین، فقہاء اور علماء اصول کے علاوہ عامی اور ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔تنگی وضرورت کے وقت دوسرے مسلک کے مطابق فتوے دینے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن یہ اجازت مفتیوں اور مجتہدین کو ہے، نہ کہ مقلدین کو جو شرعی احکام کے دلائل نہیں سمجھتے۔(26)

Marfat.com

حوالہ جات:

تعارفی باب (فصل سوم)

اختلاف فقہاء کے اسباب

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

(1) طہ جابر فیاض العلوانی۔ ادب الاختلاف فی الاسلام۔ اردو ترجمہ۔ ایم اختر لاہور۔ مکتبہ تعمیر انسانیت 1987/-22-23
(1-A) مودودی سید ابوالاعلی۔ رسائل و مسائل۔ لاہور۔ اسلامک پبلیکیشنز 1991-347/3
(2) احمد حسن ڈاکٹر جامع الاصول/666
(3) شاہ ولی اللہ۔ الانصاف/9 مزید دیکھیں امام بخاری۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی باب صلاۃ الخوف
(4) شاہ ولی اللہ الانصاف/1-13 مزید دیکھیں العلوانی۔ ادب الاختلاف/108
(5) تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/384
(6) شاہ ولی اللہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف۔ اردو ترجمہ مولانا محمد عبید اللہ۔ لاہور علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف 1981/-15-16
(7) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الأصول/665
(8) رسالہ ترجمان القرآن۔ جنوری 2011۔ مضمون۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی/68
(9) ایضاً
(10) شاہ ولی اللہ۔ الانصاف/22
(10-A) وھبہ الزحیلی ڈاکٹر۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ کتاب الوضو۔ باب مسح علی الجوربین
(11) العلوانی۔ ادب الاختلاف/148
(12) شاہ ولی اللہ۔ الانصاف 92/91 مزید۔ امین احسن اصلاحی۔ فقہی اختلافات کا حل/85
(13) العلوانی۔ ادب الاختلاف/151
(14) امین احسن اصلاحی مولانا۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل لاہور۔ چار ان فاؤنڈیشن

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

39-38/-1982

(15) محمد علی سائس۔ تفسیر آیات الاحکام۔ تفسیر النساء۔ 4 مزید دیکھیں الصابونی محمد علی۔ تفسیر آیات الاحکام۔ تفسیر النساء:4

(16) شاہ ولی اللہ۔ الانصاف۔/49-36,50

(17) حوالہ سابقہ /21 مزید دیکھیں سرخی شمس الأئمۃ امام۔ اصول السرخسی۔ قاہرہ مطبع دار الکتاب۔ 1984-342/1 مزید دیکھیں۔ محمد عوامہ شیخ۔ اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمۃ الفقہاء۔ اردو ترجمہ۔ مفتی انعام اللہ (اختلاف فقہاء میں حدیث کا کردار) لاہور۔ مکتبہ الحرمین۔ 1432ھ/36-39

(18) امام مالک۔ مئوطا۔ کتاب الصیام۔ باب ماجاء فی التشدید فی القُبلۃ الصائم

(19) امام ابو یوسف۔ کتاب الخراج۔ بیروت دار المعرفۃ۔ 35/1979

(20) امام مالک موطا۔ کتاب الضحایا۔ باب أذخار لحوم الضحایا۔ مزید دیکھیں کتاب الصلاۃ۔ باب العمل فی جامع الصلاۃ۔ امام طحاوی۔ شرح معانی الآثار۔ بیروت۔ دار الکتب العلمیہ 454/1

(21) محمد عوامہ شیخ۔ اثر الحدیث/163

(22) فقہ شافعی کی کتب میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ فقہِ قدیم اور فقہِ جدیہ۔ ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب الام للشافعی۔

(23) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الأصول/668

(24) ابن بدران عبدالقادر بن احمد الحنبلی۔ المدخل إلی مذہب إمام احمد۔ بیروت۔ موسۃ الرسالۃ۔ 1401ھ/195 مزید دیکھیں۔ ابن فرحون المالکی۔ فتاوی الشیخ علیش۔ مکتبہ کلیات الازہریہ 1986-60-58/1

(25) وھبہ الزحیلی ڈاکٹر۔ الفقہ الاسلامی وأدلتہ۔ دمشق۔ دار الفکر (س۔ن) 25/1

(26) شاطبی۔ ابراہیم بن موسی الامام۔ الموافقات فی اصول الفقہ۔ بیروت دار المعرفۃ (س۔ن) 102/5 مزید دیکھیں۔ شاہ ولی اللہ۔ الانصاف/72

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

پہلا باب

حکم

(Shariah Ruling-Order/Rule of Law)

احکام کی بحث

آپ نے سابقہ باب میں علم اصول فقہ کی تعریف، تاریخ اور مزید تعارفی مباحث کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ علم ایسے قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے جن کو مد نظر رکھ کر مسلم قانون دان، انفرادی یا اجتماعی سطح پر قانون سازی کرتے ہیں۔ اس علم کے ماہرین کو اصولی یا علماء اصول کہتے ہیں۔ اس علم کا بنیادی موضوع تو ''شرعی احکام تک رسائی ہے'' یعنی زندگی کے تمام معاملات کو خالق کائنات کی ہدایات کے مطابق حل کرنے کے طریقے تلاش کرنا۔ اس لئے اس موضوع کی تشریح کے لئے جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ اصول فقہ کی مکمل کتب میں عمومی طور پر چار عنوانات پر بحث ہوتی ہے۔

1۔ حکم، اس کے اقسام اور مزید متعلقہ مباحث 2۔ مآخذ شرعی

3۔ وجوہ دلالات (استنباط احکام کے طریقے اور قاعدے) 4۔ اجتہاد وتقلید

اس باب میں آپ پہلے عنوان حکم کے بارے میں مطالعہ کریں گے۔ حکم کی بحث کو بعض اصولی ''احکام کی بحث'' اور بعض حکم شرعی کی بحث کا نام بھی دیتے ہیں۔ اس عنوان میں درج ذیل امور کی تفصیل ہوتی ہے

1- حکم کی تعریف اُس کی اقسام 2- حاکم 3- محکوم فیہ یا محکوم بہ 4- محکوم علیہ

حکم شرعی: (Rule of Islamic Law/Legal Rules)

یہ ترکیب دو لفظ حکم وشرعی کا مجموعہ ہے۔ یہ ترکیب عربی میں ''الحکم الشرعی'' ہے اس لئے یہ مرکب توصیفی ہے اور اِس کا لغوی معنی شرعی حکم ہے۔ اس سے مراد شریعت اسلامی کے احکام ہیں۔ یعنی زندگی کے تمام مراحل اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گذارنے کے طریقوں کو قرآن وسنت وبقیہ مآخذ سے تلاش کرنا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ حکم تکلیفی ۲۔ حکم وضعی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(1) حکم کی تعریف اور اُس کی اقسام

حکم کی تعریف (Shariah Ruling-Order/Rule of Law)

علم اصول فقہ اور فقہ کی غرض و غایت اور موضوع ''حکم شرعی کا جاننا'' ہے یعنی زندگی کے تمام مراحل کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق گذرانے کے طریقہ کو قرآن وسنت وبقیہ مآخذ سے تلاش کرنا ہے۔ کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے ایک انسان زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمودات کے مطابق زندگی گزارنے کا پابند ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہی فرمودات حکم کہلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے فقہ اور اصول فقہ کی غرض و غایت ہی یہ بیان کی گئی کہ وہ زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تلاش کرے اور پھر بندوں کو ان سے آگاہ کرے تاکہ وہ دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کرسکیں۔ حکم اور حکم شرعی دونوں مترادف الفاظ ہیں اور ان کی مراد ایک ہی ہے۔

علماء اصول نے حکم کی تعریف یہ کی ہے۔

الحکم ھو خطاب اللہ تعالیٰ المتعلق بافعال المکلفین بالاقتضاء او التخییر او الوضع.(1)

''حکم سے مراد اللہ کا وہ خطاب ہے جو مکلف بندوں کے افعال سے متعلق ہو اس میں خواہ (کسی عمل کو کرنے یا چھوڑنے کا) مطالبہ پایا جائے یا (اس عمل کے بارے میں) اختیار دیا جائے یا وضع یعنی سبب، شرط، مانع بیان کیے گئے ہوں''

تعریف کے چند اصطلاحات کی تشریح:

اس تعریف میں ابتدائی طور پر درج ذیل الفاظ قابل تشریح ہیں۔

1۔ خطاب 2۔ مکلّفین 3۔ اقتضاء

4۔ تخییر 5۔ وضع

خطاب:(Address)

خطاب سے مراد اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ کلام قرآن مجید اور بالواسطہ کلام یعنی سنت، اجماع، قیاس اور تمام اسلامی مآخذ قانون ہیں کیونکہ یہ تمام کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت ہیں اس لئے یہ بھی کلام الٰہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن بلاواسطہ کلام نہیں بلکہ بالواسطہ ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مُکلفین: (Responsibles)

یہ لفظ مکلّف میم کی پیش اور لام کی زبر کے ساتھ ہے کی جمع ہے اس سے مراد وہ ذات ہے جس پر تکلیف ڈالی جائے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ اپنے خطاب میں مخاطب کرتے ہیں اور وہ ذات یا ہستی انسان ہے۔علماء اصول یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اس کے بندوں کے لئے مشقت و تکلیف کا باعث ہیں اور جس کو یہ تکلیف دی جاتی ہے وہ مکلف کہلاتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ اس تکلیف میں بندوں کے لئے سراسر، سرتا سر اور سرتا پا آسانی راحت اور رحمت ہے۔

اقتضاء: (Demand)

اقتضاء سے مراد تقاضہ ہے یعنی ایسا خطاب یا حکم جس میں کسی کام کو کرنے یا چھوڑنے کا تقاضہ یا مطالبہ پایا جائے یعنی جس میں کسی کام کو سرانجام دینے یا اُس سے اجتناب کرنے کا حکم ہو۔

تخییر: (Option)

اس سے مراد اختیار ہے یعنی ایسا خطاب یا حکم جس میں کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کے بارے میں انسان کو اختیار دے دیا گیا ہو کہ اگر وہ چاہے تو اس کام کو کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔

وضع: (Declaration)

وضع سے مراد کسی چیز کو مقرر کرنا یا علامت کے طور پر رکھنا ہے۔اگر ایک نشانی یا علامت کو کسی حکم کے ادا کرنے کے وقت کے طور پر بیان کیا جائے یا کسی عمل کو کسی حکم کی بجا آوری یا اُس پر عمل کرنے کے لئے شرط یا مانع مقرر کیا جائے تو یہ وضع کہلائے گا۔مثلاً غروب آفتاب سے مغرب کی نماز کی فرضیت ثابت ہوتی ہے تو یہ غروب سبب ہے۔گویا کہ غروب آفتاب کی علامت فرضیت نماز کا سبب ہے۔اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے متعدد علامات کو مختلف احکام کی فرضیت کا سبب بتایا ہے۔مالدار ہونے کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا سبب بنایا ہے، مالی استطاعت کو حج کی فرضیت کا سبب بنایا ہے۔اِسی طرح وضو کو نماز کے لئے شرط کے طور پر مقرر کیا ہے۔مزید مرض کو روزہ کی فرضیت کے لئے مانع بنایا ہے۔حکم وضعی میں سبب، شرط اور مانع کا ذکر ہوتا ہے۔(2)

حکم کے بقیہ مباحث

قرآن، وسنت کا وہ خطاب جن کا تعلق مکلفین کے افعال سے نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات وصفات کا بیان، اجرام فلکی کا بیان اور مختلف قصہ وغیرہ حکم شرعی نہیں کہلاتے۔اس لئے حکم شرعی کے لئے ضروری ہے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کہ وہ ایسا حکم ہو جس میں بندوں پر کسی کام کا بوجھ یعنی تکلیف ڈالی جائے چاہے وہ کام کرنے کا حکم ہو یا کام سے رکنے کا یا پھر اسے اختیار دیا جائے۔

حکم شرعی کے ارکان کے سلسلہ میں حکم تکلیفی اور وضعی، محکوم فیہ اور محکوم علیہ پر آئندہ صفحات میں تفصیلی بحث آئے گی۔ بقیہ ارکان میں سے حاکم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے یعنی جس کا حکم چلے گا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾. (الانعام:۵۷)

''فیصلہ کا سارا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے۔''

ان آیات کی رو سے اسلامی شریعت یا فقہ اسلامی میں حاکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اسی کو ہی اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا اور وہی مقتدر اعلیٰ ہستی تصور ہوگی۔ محکوم فیہ سے مرادِ مکلفین کے وہ اعمال وافعال ہیں جن کے سرانجام دینے یا ان سے رک جانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بالواسطہ یا بلاواسطہ احکام صادر فرمائے ہوں۔ مثلاً نماز پڑھنے کا حکم سود نہ لینے کا حکم، والدین کی اطاعت وغیرہ یہ تمام احکام محکوم فیہ کہلاتے ہیں۔ محکوم علیہ سے مراد انسان ہے۔

حکم شرعی اور اُس کی دو اقسام:(Leagal Rule)

حکم شرعی کے ارکان اور اس باب سے متعلق موضوعات کا نقشہ۔

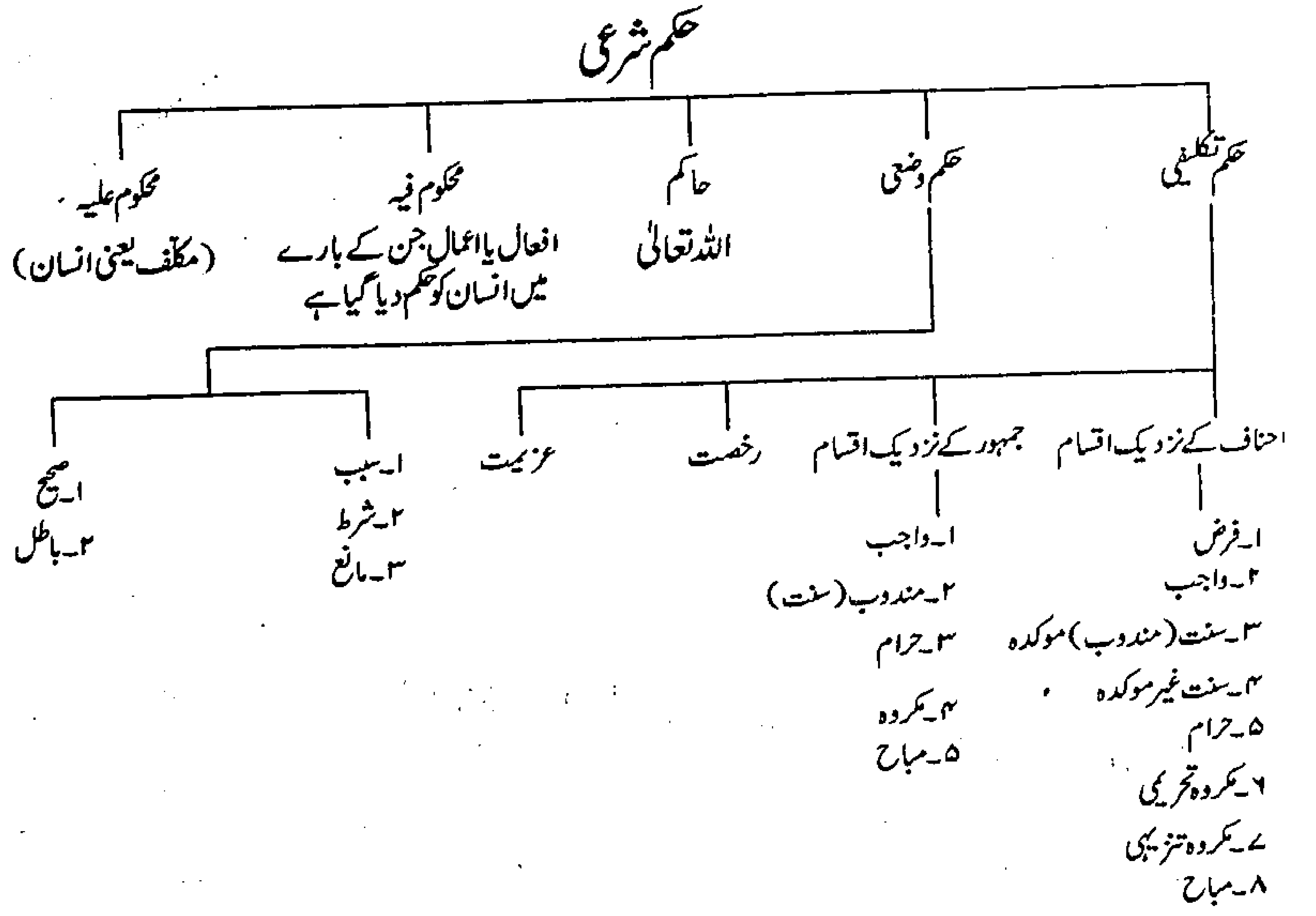

Marfat.com

سابقہ نقشہ میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ حکم شرعی کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ حکم تکلیفی 2۔ حکم وضعی (Declaratory Rule)

حکم تکلیفی: (Responsibility Creating Rule)

تکلیفی کا لفظ تکلیف سے لیا گیا ہے جس سے مراد انسانوں (مکلّفین) پر کچھ مشقت ڈالنا ہے یعنی کسی شخص کو کام کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ذمہ دار قرار دینا ہے۔ اِس میں انسانوں کو کچھ کام کرنے کا حکم اور کچھ امور سے رک جانے کا حکم دیا جاتا ہے۔

ا۔ اس قسم کو حکم تکلیفی اسے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان کو کسی کام کے کرنے یا چھوڑنے کی تکلیف دی گئی ہے اور جن چیزوں میں اسے اختیار دیا گیا ہے وہ بھی اس اصطلاح میں شامل ہیں، کیونکہ اصطلاحات اکثر معنی کے لحاظ سے بنائی جاتی ہیں۔

۲۔ حکم وضعی۔ جس میں ایک چیز کو کسی حکم پر عمل کرنے کے لئے سبب، شرط یا مانع بنا دیا گیا ہو۔

اس قسم کو حکم وضعی اس لئے کہا جاتا ہے کہ شارع نے اپنے احکام پر عمل کرنے کے لئے کچھ علامات اور نشانیاں مقرر کی ہیں۔ جب وہ علامات ظاہر ہونگی یا وہ نشانیاں نظر آئیں گی تو اُس حکم پر عمل ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ مثلاً غروب آفتاب کو نماز مغرب کی نشانی اور رمضان کے چاند نظر آنے کو روزہ رکھنے کی نشانی قرار دیا تو یہ علامات اور نشانیاں سبب کہلاتی ہیں۔ اگر کسی حکم کی بجا آوری کے لئے سبب کے علاوہ مزید قیود بھی ہوں تو وہ شرط کہلائیں گی جیسے زکاۃ کے لئے نصاب کی شرط وغیرہ۔ حکم وضعی میں اگر کسی چیز کو سبب، شرط یا مانع بنایا گیا ہو تو یہ اپنی اس حیثیت سے دو چیزوں کے درمیان رابطہ پیدا کرتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ شارع نے فلاں چیز کو فلاں چیز کا سبب، شرط یا مانع مقرر کیا ہے۔ جس طرح صبح صادق کے رونما ہونے پر صبح کی نماز فرض ہو جاتی ہے تو صبح صادق فرضیت کا سبب ہے اسی طرح وضو نماز کی شرط وغیرہ۔

حکم تکلیفی اور حکم وضعی کے درمیان فرق

1۔ حکم تکلیفی میں مکلّف لوگوں سے کسی کام کرنے یا چھوڑنے کا مطالبہ ہوتا ہے یا کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے لیکن حکم وضعی میں اس قسم کا کوئی مطالبہ یا اختیار نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ بات بیان کرنا ہوتا ہے کہ کسی حکم کو کس وقت سرانجام دینا ہے اور اُس کی شرائط ولوازمات کیا ہیں۔ گویا کہ شارع نے فلاں چیز کے وجود کے لئے فلاں چیز کو سبب، شرط یا مانع بتایا ہے تا کہ اس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ حکم شرعی کب ثابت ہوتا ہے اور کب نہیں اور اس کے لئے اس کے پاس کوئی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ثبوت موجود ہو۔

2۔ حکم تکلیفی میں ایسی چیز کا حکم دیا جاتا ہے جس کے کرنے یا چھوڑنے کی انسان میں طاقت ہو، اور وہ اس کی قدرت و استطاعت میں داخل ہو۔اس لئے کہ ایک شخص کو جو حکم دیا جا رہا ہے اس سے مقصود اس کی تعمیل ہے اگر وہ حکم شرعی اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کا حکم دینا بیکار ہے اور شارع یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حکمت کے ساتھ ہوتا ہے۔اس لئے شارع ایسا حکم کبھی نہیں دے سکتا جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔شریعت میں یہ قاعدہ مقرر ہے۔''لا تکلیف الا بمقدور'' یعنی انسان کو صرف اسی چیز کا مکلف بنایا گیا ہے جس کی اس میں طاقت ہے۔(3)

حکم وضعی کا یہ موضوع نہیں ہے کہ وہ مکلّف کی قدرت میں ہو۔کیونکہ اس کا مقصد تو صرف دو چیزوں کے دمیان رابطہ بتلانا ہے۔یعنی احکام کے لازم ہونے کی علامت یعنی سبب، حکم پر عمل کرنے کی شرائط یا سبب اور شرط موجود ہونے کے باوجود حکم پر عمل کرنے سے روک دینا یعنی مانع بیان کرنا ہے۔

حکم تکلیفی کی دو تقسیمات:

حکم تکلیفی کی تقسیم دو طرح سے کی گئی ہے

1۔ اللہ تعالیٰ کے خطاب (حکم) کی حیثیت، مقام و مرتبہ کے لحاظ سے۔

اِس طرح جمہور کے نزدیک اِس کی پانچ اور احناف کے نزدیک آٹھ اقسام ہیں۔

2۔ انسانوں کے حالات کے مطابق اُس حکم کی ادائیگی کے لحاظ سے اِس کی دو اقسام عزیمت اور رخصت ہیں۔

1- حکم تکلیفی کی پہلی تقسیم:

آپ نے سابقہ نقشہ میں حکم تکلیفی کی اقسام کا مطالعہ کیا ہے۔اب آپ ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔مختصراً یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ اِس کی پہلی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خطاب یا حکم میں تین طریقہ اپنائے ہیں۔

1۔ کسی عمل یا فعل کو کرنے کا حکم دیا ہے۔

الف۔ اگر یہ کرنے کا حکم لازمی اور حتمی طور پر ہوگا، تو اس حکم کو جمہور کے نزدیک واجب اور احناف کے نزدیک فرض کا نام دیا جائے گا۔

ب۔ اگر یہ حکم لازمی نہیں ہوگا، یعنی اس کے کرنے میں انسانوں کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہیں تو کرلیں اور

Marfat.com

اگر نہ چاہیں تو نہ کریں تو حکم سنت، مستحب، مندوب وغیرہ کہلائے گا۔

2۔ کسی عمل سے رک جانے یا اسے ترک کر دینے کا حکم دیا ہے۔

الف۔ اگر یہ ترک عمل کا حکم لازمی ہوگا، تو اس کو حرام کا نام دیا جائے گا۔

ب۔ یہ حکم لازمی نہیں ہوگا، تو وہ مکروہ کہلائے گا۔

3۔ کسی عمل کے بارے میں انسان کو کسی حکم کا بھی پابند نہیں کیا ہوگا، تو وہ، مباح تصور ہوگا۔

ان تینوں طریقوں کے ذہن میں رکھ کر حکم تکلیفی کی اقسام واضح ہو جاتی ہیں۔ اگر عمل کرنے کا حکم لازمی ہے تو فرض یا واجب کہلائے گا اگر وہ لازم نہیں تو پھر سنت، مندوب، نفل، مستحسن وغیرہ کہلائے گا۔ اگر ترک عمل کا حکم لازمی ہے تو وہ حرام کہلائے گا اور اگر لازمی نہیں تو وہ مکروہ ہوگا چاہے تو وہ مکروہ تحریمی شمار ہو یا مکروہ تنزیہی اور تیسرے طریقہ سے حکم مباح کہلائے گا۔

حکم تکلیفی کی اقسام میں جمہور فقہاء اور احناف کے درمیان اختلاف ہے، جمہور اس کو پانچ اقسام جو آپ اوپر پڑھ چکے ہیں میں تقسیم کرتے ہیں احناف اس کی آٹھ اقسام کرتے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہیں:

ا۔ جمہور علماء اصول کے نزدیک حکم تکلیفی کی پانچ اقسام:

جمہور علماء مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہ کے نزدیک حکم تکلیفی کی پانچ اقسام ہیں۔ یہ اقسام اور اُن کی تعریف درج ذیل ہے:

1۔ واجب 2۔ مندوب (سنت، نفل، مستحب)

3۔ حرام 4۔ مکروہ 5۔ مُباح

ا۔ واجب: (Obligatory act / Essential)

لغوی طور پر واجب کا مادہ اور حرف اصلیہ (و۔ج۔ب) ہیں اِس کے معنی ساقط ہو جانا، دیوار کا گر جانا اور ثبوت اور استقرار ہے۔ جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ شریعت میں واجب کی تعریف یہ ہے کہ ''شارع مکلّف سے کسی فعل کے کرنے کا اس طرح مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لئے لازم اور حتمی ہو'' اس کے چھوڑنے والے کی مذمت کرے اور اُسے سزا کا مستحق قرار دے مزید اس فعل کے کرنے والے کی تعریف کرے اور اُسے اجرو ثواب کا مستحق قرار دے۔

اس کی عربی میں یہ تعریف ہے:

Marfat.com

1- ما طلب الشارع فعله طلباً لازماً.

2- او ما یثاب فاعله و یعاقب علی ترکه.(4)

جس کام کو لازمی طور پر یعنی ضرور کرنے کا شارع (یعنی اللہ تعالیٰ) نے مطالبہ کیا ہو یا ایسا فعل جس کے کرنے پر اجر ملے اور اس کو نہ کرنے یعنی چھوڑ دینے پر سزا یا عذاب ہو۔

اس فعل کا لازمی ہونا صیغہ طلب یعنی امر مجرد سے نکالا گیا ہے اور امر وجوب کا حکم دیتا ہے یا اس فعل کے چھوڑنے پر سزا کو بتلاتا ہے۔ چنانچہ نماز پڑھنا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، معاہدوں کو پورا کرنا وغیرہ ایسے افعال ہیں جو واجب ہیں اور شارع نے ان کے کرنے کو لازمی بتلایا اور ان کے چھوڑنے پر سزا کا مستحق قرار دیا ہے۔ جمہور فقہا کے نزدیک واجب اور فرض دونوں مترادف الفاظ ہیں اور اِن میں کوئی فرق نہیں، صرف احناف اُن سے اختلاف کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ. (البقرہ:۱) ''اور زکوۃ ادا کرو۔''

یہ ایک واجب حکم ہے جو مکلّف کے فعل سے متعلق ہے۔ یعنی زکوۃ کو ادا کرنا اور یہ اسی آیت سے مستفاد ہے۔ اس لئے اس کو واجب کر دیا۔ واجب کو قرآنی احکام کی روشنی میں متعدد اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

واجب کی قسمیں:(Classification of Obligatory Act)

واجب کی تقسیم مختلف حیثیتوں سے کی جا سکتی ہے۔ ایک تقسیم وقتِ ادا کی حیثیت سے ہے۔ دوسری تعین مقدار کے لحاظ سے ہے، تیسری خود تعین واجب کے اعتبار سے ہے اور چوتھی تقسیم ان لوگوں کے لحاظ سے ہے جن سے اس کے ادا کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں ہر تقسیم پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کریں گے۔(5)

1- (ا) واجب مطلق (Obsolute) — (ب) واجب مقید (Confined)

2- (ا) واجب محدد (Determinated/Limited) — (ب) غیر محدد (Unlimited)

3- (ا) واجب معین (Fixed) — (ب) غیر معین (Indefinite)

4- (ا) واجب کفائی (Communal) — (ب) غیر کفائی رعینی (Universal)

Marfat.com

ا۔واجب بلحاظ وقتِ ادا:

اس لحاظ سے اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔واجب مطلق ۲۔واجب مقید

1۔ واجب مطلق سے مراد یہ ہے کہ شارع کوئی وقت متعین کئے بغیر کسی کام کے کرنے کا مطالبہ کرے۔اس صورت میں مکلّف یعنی بندے کو اختیار ہوگا کہ وہ جس وقت چاہے اس کو کرے اور جب بھی وہ اس کو کرلے گا اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔تاخیر میں اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا تاہم اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ اس کام کے کرنے میں وہ جلدی کرے، کیونکہ عمر کا کسی کو علم نہیں ہے۔کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس وقت اس کی موت واقع ہوگی۔اس کی چند مثالیں یہ ہیں

(الف) اگر کسی شخص نے رمضان کے روزے کسی مجبوری کی وجہ سے نہ رکھے ہوں تو وہ جب چاہے ان کی قضاء کرسکتا ہے۔اس کے لئے کسی سال کی قید نہیں ہے۔احناف کا یہی مسلک ہے۔لیکن دوسرے فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

(ب) اگر کوئی شخص اپنی قسم پوری نہ کرے تو اس کا کفارہ جب چاہے ادا کرسکتا ہے۔

(ج) اسی طرح جس شخص پر حج فرض ہو وہ عمر میں جب چاہے حج کرسکتا ہے۔فوراً حج کرنا اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔

2۔ واجب مقید سے مراد یہ ہے کہ شارع کسی کام کے کرنے کا مطالبہ کرے اور اس کے ادا کرنے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر کردے، جیسے ہر روز پانچ نمازیں، رمضان کے روزے،جن چیزوں کی ادائیگی کا وقت مقرر ہے ان کو مقرر وقت سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں ہے اس کو تعجیل کہتے ہیں۔شرعی عذر کے ساتھ وقت کے بعد بھی ان کو ادا کیا جاسکتا ہے۔اس کو بھی قضاء کہتے ہیں۔واجب مقید میں ادائیگی فعل اور وقت معین دونوں لازم ہیں۔لیکن واجب مطلق میں صرف ادائیگی فعل مطلوب ہے اگر مکلّف کسی فعل کو اپنے وقت کے اندر صحیح و کامل طریقے سے ادا کرے تو اس کو ادا کہتے ہیں۔اگر وقت معین میں ناقص طریقے پر اس کو ادا کیا اور بعد میں اس کو کامل طریقے سے اُسی وقت میں لوٹایا یا دوہرایا تو اس کو اعادہ کہتے ہیں۔اگر وقت گزرنے کے بعد اس کو ادا کیا تو اس کو قضاء کہتے ہیں۔

ب۔مقدار کے اعتبار سے واجب کی قسمیں:

مقدار کے اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں:

Marfat.com

1۔ واجب محدَّد (محدود) 2۔ واجب غیر محدَّد (غیر محدود)

1۔ واجب محدد سے مراد یہ ہے کہ شارع اس واجب کے لئے کوئی مقدار مقرر کر دے، جیسے نماز کی رکعت زکوۃ کا نصاب یا خرید فروخت میں بعض اشیاء کی قیمت، یا دیت یعنی خون بہا کی مقدار وغیرہ۔اس واجب میں اسی مقدار کی ادائیگی ہے۔یہ فقہاء کی رضامندی میں موقوف نہیں ہے۔مکلف اس کی ذمہ داری سے اس وقت سبکدوش ہوگا جب وہ اس کو اتنی مقدار میں ادا کرے جتنی اور جس طرح شارع نے اس کو مقرر کیا ہے اور وہ مقدار اس کے ذمہ لازم ہے۔

2۔ واجب غیر محدود وہ ہے جس کے لئے شارع نے کوئی حد یا مقدار مقرر نہ کی ہو۔جیسے زکوۃ کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ۔اس میں شارع نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی یہ ضرورت مند کی احتیاج اور صدقہ دینے والے کی استطاعت پر منحصر ہیں۔کسی شخص پر اگر کسی فقیر ومحتاج پر انفاق لازم ہے تو اس کو اس پر اتنا خرچ کرنا چاہئے جس سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اسی طرح فلاح و بہبود کے کاموں میں تعاون ہے۔یہ بھی واجب غیر محدد ہے۔فلاحی کام کی نوعیت اس بات کا تعین کرے گی کہ مکلّف کو کس حد تک تعاون کرنا چاہئے اور یہ خود مکلّف کی استطاعت پر بھی منحصر ہوگا۔

ج۔مطلوب کی تعین کے اعتبار سے واجب کی قسمیں:

اس اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں:

1۔ واجب معین (غیر مُخَیَّر) 2۔ واجب غیر معین (مُخَیَّر)

1۔ واجب معین سے مراد یہ ہے کہ شارع بعینہ ایک ہی چیز مطالبہ کرے اور اُس میں بندہ کو کوئی اختیار نہ دے یعنی مکلّف کو مختلف امور کے درمیان کوئی اختیار نہ ہو۔جیسے نمازوں کو وقت پر ادا کرنا، روزوں کو رمضان میں رکھنا، غصب شدہ مال اگر موجود ہے تو بعینہ اسی کی واپسی وغیرہ۔اس واجب کا حکم یہ ہے کہ یہ اس وقت ادا ہوگا یا مکلّف اس سے اس وقت سبکدوش ہوگا جب اس کو بعینہ ادا کرے۔

2۔ واجب غیر معین وہ ہے کہ شارع بعینہ ایک ہی چیز کا مطالبہ نہ کرے۔لیکن اس کو ان چند چیزوں کے درمیان اختیار ہو، جن کو خود شارع نے مقرر کیا ہے۔مکلّف اس واجب کی ادائیگی کے لئے ان میں سے ایک چیز کو اختیار کرسکتا ہے۔جیسے جنگی قیدیوں کا سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ حَتّٰىٓ اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ﴾. (محمد: 4)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

''یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو پھر ان کو قید کرو اور مضبوط بندش باندھو، پھر اس قید و بند کے بعد یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا ہے، یا فدیہ لے کر رہا کر دینا ہے جب تک کہ لڑائی اپنا ہتھیار نہ رکھ دے۔''

اس آیت میں حاکم کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جنگی قیدیوں پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دے یا فدیہ لے کر یعنی تبادلہ میں ان کو واپس کر دے۔ واجب معین میں کبھی تین چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ جیسے قسم کا کفارہ ہے کہ قسم توڑنے کی صورت میں قسم توڑنے والے پر تین چیزوں میں سے ایک کو ادا کرنا ہوگا۔ دس مسکینوں کا کھانا کھلانا، یا ان کو کپڑا پہنانا، یا غلام آزاد کرنا۔ ان میں سے ہر ایک انسان کی طاقت و حیثیت پر منحصر ہے۔ اگر ان میں سے ایک کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر واجب معین کا اطلاق ہوگا۔ یعنی اس کو مسلسل تین روزے رکھنے ہوں گے بعض علماء نے اس واجب کو واجب مخیر کہا ہے کیونکہ اس میں مکلف کو متعدد چیزوں میں سے ایک چیز کا اختیار دیا گیا ہے۔

د۔ مکلّف کے اعتبار سے واجب کی قسمیں:

اس اعتبار سے واجب کی دو قسمیں ہیں:

(1) واجب عینی رغیر کفائی رفرض عین (2) واجب علی الکفایہ یا فرض کفایہ

1۔ واجب عینی سے مراد یہ ہے کہ فعل مطلوب کا مطالبہ ہر فرد اور ہر مکلّف سے کیا جائے۔ یعنی شارع ہر مکلّف سے اس فعل کے کرنے کا مطالبہ کرے۔ اس لئے چند آدمیوں کے اس واجب کے ادا کرنے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا، بلکہ ہر مکلّف کو ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ شارع کا مقصود اس وقت تک پورا نہیں ہو گا جب تک ہر مکلّف اس کو ادا نہ کرے۔ اس لئے جو اس کو ادا نہ کرے گا وہ گنہگار ہوگا، اس کو سزا دی جائے گی اور دوسرے کے ادا کرنے سے وہ فعل اس کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ اس کی مثالیں نماز، روزہ، معاہدہ پورا کرنا، والدین کی خدمت کرنا اور حقدار کو اس کا حق دینا ہیں۔ یہ تمام امور ہر شخص اگر خود ذاتی طور پر ادا کرے گا تو اُس کا چھٹکارہ ہوگا۔

2۔ واجب علی الکفایہ یا واجب کفائی سے مراد یہ ہے کہ شارع کسی فعل کا مطالبہ مکلفین کی پوری جماعت سے کرے نہ کہ ہر فرد سے کیونکہ اس سے شارع کا مقصد یہ ہے کہ یہ فعل پوری جماعت میں موجود ہو، یعنی اس فعل کو وجود میں لانا ہے، نہ کہ ہر فرد اور ہر ایک مکلّف کو اس میں مبتلا کرنا ہے۔ اگر چند آدمی اس کام کو کر لیں تو باقی لوگوں کے ذمہ سے وہ فعل ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں چند

Marfat.com

آدمیوں کا یہ فعل باقی لوگوں کے فعل کے قائم مقام بن جائے گا۔اس اعتبار سے جس شخص نے اس فعل کو چھوڑ دیا اس کو بھی کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔اگر پوری جماعت میں کوئی شخص بھی اسی فعل کو ادا نہ کرے، تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔واجب کی اس قسم میں مقصود اس فعل کو وجود میں لانا ہے۔لیکن فاعل معین نہیں ہے۔اس کے برعکس واجب عینی میں فعل کا مقصود ہے لیکن ہر مکلف سے۔ واجب کفائی کی مثالیں جہاد، افتاء، اداء شہادت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تفقہ فی الدین (دین میں بصیرت حاصل کرنا) ہیں۔

صنعت وحرفت کے پیشے اور علوم وفنون ایجاد کرنا جس کی امت کی ضرورت ہے، ان کے ذریعہ امت کو تقویت پہنچانا۔اسی طرح کے دیگر امور جو مفاد عامہ سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے لئے کوششیں کرنا بھی فرض کفایہ یا واجب کفائی کے زمرہ میں آتا ہے۔کیونکہ فرض کفایہ کا تعلق امت کی عام مصالح سے ہوتا ہے۔واجب کفائی ادا نہ کرنے کی صورت میں سب گنہگار ہوتے ہیں، کیونکہ شارع امت سے مجموعی طور پر اس کا مطالبہ کرتا ہے۔اس لئے جو لوگ اس کام کو کرنے کی قدرت رکھتے ہوں، انہیں اس کو انجام دینا چاہئے اور جو قدرت نہیں رکھتے، ان کو ان لوگوں کو ترغیب دینا چاہئے جو اس کے اہل ہیں۔اگر یہ واجب کسی کی طرف سے بھی ادا نہ ہو گا تو یہ سب کا قصور سمجھا جائے گا۔اس پر قدرت رکھنے والے کا اس لئے کہ اس نے اس کام کو نہیں کیا۔عاجز کا اس لئے کہ اس نے قدرت رکھنے والے کو اس کام کے کرنے کی ترغیب نہیں دی۔اس عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واجب کفائی یا جسے آج کل پاکستان میں فرض کفایہ کہتے ہیں اس کا ادا کرنا تمام لوگوں پر فرض ہے لیکن اگر کچھ لوگ اس کو ادا کر دیتے ہیں تو دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی وہ اداء سمجھا جائے گا لیکن اگر تمام لوگ یہ سمجھیں کہ یہ فرض فلاں فلاں لوگ ادا کر دیں گے اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو پھر سب لوگ قصوروار ہوں گے۔

واجب کفائی کے اس تصور کے پیش نظر قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کے کاموں کی نگرانی کرے، اور ایسے فرائض ادا کرنے پر اس کو آمادہ کرے جن کا تعلق پوری قوم سے ہو اور جن اسباب کی ضرورت ہو ان کو مہیا کرنے میں حکومت سے تعاون کرے۔کیونکہ حکومت مفاد عامہ سے متعلق امور کو بروئے کار لانے میں قوم کی نائب اور نمائندہ ہوتی ہے اور وہ ان کاموں کے کرنے پر قادر ہوتی ہے جن کا تعلق فرض کفایہ سے ہوتا ہے۔اگر حکومت اس میں کوتاہی کرے گی تو پوری قوم گنہگار ہوگی۔کیونکہ حکومت میں انتظامی عہدوں پر ایسے ذمہ دار حکام موجود ہوتے ہیں جو حکومت کو ان فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دلا سکتے ہیں اور قوم میں بھی ایسے با اثر لوگ ہوتے ہیں جو حکومت کو اس طرف متوجہ کر سکتے ہیں۔قدرت ہوتے ہوئے کوتاہی کرنے کی بناء پر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حکومت خود بھی گنہگار ہو گی۔

فرض کفایہ یا واجب کفائی کبھی فرض عین یا واجب عین بھی بن جاتا ہے۔جیسے اگر چند آدمیوں کے جہاد کرنے سے جہاد کا مقصد حاصل نہ ہو تو وہ ہر ایسے مکلّف پر فرض ہو جاتا ہے جو دشمن سے لڑنے کی طاقت رکھتا ہو۔یہ لڑائی خواہ کسی نوعیت کی ہو۔اسی طرح اگر کوئی شخص خلاف شرع کام دیکھے تو اپنی طاقت کے بقدر اس کو روکنا اُس پر فرض ہے۔اسی طرح ایک بستی میں کوئی طبیب ہو اور اس کے سوا دوسرا نہ ہو، تو مریضوں کو طبی امداد دینا اس طبیب کا فرض ہے۔(6)

2-مندوب:(Recomended)

حکم تکلیفی کی دوسری قسم مندوب ہے۔لغت میں ندب کسی اہم کام کی طرف بلانے کو کہتے ہیں۔جس کام کی طرف بلایا جائے اس کو مندوب کہتے ہیں۔

لا یسالون اخاهم حین یندبهم......للنائبات علی مال برهانا

''جب ان کا بھائی مصیبت کے وقت ان کو بلاتا ہے تو وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر اس سے کوئی دلیل نہیں مانگتے۔''

شرعی طور پر اس کی تعریف یہ ہے:

ماطلب الشارع فعله طلباً غیر لازم...... اوما یثاب فاعله ولا یعاقب تارکه(7)

''جس کام کو لازمی طور پر کرنے کا شارع نے مطالبہ نہ کیا ہو یا اس فعل کے کرنے پر تو اجر ملے لیکن نہ کرنے پر کوئی سزا یا گناہ نہ ہو۔''

یعنی جس فعل کو کرنے کا مطالبہ لازمی، ضروری اور حتمی نہ ہو۔

مندوب کی مزید تشریح:

اصطلاح میں مندوب ایسے فعل کو کہتے ہیں جس کو کرنے کا شارع مطالبہ تو کرے لیکن اس کو واجب کی طرح لازمی قرار نہ دے۔بلکہ اس کے کرنے والے کی تعریف کرے اور اس پر اجر وثواب بتلائے مزید اس کے چھوڑنے والے کی مذمت نہ کرے اور نہ کرنے پر سزا کی دھمکی نہ دے۔مندوب افعال کی بعض قسمیں چھوڑنے پر بعض اوقات ملامت کی جاتی ہے۔

کسی فعل کے مندوب ہونے کا علم ان الفاظ سے ہوتا ہے جو اسلامی مآخذ قانون قرآن وحدیث وغیرہ میں اس فعل کے کرنے کے مطالبہ کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں، اگر ان الفاظ میں مندوب ہونے کا اشارہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

یا قرینہ موجود ہو اور کسی لفظ سے بھی یہ بات نہ معلوم ہو کہ وہ فعل لازمی ہے، یعنی فرض یا واجب نہیں ہے تو اس کو مندوب سمجھا جائے گا۔ یہ قرینہ صریح بھی ہوتا ہے اور اشارتاً بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾. (بقرہ: ۲۸۲)

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقرر مدت کے لئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

اس آیت کا سیاق و سباق صاف بتلا رہا ہے کہ قرض کے سلسلہ میں تحریری معاہدہ کا حکم لازمی نہیں ہے۔ اس کا قرینہ آیت دوسرا حصہ ہے۔

﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ﴾. (بقرہ: ۲۸۳)

''اور اگر ایسے موقع پر تم میں سے ایک دوسرے کا اعتبار کرے تو جس شخص کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی مدیون کا اس کو چاہئے کہ اعتبار کرنے والے کا حق پورا پورا ادا کرے۔''

اس نص سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرض کے معاملہ کے لکھنے کا حکم محض استحباب و سفارش کے طور پر ہے، نہ کہ حتمی و لازمی ہے۔ یہ بندوں کو ایک طرح کی نصیحت ہے تا کہ وہ اپنے حقوق کو ضائع ہونے سے بچا سکیں۔ اگر وہ اس نصیحت و خیر خواہی کو نہیں مانیں گے تو اس کا خمیازہ خود بھگتنا ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ (شارع) کی طرف سے ان پر کوئی عذاب، عتاب یا پکڑ نہیں ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾. (نور: ۳۳)

''اور غلاموں میں سے جو مکاتب (قیمت دے کر آزاد) ہونے کی خواہش کریں تو ان کو مکاتب بناؤ بشرطیکہ ان میں بہتری پاؤ۔''

مکاتب سے مراد وہ غلام ہے جو اپنے آقا کو کچھ مال دینے کا معاہدہ کر کے آزادی حاصل کرے۔ اس آیت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک کو اپنے غلام کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کرنا لازمی نہیں ہے بلکہ مندوب ہے، کیونکہ یہ عام شرعی قاعدہ ہے کہ مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کی پوری آزادی حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

يا معشر الشباب من استطاع منكم الباء فليتزوج. (8)

''اے نوجوانوں کی جماعت، تم میں سے جو نکاح اور اسکی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ شادی کرے۔''

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس حدیث سے بھی ہر مکلّف پر نکاح کا وجوب معلوم نہیں ہوتا، اس کا قرینہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ یہ بات معلوم ہے کہ آپ نے کسی مکلّف پر نکاح لازمی قرار نہیں دیا ہے چاہئے وہ اس کی طاقت بھی رکھتا ہو۔

مندوب کے بھی کئی نام ہیں: سنت، نفل، مستحب، تطوع، احسان، فضیلت ان سب الفاظ کا قریباً ایک ہی مفہوم ہے۔

3- حرام:(Prohibited/forbidden)

حکم تکلیفی کی تیسری قسم حرام اور ممنوع افعال پر مشتمل ہے۔ اس قسم کو فقہاء کرام نے حرام، ممنوع اور محظور کے نام دیئے ہیں۔

حرام کے لغوی معنی حرمت، روکنے اور منع کرنے کے ہیں۔

''شریعت کی اصطلاح میں حرام سے مراد ایسا فعل ہے جس سے شارع یقینی اور حتمی طور پر رکنے کا حکم دے اور جس کے کرنے پر سزا مقرر ہو''

گویا کہ یہ واجب یا فرض کے برعکس ہے اُس میں کسی کام کا حکم دیا جاتا ہے اور اِس میں کسی کام سے روکا جاتا ہے۔

جیسے چوری کرنا، زنا کرنا، دوسرے کا مال کھانا وغیرہ ان افعال کے کرنے والے کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ سزا ہے اس کی تعریف یہ ہے۔

ماطلب الشارع الکف عنه طلباً لازماً. (9)

جس کام کے کرنے سے شارع نے حتمی طور پر منع کر دیا ہے اور اسے قطعی طور پر ترک کرنے کا مطالبہ کیا ہو۔

جمہور کے نزدیک حرام کا ثبوت خواہ دلیل قطعی یعنی قرآن مجید، حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے ہو یا دلیل ظنی حدیث اُحاد سے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر احناف کے نزدیک حرمت کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی ہونا ضروری ہے اور اگر وہ خبر واحد سے ثابت ہو تو اس کو کراہت تحریمی کے ساتھ مکروہ تحریمی کہا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بحث آئندہ صفحات میں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تقربو الزنی۔ (اسراء: ۳۲) ''اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔''

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

زنا کی حرمت اس حکم سے مستفاد ہے اور یہ حکم مکلّف کے فعل سے تعلق رکھتا ہے اور وہ زنا ہے اس لئے اس کو حرام قرار دیا۔

حرام امور میں مردار، شراب، زنا اور جوئے وغیرہ کی حرمت کا ذکر کیا جا سکتا ہے جس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت شدہ ہے۔

حرام کی اقسام:

حرام یعنی ممنوع اشیاء کی دو قسمیں ہیں:

1۔ حرام لِذَاتِہٖ 2۔ حرام لِغَیْرِہٖ

ا۔ حرام لِذَاتِہٖ (Prohibited for itself)

حرام کی پہلی قسم حرام لذاتہ ہے جس سے مراد ایسی اشیاء ہیں جنہیں شریعت طیبہ نے ان میں موجود کسی مضر یا نقصان دہ عنصر کے باعث ممنوع ٹھہرایا ہے۔

اس کا مصداق ایسی اشیاء ہیں جو ضروریات خمسہ یعنی جان، نسل، مال، عقل اور دین کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جیسا مردار، زنا، چوری، شراب اور شرک وکفر وغیرہ کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو تمام انسانوں کے معاشی، معاشرتی، اجتماعی اور نجی سطح پر نقصان کا باعث ہیں۔ اس لئے حرام لذاتہ ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ شریعت طیبہ کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں صرف ان اشیاء کو کھانے پینے کی اور ان کاموں کے کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو بنی نوع انسان کے لئے سراسر فائدہ کا باعث ہیں اور اُس میں اُن کے لئے کوئی نقصان نہیں مزید جس سے ''ضروریات خمسہ'' محفوظ ہوتی ہیں اور ان کی نشوونما ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری ہے:

﴿ يَاۤيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾. (بقرہ:۱۷۲)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائیں ہیں، ان کو کھاؤ اور اگر تم خدا کے ہی بندے ہو تو اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں
کتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان کے لئے حرام ٹھہراتے ہیں۔"

رمایا:
اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾. (المائدہ:۴)
آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال ہے، آپ کہہ دیجئے کہ
چیزیں حلال ہیں۔

(Prohibited for an External Facto

رہ ہے جس سے مراد ایسے افعال واعمال ہے جو بجائے خود تو حرام نہیں ہیں لیکن وہ
ب ہیں اس لئے شریعت نے ان تمام امور کو بھی حرام قرار دیا ہے۔
دیکھنا بذات خود تو حرام نہیں ہے لیکن یہ دیکھنا شہوت کے ساتھ ہو تو یہ زنا تک
نا ہے اور زنا شریعت میں قطعی طور پر حرام ہے، اس لئے اجنبی عورت کی طرف
ے۔ بیع (خرید وفروخت) جائز اور مباح ہے لیکن ربوی اموال کی خرید وفروخت
ے جو حرام اور نا جائز ہے، لہذا شریعت نے ربوی صورتوں پر مشتمل اشیاء کی خرید و
دی ہے۔
ہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾. (النساء:۲۳)
م ہے) کہ تم دونوں بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔

Marfat.com

حرام لذاتہ نہیں بلکہ حرام لغیرہ ہے۔

بعض اوقات ''حرام لغیرہ'' کا اطلاق ان ممنوع صورتوں پر کر دیا جاتا ہے جن میں حرمت کسی عارضی سبب کی بنا پر پیدا ہوئی ہو، جیسے غصب کردہ اراضی میں نماز ادا کرنا اور اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت۔ یہ دونوں صورتیں حرام اشیاء سے متصل ہونے کے باعث ممنوع ہیں۔ نماز میں ذاتی طور پر ممانعت اور حرمت کی کوئی وجہ نہیں، چونکہ یہ نماز حرام شے یعنی غصب کردہ اراضی سے متصل ہے اس لئے اس کی ممانعت ہے۔ اسی طرح خرید وفروخت بذات خود جائز اور مباح فعل ہے لیکن یہاں یہ فعل نماز جمعہ کے وقت سے متصل واقع ہو رہا ہے اس لئے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

(4) مکروہ: (Disapproved)

حکم شرعی تکلیفی کی چوتھی قسم مکروہ افعال کے بارے میں ہے۔ لفظ مکروہ ''ک۔ر۔ہ'' سے مشتق ہے۔ جس کے لغوی معنی کسی شے کو ناپسند اور قابل کراہت سمجھنے کے ہیں۔ یہ لفظ ''حُب'' (پسند، محبت) کی ضد ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ اپنے اس لغوی مفہوم میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ج وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾. (البقرہ:۲۱۶)

ترجمہ: تم پر لڑنا فرض کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے مگر وہ انجام کے اعتبار سے تمہارے حق میں بہتر ہو۔

شریعت کی اصطلاح میں مکروہ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

ایسا فعل ہے جس سے شارع نے غیر حتمی طور پر روکا اور منع کیا ہو۔ اور جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہو لیکن کرنیوالے کے لئے بھی کوئی سزا نہ ہو۔ گویا کہ یہ مندوب کے برعکس ہے۔

جن امور کو چھوڑنا ان کے کرنے کی نسبت زیادہ راجح ہو وہ امور مکروہ کہلاتے ہیں۔ اس کی عربی میں تعریف یہ ہے:

ماطلب الشارع الكف عنه طلباً غير لازماً......او ان تركه خير من فعله.

جس کام کے کرنے سے شارع نے حتمی طور پر منع نہ کیا ہو یا اس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مثلاً

﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾. (بقرہ:۲۶۷)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کوئی مکلف یا انسان وہ کام کر رہا اور دوسرا نہیں کر رہا تو دونوں برابر ہیں، اور ان میں کوئی فرق نہیں، مثلاً ایک شخص نے سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، دوسرے نے نیلے، پیلے، خاکی تو یہ تمام برابر ہیں لہٰذا جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہو وہ مباح ہے مزید، جیسے کھانے پینے اور کھیل کود وغیرہ۔ علامہ شوکانی نے مباح کی تعریف میں لکھا ہے کہ مباح ایسا فعل ہے جسکے کرنے پر کوئی شخص تعریف کا مستحق ہو اور نہ ہی اسکے ترک پر مذمت وعتاب کا۔ مطلب یہ ہے شریعت نے اس کے فاعل کو یہ بتلا دیا ہے کہ اسکے چھوڑنے اور کرنے دونوں صورتوں میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ﴾. (جمعہ:١٠)

ترجمہ: اور جب نماز پوری ہو چکے تو اختیار ہے کہ تم زمین میں چلو پھرو۔

یہ اباحت اس حکم سے متعلق ہے جو مکلّف کے فعل سے تعلق رکھتا ہے، وہ زمین میں پھیل جانا ہے، اس لئے شریعت نے اس کو مباح قرار دیا۔

ب۔ حنفی علماء اصول کے نزدیک حکم تکلیفی کی آٹھ اقسام:

1۔ فرض	2۔ واجب	3۔ مندوب/سنت موکدہ
4۔ مندوب/سنت غیر موکدہ	5۔ حرام	6۔ مکروہ تحریمی
7۔ مکروہ تنزیہی	8۔ مُباح	

احناف حرام اور مُباح کی تعریفوں میں جمہور کی رائے سے متفق ہیں لیکن بقیہ اقسام کی تعریف میں انہوں نے جمہور علماء سے اختلاف کر کے عوام الناس کو سہولت پہنچانے کے لئے اس دائرہ کو وسیع کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

احناف اور جمہور کے اختلاف کی وجہ:

جمہور فقہاء کے نزدیک فرض اور واجب دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے لیکن احناف ان دونوں کے درمیان اُس دلیل یعنی جس قرآن کی آیت یا حدیث سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے کے لحاظ سے فرق کرتے ہیں گویا کہ جس دلیل سے اس فعل کا لازمی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ احناف وہ دلیل جس سے حکم واضح ہوتا ہے کو دو اقسام ١۔ قطعی ٢۔ ظنی میں تقسیم کرتے ہیں۔

اگر دلیل ظنی ہے یعنی اس میں کوئی شبہ ہے جیسے خبر واحد جس سے عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کا وجوب

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ثابت ہو تو ایسے فعل کو وہ واجب کہتے ہیں اور اگر دلیل قطعی ہے، یعنی اس میں کوئی شبہ نہیں ہے، جیسے خبر متواتر یا قرآن مجید کی وہ نصوص جو قطعی الدلالۃ ہیں یعنی واضح معنی والی آیات جس طرح نماز کے بارے میں قرآنی آیات قطعی الدلالۃ ہیں اور جو نماز کو مکلف کے لئے لازمی بتلاتی ہیں تو اِس قسم کا حکم ان کے نزدیک فرض ہے۔

احناف اس فعل کے لازمی ہونے کی دلیل کو دیکھتے ہیں اور پھر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ فعل فرض ہے یا واجب۔ لیکن جمہور صرف فعل کو دیکھتے ہیں کہ وہ مکلف پر لازم اور قطعی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اسکے لازمی ہونے کی دلیل قطعی، قرآن مجید یا خبر متواتر ہے یا ظنی، خبر واحد ہے۔ اس لئے انہوں نے فرض اور واجب کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا اور ان کے نزدیک ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ (14)

احناف کے نزدیک اس فرق کا اثر یہ ہے کہ واجب کی صورت میں اس فعل کا لازمی، حتمی اور ضروری ہونا فرض کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔ اس لئے واجب کے چھوڑنے کی سزا فرض کے چھوڑنے کی سزا سے کم ہوتی ہے۔ اسی طرح فرض کا منکر کافر ہو جاتا ہے لیکن واجب کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

1,2-فرض اور واجب کی تعریف:(Obligatory)

احناف کے نزدیک فرض اور واجب دونوں کی تعریف وہی ہے جو ہم سابقہ اوراق میں جمہور کے نزدیک واجب کی پڑھ آئے ہیں کہ ''شارع جس فعل کا اس طرح مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لئے لازمی اور حتمی ہو'' لیکن اگر کوئی حکم یا یہ فعل قرآن کی قطعی الدلالۃ یعنی واضح آیات یا حدیث متواتر سے ثابت ہے تو فرض ہے۔ اور اگر قرآن کی ظنی الدلالۃ آیات سے ثابت ہے اور قرآنی آیت سے واضح طور پر ثابت نہیں یا پھر صرف خبر واحد سے ثابت ہے تو یہ حکم واجب شمار ہوگا۔

فرض: گویا کہ اگر کسی فعل کے کرنے کا لازمی مطالبہ دلیل قطعی سے ثابت ہے تو وہ فرض ہے۔

واجب: اگر کسی فعل کے کرنے کا لازمی مطالبہ دلیل ظنی، جس میں شبہ ہو سے ثابت ہے تو وہ واجب ہے۔

سنت کی اقسام:

احناف نے سنت، مندوب وغیرہ کو بھی دو اقسام میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں:

1۔ سنت مؤکدہ 2۔ سنت غیر مؤکدہ

3-سنت مؤکدہ:(Emphatic Recommended)

سنن مؤکدہ سے مراد ایسے اعمال وافعال ہیں جن کی ادائیگی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لازمی قرار دیا ہے اور ان کے فرض ہونے کی نفی فرمائی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

یہ لفظ تاکید سے نکلا ہے جیسے نماز فجر سے قبل کی دو، نماز ظہر سے قبل کی چار اور اس کے بعد کی دو رکعات ، نماز مغرب اور نماز عشاء کے بعد کی دو دو رکعات وغیرہ۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ سنت مؤکدہ کے ترک کرنے پر اس کے تارک کو ملامت کی جانی چاہئے مگر سزا نہیں ملنی چاہئے۔ کیونکہ ان کی رائے میں اُس فعل کو ترک کرنا یعنی باقاعدگی سے ادا نہ کرنا جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت فرمائی اور دوسروں کو اس کی تاکید اور وصیت کی، ایک نامناسب فعل ہے۔ جس طرح نکاح پر قدرت رکھنے والے شخص کے لئے نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے بشرطیکہ اس کی حالت معتدل ہو۔ اگر اس پر شہوت کا غلبہ ہو تو اس صورت میں نکاح کرنا واجب ہے۔(15)

4-سنت غیر مؤکدہ:(Non Emphatic Recommended)

مندوب کی دوسری قسم ''سنت یا سنن غیر مؤکدہ'' ہے جس سے مراد ایسا فعل ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ، مداومت نہ فرمائی ہو (یعنی اسے باقاعدگی سے ادا نہ کیا ہو) بلکہ کبھی تو آپ نے ان پر عمل کیا ہو اور کبھی نہ کیا ہو۔

جیسے نماز عصر اور نماز عشاء سے پہلے کی چار چار سنتیں اور صدقہ کرنے پر قدرت رکھنے والے کے لئے راہ خدا میں صدقہ کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے جس عمل کو کرنے کی تاکید نہ فرمائی ہو وہ سنت غیر مؤکدہ ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں ان دونوں اقسام کو علی الترتیب سنت راتبہ اور سنت غیر راتبہ کہا جاتا ہے۔ انہیں نفل مؤکدہ اور نفل غیر مؤکدہ کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ لیکن وہ اِن تمام کو مندوب اور سنت میں شمار کرتے ہیں۔

5-حرام و مکروہ:

حرام کی تعریف میں احناف کی رائے یہ ہے کہ جس کام یا فعل کے نہ کرنے کا مطالبہ دلیل قطعی سے ثابت ہو(16)

اگر دلیل ظنی سے ثابت ہو تو مکروہ ہے پھر احناف مکروہ کو مزید دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

نمبر1۔مکروہ تحریمی نمبر2۔مکروہ تنزیہی

مکروہ کی سابقہ اوراق میں تعریف جمہور فقہاء کے مطابق تھی۔ احناف نے حرام اور مکروہ میں فرق کیا ہے۔ ان کے نزدیک جس فعل کی حرمت قطعی دلیل سے ثابت ہو وہ فعل حرام ہے اور جس شے کی حرمت دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ مکروہ تحریمی ہے۔ دلیل قطعی وظنی کا مطالعہ آپ سابقہ صفحہ میں فرض و واجب کے مابین فرق کے دوران کر چکے ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

6- مکروہ تحریمی:(Forbidden for Instrinsic Resonos)

یعنی کوئی ایسا فعل جس کی حرمت کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کچھ شبہ ہو یعنی دلیل ظنی سے۔جس طرح حدیث میں مردوں کے لئے ریشم سونا اور چاندی پہننے کو مکروہ تحریمی اور اس انسان کے لئے جس کا گمان غالب یہ ہو کہ وہ اپنی بیویوں سے عدل نہیں کر سکے گا، دوسرے نکاح کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔(17)

7- مکروہ تنزیہی:(Forbidden for Extrinsic Reasons)

احناف نے مکروہ تنزیہی سے وہ افعال مراد لئے ہے جن کی ممانعت غیر حتمی طور پر ثابت ہو۔

جیسے جمہور فقہاء نے مکروہ کی تعریف کی ہے۔ایسا فعل جس کا ترک کرنا اُس کے کرنے سے بہتر ہو لیکن کرنے والا بھی قابل ملامت نہ ہو۔احناف اِس تعریف کو مکروہ تنزیہی کی تعریف شمار کرتے ہیں۔

گویا کہ اس سے مراد ہے کہ شارع مکلف سے کسی فعل کے چھوڑنے کا مطالبہ کرے، لیکن وہ مطالبہ لازمی وحتمی نہ ہو۔جیسے جنگ میں ضرورت کے وقت گھوڑے کا گوشت کھانا، گوشت خور پرندہ جن کے پنجے ہوتے ہیں ان کے جوٹھے پانی سے وضو کرنا، مکروہ کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کا فاعل نہ ملامت کا مستحق ہوتا ہے اور نہ سزا کا۔اگرچہ اس کا یہ فعل خلاف اولیٰ اور خلاف افضلیت ہے۔

8-مباح:(Permissible/Optional)

مباح کی تعریف میں بھی احناف جمہور کی بیان کردہ تعریف سے اتفاق کرتے ہیں۔یعنی جس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کو برابر تصور کیا گیا ہو یا دونوں کا اختیار دیا گیا ہو۔

احناف کے اختلاف کی وجہ:

احناف اور جمہور کے درمیان یہ اختلاف بھی فرض اور واجب کے درمیان اختلاف کی طرح ہے۔احناف اس دلیل کا اعتبار کرتے ہیں جس میں اس فعل کی ممانعت میں آئی ہے، اگر وہ دلیل قطعی ہے تو فعل حرام ہے۔اگر ظنی ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔اگر اس فعل سے رک جانے کا مطالبہ لازمی وحتمی نہیں ہے تو مکروہ تنزیہی ہے۔لیکن جمہور اس دلیل کی قطعیت یا ظنیت کی طرف نہیں دیکھتے وہ صرف اس فعل کے چھوڑ دینے کے مطالبہ کی طرف دیکھتے ہیں۔اگر وہ مطالبہ لازمی وحتمی ہے تو ان کے نزدیک وہ فعل حرام ہے، قطع نظر اس کے کہ اسکی دلیل قطعی ہے یا ظنی۔اگر اس فعل کو چھوڑنے کا مطالبہ لازمی وحتمی نہ ہو تو وہ فعل ان کے نزدیک مکروہ ہے۔یہ مکروہ احناف کے نزدیک مکروہ تنزیہی کے مقابلہ میں ہے۔

Marfat.com

2- حکم تکلیفی کی دوسری تقسیم:

عزیمت ورخصت:(Initial Rules and Exemtions)

حکم تکلیفی کی حیثیت اور مقام ومرتبہ کے لحاظ سے اِس کی اقسام کا مطالعہ کرنے کے بعد اب انسانی حالات کے مطابق اُس کی ادائیگی کے لحاظ سے عزیمت ورخصت حکم تکلیفی کی دوقسمیں ہیں۔انسان عام طور پر دوقسم کے حالات سے دوچار ہوتا ہے۔

۱۔ عام حالات جن سے سب کا روزمرہ کی زندگی میں سابقہ رہتا ہے۔

۲۔ کسی بیماری، تکلیف یا آفات وغیرہ کی وجہ سے مخصوص حالات۔

کیونکہ عزیمت سے مراد یہ ہے کہ شارع ایک فعل کو پورے لوازمات کے ساتھ اور کامل طریقہ سے کرنے کا مطالبہ کرے، یا عمومی طور پراس کی اجازت دے اور رخصت سے مراد یہ ہے کہ ضرورت کے وقت مکلفین کی تخفیف وآسانی کے لئے اوران سے تنگی دور کرنے کے لئے شارع ایک فعل میں کچھ حدتک کمی کر لینے کی اجازت دے۔کسی فعل کرنے کا مطالبہ کرنا اوراس کی اجازت دینا حکم تکلیفی کی قسمیں ہیں۔گویا کسی حکم کوشارع یعنی اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ مکمل طریقہ سے اس طرح سرانجام دینا کہ اس میں کوئی کمی نہ رہ جائے عزیمت کہلائے گا لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے اس پر عمل ہی نہ کرنا یا مکمل طریقہ سے عمل نہ کرنا بلکہ جزوی طور پر سرانجام دینا رخصت کہلاتا ہے، مثلاً پوری طرح وضو کر کے نماز پڑھنا عزیمت ہے لیکن سردی کی وجہ سے جرابوں پر مسح کر کے فرض ادا کرنا رخصت ہے نماز کی تمام رکعت وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا عزیمت ہے لیکن سفر کی وجہ سے دونمازیں اکٹھی پڑھنا (جمع بین الصلاتین) اور اُن کے رکعت کی تعداد کم کر لینا رخصت ہے۔اسی طرح روزہ اور زکوۃ وغیرہ میں ہے۔

عزیمت:(Initial Rules)

عزیمت کے لغوی معنی پختہ ارادہ کرنے کے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾. (طہ ۱۱۵)

ترجمہ: مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں استقلال نہ پایا۔

یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا۔بھول اور غلطی سے ایسا ہو گیا۔اس کے اصطلاحی معنی ہم اوپر بتا چکے ہیں۔بعض علماء نے اس کی تعریف یہ کی ہے۔

هو اصل من الاحكام غير متعلق بالعوارض.(18)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ترجمہ: وہ حکم جو احکام میں اصلی اور مستقل ہو اور عارضی احکام سے اس کا تعلق نہ ہو اس کو عزیمت کہتے ہیں۔

وہ احکام جو مکلّف کے لئے عام حالات کے اعتبار سے ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عزیمت کا اطلاق ان شرعی احکام پر ہوتا ہے جو مکلفین کے لئے عمومی طور پر دیئے گئے ہیں، اور وہ مستقل اور اصلی احکام ہیں۔ عارضی حالات اور مجبوری کا اس میں اعتبار نہیں ہوتا۔ یہ احکام اس لئے دیئے گئے ہیں کہ تمام مکلفین کے لئے عام حالات میں ان کو قانونی حیثیت حاصل ہو۔ ان میں ضرورت اور عذر کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ جیسے نماز اور دوسری عبادات۔ حکم تکلیفی کی اقسام کے اعتبار سے ان کی بھی قسمیں ہیں، یعنی واجب، مندوب، حرام، مکروہ اور مباح۔ یہ شریعت اسلامیہ کے اصلی اور حقیقی احکام ہیں۔ محققین کے نزدیک عزیمت کے اطلاق اسی وقت کیا جاتا ہے جب اس کے مقابلہ میں رخصت کا لفظ استعمال کیا جائے۔

رخصت:(Exemptions)

رخصت لغت میں سہولت اور آسانی کو کہتے ہیں۔ اصطلاحاً وہ احکام جو مخصوص احوال اور عذر کی بناء پر مخصوص افراد سے متعلق ہوں۔ بعض علماء نے اس کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے۔

ھی ماو سع للمکلف فی فعله بعذ روعجز عنه مع قیام السبب المحرم. (19)

یعنی رخصت وہ حکم ہے جس میں مکلّف کو کسی عذر و مجبوری کے سبب وسعت دی گئی ہو اور حرمت کا سبب باقی رہتے ہوئے مکلّف اس کام کے کرنے سے عاجز ہو۔

رخصت وہ فعل ہے جس کی شرعاً کسی عذر و مجبوری کی بنا پر اجازت دی گئی ہو، حالانکہ وہ فعل حرام ہو، اگر وہ عذر نہ ہوتا تو اس کی حرمت ثابت ہو جاتی۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ رخصت وہ احکام ہیں جو شارع نے مکلفین کی مجبوری کی بنا پر دیئے ہیں۔ اگر یہ مجبوریاں نہ ہوتیں تو یہ اصلی حکم اپنی جگہ باقی رہتا۔ جیسے رمضان میں مریض اور مسافر وغیرہ کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت حالانکہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا حرام ہے۔ اسی طرح نماز میں قیام فرض ہے لیکن مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت سے اس فرض کی ادائیگی نہیں ہوتی لیکن رخصت کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔ شارع کی طرف سے بنی نوع انسان کو مجبوری، عذر یا کسی اور نامساعد حالات کی وجہ سے اصلی حکم میں تخفیف یا اُس حکم کے وقتی طور پر معدوم کر دینے کی سہولت دینا رخصت کہلائے گا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حکم وضعی

(Declaratory Rule)

حکم شرعی کی دوسری قسم حکم وضعی ہے اُس کی تعریف یہ ہے:

هو ربط الشارع بين امرين يجعل احدهما سبباً شرطاً او مانعاً(20)

شارع کا ایسا خطاب جس کو دو چیزوں کے درمیان رابطہ بنا دیا گیا ہے اور اس میں سے کسی ایک کو سبب، شرط یا مانع بنایا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خطاب میں جب انسانوں کو کوئی حکم دیا تو اس حکم کو پورا کرنے کے لئے کوئی علامت یا نشانی بھی مقرر کر دی تا کہ انہیں اس حکم کے ادا کرنے میں سہولت ہو۔ مزید اس حکم کو پورا کرنے کے لئے کچھ لوازامات بھی مقرر کر دیئے تا کہ اگر اس علامت کے ظاہر ہونے پر حکم کا ادا کرنا فرض ہو جائے تو اس حکم کو ادا کرنے کے لوازمات پورے کرنے پڑیں۔ اس علامت یا نشانی کو سبب اور ان لوازمات کو شرط کہتے ہیں۔ بسا اوقات حکم کو ادا کرنے کی علامت بھی موجود ہوتی اور شرائط بھی پوری ہو رہی ہوتی ہے لیکن پھر بھی کچھ شرعی مجبوریاں اس حکم پر عمل درآمد سے روک رہی ہوتی ہیں ان مجبوریوں کو مانع کہا جاتا ہے

اس طرح حکم وضعی کی پہلی تقسیم میں تین اقسام ہیں۔

1۔ سبب 2۔ شرط 3۔ مانع

دوسری تقسیم میں اِس کی دو اقسام ہیں۔

1۔ صحیح 2۔ باطل

اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس کے لئے چاند کے نظر آنے کو سبب بنا دیا اور عید الفطر کے لئے شوال کے چاند کی علامت کو سبب بنا دیا۔ اسی طرح صبح کی نماز کے لئے صبح صادق کی علامت کو سبب اور نماز کے لئے وضو شرط قرار دیا۔ لہٰذا صبح کی نماز کے لئے صبح صادق کا وقت سبب اور وضو شرط ہے۔ سبب اور شرط میں فرق یہ ہے کہ سبب کی موجودگی میں حکم فرض ہو جاتا ہے لیکن شرط کی موجودگی میں حکم کا فرض ہونا ضروری نہیں ہے۔

مثلاً صبح صادق کا وقت یا سورج کے زوال کے وقت نماز فجر و ظہر فرض ہو جائیں گی کیونکہ سبب ظاہر ہو گیا لیکن اگر کوئی انسان صبح صادق سے قبل باوضو ہے تو اس پر کوئی نماز فرض نہیں ہوگی کیونکہ شرائط کی موجودگی سے حکم فرض نہیں ہوتا بلکہ سبب کے ظاہر ہونے سے حکم فرض ہوتا ہے۔ البتہ شرط کی تکمیل کے بغیر حکم پر عمل نہیں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہوسکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک آدمی کو شیشہ کے کمرے میں قید کر دیا گیا ہو۔ اب صبح صادق کے وقت اس کے پاس پانی نہیں ہے اور تیمّم کے لیے شیشہ کے کمرہ کی وجہ سے مٹی نہیں۔ اب وہ نہ وضو کر سکتا ہے نہ تیمّم تو اب یہ قید اس کے لئے مانع ہوگئی اور وہ اس مانع کی وجہ سے نماز صبح کے فرض کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ تو یہ ابتدائی تین اقسام سبب، شرط اور مانع ہوئیں۔

مزید تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ حکم وضعی کی پہلی تقسیم

سبب۔شرط۔مانع

1-سبب:(Cause)

سبب سے مراد ایک ایسی علامت ہے جو واضح ہو اور شارع نے اُسے کسی حکم کی بجا آوری کے لئے مقرر کیا ہو۔

سبب کے لغوی معنی اس ذریعہ کے ہیں جس سے کسی مقصود تک پہنچا جائے۔ اصطلاح میں سبب اس چیز کو کہتے ہیں جس کو شریعت نے کسی شرعی حکم کی ادائیگی کے لئے علامت یا پہچان کا ذریعہ بنایا ہو، اس طرح اس چیز کے وجود کے ساتھ وہ حکم موجود ہو، اور اس کے معدوم ہونے کے ساتھ وہ حکم بھی معدوم ہو جائے۔ اس اعتبار سے سَبب کی اصطلاحی تعریف یہ ہوئی۔

کل امر جعل الشارع وجوده علامة علي وجود الحكم ، وعدمه علامة على عدمه، كالزنا لو جوب الحد.(21)

یعنی ہر وہ چیز یا نشانی جس کے وجود کو شارع نے حکم کے وجود یا اُس کو ادا کرنے کی علامت مقرر کیا ہو اور اس کے عدم یعنی علامت کے نہ ہونے کو حکم کے عدم کا ذریعہ مقرر کیا ہو، جس طرح جرم زنا کے ارتکاب کو حد زنا کی سزا جاری کرنے کا سبب بنایا ہے۔

گویا کہ فعل زنا کے سرزد ہونے کو حد کے واجب ہونے کی علامت یعنی سبب قرار دیا گیا ہے اور اگر یہ فعل نہ ہوا ہو تو حد کا وجوب خود بخود کالعدم ہو جائے گا۔

2-شرط:(Condition)

الذی یتوقف علیه وجود الحكم و يلزم من عدمه عدم الحكم ولايلز م من وجوده وجود الحكم.(22)

Marfat.com

ایسا فعل جس کی موجودگی پر کسی حکم کی ادائیگی کا دارمدار ہو یعنی اُس کے ہوتے ہوئے کسی حکم پر عمل کیا جا سکتا ہو اور اس کے نہ ہوتے ہوئے اس حکم پر عمل نہ ہو سکتا ہو لیکن اس کی موجودگی میں اس حکم پر عمل لازم نہ ہو۔

لغت میں شرط ایسی علامت کو کہتے ہیں جو کبھی اس چیز سے علیحدہ نہ ہو جس کے لئے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی اس کے لئے لازمی ہو۔ اصطلاح میں ایسی چیز کو شرط کہتے ہیں جس کے وجود پر دوسری چیز کا وجود موقوف ہو لیکن وہ اس چیز کی حقیقت سے خارج ہو۔ تاہم اس کے وجود سے اس چیز کا وجود لازم نہیں آتا، لیکن اس کے عدم سے اس چیز کا عدم لازم آتا ہے۔

کسی چیز کے وجود سے مراد یہاں شرعی وجود ہے، جس پر شرعی نتائج مرتب ہو سکیں۔ جیسے نماز کے لئے وضو شرط ہے، عقد نکاح کے لئے، گواہوں کا حاضر ہونا شرط ہے۔ اسی طرح حج پر جانے کے لئے مالی استطاعت شرط ہے، طلاق کے لئے میاں بیوی کے درمیان نکاح کا ہونا شرط ہے۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سبب ظاہر ہونے سے حکم فرض ہو جاتا ہے اور اُس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔ شرط کے بغیر حکم پر عمل نہیں کیا جا سکتا لیکن شرط کے ہوتے ہوئے کوئی حکم فرض یا واجب نہیں ہو جاتا۔ مثلاً نماز کے لئے وضو شرط ہے، وضو کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی لیکن اگر کوئی شخص صبح دس بجے باوضو ہے تو اُس پر ظہر کی نماز فرض نہیں ہو جائے گی بلکہ نماز جب زوال ہو گا جو ظہر کے نماز کی فرضیت کا سبب ہے تو اُس وقت فرض ہو گی۔ اگر ایک شخص کے پاس مالی استطاعت ہے تو اُس پر حج اُس وقت فرض ہو گا جب دس ذی الحج آئے گا پہلے نہیں ہو گا۔ لہذہ شرط کے ہونے سے حکم واجب نہیں ہوتا بلکہ حکم سبب کی وجہ سے واجب ہوتا ہے لیکن شرط کے بغیر وہ حکم ادا نہیں کیا جا سکتا۔

3-مانع:(Obstacle)

هو ما يلزم من وجوده عدم الحكم و بطلان السبب. (23)

ایسا کام یا فعل جس کی موجودگی کی وجہ سے شارع کا حکم ختم ہو جائے اور حکم لاگو ہونے کا سبب باطل ہو جائے۔

مانع سے مراد یہ ہے کہ شارع نے ایک چیز کے وجود کو اپنے حکم کا عدم وجوب یا عدم سبب قرار دیا ہو، یعنی اس چیز کے وجود سے حکم یا اس کا سبب باطل سمجھا جائے گا۔ مثلاً باپ کی موت اولاد کو میراث کو مالک بنانے کا سبب ہے لیکن اگر اولاد میں سے کوئی باپ کا قاتل ہے تو یہ قتل اس کو میراث کا مالک بنانے میں مانع

Marfat.com

ہے گویا کہ میراث کے مالک بننے کے شرعی حکم کے لئے اس قتل کو عدم وجوب اور عدم سبب قرار دے دیا گیا اور یہ مانع ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔

لیس للقاتل میراث. (24)

قاتل کے لئے میراث نہیں ہے۔

اس طرح چاند کا نظر آنا رمضان کے روزہ کی فرضیت کا سبب ہے لیکن اگر کوئی انسان مریض یا مسافر ہے تو یہ دونوں اس پر فرضیت صوم کے مانع ہیں۔

ب۔ حکم وضعی کی دوسری تقسیم

1,2- صحیح و باطل:(Validity & Nullity)

حکم وضعی کی دوسری تقسیم میں اِس کی دو اقسام صحیح اور باطل ہیں۔

صحیح اور باطل ہونے کا مطلب۔

مکلفین کے افعال جب اپنے پورے ارکان و شرائط کے ساتھ واقع ہوتے ہیں تو شارع ان کے صحیح ہونے کا حکم لگا دیتا ہے۔ اگر وہ اس طریقہ سے واقع نہیں ہوتے تو شارع ان کی عدم صحت یعنی باطل ہونے کا حکم لگاتا ہے۔

افعال کی صحت یعنی صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر شرعی نتائج مرتب ہوں۔ اگر اس فعل کا تعلق عبادت سے ہو تو مکلّف کو اس کی ادائیگی کے بعد بری الذمہ سمجھا جائے گا۔ جیسے اگر نماز کو اس کے ارکان و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس کو صحیح کہا جائے گا۔ اگر مکلّف کے افعال کا تعلق عادات یعنی معاملات سے ہو اور وہ صحیح ہوں جیسے بیع و شراء، اجارہ، نکاح وغیرہ تو ان میں سے ہر عقد کے بعد شرعاً جو نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ مرتب ہوں گے۔

افعال کے بطلان یعنی باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ادائیگی کے بعد شرعی نتائج مرتب نہ ہوں۔ کیونکہ شرعی نتائج اسی وقت مرتب ہوتے ہیں جب وہ سب ارکان پورے ہو جائیں جو شارع کی طرف سے مطلوب ہیں۔ اگر ان افعال کا تعلق عبادات سے ہو تو مکلف ان سے بری الذمہ نہیں ہوتا۔ اگر ان کا تعلق معاہدوں اور لین دین سے ہو تو ان پر بھی شرعی نتائج صحیح مرتب نہیں ہوتے۔

مثلاً اگر آپ نے چار رکعت والی نماز میں تین رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو یہ نماز باطل ہو گی اور اگر پوری طرح مکمل کی تو یہ صحیح ہے۔ اسی طرح اگر نکاح میں دو گواہ نہیں ہے یا رضا کے بغیر زبردستی کی گئی تو یہ اور

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس قسم کے معاہدہ جات باطل ہوں گے۔ باطل یا فاسد (Vititation) دونوں ہم معنی ہیں۔ اسی طرح اگر رمضان میں افطار کے وقت سے ایک گھنٹہ قبل روزہ افطار کر دیا تو روزہ باطل ہو گیا اسی طرح باقی تمام عبادات اور معاہدات میں صحیح اور باطل کا تعین ہو گا۔

اس باب کے ابتداء میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ حکم شرعی کے مباحث میں حکم کے اقسام، حاکم، محکوم فیہ اور محکوم علیہ کے عنوان ہوں گے۔ سابقہ اوراق میں آپ نے حکم کی اقسام کا مطالعہ کیا ہے۔ اب آپ حاکم کی بحث کے بارے میں پڑھیں گے۔

(2) حاکم (Ruler/Lawgiver)

حاکم کی تعریف

حاکم جس کو اصول فقہ کی اصطلاح میں شارع بھی کہتے ہیں سے مراد وہ مقتدر ذات ہے یا وہ صاحب اقتدار ہستی ہے جس سے حکم کا صدور ہوتا ہے۔ یعنی وہ انسانوں کو کسی کام کے کرنے یا کسی کام کو نہ کرنے کا حکم دے۔ دوسرے لفظوں میں حاکم کو مقنن بھی کہا جا سکتا ہے۔

امام غزالیؒ اور دوسرے ائمہ نے حاکم کی تعریف ''خطاب کرنے والے'' سے کی ہے ''یعنی حکم دینے والا'' اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں ''حاکم'' صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور شخص نہ تو ''حاکم'' (مقنن شارع) ہے اور نہ اس وصف پر پورا اترتا ہے(۱۰)۔ قرآن مجید میں بار بار اس کی تاکید وصراحت فرمائی گئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا:

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾. (الاعراف ۷:۵۴)

دیکھو سب مخلوق بھی اس کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾. (یوسف ۱۲:۴۰)

نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾. (المائدۃ ۵:۴۴)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

رسول اکرم ﷺ بحیثیت شارع:(Lawgiver)

جہاں تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت حاکم، شارع یا مقنن وغیرہ ہونے کا تعلق ہے، تو ائمہ کرام کی صراحت کے مطابق ان کا حکم بھی واجب تعمیل ہے اور اُن کو بھی شارع کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حکم کی پابندی اور تعمیل کا حکم دیا ہے۔لہٰذا ان کے حکم کی پابندی لازم ہے۔مزید یہ کہ رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی حکم نہیں دے سکتے اس لئے آپ کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم شمار ہو گا۔لہٰذا آپ کو بھی اس حیثیت سے شارع یا مُقنن کہا جاسکتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پہنچا رہے ہیں لیکن حاکم نہیں کہا جا سکتا وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔(25)

حاکم کے حکم کی پہچان کا طریقہ (اشیاء کا حُسن وقُبح):(Good & Bad or Evil)

اس تمام سطور کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حاکم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اور انبیاء کرام کا فرض منصبی اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس کے بندوں تک پہنچانا ہے۔فقہاء اور مجتہدین کا کام ان احکام کو پہچانا اور علم اصول فقہ میں جو قاعدے اور ضابطے مقرر ہیں ان کے ذریعہ ان احکام کو کھول کھول کر اور واضح کر کے حالات و زمانہ کی مناسبت۔کے لحاظ سے لوگوں کے سامنے بیان کرنا ہے۔

مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کے حاکم ہونے پر مکمل اجماع ہے لیکن اس مسئلہ پر اختلاف ہے کہ کیا انبیاء کرام کے واسطہ کے بغیر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم ہوسکتا ہے۔اس سلسلہ میں دو امور وضاحت طلب ہیں۔

1۔ کیا انبیاءِ کرام کے واسطہ کے بغیر بنی نوع انسان اپنی عقل کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم حاصل کر سکتی ہے یا اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا کا علم انبیاء کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا؟۔

2۔ اگر عقل اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی رضا کا علم حاصل کر سکتی ہے تو کیا اس عقل سے حاصل شدہ احکام (Natural Law) پر عمل کرنا انسان کے لئے اِس طرح ضروری ہو گا جس طرح انبیاء کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

مزید انسانوں کو یہ ذریعہ علم یعنی عقل اور اُس کے ذریعہ اُخذ کردہ احکام انسانوں کو مکلّف بنانے کی بنیاد بن سکتے ہیں اور اس عقل سے حاصل شدہ احکام پر عمل کرنے کی بنیاد پر آخرت میں عذاب وثواب ملے گا یا نہیں اور دنیا میں ان اعمال کی تعریف و مذمت کی جاسکتی ہے یا نہیں۔

اس مسئلہ کی اصول فقہ کے مباحث میں لفظ "حسن و قبح" کے ذریعہ تشریح کی جاتی ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی امور میں حسن و قبح یعنی اچھے اور برے، خوبصورت اور قبیح کام کون کون

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سے ہیں۔کیا تمام اشیاء یا افعال کے اندر اچھائی اور برائی فی نفسہ یعنی ذاتی طور پر موجود ہے یا جس فعل کو اللہ تعالیٰ اچھا کہیں وہ اچھا ہوگا اور جس کو اللہ تعالیٰ برا کہیں وہ برا ہوگا۔

اس بحث کا ایک پہلو یہ بھی ہے اگر بعض علاقوں یا لوگوں تک انبیاء کرام نہیں پہنچتے یا ان کی دعوت نہیں پہنچی تو کیا ان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو عقل کے ذریعہ پہچانیں اور اس پر عمل کریں اور یہ بھی کہ اگر وہ ان عقلی احکام پر عمل نہیں کریں گے تو کیا دنیا میں ناکام اور آخرت میں عذاب کی مستحق ہوں گے یا ان کے لئے دنیاوی زندگی گزارنے کے لئے کوئی اور صورت ہوگی۔

اس مسئلہ حُسن وقُبح پر اصول فقہ کی تمام کتب میں تین آراء پائی جاتی ہیں۔

1۔ معتزلہ کی رائے 2۔ اشاعرہ کی رائے 3۔ ماتریدیہ کی رائے۔(26)

پہلا نظریہ معتزلہ کی رائے

یہ نظریہ معتزلہ اور شیعہ علماء کے ایک فریق کا ہے: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال ذاتی طور پر اچھے اور برے ہوتے ہیں۔اور انسانی عقل اکثر افعال کا حسن وقبح اس فعل کی صفات کو دیکھ کر معلوم کرسکتی ہے، اور ان کے نفع ونقصان ان کی مصلحت ومضرۃ کا براہ راست پتہ لگاسکتی ہے۔انسانی عقل اشیاء کے حُسن وقُبح کے پہچان میں انبیاء کرام کے ہدایات اور تعلیم کی محتاج نہیں۔مزید اس کا یہ علم انبیاء کی وساطت اور ان کی تبلیغ پر موقوف نہیں ہوتا۔اس لئے کسی فعل کا اچھا یا برا ہونا عقلی بات ہے، نہ کی شرعی۔یعنی اس کا ادراک شریعت پر موقوف نہیں ہے۔اور ہماری عقلوں کو ہمارے افعال کی اچھائی یا برائی کا جو بھی علم ہوتا ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔اس لئے عقل جس فعل کو اچھا سمجھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے، اور انسان سے اسی فعل کے کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔اور اسی کے مطابق اس فعل کی تعریف کی جاتی ہے اور اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے، اور اس کی مخالفت پر اس کی مذمت کی جاتی ہے اور اس پر عذاب مرتب ہوتا ہے۔اس نظریہ کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ انسان انبیاء کی بعثت یا دعوت پہنچنے سے قبل ہی احکام الٰہی کا مکلّف ہے۔کیونکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ عقل جس کو اچھا بتلائے وہ اس پر عمل کرے۔اور یہی اللہ کا حکم سمجھا جائے گا۔اور اسی کا وہ مکلّف ہے، اس کے مطابق اس سے روز قیامت حساب ہوگا، اور اسی کے مطابق اس کو ثواب وعذاب دیا جائے گا۔ اس نظریہ کے مطابق انسانی عقل ہی خیر وشر، اچھائی وبرائی اور نیکی وبدی کے تعین کرنے کا معیار ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام انسانی عقلی معیار کے مطابق ہوتے ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

دوسرا نظریہ اشاعرہ؛ (جمہور) کی رائے

یہ نظریہ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری اور ان کے متبعین فقہا اور جمہور علماء اصول کا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل اپنے طور بلا واسطہ، اللہ کے حاکم ہونے کا ادراک نہیں کر سکتی، بلکہ اس کے لئے رسول کے واسطہ اور تبلیغ کی ضرورت ہے۔ افعال کی اچھائی ذاتی نہیں ہے، اس لئے کسی فعل کی اچھائی یہ ہے کہ شارع اس فعل کے کرنے کا حکم دے۔ اور برائی یہ ہے۔ کہ شارع فعل کے چھوڑنے کا مطالبہ کرے۔ شارع کے حکم دینے اور منع کرنے سے پہلے کسی فعل میں نہ اچھائی ہوتی ہے نہ برائی۔ کوئی فعل اس لئے اچھا کہلاتا ہے کہ شارع نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے، نہ کہ فی نفسہ کوئی فعل اچھا ہوتا ہے۔۔ اور برا اس لئے کہا جاتا ہے کہ شارع نے اس کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے، نہ کہ اپنی ذات سے۔ اس لحاظ سے افعال اپنی ذات میں اچھے ہیں نہ برے جس فعل کو اللہ تعالیٰ اچھا کہیں گے وہ خیر شمار ہوگا اور جس کو برا کہیں گے وہ قبیح شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس حُسن و قبح کی اطلاع انبیاء کے ذریعہ سے دیں گے عقل اس سلسلہ میں کوئی معیار نہیں ہے۔ اور اسی پر اس نظریہ کی بنیاد ہے کہ انبیاء کی بعثت سے پہلے بندوں کے افعال کے سلسلہ میں اللہ کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ جب تک پیغمبر نہ آئے اور اللہ کے احکام کی بندوں کو تبلیغ نہ کرے اس وقت تک ان کے افعال کے لئے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے قبل ان پر کوئی چیز واجب ہوتی اور نہ کوئی فعل حرام۔ اور جہاں حکم نہیں ہوتا۔ وہاں تکلیف یعنی احکام پر عمل کرنے کی ذمہ داری بھی نہیں ہوتی، اور جہاں تکلیف و ذمہ داری نہ ہو وہاں نہ حساب ہے، نہ تعریف نہ ثواب، نہ مذمت اور نہ سزا۔ اِس وجہ سے جن لوگوں تک انبیاء کی دعوت نہیں پہنچی اُن سے دوسرے لوگوں کی طرح حساب کتاب نہیں ہوگا۔

تیسرا نظریہ: ماتریدیہ کی رائے

یہ نظریہ ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی کا ہے۔ اور یہی قول محققین احناف اور بعض علماء اصول کا ہے۔ شیعوں میں ایک گروہ بھی اسی نظریہ کا قائل ہے۔

اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال کا حسن و قبح ذاتی ہے یعنی ہر فعل کا اچھا یا بُرا ہونا واضح ہے۔ عقل ان کو اکثر افعال میں کسی فعل کی صفات اور مصالح و مفاسد کی بنا پر پہچان سکتی ہے۔ لیکن کسی افعال کے اچھا ہونے اور عقل کے جاننے کے سبب یہ لازم نہیں آتا کہ شریعت بھی اس کا ضروری ہی حکم دے۔ اور کسی فعل کے برا ہونے سے بھی یہ بھی لازم نہیں آتا کہ شریعت ضرور اس سے روکے۔ عقلیں چاہے کتنی ہی پختہ ہوں وہ کوتاہ ہیں، اور کتنی ہی وسیع ہوں وہ ناقص ہیں۔ اس بنا پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی فعل میں جو اچھائی ہے

Marfat.com

اور عقل اس کو سمجھتی ہے یہ اس فعل کو اس قابل بناتی ہے کہ شریعت اس کے کرنے کا حکم دے۔اسی طرح اگر فعل میں برائی ہے اور عقل بھی اس کو سمجھتی ہے تو یہ بات اس فعل کو اسی لائق بناتی ہے کہ شریعت اس سے منع کرے۔لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ افعال کی اچھائی یا برائی اللہ کے حکم کو واجب کرتی ہے، یعنی یہ ضروری ہے کہ ان کی اچھائی و برائی کے سبب اللہ تعالیٰ لازماً ان کے کرنے کا حکم دے۔اسی پر ان کے اس نظریہ کی بنیاد ہے۔کہ اللہ کا حکم پیغمبر کی وساطت اور اس کی تبلیغ کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔اس وجہ سے ان کا یہ عقیدہ ہے۔کہ انبیاء کی بعثت سے پہلے یا دعوت پہنچنے سے قبل بندوں کے افعال کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔اور جہاں حکم نہ ہو تو آدمی مکلّف بھی نہیں ہوتا۔اور جہاں آدمی مکلّف نہ ہو تو وہاں نہ ثواب ہوتا نہ عذاب۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ افعال میں اچھائی یا برائی ذاتی ہے۔عقل بعض افعال کی اچھائی کو اور بعض افعال کی برائی ضرور معلوم کر لیتی ہے۔جیسے عدل و صداقت کی اچھائی، اور ظلم و جھوٹ کی برائی۔لیکن خدا کا حکم پیغمبر کے بتلانے کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔جب تک کوئی پیغمبر نہیں آتا اور لوگوں کو خدا کے حکم کی تبلیغ نہیں کرتا اس وقت تک ان کے افعال میں کسی چیز کے واجب یا حرام کرنے کا حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔اس کی دلیل میں قرآن مجید میں یہ آیت پیش کی جاسکتی ہے:

﴿و ما کُنا معذ بین حتّٰی نبعث رسولا﴾.(اسراء:۱۸)

ترجمہ:اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک کسی رسول کو اتمام حجت کے کے لئے نہ بھیج دیں۔

انبیاء کی بعثت یا دعوت کے پہنچنے سے پہلے کوئی عذاب نہیں ہو گا۔جہاں عذاب نہیں وہاں کوئی شخص مکلّف بھی نہیں ہوسکتا۔(27)

(3) محکوم فیہ یا محکوم بہ:(The Act)

محکوم فیہ کی تعریف

محکوم فیہ یا محکوم بہ کا مطلب "موضوعِ حکم" ہے یعنی بندے کا وہ عمل یا فعل ہے جس کے کرنے یا اس سے روکنے کا حکم دیا گیا ہو۔محکوم فیہ سے مراد وہ نفس فعل ہے جو کسی کام کے مطالبے یا اس سے رکنے یا اس کے مباح ہونے کا حکم ہے جس طرح نماز، روزہ، زکوۃ، جہاد، قتل انسانی کی حرمت وغیرہ۔یعنی نماز ادا کرو، بُرائی سے بچو، بڑوں کی عزت کرو، شرک نہ کرو وغیرہ۔ان تمام میں نماز، جہاد، روزہ، زکاۃ وغیرہ محکوم بہ ہیں۔گویا کہ وہ کام جس کا شارع حکم دے محکوم بہ یا محکوم فیہ کہلائے گا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ حکم شرعی دو اقسام پر مشتمل ہے: حکم وضعی اور حکم تکلیفی۔ یہ بھی اوپر بیان ہوا کہ حکم وضعی (جہاں ایک فعل کو دوسرے کے ساتھ بطور سبب یا شرط کے جوڑ دیا گیا ہے) کی دو صورتیں ہیں ان میں سے ایک شرط کا تعلق انسانی کسب و فعل سے ہے (جیسے نماز کے لئے وضوء)۔ دوسری صورت سبب انسانی کسب و فعل سے بالاتر ہے جیسے سورج کا طلوع یا غروب ہونا وغیرہ۔

محکوم فیہ کی پانچ شرائط:

(The Conditions for the Creation of Obligation)

اصول فقہ میں یہ بھی ایک عقلی اور فلسفیانہ بحث ہے کہ محکوم فی یعنی جس کام یا عمل و فعل کا حکم دیا گیا ہے وہ کس طرح کا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں حاکم یا شارع ایسا حکم دے جس کو ادا کرنے کی انسان میں طاقت ہو یعنی وہ ''تکلیف مالا یطاق'' نہ ہو۔ وہ ایسی تکلیف یا حکم جس کو سرانجام دینے کی انسان میں طاقت نہ ہو۔ یعنی وہ فعل یا کسی کام کرنے یا اُسے چھوڑنے کا حکم انسانی قدرت و اختیار کے دائرے میں ہونا چاہئے۔ ''محکوم فیہ'' کے لئے بنیادی شرط اس فعل یا عمل کا انسانی قدرت و اختیار میں ہونا ہے۔ فقہاء نے ''محکوم فیہ'' کے لئے حسب ذیل شرائط بیان کیں ہیں۔ (28)

ا۔ صحتِ حدوث: (Bearablle Trouble)

یعنی اس حکم پر عمل کا ممکن ہونا، اس لئے کہ کسی امر محال کے ساتھ حکم کا متعلق ہونا ناممکن ہے۔

اسلام ایک عقلی مذہب ہے اور عقل کا تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کا کسی ایسے فعل پر مواخذہ ہونا ناممکن ہے جو اس کے احاطہ قدرت سے باہر ہو، کیونکہ اگر وہ اس فعل کے کرنے سے عاجز ہو تو اس کو سرانجام دینا اس کے حد امکان سے باہر ہے۔ لہٰذا بندے کا کسی ایسے فعل پر مواخذہ درست نہیں ہے جو عقلی طور پر ناممکن ہو، جس طرح آسمان سے ستاروں کو توڑ لانے کا حکم یا پورا سال بھوکا رہ کر روزہ رکھنے کا حکم وغیرہ۔

اس حکم کی بنیاد قرآن مجید کی حسب ذیل آیت مبارکہ پر ہے:

﴿لَا تُکَلِّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ ۲۸۶:۲)

اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

۲۔ بندے کے ذاتی فعل سے اس کا حصول

یعنی اس فعل کو بندہ اپنے اختیار کے ساتھ حاصل کر لے۔ لہٰذا ایک شخص کا مواخذہ اس کے کسی اپنے فعل پر ہونا ممکن ہے، کسی دوسرے شخص کے کسی فعل پر نہیں۔ ایک شخص کا دوسرے شخص کے کسی فعل پر مواخذہ

Marfat.com

جائز نہیں (۲۵)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد فرمایا ہے:

﴿لها ما كسبت و عليها ما اكتسبت﴾.(البقرة ۲۸۶:۲)

اس کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا وراس پر (نقصان اسی) کا ہے جو اس نے کمایا۔

۳۔ بندے کو اچھی طرح معلوم ہونا

بندے کو اس فعل یا عمل کے متعلق اس درجے کا علم ہو جو اسے دوسرے سے ممیز کر دے تا کہ اس پر عمل کر سکے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ (شارع) کی جانب سے اس حکم کا ہونا

علم ہی کے نقطہ نظر سے یہ بھی ضروری ہے کہ بندے کو اس بات کا بھی علم ہو کہ اسے حاکم یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا ہے تا کہ اس کی جانب سے اتباع و اطاعت پائی جا سکے۔ یہ بات صرف ان افعال و اعمال تک محدود ہے جن میں اطاعت اور قرب الٰہی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ اس پر عمل کرنا اطاعت خداوندی کا موجب ہو

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فعل ایسا ہو کہ جس پر عمل کرنا اطاعت و اتباع حکم الٰہی کا مظہر ہو۔

ان پانچوں شرائط کا حاصل تین نکات ہیں:

۱۔ علم کا ہونا: یعنی بندے کو اس بات کا مکمل علم ہو کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یعنی شرعی حکم ہے۔

۲۔ قدرت کا ہونا: یعنی بندہ اس فعل کو سرانجام دینے پر پوری قدرت رکھتا ہو۔

۳۔ عدم مشقت یا عدم حرج کا ہونا:
یعنی بندے کو اس فعل کے کرنے میں کوئی ناروا اور غیر انسانی مشقت وتنگی نہ ہو۔

محکوم فیہ کی چار اقسام

(Classification of Act on the Basic of Rights)

نسبت کی بنا پر احکام شریعت درج ذیل چار اقسام میں تقسیم کئے گئے ہیں:

۱۔ حق اللہ:(Right of Allah)

قسم اول ایسے احکام و مسائل پر مشتمل ہے جن کا تعلق مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے۔ ان

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کا وجوب وقیام محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی ادائیگی کے طور پر لازم قرار پاتا ہے۔اس قسم میں تمام عبادات اور ایسے اجتماعی امور ومسائل کا وجوب شامل ہیں جن میں کسی فرد واحد پر زیادتی نہیں پائی جاتی، البتہ ان کے ذریعے مسلمانوں کے معاشرے پر ظلم وزیادتی کا انسداد مقصود ہوتا ہے جیسے جہاد فی سبیل اللہ، حد زنا اور شراب نوشی۔

اسی طرح زکوۃ کے متعلق تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے۔کہ یہ عبادت بھی خالص ''حقوق اللہ'' سے متعلق ہے۔

۲۔حقوق العباد:(Rights of Individual)

خالص حقوق العباد سے متعلقہ احکام یہ ہیں: جیسے قرض ،ملکیت اور حق وراثت وغیرہ، یہ تمام معاملات انسانوں کے باہمی حقوق وفرائض کے ضمن میں آتے ہیں۔

احکام ومسائل کی اس نوع میں تصرف کرنا یعنی کسی کا حق چھیننا یا دبانا ظلم ہے۔اس کے متعلق شریعت اسلامیہ کا دوٹوک موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے حقوق تو معاف کر دیں گے مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہ ہوں گے جب تک متعلقہ شخص اپنے حق کو معاف نہ کر دے گا۔

حقوق کی یہ نوع درحقیقت ان مسائل ومعاملات پر مشتمل ہے جن میں اسلامی معاشرے اور افراد معاشرہ کے مصالح کا تحفظ پایا جاتا ہے۔حقوق کی یہ قسم بعض صورتوں میں معاف یا ساقط ہونے اور تبادلے کا امکان بھی رکھتی ہے۔دیت حق مہر اور حق نفقہ میں یہی حکم ہے کہ اگر متعلقہ شخص اس حق کو معاف کر دے تو یہ حق معاف ہو جاتا ہے اور وہ چاہے تو کسی اور حق سے اس کا تبادلہ کر لے۔(29)

۳۔حق اللہ اور حق العبد مگر حق اللہ کا غلبہ:

(Mixed Right of Allah & the Individual Right of Allah Predominant)

تیسری قسم ان احکام ومسائل پر مشتمل ہے جن پر اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ایک ساتھ جمع ہیں البتہ ان میں اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہوتا ہے جیسے حد قذف،مشہور حنفی فقیہ علامہ کاسانی اپنی معروف کتاب بدائع الصنائع میں حد قذف کی بحث میں لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے اصول پر حد قذف خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہذا دوسرے حقوق العباد کی طرح اس میں بھی دعوی شرط ہے تمام حقوق العباد میں یہی حکم ہے۔مگر ہمارے نزدیک اس میں غالب حق اللہ تعالیٰ کا ہی ہے مگر اس میں بندے کا بھی حق موجود ہے اس لئے کہ اس کا تعلق بندے کی عزت وحرمت کو بچانے سے ہے۔لہذا دعوی شرط ہے اور یہ دعوی اور عدالتی چارہ جوئی ،اس میں حق العباد کو

Marfat.com

بھی شامل کر دیتے ہیں مگر اس میں حق اللہ کا غلبہ ہے اسی طرح بقیہ حدود۔

۴۔ حق اللہ اور حق العبد مگر حقوق العباد کا غلبہ:

(Right of Individual Predominant)

ایسے مسائل و معاملات جن میں اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے حقوق باہم جمع ہیں مگر ان میں بندے کے حق کا پلہ بھاری ہے۔ جیسے قصاص اور خون کی سزائیں ہیں خواہ وہ قصاص ہو یا دیت، کیونکہ ان احکام و مسائل میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہوتا ہے اور بندے کا حق بھی، مگر یہاں بندے کا حق غالب و فائق ہوتا ہے شریعت اسلامیہ نے اسے جہاں دعوے کا حق دیا ہے وہاں اسے اس سزا کی معافی کا اختیار اور حق بھی بخشا ہے۔ قاتل کو قصاص کی سزا دینا اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس کو معاف کر دینا ورثاء کا یعنی حق العبد ہے، اس میں بندے کا حق کا غلبہ ہے کہ چاہے تو سزا کو برقرار رہے اور چاہے تو معاف کر دے۔ (30)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ﴾.

(البقرۃ ۲:۱۷۸)

اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرار داد کی) پیروی (یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا، اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔

اس حق کی صراحت اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ صراحت کی ہے، ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ﴾.

(الاسراء ۱۷:۳۳)

اور جو شخص مظلومی کی حالت میں مارا جائے۔ تو ہم نے اس کے وارث کو یہ حق دیا ہے (کہ وہ بدلہ لے) لہذا اس کے قتل میں حد سے نہ بڑھے۔

(4) محکوم علیہ (The Subject)

''محکوم علیہ'' سے مراد وہ انسان ہے جس کو شارع نے اپنے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہو۔ اسلامی معاشرے کے تمام مسلمان افراد مکلفین یعنی شارع کے احکام پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں اور محکوم علیہ ہیں۔

اصطلاحی طور پر فقہاء نے اس کی یہ تعریف کی ہے: محکوم علیہ سے مراد ''مکلّف'' (Subject) ہے، اس

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

لئے کہ شریعت اسلامیہ کی طرف سے اسی کے افعال کو قبول کیے جانے یا رد کیے جانے کا حکم لگایا جاتا ہے۔

اسلام اگرچہ ایک آفاقی اور عالمگیر شان رکھنے والا مذہب ہے لیکن اس مذہب کے احکام و مسائل پر عمل پیرا ہونے کے لئے بنیادی شرط اسلام کا ہونا ہے۔لہٰذا جس شخص میں یہ شرط پائی جاتی ہے اس پر باقی احکام و مسائل پر عمل درآمد کی ذمہ داری عائد ہوگی ورنہ نہیں۔اس طرح بحیثیت مسلمان وہ محکوم علیہ ہے۔

محکوم علیہ کی شرائط:(Requirments of Subject)

ائمہ اصول فقہ نے محکوم علیہ (مکلّف احکام) کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ صاحب عقل و فہم ہو۔مشہور شافعی، اصولی علامہ آمدیؒ لکھتے ہیں کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مکلّف محکوم علیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تکلیف و ذمہ داری کو سمجھنے اور جاننے والا ہو۔اس لئے کہ تکلیف (احکام کا ذمہ دار ٹھہرانا) خطاب (الٰہی) ہے اور ایسے شخص کو جس میں عقل ہو اور نہ سمجھ بوجھ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخاطب) کیا جانا محال ہے،جس طرح جمادات اور چوپائے کو مخاطب کیا جانا محال ہے۔

اس مقصد کے لئے احکام و مسائل کی تفصیل جاننا اور اُن کی گہرائی اور گیرائی سمجھنا ضروری نہیں بلکہ محض اصل خطاب الٰہی کا فہم کافی ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے اوامر و نواہی کیا ہیں، ان پر عمل کرنے سے وہ ثواب کا اور عمل نہ کرنے سے سزا کا مستوجب ہوگا، اسے اس بات کا بھی شعور و ادراک ہو کہ احکام اسلامی کا آمر یعنی شارع (حکم دینے والا) اللہ تعالیٰ ہے جس کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے۔(31)

بے شعور انسان کی حیثیت:

محکوم علیہ میں شعور اور اس شرط کا مقصد یہ ہے کہ چھوٹے بچے اور دیوانے قسم کے لوگوں کو جو خطاب الٰہی کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، تکلیف و ذمہ داری کے مسئلے میں جمادات اور حیوانات کی طرح خارج تصور کیا جائے۔ان لوگوں کو احکام شریعت کا ذمہ دار ٹھہرانا ناممکن ہے۔بچہ جو قدرے سمجھ دار ہو اور اشیاء میں فرق و تمیز کر سکتا ہو، اگر عاقل بالغ لوگوں کی طرح وہ احکام شریعت کے فہم و ادراک سے آگاہ ہو، تو وہ عبادت الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت نبوت کے ماننے کا مکلّف ہے۔اس میں اور بے سمجھ بچے اور دیوانے میں وہی فرق ہے جو بے سمجھ بچے یا دیوانے اور جمادات و حیوانات میں ہے۔وہ عقل و فہم اور احکام شریعت کی تعمیل و تکمیل میں پہلے درجہ کے لوگ سے برتر اور افضل ہے۔

بچوں اور دیوانوں کو احکامِ اسلامی کے لئے غیر ذمہ دار ہونا قرآن مجید میں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

﴿لَاتُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾. (البقرہ:۲۸۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

حسب ذیل حدیث نبوی سے بھی یہی ثابت ہے:

رفع القلم عن ثلاثة، عن الصبی حتی یبلغ، وعن النائم حتی یستیقض وعن المجنون حتی یفیق. (32)

تین لوگوں سے قلم (ذمہ داری) اٹھالیا گیا ہے، بچے سے تا آنکہ بالغ ہو جائے اور سونے والے سے تا آنکہ وہ جاگ جائے اور دیوانے سے جب تک کہ اسے دیوانگی سے افاقہ نہ ہو جائے۔

انسان میں موجود عقل وفہم کی پیمائش کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ اور آلہ موجود نہیں ہے جب کہ انسانی عقل عمر کے ساتھ بڑھتی اور نشو ونما پاتی رہتی ہے۔ لہذا شریعت اسلامیہ نے بلوغ کو حد مقرر کر دیا ہے جیسے ہی بچہ بالغ ہو جائے، عقل وفہم کے لحاظ سے شریعت اسلامیہ میں مکلف کے لئے مخصوص عقل وفہم کی حد تک پہنچنے والا تصور کیا جاتا ہے جس پر پہنچتے ہی وہ تمام احکام شریعت کا مکلف ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ اور اُس پر اسلامی شریعت کے تمام احکام پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

اہلیت شرعی: اقسام، مراحل اور اس کے عوارض:

(Legal Capacity in Shariah and Cause of Its Deficiency in Shariah)

اہلیت کی تعریف:(Legal Capicity)

اہلیت لفظ اہل سے نکلا ہے، اس سے مراد کسی انسان میں کوئی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ضروری اوصاف کا ہونا ہے، مثلاً منصب صدارت کی اہلیت کا ہونا یا فوجی بننے کا اہل ہونا وغیرہ۔

لغت میں اہلیت کے معنی صلاحیت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کام کا اہل ہے۔ جب اس میں اس کام کے کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ علماء اصول کی اصطلاح میں اہلیت کی دو قسمیں ہیں:

1۔ اہلیت وجوب 2۔ اہلیت ادا

اہلیت وجوب:(Capicity for Acquisition)

اہلیت وجوب، اہلیت ذمہ یا اہلیت شرعی سے مراد انسان کی وہ صلاحیت ہے جس سے شرعی طور پر اس کے حقوق اور اُس پر ذمہ داریاں واجب ہوتی ہیں۔ یعنی اس کے حقوق دوسروں پر اور خود اس پر دوسروں کی ذمہ داریاں ثابت ہونے کی صلاحیت۔ ذمہ داری کے سبب ہی یہ اہلیت انسان میں ثابت ہوتی ہے۔ عربی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

زبان میں ذمہ (Convenant/Trust) کے معنی عہد کے ہیں۔قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾۔(توبہ:۱۰)

ترجمہ:وہ مسلمان کے بارے میں نہ تو قرابت داری کا پاس کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا۔

دارالاسلام میں جو غیر مسلم دائمی طور پر رہتے ہیں ان کو اہل الذمہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اور ہمارے درمیان معاہدہ ہوتا ہے۔اہلذ مہ سے مراد اہل عہد ہیں۔

اصطلاح میں اہلیت ذمہ ایک ایسا شرعی وصف ہے جس سے انسان کے اپنے حقوق دوسروں پر ثابت ہوتے ہیں اور دوسروں کے حقوق ذمہ داریاں اس پر۔انہی اصطلاحی معنی میں یہ اہلیت ہر انسان میں ثابت ہے۔کیونکہ جو بچہ بھی دنیا میں پیدا ہوتا ہے اس کے لئے ذمہ ثابت ہوتا ہے اس کے نتیجہ میں وہ حقوق ذمہ داریوں کا اہل قرار پاتا ہے۔اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہلیت وجوب کی اساس انسان میں زندگی ہے۔کیونکہ زندگی سے ہی انسان میں ذمہ داری ثابت ہوتی ہے اور اس پر ہی اہلیت وجوب کی بنیاد ہے۔اس لئے یہ اہلیت اس بچہ کے لئے بھی ثابت ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔اگرچہ وہ ناقص ہی ہو۔کیونکہ اس میں زندگی پائی جاتی ہے۔جب ثبوتِ اہلیتِ وجوب کی اساس زندگی ہے تو انسان کی اہلیت ساری زندگی باقی رہتی ہے اور موت تک یہ اس سے جدا نہیں ہوتی۔

اہلیت وجوب کو علماء اصول اصطلاح میں جن معنی میں استعمال کرتے ہیں وہ جدید قانون اور اصطلاح میں قانونی شخصیت کہلاتی ہے اور ان کے نزدیک یہ ہر انسان کے لئے ثابت ہے اور اس کی تعریف وہ اس طرح کرتے ہیں: انسان کی یہ وہ صلاحیت ہے جس کے ذریعہ اس کے حقوق و واجبات ثابت ہوتے ہیں۔ان کی یہ تعریف علماء اصول کی اہلیت وجوب کی تعریف سے ملتی جلتی ہے۔(33)

اہلیت ادا:

(Capacity for Execution or Performance of Duities)

اس سے عمومی طور پر مراد کسی انسان میں فرض یا واجبات وغیرہ کو ادا کرنے کی طاقت و صلاحیت ہے گویا کہ یہ انسان کی وہ صلاحیت ہے کہ جس کی وجہ سے اس سے کسی فریضہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس کے قول کا اعتبار ہوتا ہے اور شرعی نتائج ان پر مرتب ہوتے ہیں۔معاملات میں اُس کے تصرف کو شرعی سمجھا جاتا ہے۔اگر وہ عبادت سمجھ کر کسی فریضہ کو ادا کرتا ہے تو وہ ادائیگی معتبر ہوتی ہے اور وہ فریضہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔اگر کسی کے خلاف وہ جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے جرم پر پورا پورا مواخذہ کیا جاتا ہے اور اس

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

پر اس کو بدنی اور مالی سزا دی جاتی ہے۔ اس اہلیت کی اساس رشد و تمیز (سمجھ و بوجھ) ہے نہ کہ زندگی۔

(اہلیت وجوب چونکہ ہر انسان کے لئے ثابت ہے، اس لئے نماز ہر شخص پر واجب ہے لیکن اس کی ادائیگی کا مطالبہ سن تمیز یعنی اہلیت ادا کی موجودگی کے بعد اس سے کیا جاتا ہے۔ یہی حال دوسرے فرائض کا ہے)۔

کامل و ناقص اہلیت:(Complete & Deficient Capacity)

اہلیت وجوب اور اہلیت ادا دونوں کا آپ نے تفصیلی مطالعہ کیا ہے، ان دونوں کا تعلق انسانوں سے ہے، تمام انسانوں میں یہ اہلیت برابر درجہ کی نہیں ہوتی بلکہ یہ دونوں اہلیتیں کبھی کامل ہوتی ہیں کبھی ناقص۔ یہ اختلاف ان ادوار کے پیش نظر ہوتا ہے جن سے انسان ابتداء وجود یعنی زندگی کے آغاز سے عقل کے کامل ہونے تک گزرتا ہے۔ یہ ادوار چار ہیں۔

1۔ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ (دور جنین) (Unborn Child)

2۔ پیدائش کے بعد تمیز یعنی بچپن اور لڑکپن کا دور۔(Minor)

3۔ سن تمیز سے بلوغ تک کا دور یعنی نوجوانی اور جوانی کا دور۔ (Age of Early Puberty)

4۔ جوانی یعنی پختہ عقل ہونے کے بعد موت تک کا دور۔ (Age of actual Physical Puberity)

عقل و شعور کے چار ادوار:

(Four Periods of Intellect and Discretion)

اس بحث سے یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ اسلام کے تمام احکام و مسائل کی اساس عقل و شعور پر ہے اور انسانی عقل و شعور میں ترقی کا عمل جاری و ساری رہتا ہے اس لئے انسانی زندگی میں شریعت طیبہ کے احکام و مسائل کی ذمہ داری کی سطح میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ علمائے اصول نے انسانی عقل و شعور کے اعتبار سے انسانی زندگی کو حسب ذیل چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:

(1) حالت جنین:

اس حالت میں دو کیفیات ہیں پہلی حالت میں بچے کا اپنا الگ سے کوئی وجود نہیں ہوتا۔ وہ اپنی خوراک اور اپنی ذات میں اپنی والدہ کے جسم ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں کے بیٹھنے سے بیٹھتا ہے اور اس کی حرکت سے حرکت کرتا ہے تو اس سے ہر قسم کی اخلاقی قانونی اور شرعی ذمہ داریوں کی نفی ہوتی ہے۔ اس پر کوئی

Marfat.com

شے واجب ہے اور نہ اس کے لئے کوئی شے واجب ہے۔دوسری حالت میں بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتے ہوئے ایک مستقل وجود بھی رکھتا ہے اس لئے اس کی والدہ اور دیگر لوگوں پر اسکے بعض حقوق و واجبات عائد کئے گئے ہیں مثلاً:

والدہ بذات خود یا اس کا خاوند یا کوئی دوسرا فرد اس کے اتلاف و اسقاطِ حمل کا حق نہیں رکھتا۔اگر کسی نے اس بچے کو تلف کرنے کی کوشش کی تو وہ عنداللہ مجرم ہوگا۔قرآن مجید میں ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾.(اسرائیل:۳۱)

ترجمہ: اورتم اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے ہلاک نہ کرو۔

جنین کی حالت یہ ایک متفقہ اصول ہے کہ جب تک بچہ زندہ حالت میں شکم مادر سے باہر نہیں آتا اس وقت تک اس شخصیت کا الگ وجود (Individuality) واضح نہیں ہوتا۔

(2) پیدائش سے لے کر سن تمیز تک:

اس حالت میں وہ بعض مالی ذمہ داریوں کے تحمل کا اہل ہو جاتا ہے۔مثلاً وہ کسی کا وارث ہو سکتا ہے اور اس کی وفات کی صورت میں اس کی وارثت آگے منتقل ہو سکتی ہے۔اس کے پاس شرعی نصاب کی مقدار میں مال موجود ہو تو اس کے مال پر زکوۃ اور اس کی زمین کی پیداوار پر عشر واجب الادا قرار پاتا ہے۔سرپرست (ولی) کی وساطت سے وہ بعض ادائیگیوں اور وصولیوں کا مستحق ہے۔(تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے) عقل و شعور کی کمی کے باعث اس پر عبادات اور بعض عقوبات (سزاؤں) کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔لیکن شریعت اسلامیہ نے اس دور میں بچے کے والدین کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھیں اور ہلکی پھلکی سرزنش (تادیب) کے ذریعے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔

(3) سن شعور سے سن بلوغ تک:

اس عمر میں جب بچہ اپنے آس پاس کی دنیا کو کچھ سمجھنے اور اشیاء میں فرق کرنے کے اہل ہو جاتا ہے تو شریعت اسلامیہ نے اُس پر ذمہ داریوں کا سلسلہ قدرے مزید بڑھا دیا ہے۔مگر ابھی تک اس کا احساس و شعور مکمل پختہ نہیں ہوا اس لئے ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اس پر ناقص اور نامکمل ڈالا گیا ہے۔اس عمر میں احساس و شعور کی بنا پر ذمہ داری کا علم حسب ذیل آیت سے ہوتا ہے۔ارشاد مبارک ہے:

﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اَمْوَالَهُمْ﴾. (النساء ٦)

اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں آزماتے رہو (پھر) اگر تم ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو انہیں ان کا مال سونپ دو۔

اسی طرح ارشاد نبوی ہے:

سات سال کی عمر میں بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دو، دس سال کی عمر میں اگر وہ نماز نہ پڑھے تو اس کی سرزنش کرو اور اسی عمر کے لڑکوں کو لڑکیوں سے الگ الگ سلاؤ۔

(4) بلوغ اور اس کے بعد کا زمانہ:

چوتھا دور بچے کے بالغ ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ وہ وفات تک اپنے پورے عرصہ حیات میں تمام مالی، شرعی اور دیگر قوانین کا مخاطب تصور ہوتا ہے۔ عمر کے اس حصے میں بندہ ماسوائے حسب ذیل دو صورتوں کے مرنے تک احکام شرعیہ کا مکلف اور ذمہ دار ہوتا ہے۔

1۔ عوارض سماویہ کی وجہ سے یا (Natural Causes)

2۔ عوارض مکتسبہ کے باعث (Acquired Causes)

عوارض سماویہ:

اس سے مراد بندے کا دیوانگی، عقل میں فتور، نسیان، سونے اور بے ہوشی وغیرہ کی حالت سے دو چار ہونا ہے جن کی بنا پر ذمہ داری اٹھ جاتی ہے اور بندہ غیر مکلف تصور ہوتا ہے۔

عوارض مکتسبہ:

اس سے مراد بندے کا نشے میں دھت ہونا، ہزل (بکواس کرنا)، سفر، بھول چوک اور اکراہ وغیرہ کی صورتیں ہیں۔ جن کے احکام کتب فقہ میں دیکھے جاتے ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ فقہاء نے بچے کا بلوغ حسب ذیل تین صورتوں میں کسی ایک کے پیش آنے پر تسلیم کیا ہے:

1۔ لڑکے کو احتلام اور لڑکی کو ایام حیض شروع ہو جائیں۔

2۔ زیر ناف بال اگ آئیں۔

3۔ ان دونوں صورتوں کی عدم موجودگی میں بچے یا بچی کی عمر پندرہ برس ہو جائے۔

Marfat.com

حوالہ جات

پہلا باب

حکم

(Shariah Ruling-Order/Rule of Law)

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

حکم (Rule of Law/Order)

(1) شو کانی محمد علی امام۔ ارشاد الفحول إلی تحقیق الحق فی علم الا صول۔ مصر ادارہ الطباعۃ المنیر یہ۔1348ھ/5

(2) علی حسب اللہ اصول التشریع الاسلامی/327

(3) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/49

(4) زیدان عبدالکریم۔ الوجیز فی اصول الفقہ/49

(5) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/53

(6) ابوزہرہ امام۔ اصول الفقہ/29

(7) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع/339

(8) قسطلانی علامہ۔ جواھر البخاری۔ مصر۔ مکتبہ تجاریہ الکبری۔ (س۔ن) کتاب الصوم۔ باب الصوم لمن خاف العزوبۃ

(9) ابوزہرہ۔ اصول الفقہ/340

(10) امام مالک۔ موطا امام مالک۔ کتاب النکاح۔ باب مالا تجمع بینہ من النساء۔

(11) ابوزہرہ۔ اصول الفقہ/341

(12) قسطلانی علامہ۔ جواھر البخاری۔ کتاب الاستقراض۔ باب ماینہی عن اضاعۃ المال

Marfat.com

(13) ابوزھرہ۔ اصول الفقہ/341
(14) غزالی امام محمد بن محمد۔ المستصفی۔ 66/1
(15) عبدالعلی بحرالعلوم۔ فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت قم منشورات الرضی۔ (س۔ن) 58/1
(16) حوالہ سابقہ 55/1
(17) حوالہ سابقہ 55/1
(18) حوالہ سابقہ 116/1
(19) حوالہ سابقہ
(20) ابوزھرہ۔ اصول الفقہ/69
(21) آمدی۔ سیف الدین۔ الِاحکام فی اصول الاحکام۔ 181/1
(22) عبدالعلی بحرالعلوم۔ فواتح الرحموت۔ 304/2
(23) آمدی۔ الاحکام۔ 185/1
(24) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/82۔ مزید دیکھیں مُسند احمد بن حنبل۔ 149/1
(25) امام غزالی۔ المستصفی۔ 83/1
(26) ابوزھرۃ۔ اصول الفقہ/70
(27) حوالہ سابقہ/73
(28) امام غزالی۔ المستصفی۔ 83/1
(29) امیر بادشاہ محمد امین۔ تیسیر التحریر شرح کتاب التحریر۔ مصر مطبفہ مصطعی البابی الحلبی 1351ھ۔ 316/2
(30) ابن فرحون ابراھیم بن علی المالکی۔ تبصرۃ الحکام مصر مکتبہ کلیات الازھریہ۔ 259/2,1986
(31) آمدی۔ الاحکام۔ 216/1
(32) امام بخاری صحیح بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب بن لا یرحم المجنون والمجنونہ
(33) بزدوی علی بن محمد فخر الاسلام۔ کنز الوصول إلی معرفۃ علم الاصول (اصول البزدوی) کراچی۔ نور محمد کتب خانہ۔ (س۔ن) 135/4
(34) عبدالوھاب خلاف۔ علم اصول الفقہ وخلاصۃ۔ مصر۔ مطبعہ النصر 1405ھ/150

Marfat.com

دوسرا باب

مآخذ شرعیہ

(اسلامی مآخذِ قانون)

(Sources of Islamic Law)

لفظ مآخذ کی لغوی تحقیق

لفظ مآخذ خاء کی زیر کے ساتھ جمع ہے اور اس کی واحد ماخذ خاء کی زبر کے ساتھ ہے جس کا مادہ اخذ اور حروف اصلیہ (أ۔خ۔ذ) ہیں، اس کا معنی کسی چیز کو لینا یا پکڑنا یعنی کسی چیز کو مادی یا حسی طور پر پکڑ لینا یا حاصل کر لینا ہے، اس سے اردو میں لفظ مواخذہ بھی مستعمل ہے جس سے مراد کسی کے اعمال پر اس کی پکڑ کرنا ہے۔

اسی باب سے یہ لفظ مصدر کا صیغہ مفعل کے وزن پر ہے۔(1)

علم اصول فقہ میں مآخذ سے مراد وہ علمی بنیادیں ہیں جن سے ہم کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مدد لیتے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی کسی ملک، قوم خطہ یا علاقے کے لئے کوئی قانون بنایا جاتا ہے تو اس قانون بنانے سے پہلے اس کی بنیادیں تشکیل دی جاتی ہیں کہ اس ملک کے قانون کی بنیاد انسان دوستی پر ہو یا انسان دشمنی پر ہو یا علاقائی تعصب پر ہو، لسانی تعصب پر ہو، مزید یہ قانون کسی خاص نسل کی برتری کے لئے بنایا جائے یا تمام بنی نوع انسان کو اس قانون کی نظر میں برابر تسلیم کیا جائے، یہ اور اس طرح کے بے شمار اصول ہیں جو کسی قانون کے بنانے سے پہلے اس کی علمی بنیادوں کے ذریعے طے کئے جاتے ہیں، ان بنیادوں کی مآخذ قانون کہتے ہیں جس طرح کا قانون بنانا ہو اسی طرح کے مآخذ بنائے جاتے ہیں۔

اسلامی مآخذ قانون کی حقیقت

اسلام جس کا قانون قیامت تک ہر زمانہ اور حالات میں بنی نوع انسان کے لئے سراسر، سرتا سر اور سرتاپا مناسب اور فائدہ مند ہے مزید بنی نوع انسان کی فطرت سے مکمل آہنگ ہے، نے بھی اپنے قانون بنانے کے لئے کچھ بنیادیں مقرر کی ہیں اور ہر زمانے کے فقہاء اور مجتہدین ان بنیادوں کو مدنظر رکھ کر ان کے

Marfat.com

ذریعہ لوگوں کے مسائل حل کر کے انہیں سہولتیں مہیا کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یہ بنیادیں مآخذ کہلاتی ہیں، جس کی واحد ماخذ ہے۔ ان کو اردو میں فقہ اسلامی کے مآخذ، احکام کے مآخذ، اسلامی یا شرعی مآخذ قانون، شرعی یا فقہی دلائل کہا جاتا ہے اور عربی میں انہیں دلائل، الأ دلۃ الشریعہ، المصادر الشریعہ، مصادر الشرعیہ الاسلامی، المآخذ الفقہیہ وغیرہ کہا جاتا ہے یہ تمام تراکیب الفاظ میں مختلف مگر معانی میں متفق ہیں۔

یہاں پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے کہ آئندہ صفحات میں آپ جن مآخذ کا مطالعہ کریں گے یہ وہ ماخذ ہیں جن کا آغاز دور نبوی ﷺ میں ہو گیا تھا اور پھر دور صحابہ میں یہ پروان چڑھے اور دور تابعین و تبع تابعین میں ان تمام مآخذ کی علیحدہ علیحدہ باب بندی کر کے سابقہ ادوار کے مطابق باقاعدہ قانون سازی کی گئی اور اُن کو تدوین کے مراحل سے بھی آشنا کر دیا گیا اور یہ آخری دور وہ تھا جس میں فقہ اور اصول فقہ دونوں نے علیحدہ علم کی حیثیت اختیار کر لی۔

مآخذ قانون کو آپ اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ آپ نے ایک چور پکڑا ہے اب اسے کیا سزا دینی چاہیے؟ یا سزا دینی بھی چاہیے یا اسے چھوڑ دینا چاہیے؟ اس لئے اب آپ قرآن مجید کا مطالعہ کر کے چوری کی اقسام اور سزا معلوم کریں گے اور پھر حدیث نبوی ﷺ کی مدد سے اسکی تفصیل معلوم کر کے چور سے ان ہدایات کے مطابق سلوک کریں گے۔ اسی طرح اگر آپ نے دو آدمیوں یا روٹھے ہوئے میاں بیوی کے درمیان صلح کرانی ہے تو کس طریقہ سے کرائیں گے اس کے لئے آپ قرآن اور حدیث کی ان معاملات سے متعلق ہدایات کا مطالعہ کریں گے اور ان کی روشنی میں ان کے درمیان صلح کرا دیں گے تو ان معاملات میں قرآن و حدیث مآخذ بن گئے انہیں مآخذ کی مزید تفصیل آئندہ ابواب میں ملاحظہ کریں گے۔

مآخذ کا اصطلاحی مفہوم

دور صحابہ کرامؓ میں علم فقہ اور علم اصول فقہ کو ایک ہی علم تصور کیا جاتا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ علم فقہ کی تدوین ہوئی اور اجتہاد کے اصول مرتب ہوئے تو علم فقہ اور علم اصول فقہ نے دو الگ الگ علوم کی صورت اختیار کر لی جو احکام اخذ کئے گئے تو ان کو ''فقہ'' کا نام دیا گیا ور جن اصولوں کے تحت احکام استنباط (اخذ) ہوئے۔ ان کو علم ''اصول فقہ'' کا نام دیا گیا۔ لہٰذا مصادر یا مآخذ سے مراد اصول فقہ میں:

> ''وہ ذرائع ہیں جن سے شریعت کے احکام اخذ کئے جاتے ہیں اور یہ مآخذ شارع (قانون دینے والے) یعنی اللہ تعالیٰ نے دیئے ہوں تاکہ وہ ذرائع احکام کے مکلف لوگوں کو احکام کی طرف راہنمائی کریں۔''

Marfat.com

ان مآخذ کو اصول احکام، مصادر تشریع الاحکام، اور ادلۃ الاحکام کہتے ہیں۔ یہ سارے مترادف نام ہیں۔اوران کا ایک ہی مطلب ہے یعنی احکام کے دلائل۔لفظ دلائل دلیل کی جمع ہے اور لغت میں دلیل اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز یا کام کی طرف رہنمائی کرے۔یا بتلائے۔علماء اصول کی اصطلاح میں دلیل اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز یا کام کی طرف رہنمائی کرے یا اُس کے بارے میں بتلائے۔علماء اصول کی اصطلاح میں دلیل کی تعریف یہ ہے کہ

"ما یمکن التوصل بصحیح النظر فیه الی مطلوب خبری".(2)

دلیل وہ ہے جس کے ذریعے صحیح غور وفکر کے بعد حکم شرعی تک پہنچنا ممکن ہو۔

تعریف میں لفظ مطلوب خبری سے مراد حکم شرعی ہے۔

مآخذ احکام کی تقسیم اوران کی ضرورت واہمیت:

مصادر اور مآخذ کو اتفاق واختلاف کے اعتبار سے اور عقل ورائے کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے۔پہلی تقسیم وہ مآخذ ہیں جن میں تمام مسلمان آئمہ ومجتہدین متفق ہیں اور وہ قرآن وسنت ہیں۔دوسری قسم ان مآخذ کی ہے جن پر جمہور آئمہ متفق ہیں اور یہ اجماع اور قیاس ہیں۔تیسری قسم ان ماخذ کی ہے جن میں علماء کا اختلاف ہے اس ضمن میں جمہور علماء جو قیاس کے حق میں ہیں وہ بھی اس میں اختلاف رکھتے ہیں،بعض علماء نے عرف، استحصاب، مصالح مرسلہ، شرائع ماقبل اسلام اور مذاہب صحابہ کو تشریع احکام کے مستقل مآخذ قرار دیا ہے اور بعض نے نہیں قرار دیا۔

عقل ورائے کی طرف رجوع کے اعتبار سے مآخذ کو نقلی اور عقلی دو اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے،نقلی ماخذ قرآن وسنت ہیں ان کے ساتھ اجماع، مذہب صحابی اور شرائع قبل اسلام کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔عقلی ماخذ وہ ہیں جن کا مرجع عقل وفکر اور رائے ہے،ان میں بنیادی ماخذ قیاس ہے جس کے ساتھ استحسان، مصالح مرسلہ اور ستصحاب کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

شریعت اسلامی کے مآخذ ،مصادر کتاب اور سنت ہی پر منحصر ہیں، لہٰذا وہ مآخذ جن پر اعتماد اور اعتبار کیا جا سکے وہ عقل سے ثابت نہیں ہو سکتے بلکہ وہ قرآن وسنت سے ثابت ہوتے ہیں اس بناء پر قرآن وسنت احکام کا مرجع اور سند ہیں، یہ دونوں ماخذ جزئی اور فرعی (اجمالی اور تفصیلی) احکام مثلاً زکوۃ خرید وفروخت اور تعزیرات وغیرہ کے متعلق احکام بتاتے ہیں اور بنیادی اصول قواعد اور اصول بھی بتاتے ہیں جو تفصیلی اور اجمالی احکام کے لئے سند کا مقام رکھتے ہیں، مثال کے طور پر قرآن وسنت سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجماع حجت ہے

Marfat.com

اور استنباط احکام کے لئے ایک ماخذ کیا حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح قیاس اور شرائع قبل اسلام وغیرہ۔

فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ اور ان کی ترتیب

اصول فقہ کا اول، خود مختار اور اساسی مآخذ و مصدر قرآن مجید ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، قرآن مجید ہی سارے مآخذ کا مرجع اور سب کی اصل ہے۔ اس لئے یہ بدیہی ہے کہ جب ہم کسی شرعی حکم کو معلوم کرنے یا کسی مسئلہ کو حل کرنے کا ارادہ کریں گے تو قرآن مجید کی طرف ہی سب سے پہلے رجوع کرنا ہوگا۔ اگر اس میں کوئی حکم نہ ملے تو پھر سنت کی طرف رجوع کرنا ہوگا، کیونکہ سنت کی تین حیثیتیں ہیں:

اول: سنت خود بھی ایک اساسی، خود مختار اور بنیادی ماخذ و مصدر ہے۔

دوم: سنت قرآن مجید کے احکام کے وضاحت بھی کرتی ہے، اس کے مطالب کی تشریح کرتی ہے۔

سوم: سنت قرآنی ہدایات کی روشنی میں نئے احکام بھی دیتی ہے۔

اس لئے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں کسی مسئلہ کے بارے میں حکم نہ ملنے کی صورت میں ہمیں سنت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اگر سنت میں بھی حکم نہ ملے تو اجماع کی طرف رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ اجماع کی سند قرآن مجید یا سنت کی کوئی نص ہوتی ہے۔ اگر مسئلہ اجماع میں بھی موجود نہ ہو، تو قیاس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا۔ بقیہ تمام مآخذ اِن کے ہی تقریباً ذیلی مآخذ ہیں اور اُن کی طرف اِن کے بعد رجوع کرنا ہوگا۔ اِس طرح قرآن وسنت اولین اور بنیادی مآخذ ہیں اور بقیہ ثانوی اور ذیلی مآخذ ہیں۔(3)

ان مآخذ کی طرف رجوع کرنے، اور ان سے احکام کا استخراج کرنے کے لحاظ سے ان میں اسی کے مطابق ترتیب ہوگی: اول قرآن مجید، اس کے بعد سنت، اس کے بعد اجماع، اور سب سے آخر میں قیاس۔ جو فقہاء اجماع وقیاس کی حجیت کے قائل ہیں اور ان کو قرآن وسنت کے علاوہ تشریع احکام کا مآخذ سمجھتے ہیں، ان سب کا اس ترتیب پر اتفاق ہے۔ جمہور فقہاء نے جس ترتیب کو اختیار کیا ہے اس کی تائید بہت سے آثار سے ہوتی ہے:

ترتیب مآخذ کے دلائل:

(1) رسول ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کرتے وقت فرمایا: اگر تمہارے پاس فیصلہ کے لئے کوئی مسئلہ پیش ہوگا تو اس کا کسی طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں اللہ کی کتاب سے اس کا فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں اس میں حکم نہیں ملا تو کیا کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں رسول ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ پھر آپ نے دریافت کیا: اگر تمہیں رسول ﷺ کی

Marfat.com

سنت سے بھی حکم نہ ملا تو کیا کرو گے۔انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔نبی کریم ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو قرآن وسنت میں حکم نہ ملنے کی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کرنے کی تائید فرمائی۔اور قیاس رائے سے اجتہاد ہی کی ایک قسم ہے۔کیونکہ بعض علماء اصول انفرادی اجتہاد کو قیاس اور اجتماعی اجتہاد کو اجماع کہتے ہیں۔

(2) میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے جب کسی مقدمہ کے سلسلہ میں فریقین پیش ہوتے تو اس کے فیصلہ کے لئے پہلے وہ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ ﷺ میں حکم دیکھتے۔اگر قرآن مجید اور سنت میں انہیں ایسا کوئی حکم مل جاتا جس سے وہ فیصلہ کر سکتے تو اس سے فیصلہ دیتے۔اگر اس سے بھی وہ عاجز رہتے تو ممتاز لوگوں کو جمع کرتے، اور ان سے مشورہ کرتے۔اگر رائے مشورہ کے بعد وہ کسی چیز پر متفق ہو جاتے تو اس کے مطابق فیصلہ دیتے۔حضرت عمر بن الخطاب بھی ایسا ہی کرتے۔

(3) حضرت عمر بن الخطاب نے کوفہ کے قاضی شریح سے فرمایا: پہلے اللہ کی کتاب سے فیصلہ کرو۔اگر اس میں تمہیں حکم نہ ملے تو اس فیصلہ کی بنیاد پر فیصلہ دو جو رسول اللہ ﷺ نے دیا ہو۔یعنی آپ کی سنت کی روشنی میں۔اگر تمہیں وہاں بھی حکم نہ ملے تو اس فتوے کے مطابق فیصلہ کرو جو تمہیں ہدایت یافتہ ائمہ کی طرف سے حاصل ہو۔اگر تمہیں ان سے بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔اور علماء و نیک لوگوں سے مشورہ کرو اور عبداللہ بن مسعودؓ بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے۔(4)

فقہ اسلامی، اسلامی شریعت یا اسلامی قانون کے متعدد مآخذ ہیں جن میں سے تیرہ اہم مآخذ درج ذیل ہیں۔

ا۔ قرآن مجید (کتاب اللہ)	۲۔ سنت	۳۔ اجماع
۴۔ قیاس	۵۔ استحسان	۶۔ مصالح مرسلہ (استصلاح)
۷۔ شرائع سابقہ (شرع من قبلنا)	۸۔ عرف	۹۔ سد الذرائع
۱۰۔ استصحاب	۱۱۔ تعامل	۱۲۔ مسلّمہ شخصیتوں کی آراء
۱۳۔ ملکی قانون		

ان تمام اہم مآخذ کی علیحدہ علیحدہ مختصر تشریح اور تفصیل آئندہ صفحات میں ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

1-پہلا ماخذ: قرآن مجید

(Holy Quran/The Book)

قرآن مجید کی تعریف:

فقہ اسلامی یعنی اسلامی قانون کا اصل الاصول اہم ترین اور بنیادی وخود مختار پہلا ماخذ قرآن مجید ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے بندہ اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ساتویں صدی 610ء کے ابتداء سے تیئیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا تھا۔ دور حاضر میں اللہ تعالیٰ کا یہ کلام کتابی صورت میں بھی میسر ہے۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اس دنیا میں بہترین زندگی گزارنے کے لئے بہت عمدہ ہدایات واحکام دیئے ہیں۔ اور یہ بات واضح کی ہے کہ اس دنیا کی کامیابی آنے والی زندگی یعنی اخروی زندگی کی کامیابی کا باعث ہے۔

قرآن کے لغوی معنی جمع کرنا ایک دوسرے سے جوڑنا ہے۔ اس کو قرآن بھی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آیات اور سورتوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اس کی اصطلاحی تعریف مختلف فقہاء نے متعدد طریقہ سے کی ہے لیکن درج ذیل تعریف زیادہ موزوں ہے:

کلام الله تعالیٰ المنزل علی عبدِہ ورسولِہ محمد صلی الله علیه وسلم بلسان عبری مبین المنقول بالتواتر المتعبد بلاوته.(5)

اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو اس نے اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح عربی زبان میں نازل کیا اور وہ ہم تک تواتر کے ساتھ نقل در نقل ہو کر پہنچا ہے مزید اس کی تلاوت یا اس کا پڑھنا عبادت شمار ہوتا ہے۔

قرآن مجید وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، جو مصحفوں یعنی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ اور جو ہم تک بغیر کسی شک وشبہ کے تواتر کے ساتھ نقل در نقل ہو کر پہنچی ہے۔

مسلمانوں کے درمیان اس امر میں کسی شخص کا اختلاف نہیں ہے کہ قرآن مجید تمام لوگوں کے لئے حُجت ہے، اور یہ کہ قانون سازی کا یہ سب سے پہلا مآخذ ہے، بلکہ یہ تمام انسانوں کے لئے حجت ہے۔ اس کے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حجت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی دلیل اس کا اعجاز ہے۔قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے سبب جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اس کا کلام ہے، تو سب پر اس کی پیروی واجب ہوگی۔

قرآن کریم کے پانچ اہم خواص:

قرآن کریم کے بے شمار خواص ہیں جن میں سے پانچ اہم درج ذیل ہیں۔

اول: محمد ﷺ پر نازل شدہ

یہ کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔اس خصوصیت کے باعث دوسری آسمانی کتابیں جیسے توراۃ، انجیل وغیرہ، قرآن میں شامل نہیں سمجھی جائیں گی، کیونکہ وہ حضرت محمد ﷺ پر نازل نہیں ہوئیں۔

دوم: الفاظ و معانی کا مجموعہ

قرآن لفظ و معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔صرف الفاظ کا نام قرآن مجید نہیں ہے بلکہ الفاظ اور اُن کے وہ معانی جو رسول اکرم ﷺ نے متعین کردیے ہیں دونوں کے مجموعہ کا نام قرآن مجید ہے ان الفاظ کے معنی کو نہ تو کوئی تبدیل کرسکتا ہے اور نہ ہی ان الفاظ کے نئے معنی متعین کرسکتا ہے۔مزید اس کے الفاظ عربی زبان میں اترے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا﴾۔(الزخرف:۳)

ترجمہ: ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے۔

اس خصوصیت کی وجہ سے احادیث نبوی ﷺ قرآن میں شامل نہیں ہیں۔کیونکہ ان کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ وہ رسول اکرم ﷺ کے الفاظ مبارک ہیں۔اگرچہ ان کے مضامین و مطالب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی خفی آپ پر نازل ہوئے ہیں۔اسی طرح قرآن مجید کی تفسیر بھی قرآن میں داخل نہیں اگرچہ عربی زبان میں ہو۔اِسی طرح عربی سے دوسری زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ قرآن نہیں سمجھا جائے گا، اور نہ یہ ترجمہ قرآن میں شامل ہے۔

سوئم: تواتر کے ساتھ منقول

یہ تواتر کے ساتھ نقل در نقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔تواتر کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کو ہم تک پہنچایا ہے وہ اتنے کثیر تعداد میں تھے کہ ان کے بارے میں یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا وہ جھوٹ پر اکٹھے اور متفق

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہوں گے پھر یہ کثیر تعداد دور نبوی صلی اللہ علیہ سلم سے لے کر آج تک قائم ہے۔یعنی جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا آج تک ویسے ہی موجود ہے نہ اس میں کوئی تحریف ہوئی ہے نہ کمی وبیشی مزید اس کا پڑھنا اور تلاوت کرنا عبادت شمار ہوتا ہے جب کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا عبادت نہیں ہے اس طرح بقیہ عربی عبارتیں پڑھنا بھی عبادت شمار نہیں ہوگا۔

چہارم: محفوظ کتاب

قرآن مجید کسی بھی زیادتی و کمی سے محفوظ ہے۔کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾.(الحجر ۹)

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

پنجم: معجزانہ کتاب

قرآن مجید معجزہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے سارے انسان قرآن جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں۔قرآن مجید نے اپنے مخالف عربوں کو اس جیسا کلام پیش کرنے کے لئے چیلنج کیا تھا لیکن وہ اس سے عاجز ہیں یہ قرآن کے اعجاز کا ثبوت ہے۔اس کے بعد صرف دس سورتیں پیش کرنے کے لئے چیلنج کیا۔اس سے بھی وہ عاجز رہے۔آخر صرف ایک سورت بنانے کے لئے دعوت دی۔اس سے بھی وہ عاجز رہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا﴾.(بنی اسرائیل:87)

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اگر تم انسان اور جنات سب اس کے لئے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو بھی اس جیسا قرآن نہ لائیں گے، خواہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں۔

قرآن مجید کا یہ چیلنج آج بھی قائم ہے۔دور حاضر میں بھی مصر، بیروت، عراق وشام اور بقیہ عالم عرب میں لاتعداد غیر مسلم عیسائی عربی زبان وادب کے بڑے ادیب موجود ہیں لیکن وہ بھی اس قسم کا کلام لانے سے عاجز ہیں۔اور نزول قرآن سے آج تک بے شمار لوگوں نے قرآن مجید کی طرح کتاب لانے کی کوشش کی لیکن وہ قطعاً ناکام رہے۔یہ قرآن مجید کے حجت اور بنیادی مآخذ قانون ہونے کا واضح ثبوت ہے۔(6)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

قرآن مجید کی حجیت:

قرآن مجید کے قطعی الثبوت یعنی حجیت اور قرآن مجید کے کلام اللہ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب وماخذ قانون ہونے میں قطعاً کسی قسم کا شک نہ ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ یہ ہمارے پاس اس صورت میں موجود ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھا، یہ نہ صرف سینہ با سینہ محفوظ رہا بلکہ تحریری طور پر بھی اس طرح محفوظ رہا جس طرح وحی کے ابتدائی زمانہ میں تھا اور انشاء اللہ اسی طرح محفوظ رہے گا اور پھر دعوت ومقابلہ پر باوجود لسانی وعلمی ملکہ رکھنے کے فصیح وبلیغ حکیم ودانا تجربہ کار ماہر لوگ قرآن مجید کی مثل ایک آیت بھی نہ لا سکے اور نہ دور حاضر سے لے کر قیامت تک کوئی لا سکتا ہے جو اسکے قطعی الثبوت ہونے کی دلیل ہے۔اور اس سے قرآن مجید کی حجیت ثابت ہوئی ہے۔

بندوں کو حکم دینے میں قرآن حکیم کے اصول:

قرآن مجید مسلمانوں کے لئے دستوری کتاب بھی ہے اور اس میں قانونی ہدایات بھی میسر ہیں مزید اس کے تمام احکام انسانی فطرت کے مطابق اور انسانوں کے لئے خیر کا باعث ہیں۔ان تمام احکام میں انسانی طبیعت ومزاج کے پیش نظر ذیل کے اصولوں کی رعایت لازمی قرار دی ہے۔

i) عدم حرج　　ii) قلت تکلیف

iii) تدریج　　iv) نسخ

i) عدم حرج:

حرج کے معنی ''تنگی'' ہیں۔حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے حرج کی تفسیر ضیق کے ساتھ مروی ہیں۔(7)

مطلب یہ ہے کہ قوانین ایسے ہوں جن میں آسانی اور سہولت ملحوظ رکھ گئی ہو نہ کہ تنگی اور ایسی دشواری کہ انسان کی برداشت سے باہر اور اس کا مناسب حل نہ موجود ہو۔اس اصول کی تائید درج ذیل آیات وروایات سے ہوتی ہے۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾. (البقرہ 185)

''اللہ آسانی چاہتا ہے، دشواری اور تنگی نہیں چاہتا ہے''۔

﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾. (الحج 78)

''اللہ نے دین کے معاملہ میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے''۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

﴿مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ﴾. (المائدۃ:6)

''اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی دشواری میں مبتلا کرے، بلکہ اس کا اصلی مقصد تمہیں پاک و صاف کرنا ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو دینی معاملات کا انتظام سپرد کرتے وقت فرمایا:

(یسرا ولا تعسرا و بشرا و لا تنفرو و تطادعا و لا تختلفا). (8)

''لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا، انہیں مشکل میں نہ ڈالنا، رغبت دلانا، نفرت نہ دلانا، موافقت کے جذبہ کو فروغ دینا، اختلاف نہ ڈالنا''۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

(بعثت بالحنفیة السمحة). (9)

''میں آسان اور فطری دین دے کر بھیجا گیا ہوں''۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

(احب الدین الی الله الحنفیة السمحة). (10)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا دین وہ ہے جو انسانی فطرت کے مطابق اور آسان ہو۔

ان تشریحات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ احکام کی بجا آوری میں معمولی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑتی ہے۔یا کسی دشواری اور تنگی پیش آنے کی صورت میں بالکلیہ آزادی دے دی جاتی ہے۔اگر ایسا سمجھا گیا تو انسان کے مکلّف ہونے کے معنی ہی بے کار ہو جائیں گے اور احکام شرعیہ کا سارا وزن ختم ہو کر رہ جائے گا۔اس سے مراد یہ ہے کہ ''تکلیف مالایُطاق'' نہ ہو یعنی ایسی تکلیف نہ ہو جس کی انسانوں میں طاقت ہی نہ ہو۔

II) قلت تکلیف:

یہ عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے، کیونکہ قوانین میں جس قدر تنگیاں اور دشواریاں ہوں گی اس قدر تکلیف میں زیادتی ہوگی۔

درج ذیل آیات میں اس اصول کی طرف اشارہ ہے۔

﴿لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾. (البقرۃ:233)

''اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا''۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔

’’اللہ انسان کو اتنی ہی تکلیف دیتا ہے جتنی کہ اس کی طاقت کے موافق ہوتی ہے اور وہ آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ انتہائی طاقت اور پورا زور لگانا پڑے‘‘۔(11)

دوسری آیت یہ ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ج وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾.(النساء 28:)

’’اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے بوجھ کو ہلکا کرے اور (واقعہ یہ ہے کہ) انسان (طبیعت) کا کمزور پیدا کیا گیا ہے‘‘۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا یہ مقصد بیان کیا گیا ہے:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾.(الاعراف 157:)

’’اللہ کا رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے نیچے وہ دبے ہوئے ہیں‘‘۔

III) تدریج:

قرآنی احکام ۲۳ سال کی مدت میں حالات وتقاضا کے لحاظ سے نازل ہوئے ہیں۔ ابتداء میں مجمل احکام عقائد وعبادات سے متعلق تھے اور بعد میں مفصل احکام معاشرتی وتمدنی معاملات وغیرہ سے متعلق تھے۔ قومی اور جماعتی زندگی کی جیسی تربیت ہوتی گئی اور اس میں تحمل کی جتنی صلاحیت بڑھتی گئی، اس مناسبت سے غذا اور دوا کی تجویز ہوتی رہی۔ مجموعی حیثیت سے اوامر ونواہی میں بتدریج ترقی کے مدراج طے کرائے گئے، حتی کہ نماز روزہ وغیرہ اوامر اور شراب، جوئے وغیرہ نواہی میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے اور قوت ہضم کے عملی معائنہ کے بعد مختلف مراحل سے گزارا گیا ہے، عہد نبوت کی تاریخ کا طالب علم ان سے بخوبی واقف ہے۔

مذکورہ طریقہ کار اور تدریج قانون کی دنیا میں یہ ذہنیت پیدا کرانا چاہتا ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظام اوپر سے نہیں مسلط کیا جا سکتا، بلکہ اندر سے ابھرتا ہے اور وہی قانون کامیاب ہوتا ہے جو انسان کی فطرت اور تربیت یافتہ رجحانات سے موافقت کرتا ہے۔

اس طریق سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ قانون کے اجراء میں تدریجی طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے اور زیادہ زور تعلیم وتربیت (ذہنی فضا ہموار کرنے) پر دینا چاہئے، نیز ابتدائی مرحلہ میں قوانین کم ہونے چاہییں کہ آسانی کے ساتھ ان کا علم حاصل کیا جا سکے اور عمل میں زیادہ دشواری نہ ہو، پھر جیسی جیسی فضا ہموار ہوتی

Marfat.com

جائے، زندگی کے مختلف گوشوں میں شرعی قوانین کا نفاذ ہوتا رہے۔(12)

IV) نسخ:

نسخ کے دو مطلب ہیں:

ا۔ ایک تو یہ کہ پہلا حکم بالکلیہ ختم کر دیا جائے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ حالات و تقاضا کے لحاظ سے پہلے حکم میں کسی قسم کی ترمیم کر دی جائے۔

یعنی اگر وہ عام ہے تو اسے خاص بنا دیا جائے، مطلق ہے تو مقید کر دیا جائے۔غرض قاعدہ کے مطابق اس کا استعمال محدود بنا دیا جائے۔ پہلے کا تعلق ماقبل کی شریعت سے ہے، جیسا کہ درج ذیل آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا﴾.(البقرة:106)

''(ہمارا مقرر قانون ہے) کہ ہم اپنے احکام میں سے جو کچھ منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش ہو جانے دیتے تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کرتے ہیں''۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

2-دوسرا ماخذ: سنت

(The Patern of Holy Prophet "PBUH"/Sunnah)

سنت، قرآن مجید کے بعد فقہ اسلامی کا دوسرا بنیادی بڑا اور خود مختار ماخذ ہے، سنت کے بغیر قرآنی احکام کو نہ پورے طور پر سمجھنا ممکن ہے اور نہ ہی ان پر عمل کرنا ممکن ہے، نیز بہت سے احکام ایسے ہیں جن کے متعلق قرآن خاموش ہے اور وہ احکام رسول ﷺ کی سنت کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں۔ مزید آپ اس باب کی ابتداء میں فقہی ماخذ کی ترتیب میں سنت کی تین حیثیتوں کا مطالعہ چکے ہیں۔ سنت کی اہمیت کے بارے میں مشہور تابعی ابن سیرینؒ اور امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید اپنی تشریح وتفسیر میں جتنا سنت کا محتاج ہے اُتنی سنت اپنی تشریح میں قرآن مجید کی محتاج نہیں۔ (13)

سنت کی لغوی تعریف:

لغت میں سنت کا معنیٰ "طریقہ اور عادت" ہے۔ یعنی ایسا طریقہ جس پر لوگ چلنے کے عادی ہوں اور مداومت اور پابندی کے ساتھ اس پر چلتے ہوں۔ ذیل کی آیت میں لفظ سنت اسی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾. (احزاب ۶۲:۳۳)

اللہ تعالیٰ کے دین کا یہی دستور ان لوگوں میں جاری رہا ہے جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں کسی قسم کا رد و بدل نہ پائیں گے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سنت لغت میں طریقہ اور عادت کو کہتے ہیں، یہ طریقہ اور عادت اچھا بھی ہوسکتا ہے اور برا بھی جیسے حدیث میں ہے:

من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها الى يوم القيامة ، و من سن سنة سيئة فعليه وزرها و وزر من عمل بها الى يو م القيامة. (14)

ترجمہ: جس شخص نے کوئی اچھا اور بھلا طریقہ اختیار کرلیا تو اس کا ثواب اس کے لئے ہے اور قیامت تک اس شخص کا ثواب بھی اس کے لئے ہے اور جو اس طریقہ پر عمل کرے گا اور جو شخص

Marfat.com

برا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے لئے اور اس شخص کا گناہ بھی قیامت تک اس کے لئے ہے جو اس طریقہ پر عمل کرتا رہے گا۔

جب لفظ سنت کی نسبت کسی انسان کی طرف جاتی ہے تو اس سے مراد وہ طریقہ ہوتا ہے جس کو وہ تمام افعال میں جو اس سے صادر ہوتے ہیں لازم سمجھتا ہے اور ان پر مداومت کرتا ہو، اس کا تعلق خواہ اس کاموں سے ہو جن کے سبب اس کی تعریف کی جاتی ہو یا ان سے ہو جن کے سبب اس کا مذمت کی جاتی ہو۔

ہمارے رسول اور نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی سنت بھی قرآن مجید کی طرح دین کے اولین مآخذ و مصادر میں شمار ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء اصولیین، محدثین اور سیرت نگاروں نے سنت پر مختلف انداز سے بحث کی ہے اور اس کے مفہوم و معانی بیان کئے ہیں، اس پر تمام طبقاتِ امت متفق ہیں کہ سنت بھی قرآن مجید کی طرح اساسی اور بنیادی مآخذ میں سے ہے۔ اس ماخذ میں لفظ سنت سے مراد رسول اکرم ﷺ کا طریقہ اور اُس کے ساتھ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ بعض علماء نے خیر القرون یعنی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے طریقوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے (ملاجیون۔ نورالانوار باب السنۃ)۔

یہ لفظ سنت جہاں اسلامی شریعت کے دوسرے ماخذ قانون کے لئے استعمال ہوتا ہے وہیں اِس کو کچھ اور علوم کے ماہرین متعدد مزید معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً چند فقہاء کی اصطلاح میں سنت سے مراد، وہ نفلی عبادات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوں یعنی وہ عبادات جو فرض نہ ہوں۔ مزید فقہاء کی نزدیک سنت کا اطلاق ان عبادات کے علاوہ ایسی دوسری چیزوں پر ہوتا ہے جو مندوب ہیں یعنی فرض نہیں ہیں بلکہ ان کا کرنا ثواب ہے۔ بعض فقہاء کے کلام میں لفظ سنت، بدعت کے مقابلہ میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص سنت پر ہے یعنی اس کا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق ہے یا یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بدعت پر ہے یعنی اس کا عمل آپ کے خلاف ہے۔ (15)

اصولیین کے نزدیک سنت کی تعریف:

کل ما صدر عن رسول اللہ ﷺ من قول او فعل اوتقریر. (16)

ترجمہ: سنت سے مراد (قرآن مجید کے علاوہ) وہ قول و فعل یا سکوت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہو،

سکوت یا تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے کوئی کام کیا جائے یا آپ کو اس کی اطلاع دی جائے اور آپ اُس پر سکوت اختیار فرمائیں۔ اِس اعتبار سے سنت مآخذ احکام میں سے ایک

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ماخذ ہے اور تشریع احکام کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ ہے۔

سنت کے ساتھ حدیث، اثر اور خبر کے لفظ بھی استعمال ہوتے ہیں، محدثین کے نزدیک تو ان تینوں میں کوئی فرق نہیں، فقہاء کے نزدیک ان تینوں میں فرق ہے، سنت عام ہے۔ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے صرف قول کو کہتے ہیں۔ یہ بات واضح ہو جائے کہ دوسرا ماخذ سنت ہے حدیث نہیں ہے۔ علماء اصول کے نزدیک حدیث سنت کے ثبوت کا اہم ذریعہ ہے۔ مزید تفصیل کے لئے مطالعہ فرمائیں مصنف کی کتاب ''فقہاء کے اصول حدیث''۔ (17)

تشریعی احکام میں سنت کی حیثیت بطور ماخذ:

سنت مآخذ احکام میں سے ایک بنیادی ماخذ ہے اور شرعی احکام اس سے مستنبط کیے جاتے ہیں اس کا ثبوت ہمیں قرآن مجید، صحابہ کرام کے عمل اور اجماع سے ملتا ہے۔

قرآن مجید سے ثبوت:

قرآن مجید نے ہم کو یہ بات بتائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریعی حیثیت سے جو کچھ فرماتے ہیں اس کی بنیاد وحی ہوتی ہے، یعنی اس کا ماخذ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔ قرآن پاک رسول ﷺ کے ذریعے لوگوں تک ۲۳ سال کے عرصے میں پہنچا، اس طویل مدت میں ایک مختصر و جامع کتاب نازل کرنے کے مقاصد یہ ہیں کہ اس کا جتنا بھی حصہ نازل ہو اس کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ لوگوں کو تعلیم دیں اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ بھی بتائیں، ساتھ ہی ساتھ ان آیات کی تفسیر اپنے عملی نمونے کی صورت میں دیں، اس عملی نمونے کو اللہ تعالیٰ نے ''اسوہ حسنہ'' قرار دیا ہے جس کی پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

- ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾. (الاحزاب:21)

ترجمہ: تمہارے لئے اللہ کے رسول ایک بہت اچھا نمونہ تقلید ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾. (النجم 3-4)

اور نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات بنا کر کہتے ہیں ان کا فرمان تو صرف وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی اس حیثیت سے قرآن مجید کی طرح ہیں کہ دونوں کا ماخذ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

وحی الٰہی ہے، فرق یہ ہے کہ سنت کے صرف مضمون و معنی وحی کے ذریعہ آپ کو بتلائے جاتے ہیں اور الفاظ آپؐ کے اپنے ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے لفظ اور معنی دونوں کو وحی کے ذریعہ آپ پر نازل کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید چونکہ لفظاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس لئے اس کی اتباع فرض ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی اتباع بھی فرض ہے، کیونکہ ان کا مضمون جو کلام میں مقصود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور الفاظ رسول اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ یہ فرض عائد کیا کہ آپ قرآن مجید کے معانی و مضامین وضاحت سے بیان فرمائیں اور اس کے مجمل احکام کی تشریح کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ﴾. (النحل:44)

ترجمہ: اور آپ پر ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو احکام لوگوں کے لئے نازل کئے گئے ہیں وہ احکام آپ ان کے روبرو خوب کھول کر بیان کر دیں۔

اس لئے آپ کا بیان قرآن مجید کے حکم سے استفادہ اور معانی و مضامین کی توضیح و تشریح کے اعتبار سے اس کا تکملہ ہے اور شریعت کے حکم سے استفادہ اور قرآن کا مقصد سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ اس حیثیت سے سنت مآخذ احکام میں سے ایک ماخذ ہے۔

درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا مبلغ بنایا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ﴾. (المائدہ:٦٧)

اے رسول ﷺ جو کچھ آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے آپ ﷺ اس کی تبلیغ کیجئے۔

شرح و تبلیغ اور فیصلہ کی صورت یہی تھی کی رسول اللہ ﷺ اپنے قول سے یا فعل سے یا دونوں سے یا مروجہ طریقوں پر سکوت فرما کر انہیں قائم و برقرار رکھنے سے قرآن حکیم کے مطالب و مقاصد کی وضاحت فرماتے ہیں، اس بناء پر سنت کے فرمودات میں کوئی شے ایسی نہیں ہوتی جس کی بنیاد واضحاً یا اشارۃً قرآن مجید میں نہ ہو جیسا کہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

لیس فی السنة الا واصله فی القرآن. (18)

ترجمہ: سنت میں کوئی بیان ایسا نہیں ہے کہ جس کی اصل قرآن میں نہ ہو۔

حجیت سنت کے قرآنی نصوص میں سے چند یہ ہیں:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ‌ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾. (النساء:59)

ترجمہ اے ایمان والوتم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحب حکم ہوں پھر اگر تم کسی بات میں باہمی جھگڑنے لگو تو اس بات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾. (الشر:7)

ترجمہ:۔ جس نے رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ. وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾. (۲۲)

ترجمہ:۔اور رسول تم کو جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں اس سے رک جاؤ۔

اسی طرح ایک آیت کا ترجمہ یہ ہے: سوقسم ہے آپ کے رب کی وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں آپ ہی کو منصف نہ بنائیں پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس پر دلوں میں کوئی گرانی نہ محسوس کریں اور پوری طرح آپ کے فیصلے کو تسلیم کریں۔

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾. (الاحزاب:36)

ترجمہ:اور کسی مومن مرد اور کسی ایمان والی عورت کو یہ لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں تو پھر ان مومن مردوں اور عورتوں کو اپنے کام کا کوئی اختیار باقی رہے۔

سنت رسول ﷺ سے ثبوت

رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ دراصل قرآن مجید کی عملی شکل، اس کے احکام کی عملی تصویر اور اس کے علوم کا عملی پیکر ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی امت کے لئے ایک عملی نمونہ ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان کا معیار ہو یا اس کی اطاعت کا یا اس کا تقویٰ مقصود ہو، ہر مرحلہ پر نبی کریم ﷺ کے معمولات اور طریق زندگی ہی معیار وحید قرار پاتا ہے حتیٰ کہ عبادات کی مقدار بھی وہی معتبر ہے جو نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ سے ملتی ہو اس پر اضافہ و کمی کی اجازت نہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین جماعتیں امہات المومنین کے پاس آئیں اور ان سے نبی کریم

Marfat.com

ﷺ کے معمولات و عبادات کے متعلق دریافت کیا، جب آپ ﷺ کے معمولات انہیں بتا دیئے گئے تو ان کو انہوں نے اپنے لئے ناکامی خیال کیا اور کہا کہ یہ تو آپ ﷺ کے معمولات ہیں ہماری، اور آپ ﷺ کی کیا نسبت، آپ ﷺ کو تو معصوم قرار دیا جاچکا اور مغفرت کی جا چکی ہے ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ میں ہمیشہ عورتوں سے بچوں گا اور کبھی شادی نہ کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا میں ساری رات عبادت کروں گا۔

نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو اُن کو ان اصحابؓ کے ارادوں سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

انتم الذین قلتم کذا و کذا اماوالله انی لا خشاکم الله و اتقاکم له لکنی اصوم و افطر و اصلی و ارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی.(19)

ترجمہ: تم لوگوں نے اس طرح کہا تھا سنو! میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت اور اس کا تقویٰ رکھنے والا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، پس جو میری سنت سے احتراز یا روگردانی کرے گا یا زندگی گزارنے کے لئے میرے طریقہ کو چھوڑ کر کسی اور کا طریقہ اختیار کرے گا وہ میری جماعت سے نہیں۔ یعنی وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من احب سنتی فقداحبنی و من احبنی کان معی فی الجنة.(20)

جس نے میری سنت سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

جو شخص جنت چاہتا ہے اور وہاں رسول اکرم ﷺ کی محبت چاہتا ہے تو وہ نبی کریم ﷺ سے محبت کرے، آپ ﷺ سے محبت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت کی اتباع کرے اور ساری زندگی آپ کے طریقہ کے مطابق گزارے۔

حُجیت سنت کا ثبوت صحابہؓ کے عمل سے:

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ سنت پر اسی حیثیت سے عمل کر رہے تھے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرزِ عمل سنت کے حوالے سے اس طرح نقل ہوا ہے کہ

وعن میمون بن مهران قال! کان ابوبکرؓ ازاوردعلیه خصم نظر فی کتاب الله تعالیٰ فان و جد فیه ما یقضی بینهم قضی به و ان لم یکن فی کتاب و علم من

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

رسول ﷺ فی ذلك الامر سنته قضی بها ، فان اعیاه خرج، فسال المسلمین وقال: اتانی کذا کذا، فهل علمتم ان رسول الله قضی فی ذلك بقضاء؟ فربما اجتمع الیه نفر کلهم یذکر من رسول الله ﷺ فیه قضاء فیقول ابو بکر الحمد الله الذی جعل فینا من یحفظ علم نبینا، فان اعیاء ان یجد فیه سنته من رسول الله ﷺ جمع ورئووس الناس و خیارهم فاستشارهم ، فاذا اجتمع رائهم علی امر قضی به.(21)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی جھگڑا آتا تو پہلے وہ قرآن کریم میں اس کا حل تلاش کرتے اگر وہاں نہ ملتا تو سنت کی طرف رجوع کرتے ، اگر سنت میں بھی نہ ملتا تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کا کسی کو علم ہے؟ بسا اوقات صحابہؓ میں سے کچھ لوگ بتا دیتے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس معاملہ پر یہ فیصلہ فرمایا ہے۔حضرت ابو بکرؓ یہ فرماتے کہ ساری ثناء اللہ کے لئے ہے کہ جس نے بعض کو ہم میں سے اس قابل بنایا کہ نبی کی سنت کی حفاظت کریں اور اگر کوئی سنت نہ ملتی تو لوگوں میں سے بہتر اور بڑوں کو جمع کرتے ،ان سے مشورہ کرتے اور جب کسی حکم پر ان کی رائے ایک ہو جاتی اسکے مطابق فیصلہ کرتے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر کا ایک معمول اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب حج وعمرہ کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوتے تو جہاں رسول اکرم ﷺ نے پڑاؤ کیا تھا وہاں پڑاؤ کرتے ،جس درخت کے سایہ میں حضور ﷺ نے آرام فرمایا وہاں آرام کرتے اور جس مقام پر حضور ﷺ نے نماز ادا کی وہاں نماز ادا کرتے۔(22)

علامہ ابن کثیر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دو آدمیوں نے اپنا تنازعہ پیش کیا، آپ ﷺ نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جو حق پر تھا، دوسرا شخص اس پر راضی نہ ہوا، دونوں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس فیصلے کو بدلنے سے انکار کیا۔ یہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان کے سامنے قضیہ رکھا اور نبی کریم ﷺ کے فیصلے سے مطلع کیا، آپؓ نے دوسرے فریق سے نبی کریم ﷺ کے فیصلے کی تصدیق کی اور کہا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر گھر میں گئے اور تلوار لا کر نہ ماننے والے کا سر قلم کر دیا اور فرمایا جو نبی کریم ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ عمرؓ کی تلوار کرتی ہے۔(23)

Marfat.com

حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ سے دریافت کیا، تم کس چیز سے فیصلہ کروگے؟ عرض کیا قرآن سے پوچھا اگر قرآن میں نہ ہو؟ عرض کیا سنت رسول ﷺ سے دریافت کیا اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو؟ عرض کیا پھر اجتہاد کروں گے، نبی کریم ﷺ نے خوش ہو کر حضرت معاذؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

الحمد الله الذی وفق رسول الله بما یرضی به رسول الله.(24)

ترجمہ: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کے اسی بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہوا۔

حضرت عمر فاروقؓ اتباع سنت کے ایک واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

اتخذ النبی ﷺ خاتما من ذهب فاتخذ الناس خواتیم من ذهب فقال النبی ﷺ انی اتخذت خاتما من ذهب فنبذ وقال ان لن البسه ابداً فنبذا الناس خواتیم. (25)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی پہنی تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں، پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے سونے کی انگوٹھی لی ہے اور پھر اسے اتار دیا اور فرمایا کہ آئندہ میں اسے ہرگز نہ پہنوں گا تو تمام لوگوں نے اپنی انگوٹھیاں اتار دیں۔

تمام صحابہ کرام جو ہمارے لئے رسول اکرم ﷺ کے طریقہ پر عمل کرنے میں مثال ہیں کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی اتباع اور پیروی دل و جان سے زیادہ عزیز تھی، وہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرتے تھے، یہ وجہ تھی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب کا بہنا اور ایک ہی نماز نصف بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھنا اور نصف کعبہ اللہ کی طرف کر کے پڑھنا اسی اطاعت رسول ﷺ کی بیّن اور واضح روز روشن کی مانند مثالیں ہیں اور تمام صحابہ کرام قرآن کے بعد سنت ہی کو سب سے بڑا ماخذ سمجھتے تھے۔

سنت کی متعدد تقسیمات ہیں (تفصیل کے لئے مطالعہ فرمائیں مصنف کی کتاب "علوم الحدیث") اُن میں دو بہت اہم ہیں جو یہ ہیں۔

1- ماہیت کے اعتبار سے سنت کی تین اقسام:

1۔ سنت قولیہ (قولی سنت)

2۔ سنت فعلیہ (فعلی سنت)

Marfat.com

3۔ اور سنت تقریریہ (سکوتی سنت)

سنت قولیہ (قولی سنت)

وہ فرمودات اور ارشادات جو نبی کریم ﷺ نے فرمائے ہوں اور اس سے مقصد احکام دینا اور احکام کا بیان کرنا ہو اسے قولی سنت کہتے ہیں جیسے کہ نبی کریم ﷺ کا قول ہے۔

انما الاعمال بالنیات. (26)

اعمال کا دارمدار نیتوں پر ہے۔

اور حدیث میں ہے۔

من رائی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان. (27)

تم میں سے جو شخص کسی کو برائی کرتے دیکھے اس کو چاہیے کہ اس کو ہاتھ (طاقت) سے بدل دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے برا جانے یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے اس طرح حدیث میں ہے کہ:

لا ضرر ولا ضرار.

خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔ (28)

سنت فعلیہ (فعلی سنت)

یہ وہ افعال و اعمال ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہو یا اُن کے ذریعے قرآن مجید کے کسی حکم کی عملی تصویر یا اُس کی تفصیل وتشریح بیان کی ہو۔ جیسے نماز، روزہ اور حج کو اپنی اہمیت اور ارکان کے ساتھ ادا کرنا، حدیث میں ہے!

صلوا کیا رائیتمونی اصلی. (29)

اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

آپ نے بعض مقدمات میں ایک گواہ اور مدعی سے قسم لے کر فیصلہ کیا۔ اس طرح اور بہت سے افعال ہیں۔

آپ کے وہ افعال تشریعی حکم میں داخل نہیں ہیں جو آپ کے ساتھ مخصوص تھے اور ان میں امت آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے مثلاً آپ مسلسل بغیر افطار کئے ہوئے روزہ رکھتے تھے۔ چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا آپ کے لئے جائز تھا۔ اور ایسے ہی بہت سے امور آپ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ان امور میں عام

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مسلمانوں کی نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنا درست نہیں ہے۔نکاح کے معاملہ میں عام مسلمانوں کے لئے یہ حکم موجود ہے کہ وہ چار سے زیادہ بیویاں بیک وقت نہیں رکھ سکتے اور بغیر افطار کئے مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت خود احادیث میں موجود ہے۔اور قرآن مجید نے مسلمانوں پر جو روزے فرض کئے ہیں ان میں غروب آفتاب کے بعد افطار کا حکم ہے۔

سنت تقریریہ (سکوتی سنت):

اس سے مراد ایسا قول یا کام ہے جو نبی کریم ﷺ کے سامنے بولا گیا ہو یا کیا گیا ہو، اور اس پر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی ہو یا آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں ہوا ہو اور اس کام کا ذکر آپ ﷺ کے سامنے ہوا ہو اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی فرمائی ہو۔آپ کی خاموشی اس فعل کے جواز و اباحت کو بتلاتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کسی باطل یا منکر فعل پر سکوت نہیں فرماتے تھے۔ہمیں احادیث میں سکوتی سنت کی متعدد مثالیں ملتی ہین۔مثلاً عید کے دن مسجد نبوی کے سامنے حبشیوں کا ہتھیاروں سے کھیلنا۔اس کھیل کو آپ نے خود دیکھا، اور خاموشی اختیار فرمائی۔اس طرح عید کے روز بچیاں جو شیلے اشعار پڑھ پڑھ کر گانا گا رہی تھیں۔اس پر بھی آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔(30)

نبی کریم ﷺ اگر کسی فعل پر خاموش رہتے ہوئے خوشی کا اظہار فرمائیں۔یا سکوتا صرف رضامندی ظاہر کریں، یا اس کو اچھا سمجھیں، یہ تمام صورتیں آپ کی سکوتی سنت میں داخل ہیں۔اور اس فعل کے جائز ہونے کو بتلاتی ہیں۔بلکہ اس قسم کی رضامندی اور استحسان اس فعل کے جواز پر دوسرے قرائن کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور ظاہر دلیل ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سکوت سے جس فعل کی اجازت نکلتی ہو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ سب صرف جائز ہے، بلکہ کسی دوسرے دلیل سے وہ فعل فرض یا واجب بھی ہوسکتا ہے۔اس بنا پر آپ کا تنہا سکوت اس فعل کے مباح ہونے سے زیادہ کسی دوسری بات کو نہیں بتلاتا بلکہ اس فعل کا واجب یا مندوب ہونا کسی دوسری دلیل سے معلوم ہوتا ہے۔سنت کی مزید اقسام اور اِس بحث کی تفصیل کے لئے مطالعہ کے لئے مصنف کی کتاب ''علوم الحدیث'' کا مطالعہ کریں۔

2-تعداد راوی کے اعتبار سے سنت کی تین اقسام:

رسول اکرم ﷺ کی سنتیں جنہیں محدثین حدیث یا خبر کا نام بھی دیتے ہیں ہم تک کچھ لوگوں کے ذریعہ جنہیں راوی کہا جاتا ہے پہنچی ہیں۔راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں ہیں۔مزید تفصیل کے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

لئے میری کتاب علوم الحدیث کا مطالعہ فرمائیں۔

1۔ حدیث متواتر (جس کے راوی لاتعداد ہوں)

2۔ حدیث مشہور (جس کے راوی متواتر سے کم ہوں)

3۔ حدیث واحد (جس کا راوی ہر دور یا کسی دور میں ایک ہو)

حدیث متواتر کی تعریف:

متواتر وہ ہے جس کو لوگوں کی ایک لاتعداد یا کثیر جماعت نے نقل کیا ہو۔ افراد کی کثرت کی وجہ سے جس حدیث میں راویوں کے جھوٹ پر متفق ہونے کو ناممکن سمجھا جاتا ہو، جب حدیث لاتعداد راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے تو اُس کو حدیث متواتر کہتے ہیں، جیسے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث:

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی.(31)

اور نماز کی رکعتوں کی تعداد، زکوۃ کی مقادیر کا نقل ہونا۔

حدیث متواتر ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں ایک اتنی بڑی تعداد نے اس کو نقل کیا ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو بعض حضرات نے پانچ کے عدد کو بعض نے بارہ کے عدد کو بعض نے بیس کے عدد کو بعض نے تیس کے عدد کو بعض نے چالیس اور بعض نے ستر کے عدد کو شرط قرار دیا ہے لیکن جمہور کے نزدیک جماعت کے افراد کے لئے کوئی عدد معین شرط نہیں، نقل کرنیوالوں کی حالت اور زمانے کے اعتبار سے یہ تعداد مختلف ہو سکتی ہے اگر نقل کرنیوالے نیک صالح اور متقی لوگ ہیں تو قلیل تعداد میں بھی ان کے توافق علی الکذب (جھوٹ پر اتفاق) کا محال ہونا ثابت ہو جائے گا۔(32)

دوسری شرط یہ ہے کہ افراد کی اتنی بڑی تعداد ہر زمانے اور ہر دور میں رہی ہو اگر کسی دور میں یہ تعداد کم ہو تو اس کو متواتر نہیں کہا جائے گا۔ مزید مطالعہ کے لئے مصنف کی کتاب **"فقہاء کے اصول حدیث"** کا مطالعہ کریں۔

متواتر کا حکم

خبر متواتر علم قطعی اور یقینی کو واجب کرتی ہے جس طرح آنکھوں سے دیکھی ہوئی کسی چیز سے انسان کو علم یقینی اور علم قطعی حاصل ہوتا ہے اسی طرح حدیث متواتر سے حاصل ہونے والا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے اس لئے خبر متواتر کو ماننا اور اس سے ثابت ہونے والے حکم پر عقیدہ رکھنا فرض ہوتا ہے اور اس کو رد کرنا اور اس کا انکار کرنا کفر ہوتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حدیث مشہور کی تعریف

علماء اصول کے نزدیک حدیث مشہور وہ ہے جو دور اول یعنی دور صحابہؓ میں خبر واحد کی طرح ہو یعنی اس کا راوی کوئی ایک ہو پھر اس کے بعد دور ثانی دور تابعین اور دور ثالث یعنی دور تبع تابعین میں وہ اتنی مشہور ہوگئی ہو کہ امت نے اسے قبول کرلیا ہو اور دور ثالث اور ثانی میں وہ خبر متواتر کی طرح ہوگئی ہو۔

مثال کے طور پر زانی کی سنگسار کرنے کی حدیث ہے کہ جیسے:

لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلاث کفر بعد اسلام، زنی بعد احصان و قتل نفس بغیر حق.(33)

ترجمہ: کسی مسلمان کا خون تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ حلال ہو جاتا ہے، اسلام لانے کے بعد کفر کو اختیار کرنا، شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرنا اور ناحق کسی جان کو قتل کرنا۔

اس حدیث کے راوی دور اول میں کم تھے پھر دور ثانی اور دور ثالث کے بعد اتنے زیادہ ہو گئے کہ متواتر کے مقام پر پہنچ گئے اور ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہوگیا۔ پس ایسی خبر جو دور صحابہ میں خبر واحد اور پھر بقیہ خیر القرون میں خبر متواتر بن جائے خبر مشہور کہلائے گی۔

حدیث مشہور کا حکم:

حدیث مشہور علم طمانینت کو ثابت کرتا ہے، علم طمانینت کا درجہ یقین کے قریب ہوتا ہے اور ظن غالب سے اوپر ہوتا ہے اس کو ماننا اور اس کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے لیکن اس کا انکار کرنا کفر تو نہیں البتہ بدعت ہے۔ اس حدیث کا درجہ خبر متواتر کے بعد ہے۔(34)

خبر واحد کی تعریف:

خبر واحد وہ حدیث ہے جس کو ایک راوی نے جماعت سے یا ایک جماعت نے ایک راوی سے نقل کیا ہو بشرطیکہ اس جماعت کی تعداد حد شہرت تک نہ پہنچی ہو یعنی روز اول سے یا کسی نہ کسی دور میں جس حدیث کا راوی ایک ہو وہ خبر واحد ہے۔

اگر ایک راوی نے جماعت سے روایت نقل کی ہو اور اس جماعت کی تعداد متواتر یا مشہور کی تعداد تک نہیں پہنچی مزید اس تعداد کے راویوں کو عقل جھوٹ پر متفق ہونے کو جائز سمجھتی ہو تو وہ حدیث خبر واحد ہی کہلائے گی لیکن اگر جماعت کی تعداد مشہور کی حد تک پہنچ جاتی ہے تو پھر وہ خبر مشہور بن جائے گی اور خبر مشہور کے راویوں کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ عقل ان کے جھوٹ پر متفق ہونے کو محال سمجھتی ہے۔(35)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

3- تیسرا ماخذ: اجماع

(Consensus)

قرآن اور سنت کے بعد فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اور یہ پہلا ذیلی ماخذ ہے۔

اجماع کی لغوی تعریف:

لفظ اجماع کا مادہ جمع (ج۔م۔ع) ہے۔ اس سے مراد اشیاء کو اکٹھا کرنا اور باہم ملانا ہے۔ لغت میں اجماع عزم کرنا اور کسی چیز کے بارے میں پختہ ارادہ کرنے کو بھی کہتے ہیں۔

مزید اجماع کے معنی کسی بات پر متفق ہونے کے بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ وَشُرَكَآءَكُمۡ﴾. (یونس: 71)

ترجمہ: سوتم اپنی کوئی تدبیر اپنے شرکاء سے مل کر پختہ طور پر طے کرلو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں اسی معنی میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

لا صیام لمن لم یجمع الصیام من اللیل. (36)

اس شخص کا روزہ نہیں ہوگا جو رات سے روزہ رکھنے کا پختہ ارادہ نہ کرے۔

عربی میں کہا جاتا ہے "اجمع القوم علی کذا" یعنی لوگ فلاں بات پر عزم صحیح کے ساتھ متفق ہو گئے ہیں، اس مفہوم میں اس کے صدور کا تصور ایک سے زیادہ آدمیوں کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ بخلاف پہلے مفہوم کے اس میں اجماع کا صدور ایک شخص سے بھی ہوسکتا ہے۔

اجماع کا مفہوم اتفاق بھی ہے، اتفاق کو بھی اجماع کہتے ہیں اور اجماع ایک عزم مصمم اور قطعی ارادہ کو بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ

"اجمع فلان علی کذا"

یعنی فلاں شخص نے فلاں چیز کا تہیہ کرلیا یا اس کا قطعی ارادہ کرلیا اپنی پوری قوتوں اور صلاحیتوں کو اس نے جمع کردیا کہ میں یہ کام کر کے رہوں گے۔

Marfat.com

اجماع کی حقیقت:

شریعت کی اصطلاح میں اجماع ''امت مسلمہ کے اہل علم اور اہل اجتہاد کا کسی دینی مسئلہ پر رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اتفاق ہے''

اس میں یہ ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کا اتفاق ہو جو صاحب علم ہوں اور صاحب اجتہاد ہوں اور جو کسی حکم اور کسی چیز کے متعلق فیصلہ کر سکتے ہوں، یہ اجماع شرعی ہے۔عام لوگوں کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح سائنس انجینئرنگ اور طب وغیرہ مختلف قسم کے علم وفنون ہیں اور ان علوم و فنون میں اگر اتفاق معتبر ہے تو ان لوگوں کا ہے جو لوگ اس علم اور فن سے کچھ واقفیت رکھتے ہوں۔یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ آپ کوئی آفاقی سائنسی مسئلہ بس ڈرائیور سے پوچھ رہے ہوں یا اپنی بیماری کا علاج کرانے کے لئے ڈاکٹر یا طبیب کی دوکان کے بجائے پولیس سٹیشن پہنچ جائیں اسی طرح اسلامی قانون میں بھی ان لوگوں کا اتفاق شرعی اجماع کی حیثیت رکھتا ہے جو دین کے مزاج سے واقف ہیں اور دین کو جانتے ہیں یعنی علماء، فقہاء اور مجتہدین وغیرہ۔لیکن وہ لوگ جو دین کو نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی دین کو جانتے ہوں ان کا کام یہ ہے کہ وہ اہل علم سے پوچھیں اور اہل علم کا اتباع کریں۔

اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق یہ بالکل ضروری ہے کہ عالم اسلام کے مسلمانوں کی ہر قوم میں اور ہر آبادی میں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں جن کو دین میں گہری بصیرت حاصل ہو، جو دین کے مزاج سے واقف ہوں، دین کے اصولوں کو جانتے ہوں اور دین کے احکام کو جانتے ہوں۔اور وہ لوگ جو دین کے احکام سے ناواقف ہوں ان کا فرض یہ ہے کہ وہ ان (عالمان دین) کی تقریروں کو سنیں اور ان سے استفادہ کریں۔اور ان عالموں کا فرض یہ ہے کہ ان کو سمجھائیں۔(37)

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

﴿ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾. (النحل. ۴۳)

اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو۔

نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث بھی موجود ہے کہ

''ان الله لا يقبض هذا العلم بان ينتزعه انتزاعا'' (38)

کہ اللہ تعالیٰ علم دین کو اس طریقہ سے نہیں اٹھائے گا کہ علماء کے سینوں سے اللہ تعالیٰ اس علم کو اچک لے اور چھین لے اور صبح جب وہ اٹھیں تو ان کے سینے خالی ہوں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

"بل يقبض العلم بقبض العلماء"

بلکہ اللہ تعالیٰ علم کو واپس لے لیتا ہے علماء کو واپس لینے کے ذریعہ سے۔

یعنی وہ لوگ جو دین کے حاملین ہوتے ہیں یعنی دین کے بڑے بڑے مجتہد عالم ہوتے ہیں وہ فوت ہو جاتے ہیں اُن کے بعد (یہ لوگ) کیا کرتے ہیں۔

"اتخذ الناس رئوسا جهالا"

تو لوگ ایسے لوگوں کو اپنا لیڈر اور دینی رہنما اور پیشوا تصور کرتے ہیں جو بالکل جاہل ہوتے ہیں اور دین سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔

"فاستفتوهم"

پھر یہ لوگ ان سے مسائل پوچھتے ہیں، دین کے بارے میں یعنی ان سے حقیقت حال معلوم کرتے ہیں۔

"فافتوهم بغير علم"

اور وہ بغیر کسی علم کے بغیر کسی واقفیت کے ان کو فتوے دیتے رہتے ہیں۔

"ضلوا و اضلوا"

خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا کرتے ہین۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم یعنی علوم اسلامیہ کے ماہرین فقہاء و مجتہدین کا ہی اجماع معتبر ہے۔عوام کے اتفاق اور عوام کے اجماع کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ اجماع اور اتفاق ایسے اہل علم کا ہونا چاہئے جو تقویٰ، خداترسی اور دیانت کے لحاظ سے معروف ہوں یعنی متقی پرہیز گار ہوں دنیا دار نہ ہوں۔ایسے لوگ جو اہل ھویٰ ہوں، جو خواہشات کے پیچھے چلنے والے ہوں، جو حکومت وقت کی ہر جائز و ناجائز امور میں حمایت اور اُس سے ہمہ قسم کے مفادات حاصل کرتے رہتے ہوں، چاہے وہ علماء ہی کیوں نہ ہوں، ان کے اتفاق اور ان کے اجماع کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔

لہٰذا اہل علم اور متقی فقہاء اور مجتہد لوگوں کا اجماع حجت ہے اور معتبر ہے۔

اجماع کی اصطلاحی تعریف:

علماء اصول کی اصطلاح میں اجماع کی تعریف یہ ہے۔

"اتفاق المجتهدين من الامة الاسلامية فى عصر من العصور على حكم شرعى بعد وفاة النبى صلى الله عليه وسلم".(39)

Marfat.com

اجماع سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بعد کسی خاص دور میں امت اسلامیہ کے تمام مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے۔

اجماع کی اصطلاحی تعریف کا تجزیہ:

ا۔ مجتہدین کے اتفاق کی شرط سے ان لوگوں کا اتفاق معتبر نہیں ہوگا جو مجتہد نہیں ہیں۔ مجتہد وہ شخص کہلاتا ہے جس کو تفصیلی دلائل سے شرعی احکام مستنبط کرنے کا ملکہ حاصل ہو۔ کبھی اس کو فقیہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح مجتہد کو اہل الحل والعقد، اہل الرائے والا جتہاد اور علماء امت بھی کہتے ہیں۔

۲۔ مجتہدین کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مسلمان ہوں کیونکہ حجیت اجماع کے دلائل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مجتہدین کا امت اسلامیہ سے ہونا ضروری ہے۔

۳۔ اجماع کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ مجتہدین کا اتفاق کسی شرعی حکم پر ہو، یعنی اس کا تعلق فرض، حرام، مندوب وغیرہ سے ہو عقائد سے نہ ہو۔ رہے ایسے اجماعات جو غیر شرعی مسائل ہوں مثلاً ایسے مسائل جن کا تعلق ریاضی سے ہو یا طب سے ہو، یا لغت سے ہو تو ان مسائل پر اتفاق کو اجماع نہیں کہا جائے گا۔

اجماع کی حُجیت:

جب اجماع اپنے شرائط کے ساتھ منعقد ہو جائے یہ اجماع قطعی حجت ہے اور مسلمانوں پر اس کی پیروی لازم ہے۔ اس کی مخالفت یا اس کا توڑنا جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں کی بڑی اکثریت حجیت اجماع کی قائل ہے اور انہوں نے اس کی حجیت کے اثبات میں بے شمار دلائل دیئے ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کے ذکر پر اکتفاء کریں گے۔ ان دلائل میں سے چند یہ ہیں۔

الف۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ﴾. (النساء:115)

ترجمہ: اور جو شخص بعد اس کے کہ اُس پر امر حق واضح ہو چکا ہو پھر پیغمبر کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کو راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے گا تو ہم اس کو اس کی اختیار کردہ راہ کے سپرد کر دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔

اس آیت سے اجماع پر اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے متفقہ راستہ یا طریقہ کی مخالفت کرنے پر عذاب کی دھمکی دی ہے اس لئے ان کا راستہ یا طریقہ ہی درست وسچا ہے اور اس کی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اتباع ضروری ہے اور اس راستہ یا طریقہ کے علاوہ دوسرا طریقہ باطل ہے اور اس کا چھوڑنا ضروری ہے۔ جس چیز پر امت مسلمہ کے تمام علماء اور مسلمان متفق ہو جائیں وہی ان کا راستہ یا طریقہ سمجھا جائے گا اور اجماع کا یہی مطلب ہے اور اس سے یہی مقصود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾(النساء:59)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو صاحب امر ہیں۔

یہ اور ان کے علاوہ بھی ایسی آیتیں ہیں جن سے فقہاء نے اجماع اور اس کی اہمیت ثابت کی ہے۔ سنت سے ثبوت میں زیادہ تر وہی روایتیں پیش کی گئیں جو جماعت پر دلالت کرتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت سے ایسی احادیث ملتی ہیں جو یہ بتلاتی ہیں کہ امت اسلامیہ اگر کسی بات پر متفق ہو جائے تو ان کا یہ اتفاق خطاء سے پاک ہوگا۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ لا تجتمع امتي علي خطاء. یعنی میری امت غلطی پر متفق نہیں ہوگی۔

اسی حدیث کی دوسری روایت ہے۔ لا تجتمع امتي علي ضلالة. یعنی میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔ اگرچہ احادیث آحاد ہیں لیکن اپنے معنی اور مطلب کے اعتبار سے متواتر ہیں۔ اس لئے ان سے قطعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امت محمدیہ جس چیز پر متفق ہو جائے۔ وہی حق اور درست ہے اور اجماع مجتہدین امت میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہی اہل رائے اور اہل علم ہیں اور دوسرے لوگ ان کے تابع ہیں۔ اس لئے ان کا اجماع ہی حق اور درست ہوگا اور جو چیز حق ہو اس کی اتباع کرنا اور مخالفت نہ کرنا واجب ہے اور حجیت اجماع کا یہی مطلب ہے۔(40)

بعض علماء اصول کی رائے میں اجماع کے بارے میں سب سے زیادہ اہم اور مستند ثبوت اسلام کی شورائی تنظیم ہے جو ہر شعبہ کو حاوی ہے۔ اجماع اس شعبہ کی شورائی تنظیم اور اس کے فیصلہ ہی کا دوسرا نام ہے، اس بناء پر قرآن وسنت کی وہ تمام تصریحات اس کے ثبوت میں ہیں جو اس شورائی تنظیم پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن حکیم میں صحابہؓ اور دیگر اہل ایمان کی زندگی کا شیوہ بیان کیا گیا ہے۔

﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾. (الشوری:38)

ترجمہ: ایمان والوں کے معاملات باہمی مشورے سے ہوتے ہیں۔

قانونی معاملہ ہو یا غیر قانونی معاملہ، مشورے کی ضرورت اکثر مقامات پر درپیش ہوگی اور اسی مشورہ اور باہمی مشاورت کے نتیجہ میں اتفاق رائے کو اجماع کا نام دیا جائے گا۔(41)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اجماع کی دو قسمیں:

اجماع صریح (عزیمت):

اس کا مطلب یہ ہے کہ مجتہدین کسی مسئلہ پر اپنی رائے کا صراحت سے یعنی واضح طور پر اعلانیہ اظہار کریں۔ پھر کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں۔ عمومی طور پر اس کی چار صورتیں ممکن ہیں۔

1- مجتہدین کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہو اور وہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک جگہ پر اکٹھے ہوں اور ان میں سے ہر شخص اپنی رائے کا اظہار کرے۔ آخر میں وہ کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں۔

2- دوسری صورت یہ ہے کہ مسئلہ ان میں سے تمام مجتہدین کے سامنے علیحدہ علیحدہ پیش کیا جائے۔ اور تمام ایک ہی رائے دیں اور اُن کی رائے میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

3- تیسری صورت یہ ہے کہ مجتہدین میں سے کسی ایک مجتہد کا کسی مسئلہ کے بارے میں فتویٰ اُس علاقہ کے دوسرے تمام مجتہدین تک پہنچ جائے۔ اس فتویٰ کے علم میں آنے کے بعد وہ اس فتویٰ سے متفق ہونے کے بارے میں قولی طور پر صراحت سے اپنی رائے کا اظہار کریں۔

4- چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی مجتہد کسی مسئلہ میں کسی خاص حکم کی بنیاد پر فیصلہ کرے اور یہ حکم دوسرے مجتہدین تک بھی پہنچ جائے اور وہ اس فیصلہ پر اپنی رضا مندی کا صراحت سے اظہار کریں۔ خواہ وہ قول سے ہو افتاء یعنی فتویٰ کے ذریعہ یا قضاء کے ذریعہ۔

اجماع کی یہ قسم اپنی اجماع صریح اور چاروں صورتوں کے ساتھ قطعی حجت ہے، اس کی مخالفت یا اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔ اجماع کی اس قسم کی اجماع عزیمت بھی کہتے ہیں۔

اجماع سکوتی (رخصت):

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں کوئی مجتہد اپنی رائے کا اظہار کرے اور اس رائے کا سب کو علم ہو جائے اور یہ رائے مشہور ہو جائے اور دوسرے تمام مجتہدین تک پہنچ جائے۔ وہ سب اس پر سکوت اختیار کریں، صراحت سے نہ اس کا انکار کریں اور صراحت سے نہ اس کی تائید کریں۔

لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اظہار رائے میں ان کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو مثلاً یہ کہ اس مسئلہ میں غور و فکر کے لئے کافی مدت گزر جائے اور اس مدت میں ایسی بات پیش نہ آئے جو کسی مجتہد کو خاموشی اختیار کرنے پر مجبور کرے۔ یہ بات کسی کا خوف ہو یا اس کی ہیبت ہو یا ایسی ہی کوئی اور رکاوٹیں ہو۔ اس قسم کی رکاوٹیں اکثر اہل اقتدار کی طرف سے ہوتی ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ (42)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

4-چوتھا ماخذ: قیاس
(Analogy)

فقہ اسلامی کا دوسرا ذیلی ماخذ قیاس ہے۔ مزید یہ ابتدائی چار بنیادی ماخذ قانون میں سے آخری ماخذ ہے۔ مزید آئندہ ابواب میں آنے والے تمام ماخذ کے استعمال میں یہ ماخذ کارفرما ہے۔

قیاس اور اس کے چار ارکان کی تشریح اور مثال:

قیاس ان ذیلی اسلامی ماخذ قانون میں سے دوسرا ہے جن کے ذریعے غیر منصوص مسائل (جن کا واضح یا صریح حل قرآن وسنت میں موجود نہیں) کا حل منصوص مسئلہ کو سامنے رکھ کر نکالا جاتا ہے۔ منصوص مسئلہ اُسے کہتے ہیں جس کے بارے میں قرآن مجید کی آیات یا نص قرآنی میں حکم موجود ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شارع جب کوئی حکم جاری کرتا ہے تو اس حکم کی تہہ میں کوئی مقصد اور منشا ہوتا ہے جو اس حکم کی بنیاد بنتا ہے۔ حکم کی بنیاد بننے والے مدار یا مقصد کو "علت" کہا جاتا ہے جس طرح اسلام میں شراب حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شراب میں نشہ ہے جو انسانی عقل کی ماؤف کر دیتا ہے۔ اب شراب کے حرام ہونے کی بنیاد یا وجہ عقل کا ماؤف ہونا ہے اور اسی کو علت کہتے ہیں۔ گویا کہ اس حرمت کا مقصد انسان کی عقل کو برقرار رکھنا ہے۔ چونکہ حکم کا اصل مدار یہ "علت" ہے اس لئے یہی علت نشہ آور ہونا جب کسی اور چیز میں بھی موجود ہوتی ہے تو سننے والے کو غالب گمان ہو جاتا ہے کہ اس علت کی بنا پر جو حکم پہلی چیز کا ہے وہی اس دوسری چیز کا بھی ہے گویا کہ شراب کے علاوہ جس غیر منصوص چیز میں بھی نشہ ہوگا یعنی حشیم، بھنگ، چرس، ہیروئن وغیرہ وہ بھی حرام ہوگی کیونکہ ان تمام اشیاء اور شراب کی علت ایک ہے اور وہ نشہ آور ہونا ہے۔

یہاں غور کیا جائے تو چار چیزیں سامنے آتی ہیں۔ یہ قیاس کے ارکان ہیں۔

۱۔ اصل: وہ چیز جس کا حکم قرآن یا سنت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کو "اصل" کہتے ہیں۔ اسے مقیس علیہ، محمول علیہ اور مشبہ بہ بھی کہتے ہیں اس مثال میں اصل شراب ہے۔

۲۔ حکم اصل: وہ حکم جو اس چیز کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ اس کو "حکم اصلی" یا "حکم مخصوص" کہتے ہیں جو یہاں حرمت یعنی حرام ہونا ہے۔

۳۔ علت: وہ چیز جو اس حکم کا بنیاد مقصد یعنی مدار بن رہی ہے۔ اس کو "علت" کہتے ہیں جو یہاں نشہ آور

Marfat.com

ہوتا ہے۔

۴۔ فرع: وہ چیز جس کا حکم بیان نہیں کیا گیا ہے۔اس کو "فرع" کہتے ہیں اسے مقیس، محمول اور مشبہ بھی کہتے ہیں وہ اس مثال میں بھنگ ہیروئن وغیرہ ہیں۔

قیاس کے ارکان کی دوسری عام مثال:

اس کی مزید سادہ مثال یہ ہے کہ ایک گھر میں دو کاریں کھڑی ہیں۔

(۱) ایک دائیں طرف (۲) ایک بائیں طرف

مالک نے اپنے ملازم کو کہا کہ دائیں کار پر پردہ ڈال دو۔ ملازم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ دائیں کار پر پردہ ڈالنے کا منشاء یہ ہے کہ اس پر دھوپ آرہی ہے۔اب اگر وہ دیکھتا ہے تو تھوڑی دیر کے بعد بائیں کار پر بھی دھوپ آنے لگی ہے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ اس کار کے بارے میں مالک کا حکم بھی یہی ہوگا کہ اس پر پردہ ڈال دیا جائے۔اس مثال میں مندرجہ بالا چار چیزوں کا وجود اس طرح ہے۔

۱۔ اصل: (جس کا حکم بیان کیا گیا ہو): دائیں کار۔

۲۔ حکم اصل: پردہ ڈالنا۔

۳۔ علت: دھوپ آنا۔

۴۔ فرع: (جس کا حکم بیان نہیں کیا گیا) بائیں کار۔

اس مثال میں اگرچہ بائیں کار کے بارے میں ہدایت کا ذکر نہیں کیا گیا، لیکن اس کا حکم اس طریقے سے معلوم کرلیا گیا ہے کہ اصل (دائیں کار) کا حکم (جو کہ پردہ ڈالنا ہے) فرع (بائیں کار) میں جاری کردیا گیا ہے۔اس بناء پر کہ دائیں کار پر پردہ ڈالنے کی جو علت دھوپ کا آنا ہے وہ بائیں کار میں بھی موجود ہے گویا کہ ملازم نے بائیں کار کو دائیں کار پر قیاس کیا۔ایک ہی علت کا دونوں چیزوں میں پایا جانا "اشتراک علت" کہلاتا ہے۔(43)

قیاس کی عمومی تشریح اور قیاس واجتہاد میں فرق:

تشریح: قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ دور نبوی ﷺ میں کوئی مسئلہ پیدا ہو یا کوئی واقعہ رونما ہوا اور اُس کا حل قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا یا رسول ﷺ نے اُس کا حل پیش کر دیا۔اب رسول اکرم ﷺ کے بعد ایک ایسا مسئلہ پیدا ہوا یا واقعہ پیش آیا جو دور نبوی ﷺ میں رونما نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کا حل قرآن وسنت میں دستیاب ہے تو اب دور نبوی ﷺ میں اس واقعہ سے ملتا جلتا واقعہ، مسئلہ یا حکم تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔تاکہ یہ نیا مسئلہ اُس کی روشنی میں حل کیا جائے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مزید اس سلسلہ میں دور نبوی ﷺ کے مسئلہ یا واقعے کے حل کی بنیاد اور حکمت بھی تلاش کی جائے گی، اگر وہ بنیاد اور حکمت جس کو اصول فقہ کی اصطلاح میں علت کہتے ہیں۔ اس نئے مسئلہ یا واقعہ میں موجود ہے تو اُسی سابقہ حکم کا اس نئے حکم پر اطلاق ہوگا اور وہی حل اس مسئلہ پر لاگو ہو جائے گا۔

گویا کہ نئے مسئلہ پر سابقہ مسئلہ کے بیان کردہ حل یا حکم کو اصل وجہ اور بنیاد میں (علت) برابری اور شریک ہونے کی وجہ سے منطبق کرنا یا لاگو کرنا قیاس کہلاتا ہے۔

مثلاً دور نبوی ﷺ میں ذرائع مواصلات دور حاضر کی طرح جہاز، بس، گاڑی: موٹر سائیکل وغیرہ نہیں تھے بلکہ گھوڑا، گدھا، اونٹ خچر وغیرہ تھے اور آپ ان پر بیٹھ کر سفر کا ارادہ کرتے تو سفر کی دعا پڑھ لیتے تھے۔ اب سنت یہ ہے کہ گھوڑے اونٹ وغیرہ پر بیٹھو تو دعا پڑھ لو لیکن دور حاضر میں جدید ذرائع وسائل پر بھی بیٹھ کر سفر کا آغاز کرتے ہوئے وہ دعائیں پڑھی جائیں گی کیونکہ سابقہ ذرائع اور جدید ذرائع کی بنیاد اور حکمت (علت) مشترک ہے اور وہ سفر ہے۔

قیاس بھی اجتہاد کی ایک قسم ہے اگر اجتہاد انفرادی ہو تو وہ قیاس اور اجتماعی ہو تو اجماع کہلاتا ہے۔ مزید عمومی اجتہاد اور قیاس میں فرق یہ ہے کہ اگر کسی سابقہ مسئلہ کے حکم سے اشتراک کی وجہ سے جدید مسئلہ حل کیا جائے گا تو یہ قیاس ہے اور اگر کوئی سابقہ مثال موجود نہیں اور اسلام کی مجموعی تعلیمات کو مد نظر رکھ کر نئے مسائل حل کیے گئے ہیں تو یہ عام اجتہاد ہے۔

قیاس کے لغوی و اصطلاحی معنی اور ارکان:

قیاس لغت میں ایک چیز کو دوسری چیز سے سے ناپنے، یا مقدار، معلوم کرنے کو کہتے ہیں۔ عربی میں کہا جاتا ہے۔ قست الارض بالمتر یعنی میں نے میٹر سے زمین کی پیائش کی۔ نیز ایک چیز کا دوسری چیز سے مقابلہ کرنے کے لئے بھی قیاس کا لفظ استعمال کرتے ہیں تاکہ ہم ان میں سے ہر ایک کی مقدار دوسری چیز کی نسبت سے جان سکیں۔ چنانچہ عربی میں کہا جاتا ہے۔ قایست بین ھاتین الورقتین یعنی میں نے ایک ورق کا دوسرے سے مقابلہ کیا کہ ان میں سے ہر ایک کی مقدار دوسرے کی نسبت سے معلوم ہو جائے۔ قیاس کا لفظ عام طور پر دو چیزوں کے برابر کرنے کے لئے بولتے ہیں۔ یہ برابری خواہ حسی ہو یا معنوی۔ حسی کی مثال یہ ہے: قست ھذا الورقة بھذا الورقة یعنی میں نے اس ورق کو دوسرے کے ساتھ برابر کیا معنوی کی مثال یہ ہے: علم فلان لا یقاس بعلم فلان یعنی فلان کا علم فلاں شخص کے برابر نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک کا علم دوسرے کے علم کے برابر نہیں کیا جاسکتا۔

Marfat.com

علماء اصول کی اصطلاح میں قیاس کی تعریف یہ ہے:

جس مسئلہ کے بارے میں قرآن یا سنت میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو اس کو کسی دوسرے حکم کے ساتھ جو قرآن یا سنت میں موجود ہو علت میں مشترک ہونے کے سبب ملانے کو قیاس کہتے ہیں۔

اس کی عربی میں تعریف یہ ہے:

(اطلاق حکم الاصل علی الفرع لاشتراك العلة بينهما)

اصل کے حکم کو فرع پر علت کے مشترک ہونے کی وجہ سے لاگو کرنا۔

یا دوسری تعریف یہ ہے: ایسے واقعہ کو جس کے بارے میں قرآن یا سنت (نص) میں حکم موجود ہو۔ ایسے نئے واقعہ سے جس کے بارے میں حکم موجود نہ ہو، حکم کی علت یکساں ہونے کے سبب ملانے کو قیاس کہتے ہیں۔(44)

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ ایک واقعہ کو دوسرے کے ساتھ ملانے یا الحاق کو قیاس کہتے ہیں۔علماء اصول اس الحاق کو مختلف الفاظ میں بیان کرتے ہیں، مثلاً دو واقعوں کو حکم میں برابر کرنا۔یعنی حکم کو ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ تک لے جانا۔یہ سب الفاظ یعنی الحاق تسویہ، تعدیہ ایک ہی مفہوم کو بتلاتے ہیں۔یعنی کسی واقعہ یا مسئلہ کے بارے میں کوئی حکم منصوص یعنی جو قرآن یا سنت میں موجود ہو، اس کو متعدی کر کے ایسے واقعات پر اس کا اطلاق کرنا جو علت میں اس واقعہ کے مساوی ہو۔اسی کو قیاس کہتے ہیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہیئے کہ قیاس کسی حکم کو ابتداء سے ثابت نہیں کرتا، مختصر یہ کہ مقیس یعنی نئے واقعہ کے بارے میں حکم کا ظہور اس وقت تک کے لئے موخر رہتا ہے جب تک مجتہد علت حکم کے وجود کو ظاہر نہ کرے۔اس بنا پر قیاس حکم کو ظاہر کرتا ہے ثابت نہیں کرتا۔اور مجتہد کا کام یہ ہے کہ وہ حکم کی علت کو پہنچانے، اور اس بات کی وضاحت کرے کہ مقیس اور مقیس علیہ دونوں علت میں مشترک ہیں پھر یہ ظاہر کرے کہ دونوں کے بارے میں حکم ایک ہی ہے۔اسی تعریف کا مطالعہ آپ قیاس کی تعریف کے ابتدائی پیرہ میں کر چکے ہیں۔

قیاس کی اصطلاحی تعریف سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے چار رکن ہیں۔اور وہ یہ ہیں۔

قیاس کے چار ارکان:

اول: اصل: اس کو مقیس علیہ بھی کہتے ہیں۔کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی حکم جس نص سے ثابت ہو اس نص کو اصل کہتے ہیں۔یعنی دور نبوی ﷺ میں کسی مسئلہ یا واقعہ کے بارے میں قرآن کی آیت یا حدیث

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کے الفاظ۔

دوم: حکم اصل: یہ شرعی حکم ہے جو قیاس کے رکن اصل میں نص سے ثابت ہوتا ہے۔اور اس کو فرع یعنی نئے واقعہ کی طرف متعدی کیا جاتا ہے۔یعنی قرآن یا حدیث سے حاصل شدہ حکم کہ وہ کام کرنا فرض ہے مستحب ہے یا حرام ہے وغیرہ اس طرح فرضیت، وجوب، حرمت، کراہت، یا استحباب حکمِ اصل کہلائے گا۔

سوم: فرع: اس کو مقیس بھی کہتے ہیں۔یہ وہ مسئلہ یا واقعہ ہے جس کے بارے میں نص سے کوئی حکم ثابت نہیں ہے۔قیاس کے طریقہ کار پر عمل کر کے اصل میں جو حکم موجود ہو اس کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے۔یعنی وہ نیا مسئلہ یا واقعہ جس کا حل تلاش کرنا ہے اس مسئلہ کو فرع کہا جائے گا۔

چہارم: علت: یہ وہ وصف ہے جو اصل میں موجود ہو۔اور یہ وہ مقصد وصف بنیاد، حکمت اور غرض ہے جس کو مدنظر رکھ کے حکم دیا گیا ہو۔اگر یہی وصف اور یہی غرض یا اسی جیسا وصف اور اس کے مشابہ غرض فرع یعنی نئے واقعہ میں موجود ہو، تو اس کو اصل کے مساوی یعنی علت میں مشترک سمجھا جائے گا، اس لئے اس پر بھی اسی حکم کا اطلاق ہوگا، جو اصل میں موجود ہے۔علماء اصول کے نزدیک علت اور حکمت کے درمیان فرق ہے جس کا ذکر آئندہ اوراق میں ہے۔(45)

قیاس کی قرآن وحدیث سے مثالیں:

قیاس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

قرآن مجید میں ہے:

1-﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾. (جمعہ 9)

اے ایمان والو! جب نماز کے لئے جمعہ کے دن اذان ہو جائے تو اللہ کی یاد یعنی نماز کے لئے جلدی کرو۔اور خرید وفروخت ترک کردو اگر سمجھ لو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

مندرجہ بالا آیت کی رو سے اذان جمعہ کے بعد ہر قسم کی خرید وفروخت منع ہے۔اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد خرید وفروخت کے معاملات میں مشغولیت سے یہ اندیشہ ہے کہ انسان نماز سے غافل ہو جائے اور جمعہ کی نماز رہ جائے۔

لہٰذا یہ علت اذان جمعہ کے بعد جس کام میں بھی پائی گئی اس پر یہی حکم لاگو ہوگا۔مثلاً کلاسوں کو جاری

Marfat.com

رکھنا پارلیمنٹ کا اجلاس جاری رہنا، عدالتوں میں مقدمات کی سماعت ہونا، کسی سے اجرت پر کام لینا یا رہن کا معاملہ کرنا۔ یہ سب اور اس طرح کے مزید امور بھی اس قرآنی آیت کی رو سے اذان جمعہ کے بعد قیاساً منع ہیں حالانکہ آیت میں بیع کا ذکر ہے قانون سازی، قضا، اجارہ یا رہن کے بارے میں بیان نہیں دیا گیا۔لہٰذا اصل (یعنی بیع) کا حکم (یعنی ممانعت) علت میں اشترک (یعنی نماز جمعہ سے غفلت) کی وجہ سے فرع (یعنی مقننہ اور عدلیہ کی کارروائی، اجارہ اور رہن وغیرہ) پر لگا دیا جائے گا۔گویا کہ اِس آیت سے قیاس کرتے ہوئے جمعہ کی آذان کے بعد ہر قسم کی مشغولیات میں مصروف ہونا ممنوع ہوگا اور خرید و فروخت اصلاً ممنوع ہوگا اور بقیہ امور قیاساً ممنوع ہونگے۔

2- قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾.(المائدة:90)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان ہے۔پس ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔

اس آیت کی رو سے شراب حرام ہے۔اس کی حرمت کی علت نشہ پیدا کرنا ہے۔لہذا یہ علت جس چیز میں بھی پائی جائے گی اس پر شراب کا حکم نافذ ہوگا اور وہ حرام ہے۔

3- حدیث شریف میں ہے

"من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستو فيه".(46)

"جو شخص طعام خریدے وہ اس کو اس وقت تک نہ بیچے، جب تک کہ وصول نہ کرلے یعنی وہ اُس کے قبضہ میں نہ آجائے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلہ خرید کر قبضہ سے پہلے اس کا آگے بیچنا جائز نہیں۔اس کی علت یہ ہے کہ خرید ہوا غلہ ابھی قبضے کے ذریعے خریدار کے قبضہ اور تصرف میں نہیں آیا۔اگر غلہ کے علاوہ کوئی اور چیز خریدی گئی ہو اور اس پر خریدار کا قبضہ نہ ہوا ہو تو چاہیئے کہ خریدنے کے بعد جب تک ان کو وصول نہ کیا جائے آگے بیچنا جائز نہیں۔

غلہ کے علاوہ دیگر اشیاء کا یہ حکم حدیث میں مذکورہ طعام کے حکم پر قیاس کر کے ثابت کیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے روایت فرمانے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا کرتے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تھے۔

"واحسب کل شئی مثله".

''میری رائے میں ہر چیز کا حکم طعام کی طرح ہے''

وضاحت کے لئے خاکہ ملاحظہ ہو:

اصل: طعام

حکم اصل: خرید کر قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

علت: خریدار کے قبضہ میں نہ ہونا۔

فرع: طعام کے علاوہ دیگر اشیاء۔

قیاس کی صورت: قبضہ میں نہ ہونے کی علت مشترک ہونے کی بناء پر طعام کی طرح دیگر اشیاء بھی قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں

4- نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے

لایرث القاتل. (47)

قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں ملے گی۔

یعنی اگر کسی نے ایسے شخص کو جس کی وراثت میں وہ حصہ دار ہے، جلد وراثت حاصل کرنے کے ارادے سے قتل کر دیا تو قاتل کو مقتول کی جائیداد میں سے حصہ نہیں ملے گا۔قاتل وارث کو مقتول مورث کے ترکہ سے محروم کرنے کے حکم میں علت ''استعجال قبل الوقت'' یعنی وقت سے قبل ہی حق حاصل کرنے کی خواہش ہے۔لہٰذا یہ علت استعجال جس حق میں بھی پائی جائے گی صاحب حق کو اس کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔

مثلاً 'الف' نے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا مکان 'ب' کو دے دیا جائے۔'ب' نے اس مکان پر جلد قبضہ کرنے کے لئے 'الف' کو قتل کر دیا۔اس مثال میں بھی منصوص حکم والی علت استعجال یعنی قبل از وقت اپنا حق حاصل کرنے کی خواہش پائی جاتی ہے لہٰذا علت میں اشترک کے سبب قاتل وارث کا حکم ہی قاتل موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی تھی) کے لئے بھی ہوگا اور اسے وصیت سے محروم کر دیا جائے گا۔(48)

حجیت قیاس کے دلائل قرآن وحدیث سے

قیاس حجت شرعی ہے یعنی اس کے ذریعہ سے احکام ثابت کئے جا سکتے ہیں۔جس طریقہ سے کتاب اللہ ،سنت رسول ﷺ اور اجماع کے ذریعہ سے مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

1- ایک دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجنے کو ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے معاذ بن جبلؓ سے پوچھا کہ: "بما تقضي يا معاذ؟" کہ اے معاذ! تم بتاؤ تم کس چیز کے ذریعہ فیصلہ کروں گے؟ یعنی جب تمہارے سامنے مختلف مسائل آئیں گے اور تمہارے سامنے مختلف معاملات و مقدمات آئیں گے تو ان مسائل و معاملات و مقدمات میں تم کس چیز کے ذریعہ فیصلہ کرو گے؟

"قال بكتاب الله تعالىٰ" تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کروں گا۔

"قال فان لم تجد" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی کتاب میں تمہیں اس مسئلہ کا حکم معلوم نہ ہوا؟

"قال بسنة رسول الله ﷺ" تو حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ پھر میں رسول ﷺ یعنی آپ کی سنت کے ذریعہ سے فیصلہ کروں گا۔

"قال فان لم تجد؟" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنت میں بھی تمہیں کوئی حکم معلوم نہیں ہوا؟

" قال اجتهد برائي" پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"الحمد الله الذى و فق رسول رسوله بما يرضى به رسوله" (49)

ساری تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کے نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی جس بات پر اس کا رسول ﷺ راضی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذؓ کے جواب سے اور رسول اکرم ﷺ کی تائید و تصدیق سے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد اجتہاد معرفت احکام شرعیہ کا ذریعہ ہے اور اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اس موقعہ پر اجماع کا تذکرہ اس بنا پر نہیں ہوا کہ نبی اکرم ﷺ جب تک بقید حیات تھے اس وقت تک اجماع کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

2- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾. (الحشر. ۲)

اس واقعہ سے اے عقل والوں سبق حاصل کرو۔

ان الفاظ کا اگر عام فہم معنی لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے حالات کو دیگر لوگوں کے حالات پر قیاس کرو۔ یا تم ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرو۔ تم ایک چیز کا حکم دوسری چیز کے حکم سے معلوم کرو۔ گویا کہ تم

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اپنے حالات کو گزشتہ قوموں کے حالات پر قیاس کرتے ہو، تم کسی ایک حکم شرعی کو کسی دوسرے حکم شرعی پر قیاس کرتے ہو، ایک جزئیہ کو دوسرے جزئیہ پر قیاس کرتے ہو۔

اگر عموم کے مفہوم میں ہم ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ کو لے لیں تو یہ گویا قرآن مجید کی ایک دلیل ہو جائے گی اس بات پر کہ تم قیاس واجتہاد سے کام لیتے رہو۔

لیکن اگر ہم ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ کو اس سیاق میں دیکھیں جس سیاق وسباق میں یہ جملہ آیا ہے تو یہاں جو استدلال ہے وہ ایک عقلی استدلال بن جائے گا۔ مثلاً..... قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ......﴾. (الحشر۔ ۲)

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے ﴿اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ کہ جس نے جنگی کاروائی کے نتیجہ میں اہل کتاب کے کفار کو اپنے گھروں سے نکال دیا۔ اور تمہارا یہ خیال نہیں تھا کہ یہ لوگ اپنے قلعوں سے نکلیں گے۔ اور ان کا یہ خیال تھا ﴿اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ﴾ کہ یہ قلعے ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ان قلعوں سے نکال دیا اور اس کے بعد آخر میں آتا ہے کہ ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہود بنی نضیر کو جنگ کئے بغیر صرف محاصرہ کر کے اپنے قلعوں سے نکال دیا گیا، اپنے ملک کو انہیں چھوڑنا پڑا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملک بدر ہونے کا عذاب نازل ہوا، اسی طرح تمہیں بھی چاہئے کہ تم بھی اپنے حالات پر غور کرو تا کہ تم بھی اس حشر سے دوچار نہ ہو جاؤ۔

یہاں بنی نضیر کے اخراج کے لئے اور ان کی سزا کے لئے جو علت تھی وہ رسول اللہ ﷺ کی عداوت اور اسلام کی مخالفت تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے مخالفین رسول اکرم ﷺ اگر اسی طرح تم عداوت سے کام لیتے رہو گے اور رسول ﷺ کی مخالفت کرتے رہو گے تو تمہیں بھی اس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔

یہ تو آیت کا صریح مفہوم ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے مدینہ طیبہ میں رہنے والے مخالفین رسول ﷺ تم اپنے حالات کو یہودی قبیلہ بنو نضیر کے حالات سے اس بنا پر قیاس کرو کہ تمہارے دونوں کے درمیان علت ایک ہے جو کفر اور رسول اکرم ﷺ سے عداوت ہے۔

تو اسی طریقہ سے قیاس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم ایک جزئیہ کو دوسرے جزئیہ پر قیاس کرتے ہیں اس بناء پر کہ ان کے درمیان جو علت ہوتی ہے وہ ایک ہوتی ہے۔

3- نبی اکرم ﷺ نے بذات خود کبھی کبھی قیاس واجتہاد سے بھی کام لیا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مثال کے طور پر ایک عورت حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول ﷺ!

''ان ابی ادرکه الحج و هو شیخ کبیر لا یستطیع علی الراحلة''

اب جب حج تمام امت مسلمہ پر فرض ہو چکا ہے تو میرے والد صاحب بہت بوڑھے ہیں اور وہ کسی سواری یا کسی اونٹ پر بالکل ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ کیا میرے لئے اس بات کی اجازت ہے کہ میں ان کی طرف سے حج کرلوں یا ان کی طرف سے کسی کو حاجی مقرر کرلوں۔ تو کیا یہ بات جائز ہوگی؟

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

''ارایت لو کان علی ابیك دین !فقضیته اما کان یؤدی عنه''

تم یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے باپ پر کسی کا قرض ہوتا اور تم اس قرض کو ادا کرتیں تو اسکی طرف سے یہ قرض ادا ہوتا یا نہ ہوتا؟

اس عورت نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ وہ تو ادا ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

''فدین الله احق بالقبول و القضاء'' (50)

اللہ تعالیٰ کا قرضہ ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے اور وہ تو بطریق اولیٰ ادا ہوتا جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرضہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہاں حج کو بندوں کے حقوق پر قیاس کرلیا اور قیاس کے ذریعہ سے اسے جواب دے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیاس حجت ہے اور اس کے ذریعہ سے احکام شرعیہ کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے۔

صحت قیاس کی شرائط:

قیاس کا عمل اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خاص شرطیں پوری نہ ہوں۔ ان میں بعض شرطیں اصل کے ساتھ مخصوص ہیں اور بعض بقیہ ارکان قیاس کے ساتھ اس لئے اس میں کچھ تفصیل کی ضرورت ہے۔ خصوصیت سے علت کے شرائط کے بارے میں۔

اصل کے متعلق دو شرطیں

ا۔ یہ اصل یعنی وہ مسئلہ جس کا حل واضح طور پر قرآن و سنت میں موجود ہے دوسرے اصل کی فرع نہ ہو۔ یعنی اس کا حکم نص یعنی قرآن سنت یا اجماع سے ثابت ہو۔ وہ حکم قیاس سے ثابت شدہ نہ ہو۔ جو حکم خود قیاس سے ثابت ہو اُس سے مزید قیاس نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذہ اصل قرآن و سنت یا اجماع سے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ثابت ہو۔

۲۔ اصل کے حکم کی دلیل میں فرع کا حکم شامل نہ ہو۔ ورنہ حکم دلیل سے ثابت ہو گا۔ قیاس سے نہیں۔

تشریح: اصل کبھی نص یعنی کتاب وسنت سے معلوم ہوتی ہے اور کبھی اجماع سے۔ جو نص سے معلوم ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کا مقصد اور علت سمجھ میں آسکیں، دوسری قسم وہ ہے جس کا مقصد اور علت انسانی سمجھ سے بالاتر ہو مثلاً نماز اور روزہ کی تعداد اور ایسی دوسری عبادات جن میں بعض معین مقداریں ہیں۔ اس پر قیاس جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قیاس اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک اس کی علت معلوم نہ ہو۔ جب علت ہی سمجھ میں نہ آئے تو قیاس درست نہیں ہوسکتا۔ گویا کہ اصل ایسی ہو جس کی علت قابل فہم ہو اس کو معقول المعنی کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل اگلے پیرہ میں بھی ہے۔ اس وجہ سے علماء اصول نے تمام احکام کو اِس لحاظ سے دو اقسام

1- احکام معقول المعنی (غیر تعبدیہ) 2- احکام غیر معقول المعنی (تعبدیہ) میں تقسیم کیا ہے، اور اس میں موخر الذکر سے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اصل کے حکم کے متعلق پانچ شرطیں:

۱۔ اس حکم کے لئے ضروری ہے کہ یہ شرعی اور عملی ہو۔ مزید کتاب یا سنت کے کسی نص سے ثابت ہو۔

۲۔ یہ کہ معقول المعنی ہو، یعنی حکم ایسی علت پر مبنی ہو کہ عقل اس کا ادراک کر سکے، کیونکہ قیاس کی بنیاد حکم کی علت کے جاننے پر ہے، اور اس بات کے جاننے پر ہے کہ یہ علت فرع میں بھی موجود ہے، تا کہ اس سے اصل کے حکم کو فرع تک دونوں کے علت میں مشترک ہونے کے سبب قیاس کر سکیں۔ اگر عقل کے لئے اُس کا ادراک ناممکن ہو تو قیاس بھی ناممکن ہو گا۔ اس وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ تعبدی احکام مین قیاس نہیں ہوسکتا۔ تعبدی احکام وہ ہیں کہ جن علتوں پر وہ مبنی ہیں ان کا علم صرف خدا کو ہے، اور اس نے کسی کو ان علتوں کے ادراک کا راستہ نہیں بتایا۔ جیسے نماز میں رکعتوں کی تعداد، زانی اور زانیہ کو حد میں سو کوڑے مارنا، حد قذف میں اسی کوڑے مارنا، حج میں کعبہ کے اردگرد خاص تعداد چکر لگانا، اسی طرح صفا ومروہ میں معین تعداد میں سعی کرنا وغیرہ۔

علماء اصول نے تمام احکام کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ احکام معقول المعنی (احکام غیر تعبدیہ)

۲۔ احکام غیر معقول المعنی (احکام تعبدیہ)

Marfat.com

اول الذکر وہ احکام ہین جن کی عقلی توجیح کی جا سکتی ہو مثلاً نماز کی فرضیت زکاۃ کی ادائیگی، بنی نوع انسان سے محبت، مساوات اور وحدت انسانی وغیرہ۔ ثانی الذکروہ احکام ہے جن کی عقلی تشریح نہیں کی جا سکتی مثلاً طواف وسعی کے چکروں کی تعداد نماز کے رکعت کی تعداد وغیرہ۔
اگر اصل کا حکم معقول المعنی ہو یعنی ایسی علت پر مبنی ہو جس کا ادراک کرنا عقل کے لئے ممکن ہو تو اس حالت میں قیاس صحیح ہوگا۔

۳۔ حکم کی علت ایسی ہو کہ وہ فرع میں بھی موجود ہو۔ اگر علت صرف اصل میں ہی منحصر ہو یا اصل تک ہی محدود ہو، اور کسی دوسرے چیز میں اس کا وجود ممکن نہ ہو تو اس پر قیاس کرنا منع ہے، کیونکہ قیاس کے لئے یہ ضروری ہے کہ حکم کی علت میں فرع اور اصل دونوں شریک ہوں۔ جیسے سفر میں قصر نماز پڑھنا، یا سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہونا۔ ان دونوں مثالوں میں حکم کی علت سفر ہے۔ اور اس رخصت کا مقصد مشقت کا دفعیہ ہے۔ لیکن یہ علت کسی ایسے شخص میں نہیں پائی جاتی جو مسافر نہ ہو۔ اس لئے مسافر پر ان لوگوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جو اپنے گھر رہتے ہوئے سخت محنت والے کام کرتے ہیں، یا جن کا پیشہ ہی ایسا ہے جس سے انسان تھک جاتا ہے اور جسم لاغر ہو جاتا ہے۔ لہٰذہ اِن لوگوں کو قصر یا روزہ نہ رکھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

۴۔ یہ کہ اصل کا حکم صرف کسی ایک ہستی یا خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہ ہو۔ کیونکہ اگر حکم اسکے ساتھ مخصوص ہوگا تو وہ فرع تک متعدی نہیں ہو سکتا، اور اگر اسکا متعدی ہونا جائز نہیں ہے تو قیاس قطعاً ناممکن ہو گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس حالت میں قیاس اس دلیل کے مخالف ہے جو اس بات کو بتلاتی ہے کہ اصل ایک خاص حکم کے ساتھ مخصوص ہے، اور جو قیاس اس دلیل کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی طور پر چار سے زیادہ شادیوں کی اجازت دی گئی تھی، اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا، تو چار سے زیادہ بیک وقت شادیوں کی اجازت، اور ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت پر دوسرے شخص کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دوسری مثال حضرت خزیمہ بن ثابت کی گواہی ہے، جو دو شخصوں کے برابر تسلیم کی گئی تھی۔ یہ گواہی حضرت خزیمہ کے ساتھ مخصوص تھی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے لئے خزیمہ نے شہادت دی بس وہ کافی ہے۔ یعنی دوسرے شخص کی شہادت کی ضرورت نہیں۔ اس لئے امت میں کسی شخص کو خواہ فضیلت اور تقوی میں اس کا درجہ کچھ بھی ہو، حضرت خزیمہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۵۔ حکم منسوخ نہ ہو۔ کسی موقع ومحل کی مناسبت سے ایک حکم دیا گیا، جب وہ مناسبت ختم ہوگئی تو دوسرا حکم آگیا، تو اب غیر موقع ومحل میں سابق حکم پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا۔

فرع سے متعلق تین شرطیں:

ا۔ فرع یعنی نئے مسئلے کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا حکم کسی نص یعنی قرآن سنت یا اجماع سے ثابت نہ ہو کیونکہ قیاس کی طرف اس وقت رجوع کیا جاتا ہے جب کسی مسئلہ میں نص موجود نہ ہو۔ اور علماء اصول کے نزدیک یہ اصول طے شدہ ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ جب نص موجود ہو تو پھر قیاس کے کوئی معنی نہیں۔

۲۔ علت کی اصل فرع میں موجود ہونا ضروری ہے، کیونکہ حکم کو متعدی کرنا علت کو متعدی کرنے کی فرع ہے۔ یعنی فرع میں بھی وہی علت موجود ہونا چاہئے جو اصل میں موجود ہو اور جس پر حکم مبنی ہو۔ اگر فرع علت میں اصل کے مساوی نہیں ہوگی تو حکم میں بھی مساوی نہیں ہوگی اصل سے فرع کی طرف حکم کا متعدی ہونا علت میں دونوں کے درمیان مماثلت پر مبنی ہے۔ اگر دونوں کے درمیان یہ مماثلت موجود نہیں ہے تو حکم میں مساوی کرنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

جس قیاس پر یہ شرط نہیں پائی جاتی اس کو **قیاس مع الفارق** کہتے ہیں۔

۳۔ فرع کا حکم اصل کے حکم پر مقدم نہ ہو۔ یعنی نزول حکم کے لحاظ سے فرع کا حکم پہلے نازل ہوا ہو اور اصل کا حکم اس کے بعد نازل ہوا ہو۔ جیسے نیت کے وجوب میں وضو کو تیمّم پر قیاس کرنا۔ حالانکہ وضو کا حکم ہجرت سے پہلے نازل ہوا ہے اور تیمّم کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے۔ (51)

علت سے متعلق پانچ شرطیں:

علت کی تعریف:

العلة هی و صفٌ ظاهرٌ منضبطٌ الذی بُنِیَ علیه الحکم وَربطُ به وجوداً و عدماً

علت (کسی شرعی حکم کی) ایسی ظاہری، متعین اور باقاعدہ صفت ہے جس پر کسی حکم کی بنیاد ہوتی ہے۔ اس صفت کے موجود ہونے سے وہ حکم نافذ ہوتا ہے اور اس صفت کے موجود نہ ہونے سے وہ حکم معدوم ہو جاتا ہے۔

1۔ علت ایک ظاہر وصف واضح نشانی کا حامل ہونا چاہیے یعنی واضح ہو ہر انسان اسے دیکھ کر سمجھ سکے۔ جس طرح شراب کی علت نشہ آور ہونا ہے۔

Marfat.com

2۔ علت ایک منضبط (متعین) اور غیر متبدل وصف ہونا چاہئے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں تبدیلی نہ ہو سکے جس طرح نماز جمعہ کے وقت خرید و فروخت چھوڑ دینے کی علت ''مشغولیت کی وجہ سے نماز کا چھوٹ جانا ہے'' اب اس وصف میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

3۔ علت کا وصف حکم کے مناسب ہونا چاہئے یعنی قیاس کے لئے ایسی علت قائم نہ کی جائے جو شریعت اسلامیہ کے مطابق نہ ہو۔

4۔ علت ایک متعدی وصف (یعنی جو فرع میں پایا جا سکے) ہونا چاہئے۔

5۔ علت ایسا وصف ہو جس کو شارع نے غیر معتبر قرار نہ دیا ہو۔

علت اور حکمت میں فرق:

علماء اصول علت اور حکمت میں فرق کرتے ہیں۔

علت ایک واضح اور متعین وصف ہوتا ہے لیکن حکمت متعین وصف نہیں ہوتا۔ مثلاً نماز میں سفر کی وجہ سے قصر کرنا یا رمضان میں سفر کی وجہ سے روزہ چھوڑ دینا، اس کی حکمت مشقت ہے لیکن اس کی علت سفر ہے۔ اب اگر سفر میں مشقت نہ بھی ہو تو اُس میں نماز کی قصر، جمع بین الصلاتین، روزہ کی قضاء وغیرہ کا حکم جاری ہو گا۔ اگر کوئی آدمی گھر یا اپنے شہر وغیرہ میں بہت ہی مشقت کا کام کر رہا ہو تو اُس کو یہ سہولتیں نہیں مل سکتی کیونکہ ان سہولتوں کی علت سفر ہے نہ کہ مشقت اور وہ شخص حضر میں ہے سفر میں نہیں ہے۔

اس طرح شُفعہ کی علت ہمسائیگی یا شرکت وغیرہ ہے۔ لیکن حکمت ایک آدمی کا کسی دوسرے کو جائداد فروخت کرنے کی وجہ سے ہمسائے یا شریک کو نقصان یا تکلیف ہونا ہے۔ اب اگر ہمسائے کو تکلیف یا نقصان نہ ہو رہا ہو تو یہ حق ساقط نہیں ہو سکتا اُس کا حکم علت کی وجہ سے قائم رہے گا۔

لہٰذہ احکام کی موجودگی علت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور علت نہ ہونے کی وجہ سے احکام معدوم یا ختم ہو جاتے ہیں۔ مصلحت ایک اہم اضافی صفت ہوتی ہے۔ لیکن اُس کی بنیاد پر احکام لاگو نہیں ہوتے۔ کسی چیز کی حکمت علت نہیں بن سکتی مثلاً سفر ایک آدمی کے لئے نماز میں قصر یا روزہ نہ رکھنے کی علت ہے حکمت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ سفر میں قصر کی وجہ شدت تکلیف ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ سفر قصر کی علت ہے چاہیے تکلیف ہو یا نہ ہو۔(52)

قیاس کے بارے میں علماء اصول نے بہت تفصیلی اور دقیق بحثیں کی ہیں اُن کے مطالعہ کے لئے اصول فقہ کی بنیادی کتب کی طرف رجوع کریں۔ درسی کتاب کے لئے یہ مواد کافی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

5-پانچواں ماخذ: استحسان

(Juristic Preference/Lenient Interpratation)

استحسان کی تشریح:

استحسان فقہ اسلامی کا پانچواں ماخذ اور ایسا ذیلی ماخذ ہے جس میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے۔

حتی کہ امام شافعیؒ بانی مذہب شافعیہ فرماتے ہیں کہ جو استحسان کے ذریعہ مسائل حل کرے گا اُس نے نئی شریعت ایجاد کی۔ یعنی اسلامی شریعت کو چھوڑ کر اپنی شریعت بنائی۔

استحسان کی تعریف قدرے مشکل ہے جس کا مطالعہ آپ آئندہ سطور میں کریں گے لیکن آسان پیرایہ میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر وقت اور عمومی کلیہ کے طور پر نہیں بلکہ بعض اوقات چند مخصوص حالات کی وجہ سے مجتہد کسی مسئلہ کو قرآن یا سنت کے ذریعے حل کرتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ عوام الناس کو سہولت، آسانی اور فراخی مہیا کرنے کے لئے قرآن، سنت یا اجماع کے واضح حکم یا واضح آیات کے مخالف حکم دیتا ہے تاکہ اسلام کی مجموعی تعلیمات کے مطابق لوگوں کو سہولتیں مہیا کی جائیں۔ حکم استحسان کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن وسنت کے احکام کا مقصد اور شریعت کے عمومی مقاصد لوگوں کو سہولت دینا ہیں ان کے لئے مشکلات پیدا کرنا نہیں ہیں۔ اس لئے اگر قرآن یا سنت کے کسی خاص حکم کے ذریعہ اُس وقت کے مخصوص حالات یا کسی خاص علاقہ کے لوگوں کو مشکلات اور تنگی کا سامنا ہو رہا ہو تو مجتہد ایک محدود وقت اور خاص علاقہ کے لئے اُس حکم کو ختم کر کے لوگوں کو سہولت میسر کرنے کے لئے کوئی اور آسان حکم دے سکتا ہے۔

مثلاً حضرت عمرؓ کے دور میں حجاز میں قحط رونما ہو گیا اور لوگوں کو کھانے کے لئے گندم بھی میسر نہیں ہوتی تھی۔ اس صورت حال میں آپ نے غلہ کے چور کے لئے صرف حجاز کے علاقہ میں ایک محدود مدت یعنی قحط کے دوران ہاتھ کاٹنے کی سزا موقوف کر دی کیونکہ اب جو غلہ چوری کرے گا مجبوری اور بھوک کی وجہ سے کرے گا شوق یا عادت کی وجہ سے نہیں کرے گا۔ اب اس مثال میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا قرآن مجید سے ثابت ہے اس کو قیاس جلی کہیں گے اور لوگوں کو سہولت اور آسانی پہنچانے کے لئے محدود علاقہ اور متعین مدت

Marfat.com

کے لئے ناساز گار حالت کی وجہ سے سزا کو موقوف کر دینا قیاس خفی کہلائے گا۔گویا کہ کسی خاص مسئلہ میں مخصوص حالات کی وجہ سے ایک متعین مدت کے لئے شریعت کے واضح حکم (قیاس جلی) کو چھوڑ کر شریعت کے عمومی مقاصد (قیاس خفی) پر عمل کرتے ہوئے مسائل کا حل پیش کرنا استحسان ہے۔

استحسان کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

لغت میں استحسان کسی چیز کو اچھا سمجھنے کو کہتے ہیں۔اور اس چیز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔جس کو انسان چاہتا ہو، اور اسکی طرف مائل ہو، چاہے دوسرا شخص اس کو برا سمجھتا ہو۔

استحسان کے معنی کسی شے کو اچھا اور مستحسن سمجھنا ہیں۔

عدالشئی حسنا.(56)

اصطلاح میں اسکی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ان میں سے ایک تعریف یہ ہے جو فخر الاسلام امام بزدوی نے کی ہے۔

(1) الا ستحسان هو العدول عن موجب قياس اقوى منه، او تخصيص قياس بدليل اقوى منه. (53)

یعنی قیاس جس چیز کا تقاضا کرتا ہواس کو چھوڑ کر اس سے قوی تر قیاس پر عمل کرنے کا نام استحسان ہے۔یا اس کی دوسری تعریف یہ ہے: کسی قوی تر دلیل کی بنا پر کسی قیاس کو خاص کرنا استحسان کہلاتا ہے۔

(2) امام ابوالحسن کرخی حنفی نے استحسان کی تعریف یہ کی ہے:

کسی مسئلہ میں عالم دین، فقیہ، مجتہد یا مفتی کوئی ایسا فیصلہ کرے جو ان فیصلوں کے خلاف ہو جو اس جیسے مسئلوں میں اس سے پہلے کئے جا چکے ہیں۔اور اس مخالفت کا کوئی ایسا شرعی سبب بھی موجود ہو جو سابق فیصلوں سے مخالفت کا باعث ہو۔(54)

(3) بعض حنبلی فقہاء نے اس کی تعریف یہ کی ہے:

العدول بحكم المسألة عن نظائر ها لدليل شرعي خاص.(55)

یعنی کسی مسئلہ میں کسی خاص شرعی دلیل کی بنا پر ایک حکم کا اطلاق کرنا، اور اسی جیسے دوسرے مسائل میں اس حکم کو چھوڑ دینا استحسان کہلاتا ہے۔

(4) ان تمام تعریفوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ استحسان سے مقصود لوگوں کے مسائل حل کرنے کے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

لئے قیاس جلی یعنی قرآن وسنت کے واضح حکم کو چھوڑ کر قیاس خفی یعنی قر یعنی وسنت میں بندوں کے لئے عمومی ہدایات اور شریعت کے عمومی فلسفہ کو اختیار کرنا ہے۔

(5) جب مجتہد کو کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس میں دو قیاس کا باہمی ٹکراؤ ہوتا ہو ایک قیاس جلی، یعنی واضح قیاس کا حکم ہو جو اس حکم کا تقاضا کرتا ہو جو اس مسئلہ کے بارے میں مقرر ہے یعنی عمومی حکم۔

دوسرا قیاس خفی۔ جو دوسرے حکم کا متقاضی ہو۔ اس وقت مجتہد کے ذہن میں ایسی دلیل موجود ہوتی ہے جو دوسرے قیاس کو پہلے پر ترجیح کا تقاضا کرتی ہے۔ یا قیاس جلی جس حکم کا تقاضا کرتا ہے۔ قیاس خفی اس کو چھوڑنے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ عدول (گریز) یا ترجیح استحسان کہلاتا ہے۔ اور جو دلیل اس مخالفت کا تقاضا کرتی ہے اس کو وجہ استحسان کہتے ہیں۔

(6) اور فقہاء کی اصطلاح میں مسئلہ کے دو پہلوؤں میں ایک کو کسی معقول دلیل کی بنا پر ترجیح دینے کا نام استحسان ہے، ذیل میں افادہ کے لحاظ سے مزید چند تعریفیں نقل کی گئی ہیں۔

(7) **قطع المسئلة عن نظائر ها بما هو اقوى.**

کسی مسئلہ کے حکم کو قوی دلائل وجہ کی بناء پر اس کے نظائر سے الگ کر لینا۔

(8) **العدول عن قياس الىٰ قياس اقوىٰ ، العدول فى مسئلة عن مثل ما حكم به فى نظائرها الى خلافه بوجه هو اقوى.**

''ایک قیاس چھوڑ کر اس سے زیادہ قوی قیاس اختیار کرنا، یعنی مسئلہ کے نظائر میں جو حکم موجود ہے اور جس بنیاد، آیت قرآنی یا حدیث کی وجہ سے ایک مسئلہ کا مروجہ حل بتایا جاتا ہے کسی قوی وجہ یعنی لوگوں کو سہولت میسر کرنے کی بناء پر اس کو چھوڑ کر اس کے خلاف حکم لگانا''۔

(9) **الاستحسان ترك القياس والاخذ بما هو اوفق للناس.** (57)

''استحسان، ظاہری قیاس، واضح حکم چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرنے کا نام ہے جو لوگوں کی ضرورتوں سے زیادہ موافق ہو''۔

یعنی شریعت کا واضح حکم جس کی طرف ذہن جلدی متوجہ ہو ظاہری قیاس یا قیاس جلی ہے۔ اگر اس حکم کو نافذ کرنے میں لوگوں کی مشکلات بڑھ رہی ہوں تو شریعت کی عمومی تعلیمات جس کی طرف ذہن جلدی متوجہ نہ ہو بلکہ غور وفکر سے معلوم ہو کہ وہ لوگوں کو مشکلات میں مبتلا نہ کرو ہے۔ اس پر عمل کرنا قیاس خفی کہلاتا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے کوئی ایسا حکم دینا جو ظاہری حکم کے خلاف ہو لیکن عوام کو اس سے سہولت حاصل ہو جائے استحسان کہلاتا ہے۔ یعنی قیاس جلی کی مخالفت کر کے قیاس جلی پر عمل کرنا۔ اس حکم ذریعہ لوگوں کے لئے سہولت

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تلاش کی گئی ہے۔ کیونکہ دین کا اصل مقصد لوگوں کو سہولت دینا ہے اُن کے لئے مشکلات پیدا کرنا نہیں۔ یہی مصلحت قیاس خفی، یا قیاس جلی سے عدول وغیرہ کہلاتی ہے۔(58)

(9) الاستحسان طلب السهولة فى الاحكام فيما يتبلى فيه الخاص و العام.

''استحسان اُن صورتوں میں سہولت طلب کرنا ہے جن میں خاص وعام سب مبتلا ہوتے ہیں''۔

(10) الاخن بالسما و ابتغاء ما فيه الراحة.(59)

''استحسان مشکل مسائل میں عوام کے لئے آسانیاں تلاش کرنے ،فراخی پر عمل کرنے اور اس میں راحت کی صورت تلاش کرنے کا نام ہے''۔

(11) الاخذ بالو سعة وابتغاء الراحة.(60)

''استحسان وسعت کو اختیار کرنے اور فراخی کو تلاش کرنے کا نام ہے''۔

استحسان کی حُجیت:

ان سب کا حاصل مشکل کو چھوڑ کر آسان صورت اختیار کرنا ہے، ترک العسر للیسر یعنی مشکل کو آسانی میں بدلنا کیونکہ حکمت الٰہی یہی ہے، جس طرح وارد ہے۔

﴿يُرِيْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾.(البقرة:185)

''اللہ تمہارے لئے آسانی اور سہولت چاہتا ہے تم کو دشواری اور مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا''۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(ان هذا الدين يسرا).(61)

''بے شک یہ دین آسان ہے''۔

حضرت علیؓ اور معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت ارشاد فرمایا:

(يسر والا تعسروا بشروا لا تنفروا.(62)

''لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا مشکل میں نہ ڈالنا ان کو قریب لانا متنفر نہ کرنا''۔

قرآن حکیم میں لفظ استحسان کے مفہوم کی طرف اشارہ:

علماء اصول کے نزدیک قرآن حکیم میں ''استحسان'' کی بنیاد حسب ذیل آیتیں بیان کی جاتی ہیں۔

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ. الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾(الزمر:18)

''میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ وہ جو بات سنتے ہیں ان میں ''احسن'' کی اتباع

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کرتے ہیں۔

﴿وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا﴾ (الاعراف:148)

''اپنی قوم کو حکم دے دیجیے کہ وہ احسن احکام کو اختیار کریں۔

استحسان کی ضرورت کے بارے میں یہ آیتیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:78)

''اللہ نے دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں کی ہے''۔

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:185)

اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا''۔

﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ:233)

''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

سنت میں استحسان کے استعمال کی طرف اشارہ:

احادیث میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے

(ما راہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن). (63)

''جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے''۔

مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے جو موقوف ہے۔

(خیر دینکم الیسر)(64)

''تمہارا اچھا دین یسر (آسانی) ہے''۔

یسر کے بارے میں حضرت علیؓ اور معاذؓ کو رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ہدایت اوپر گزر چکی ہے۔اس طرح یسر اور آسانی سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے جتنے ارشادات ہیں وہ سب اس کے ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

صحابہؓ کے طرزِ عمل سے استحسان کا ثبوت:

صحابہؓ کے طرزِ عمل سے استحسان کا ثبوت میراث کا مسئلہ ہے۔اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہوتا ہے۔اس کے ورثا میں شوہر، والدہ، دو سگے بھائی اور دو ماں شریک بھائی ہیں۔علم میراث کے قاعدے کے مطابق سگے بھائی عصبات میں شمار ہوتے ہیں اور ماں شریک بھائی اصحاب فروض میں شامل ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اصحاب فروض وہ ہیں جن کے حصے وحی الٰہی نے مقرر کر دیئے ہیں اور عصبات وہ ہیں جن کے حصے متعین نہیں ہیں۔ بلکہ اصحاب فروض سے جو بچتا ہے وہ اسکے مستحق قرار پاتے ہیں۔

مذکورہ صورت میں شوہر کو نصف، والدہ کو چھٹا حصہ اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی حصہ ملے گا۔ قیاسی قاعدہ کے مطابق اس تقسیم کے بعد کچھ نہیں بچتا ہے کہ سگے بھائیوں کو دیا جائے۔ اس بنا پر وہ محروم ہو جائیں گے اور ماں شریک بھائی اپنا حصہ لے لیں گے اور یہ قیاس جلی ہے یعنی قرآن کی آیت میراث سے ثابت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس تقسیم میں سگے بھائیوں کا نقصان ہے۔ جب کہ میت سے ان کا دہرا رشتہ (ماں اور باپ دونوں جانب سے) قائم ہے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ واقعہ پیش آیا تو انہوں نے قیاس خفی یعنی حق دار کو حق سے محروم نہ کرے پر عمل کرتے ہوئے سگے بھائیوں کے دفعیہ کی غرض سے قیاسی قاعدہ یعنی قرآن مجید کا واضح حکم چھوڑ دیا اور ان کو ماں شریک بھائیوں میں شامل کر کے تہائی میں سب کو حق دار بنایا۔

اسی طرح میراث میں پوتے کا مسئلہ ہے۔ جب دادا کی حیات میں باپ کا انتقال ہو جائے اور باپ کے پاس کوئی مال نہ ہو تو ایسی صورت میں پوتے کو میراث نہ ملے گی یہ قیاس جلی ہے جو قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ کیونکہ دوسرے بیٹوں کی موجودگی میں پوتا محروم ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی استحسان یعنی قیاس خفی کے ذریعہ حل کرنے کے قابل ہے۔ (65)

استحسان کی چار اقسام

1- استحسان بالنص

اِس سے مراد یہ ہے کہ قرآن یا حدیث میں لوگوں کے مفادات یا اُن کو سہولت دینے کے لئے کسی عمومی حکم کو ترک کر کے استثنائی حکم دیا گیا ہو۔

قرآن مجید سے مثال

مثلاً قرآن مجید کا یہ اصولی فیصلہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا رابطہ اس دینا سے ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن مرنے والے شخص کی نیکیاں بڑھانے کے لئے اُسے سورہ البقرہ آیت: 180 میں وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ مرنے کے بعد اُس کا اپنے مال میں نہ حق رہتا ہے نہ اختیار۔ لیکن قرآن مجید استحساناً اس کو وصیت کا اختیار دے رہا ہے۔

حدیث سے مثال

یہ ایک مسلمہ اصول ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کے پاس موجود نہیں،

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سر دست معدوم ہے تو ایک معدوم اور غیر موجود چیز کو نہیں بیچا جا سکتا نہ ہی اس کا سودا کیا جا سکتا۔ یہ قیاس جلی کا تقاضا ہے۔ اسی لئے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو معدوم ہیں اور ان کی فروخت کو شرعاً ناجائز قرار دیا گیا ہے اور اس پر بالکل اتفاق ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص مزامین اور ملاقیح کی بیع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے۔

"نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع المضامين و الملاقيح". (مصنف عبدالرزاق)

ملاقیح کا مطلب یہ ہے کہ ایک اونٹ کی پشت میں جو منی ہے جس سے اونٹنی کا بچہ بنے گا اس کو ابھی سے فروخت کر دینا۔ اور مضامین کا مطلب یہ ہے کہ اونٹنی کے پیٹ میں جو حمل ہے اسے بیچ دینا، اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس لئے کہ بالفعل یہاں اونٹنی کا کوئی بچہ موجود نہیں ہے۔ تو اونٹنی کے بچہ کی پیدائش سے پہلے اسے بیچ دینا ناجائز ہے، اس لئے کہ وہ معدوم ہے۔ اس طرح ایک شخص اس پرندہ کو نہیں بیچ سکتا جو ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔ اس لئے کہ ابھی تک وہ پرندہ اس کے قبضہ میں نہیں آیا اور یہ شخص پرندہ کو سپرد کر دینے پر قادر نہیں ہے اِس قسم کے تمام احکام کو قیاس جلی کہتے ہیں۔

بیع سلم اور استحسان:

ان نظائر پر قیاس کرتے ہوئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ بیع سلم جس میں معدوم چیز کو نقد روپے لے کر بیچا جانا ہے بھی ناجائز ہے۔ بیع سلم دو آدمیوں کے درمیان اُس معاہدہ کو کہتے ہیں جس میں ایک کسان یا زمیندار اپنے باغ یا کھیت کی ایسی فصل یا پھل کو جو ابھی موجود ہی نہیں ایک سال کے بعد مہیا کرنے کے وعدہ پر فروخت کر کے رقم نقد حاصل کر لیتا ہے۔

مثلاً پاکستان میں گندم کی بجائی عمومی طور پر اکتوبر نومبر میں ہوتی ہے اور اپریل مئی میں اُس کی کٹائی ہوتی ہے اب کوئی کسان جون کے ماہ میں کسی شخص کو ایسی گندم فروخت کر رہا ہے جو موجود نہیں اور ابھی اُس نے اُس کی بجائی بھی نہیں کی اور اُس کی رقم نقد اِس وعدہ پر لے لیتا ہے کہ جب اگلے سال وہ اپریل مئی میں گندم کاٹے گا تو وہ گندم اُسے دے گا۔ یہ معاہدۂ خرید و فروخت "بیع سلم" کہلاتا ہے۔ اس کو فقہی اصطلاح میں "بیع الغائب بالحاظر" کہتے ہیں۔ یعنی غیر موجود چیز کا سودا حاضر مال سے کرنا۔ کسی ایسی چیز کی رقم یا نقدی فوراً وصول کر لینا جو ابھی معدوم ہے یا موجود ہی نہیں ہے بیع سلم ہے۔ تو قیاس جلی کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح ان تمام نظائر میں معدوم اشیاء کی بیع ناجائز ہے اس طرح بیع سلم بھی ناجائز ہو اس لئے کہ یہ معدوم ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس سلسلہ میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس قیاس جلی سے ہٹ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ بیع سلم جائز ہے۔اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہمارے پاس موجود ہے جس میں آپ ﷺ نے لوگوں کو سہولت اور آسانی دینے کے لئے فرمایا ہے:

"من اسلم منکم فلیسلم فی کیل معلوم و وزن معلوم الی اجل معلوم"۔

وہ شخص جو تم میں سے بیع سلم کرتا ہے پس چاہئے وہ سلم کرے کیل معلوم اور وزن معلوم میں یعنی ایک متعین اور معلوم چیز کو جو کیل اور پیمانہ کے ذریعے بیچی جاتی ہو یا وزن کے ذریعے بیچی جاتی ہو اس کے کیل اور وزن کو معلوم ہونا چاہئے۔

"الی اجل معلوم" (66)

اور سلم کرے ایک خاص مقرر مدت تک

اس مدت کا تعین ہونا چاہئے کہ درمیان میں مدت کتنی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم جائز ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ اصول کی ایسی چیز جو انسان کے پاس بالفعل موجود نہیں ہے اس کے بیع کی ممانعت کی گئی ہے جیسے ملاقیح اور مضامین کے بارے آپ اوپر مطالعہ کر آئے ہیں۔اس اصول کی روایت خود نبی اکرم ﷺ سے بھی کی گئی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی سہولت کے لئے بیع سلم کا استثناء بھی ہے۔چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ

"نھی النبی ﷺ عن بیع مالیس عند الانسان و رخص فی السلم"

نبی اکرم ﷺ نے ممانعت کی ہے اس چیز کو بیچنے کی جو انسان کے پاس نہیں ہے۔اور آپ ﷺ نے بیع سلم کے سلسلہ میں رخصت دی ہے کہ بیع سلم کر سکتے ہو۔

اسے استحسان بالنص استحسان سنت بھی کہتے ہیں۔ظاہر بات ہے کہ اس قسم کا استحسان سنت اور حدیث سے باہر نہیں ہے بلکہ حنفیہ کا استدلال اس قسم کے مقامات میں سنت پر ہی ہے۔

۲۔استحسان بالاجماع:

مثلاً ایک شخص کسی موچی کے پاس جاتا ہے اور اپنے پیروں کا ناپ دیتا ہے کہ اس ناپ کے مطابق اس قسم کی چپلیاں بناؤ اور اُس کو کچھ رقم ایڈوانس یا مکمل قیمت بھی ادا کر دیتا ہے۔وہ اس کے لئے چپلیاں بنا دیتا ہے۔

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ کہ اس قسم کا سودا جائز نہ ہو اس لئے کہ وہ چپلیں ابھی تک معدوم اور

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

غیر موجود یعنی تیار نہیں ہیں، وہ تو بعد میں بنیں گی۔تو ایک ایسی چیز جو سرے سے موچی کے پاس موجود نہیں اور اُس جوتی کا نقشہ صرف ذہن میں ہے، اس کا سودا کیسے کرتا ہے۔لیکن نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اسی پر عمل رہا ہے اور نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے اس پر نکیر نہیں کی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عام کلیہ یعنی قیاس جلی سے کہ معدوم کی بیع نہیں ہو سکتی، تعامل و قیاس خفی کی بنا پر اور خود نبی اکرم ﷺ کی خاموشی کی بنا پر، اس کی حیثیت ایک استثناء کی ہے اور یہ عام اصول کہ معدوم چیز جس کا ابھی وجود بھی نہیں بیچی نہیں جا سکتی سے مستثنیٰ ہے۔اس استحسان کا نام استحسان اجماع ہے۔

۳۔استحسان ضرورت:

اسی طرح کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ استحسان، ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک برتن جب ایک بار ناپاک ہو جائے تو وہ بالکل پاک نہ ہو سکے اور خاص طور پر مٹی کے برتن دوبارہ پاک نہیں ہو سکتے۔اس لئے کہ جب ایک بار ناپاکی پہنچ جائے تو مٹی کا برتن ناپاکی کے بعض اجزاء کو جذب کر لیتا ہے۔اس کے بعد اگر آپ اسے دھوتے ہیں تو دھوتے رہیں لیکن جو اجزاء جذب کئے گئے ہیں وہ تو جذب کئے گئے ہیں۔اب ہمارے پاس اس کا کیا ذریعہ ہے کہ وہ اجزاء بھی باہر نکل جائیں۔اگر ہم یہ کہیں کہ ایک برتن جب ایک دفعہ ناپاک ہو جائے تو اسے ختم کر دو، توڑ دو اور نئے سرے سے نیا برتن ہونا چاہئے تو اس صورت میں لوگوں کے لئے بہت زیادہ حرج ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾. (الحج.٧٨)

قرآن مجید کے ان ارشاد کا تقاضا یہ ہے کہ اس قیاسِ جلی کو ہم چھوڑ دیں اور قیاسِ خفی کے مطابق ہم کہیں کہ اس قسم کا برتن پاک ہو سکتا ہے اگر اسے تین مرتبہ دھولیا جائے۔

تو اس قسم کا استحسان ضرورت ہے۔اور یہ حقیقت میں قرآن مجید کے بعض ارشادات کی بنا پر ہے۔جن کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔

۴۔استحسان قیاس (خفی)

کبھی کبھی استحسان قیاس خفی کی بنا پر ہوتا ہے۔

اس کی مثال ہیں سباع الطیور یعنی وہ پرندے جو شکاری پرندے ہیں اُن کا جھوٹا ہے۔

سوال یہ ہے کہ شکاری پرندے اگر کسی برتن میں پانی پی لیں تو ان کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

قیاس جلی کا تقاضا یہ ہے یہ کہ شکاری پرندوں کو جھوٹا ناپاک ہو۔اس لئے کہ شکاری پرندوں کے جھوٹے کا قیاس ان کے گوشت پر کیا جا سکتا ہے۔جس طرح وہ حیوانات جو درندے ہیں جیسے شیر چیتا وغیرہ ان کے جھوٹے ناپاک ہیں اس لئے کہ ان کا گوشت ناپاک ہے۔تو اسی طرح قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے جھوٹے کو بھی ان کے گوشت پر قیاس کر لیا جائے جس طرح ان کا گوشت ناپاکی کی بنا پر حرام ہے، اسی طرح ان کے جھوٹے کو بھی ناپاک ہونا چاہیے۔

لیکن قیاس خفی کا تقاضا یہ ہے کہ شکاری پرندوں کا جھوٹا پاک ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم البھائم السبعۃ کا معاملہ ان کے ساتھ نہیں کر سکتے۔اس لئے کہ سباع البھائم یعنی وہ حیوان جو درندہ ہے، وہ پانی پیتے ہیں اپنے زبان کے ذریعہ سے اور ان کی زبان کے ساتھ لعاب کا اختلاط ہوتا ہے۔وہ لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور ان کا گوشت ناپاک ہے۔اس وجہ سے ان کا پس خوردہ جھوٹا بھی ناپاک ہے۔لیکن یہ شکاری پرندے پانی پیتے ہیں اپنے چونچ کے ذریعہ اور چونچ تو صرف ایک خشک سی ہڈی ہے اور اس کے ساتھ کسی بہت بڑے پیمانہ پر لعاب کا اختلاط نہیں ہے۔

اس بنا پر شکاری پرندوں کو ہم قیاس کرتے ہیں ان پرندوں پر جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔جس طرح وہ چونچ سے پانی پیتے ہیں اسی طرح یہ بھی چونچ سے پانی پیتے ہیں اور چونچ کی ہڈی بذات خود ایک خشک ہڈی ہے اس میں نجاست کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔لہٰذا ان کے جھوٹے کو ہم ناپاک نہیں قرار دے سکتے۔جس طرح وہ پرندے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے جھوٹے کو ناپاک نہیں قرار دیا جا سکتا۔(67)

استحسان و مصالح مرسلہ میں فرق:

استحسان اور مصالح مرسلہ میں فرق یہ ہے کہ استحسان میں قرآن و سنت کے کسی واضح حکم کی کلی طور پر نہیں بلکہ جزئی طور پر محدود وقت، محدود علاقہ اور محدود اشیاء میں مخالفت کرتے ہوئے دوسرا حکم دیا جاتا ہے لیکن مصالح مرسلہ میں کسی شرعی حکم کی مخالفت نہیں ہوتی بلکہ جس نئے مسئلہ میں شریعت کا کوئی حکم موجود نہ ہو اُس میں مجموعی اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھ نیا حکم دیا جاتا ہے جس میں کسی شرعی حکم کی مخالفت نہیں ہوتی۔جس طرح ٹریفک کے سڑکوں پر چلنے کے اصول بنانا یا دفتری اوقات کا تعین کرنا وغیرہ ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

6-چھٹا ماخذ: استصلاح یا مصالح مرسلہ

(Unrestricted Public Interest)

فقہ اسلامی کا چھٹا ماخذ اور چوتھا ذیلی ماخذ استصلاح یا مصالح مرسلہ ہے۔

لغوی تعریف:

لفظ استصلاح یا مصالح کے حروف اصلی تین ہیں (ص۔ل۔ح) اس کا مادہ بھی "صلح" ہے، اس سے مراد کسی چیز کے اندر اچھائی، خیر، خوبی وغیرہ پیدا کرنا ہے، اس کے برعکس لفظ فساد ہے جس سے عمومی طور پر برائی یا بگاڑ مراد لیا جاتا ہے، لفظ استصلاح اسی مادہ سے باب استفعال کے وزن پر ہے جس سے مراد اچھائی یا خیر چاہنا ہے اور لفظ مصالح اسی مادہ سے مفعلہ کے وزن پر اسم ظرف ہے جس کی واحد مصلحہ اور یہ لفظ اس کی جمع ہے، اس سے مراد بھی اصلاح ہے، یعنی ہر معاملہ میں اچھائی اور خیر کے پہلو کو واضح کرنا اور بھلائی کے طریقے اختیار کرنا اور مرسلہ سے مراد درمیان میں رہنے والی چیز۔ ہے۔ اس طرح استصلاح سے مراد کسی شرعی حکم میں اچھائی یا خیر چاہنا ہے اور مصالح مرسلہ سے مراد کسی شرعی حکم میں خیر کے حصول کے لئے درمیان میں پوشیدہ بھلائی یا خیر کو واضح کرنا ہے۔

استصلاح کی تعریف:

استصلاح کا لغوی معنی مصلحت چاہنا ہے۔ علمائے اصول نے مصلحت کی مندرجہ ذیل تعریف کی ہے "کسی منفعت کا حصول یا کسی نقصان کو دور کرنا مصلحت کہلاتا ہے"

فقہاء کی اصلاح میں صرف ضرورت اور مصلحت کو بنیاد بنا کر مسائل استنباط کرنے کا نام استصلاح یا مصالح مرسلہ ہے، اس کی تعریف یہ ہے:

الاستصلاح و المصالح المرسلة وهى التى لم يشهد لهااصل شرعى من نص اواجماع لا بالا عتبار ولا بالالغاء. (68)

"استصلاح یا مصالح مرسلہ وہ ہیں جن کی شرعی کوئی اصل (نص اور اجماع) شہادت نہ دے اور نہ لغو قرار دے اور نہ اعتبار کرے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اسلامی شریعت کا مقصد:

فقہاء نے شریعت یعنی اسلامی قانون کا مقصد لوگوں کو نفع پہنچانا اور ان سے نقصان کو دور کرنا قرار دیا ہے، اس لئے شریعت میں جس عمل کا حکم دیا جاتا ہے اس میں دنیا و آخرت دونوں کا فائدہ ہوتا ہے یا پھر ایک کا فائدہ ہوتا ہے۔ جس چیز سے روکا جاتا ہے، اس میں بھی یا تو دین و دنیا دونوں کا نقصان ہو یا صرف ایک کسی ایک کا نقصان ہوتا ہے۔ شریعت کے تمام احکام کے پس منظر میں یہی فلسفہ پوشیدہ ہوتا ہے وہ یا تو بنی نوع انسان کو فائدہ دے رہے ہوں گے یا اس سے نقصان دور کر رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام حکیم ہے اور یہ نام تقریباً قرآن مجید میں ۹۰ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ نام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی فضول اور بے ہودہ چیز کو قانونی شکل نہیں دیتا۔

اگر ہم غور کریں تو تمام عبادات کے بھی شرعی مقاصد اور ان کے پس منظر میں کچھ مصلحتوں کو حصول ہے، صرف عبادت برائے عبادت کو کوئی تصور نہیں مثلاً نماز کو دیکھیں یہ بے حیائی اور منکر سے روکتی ہے اور یہ دو چیزیں فساد فی الارض کا باعث ہیں جس کی وجہ سے بنی نوع انسان کا امن و سکون غارت ہو جاتا ہے، اسی طرح زکوۃ، روزہ اور حج وغیرہ جیسی عبادات میں بھی ایسی مصلحت پوشیدہ ہو گی جس سے انسان کو یا فائدہ ہو رہا ہو گا یا ان سے نقصان دور ہو رہا ہو گا۔ (69)

مصالح مرسلہ کی تشریح:

دین کے صحیح فہم کے سلسلہ میں اہم بات جو فقہاء اور علماء اصول کی بنیادی خصوصیت ہے، یہ ہے کہ ہم شریعت کے احکام کا مقصود یعنی ان کی مصلحت سے آگاہی حاصل کریں تاکہ اس مصلحت کو مدنظر رکھ کر ہم دور حاضر کے ایسے نئے مسائل کو جن کا وجود دور قدیم میں نہیں تھا، اسلامی مآخذ قانون کی شرعی مصلحت یا مقاصد شریعت کی روشنی میں حل کر کے عوام کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ ان کے مطابق اپنی زندگی گزار کر سعادت دارین حاصل کریں، اس میں شرعی مصلحت یعنی اسلامی شریعت کا مقصد جس کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں کو مدنظر رکھ کر مسائل حل کرنا استصلاح یا مصالح مرسلہ کہلاتا ہے۔ یعنی ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے نئے مسائل اور اُن کی مشکلات اور ضرورت، جن کا سابقہ ادوار میں وجود نہیں تھا اور نہ اُن کا کوئی مکمل یا جامع حل کتب سابقہ میں موجود نہیں ہے، کا اسلامی شریعت کی روشنی میں حل پیش کرنا مصالح مرسلہ کہلاتا ہے۔

مصالح مرسلہ کی شرطیں:

علماء اصول اور فقہاء نے مصالح مرسلہ سے کام لینے کی درج ذیل شرطیں مقرر کی ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

1۔ یہ مصالح ان مصالح کے مشابہ ہوں جن کا شارع نے اعتبار کیا ہے یعنی کلیات خمسہ حفظ دین، جان، مال، نسل اور عقل کی ضروریات میں سے کسی کی ضرورت سے ان کی مشابہت ہو۔

2۔ قطعیہ ہوں کہ ان مصالح کے حصول کا تعین ہو۔

3۔ کلیہ ہوں یعنی ملک وملت کے عمومی فائدہ اور مصلحت سے ان کا تعلق ہو کسی خاص فرد یا گروہ کے لئے نہ ہوں۔(70)

ایک مثال کے ذریعہ وضاحت:

مذکورہ ''مصالح'' کو درج ذیل مثال سے سمجھا جا سکتا ہے، مثلاً مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ میں دشمن نے مسلم قیدیوں کو سامنے کر دیا اور یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ان مسلمانوں پر حملہ نہ کیا گیا تو دشمن کی پسپائی ناممکن ہوگی اور وہ غالب آجائیں گے ایسی حالت میں باوجود اس کے کہ مسلم کا ناحق قتل حرام ہے پھر بھی ان مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے دشمن پر غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے اس صورت کا تعلق چونکہ عمومی مصلحت اور دین وملت کی حفاظت و بقاء سے ہے اس لئے اِس صورت میں غلبہ حق کی خاطر مصالح مرسلہ کے ماخذ کے تحت قتل مسلم کو جائز قرار دیا گیا ہے، بعض فقہاء نے قرآن کریم کی جمع وتدوین علوم شرعیہ کی تدوین اور دفاتر کی ترتیب وغیرہ کو اسی کے تحت بیان کیا ہے۔

غرض مصالح مرسلہ سے ہر دور اور ہر علاقہ کے نئے مسائل حل کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ فقہا اور مجتہدین مصالح کی اقسام کو مدنظر رکھ کر قانون سازی کریں۔

مصالح کی تین اقسام:

شریعت اسلامیہ میں تمام احکام کی مصلحتوں کا مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں مصالح کی تین اقسام ہیں:

1۔ مصالح معتبرہ (جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہے۔)

2۔ مصالح ملغاہ (جن کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا۔)

3۔ مصالح مرسلہ (جن کے بارے میں کوئی ہدایات نہ ہوں)

1۔ مصالح معتبرۃ: (جن کا اعتبار کیا جائے)

یہ وہ مصالح ہیں جن کا شارع نے اعتبار کیا ہے اور جن کے حصول کے لئے اس نے احکام وضع کئے ہیں ایسے مصالح حجت ہیں اور دور حاضر میں نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے قانون سازی میں بطور دلیل

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تسلیم کئے جائیں گے، مثلاً دین کی حفاظت کے لئے تبلیغ اور جہاد فرض کئے گئے۔ جان کی حفاظت کے لئے قتل انسانی حرام قرار دے دیا گیا، جان بچانے کے لئے جائز حصول رزق کے دروازے کھلے رکھے گئے اور اس طرح تمام احکام کے پس منظر میں مخفی مصلحتیں۔(7)

2۔ مصالح ملغاۃ: (جن کو لغو قرار دیا جائے)

ملغاہ کا لفظ لغو سے نکلا ہے جس سے مراد ایسی مصلحت ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، ملغاۃ یعنی باطل مصالح وہ ہیں جن کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا ورانہیں لغو قرار دیا ہے، قرآن یا سنت کی کوئی نص انہیں باطل قرار دیتی ہے، ان مصالح پر بالا اتفاق قانون سازی کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

مثلاً خودکشی کے فعل میں شفایابی سے مایوس اور طویل مرض سے تنگ مریض کے لئے یہ مصلحت ہے کہ اسے مرض اور درد سے نجات مل جائے گی لیکن شریعت اسلامیہ نے ایسی مصلحت کا اعتبار نہیں کیا اور اسے باطل قرار دیا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں خودکشی حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من قتل نفسه بحديدته في يده يتوجابها في بطنه نارجهنم خالدا مخلدا فيها ابدا و من شرب سما فقتل فهو يتحساه في نار جهنم مخلدا فيها ابداء و من تردى من جبل فقتل نفسه فهو يتردى في نار جهنم خالدا مخلدا فيه ابدا.(72)

ترجمہ: جو شخص کسی ہتھیار سے خودکشی کرے تو جہنم میں وہ ہتھیار اس شخص کے ہاتھ میں ہوگا اور اس ہتھیار سے جہنم میں وہ شخص خود کو ہمیشہ گھائل کرتا رہے گا اور جو شخص زہر سے خودکشی کرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ زہر کھاتا رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے گا وہ جہنم میں کی آگ میں ہمیشہ گرتا رہے گا“

سود کے ذریعہ مال میں اضافہ کرنا بظاہر صاحب مال کی مصلحت ہے لیکن یہ مصلحت باطل ہے کیونکہ یہ نص قرآن کیخلاف ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾.(البقرہ ۲۷۵:)

اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

اگر کوئی یہ کہے گا کہ عورت کی اس میں مصلحت ہے کہ اسے وراثت میں مرد کے برابر حصہ ملے تو یہ باطل مصلحت ہے قرآن کے قانون میراث کے مطابق مرد کو عورت سے دو گنا حصہ ملے گا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

3۔ مصالح مرسلہ: (جن کے بارے میں کوئی ہدایت نہ ہو)

مصالح کی تیسری قسم وہ ہے جن کے معتبر یا باطل ہونے یعنی ان کو قبول کرنے یا رد کرنے کے بارے میں قرآن یا سنت میں کوئی دلیل نہ ہو، یعنی شارع نے نہ تو اس مصالح کا اعتبار کرنے کا حکم دیا ہو اور نہ ہی ان کو باطل قرار دیا ہو بلکہ سکوت اختیار کیا ہو، البتہ ان مصالح میں کوئی ایسا وصف پایا جاتا ہے جس کی بناء پر ایسے حکم کا استنباط ہو جائے جو حصول منفعت اور دفع مضرت کا باعث بنے اور عقل ان مصالح کو قبول کرتی ہو، مصالح کی اس تیسری قسم کو مصالح مرسلہ کہا جاتا ہے۔

ان مصالح کو مرسلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ کسی خاص نص سے مقید نہیں ہوتے بلکہ مطلق ہوتے ہیں اور ان کا اعتبار کرنے یا انہیں باطل قرار دینے کے لئے شریعت سے کوئی قطعی حکم نہیں ملتا بلکہ شریعت کے عام اصول اور قواعد کلیہ کی روشنی میں ان کے اعتبار کا فیصلہ کیا جاتا ہے مثلاً جب مصلحت عامہ سے تعلق رکھنے والے کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کوئی نص یعنی قرآن و حدیث کا واضح حکم موجود نہ ہو تو اُسی مصلحت عامہ کو ہی دلیل قرار دیتے ہوئے ایسا حکم نافذ کیا جاتا ہے جو مصلحت عامہ کے ساتھ منشائے شریعت کے بھی موافق ہو، اور مسئلہ کے اس حل میں مقاصد شریعت یا اس کے عمومی مزاج کہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا اور ان سے نقصان کو دور کرنا کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ مزید جس مصلحت کو حکم کی دلیل بنایا جاتا ہے اس کے اعتبار کے لئے اگر شریعت میں کوئی نص نہیں ہوتی تو شریعت کا کوئی منصوص حکم اس مصلحت کو باطل بھی قرار نہ دے رہا ہو۔ اس مصلحت کو شریعت کے مجموعی مزاج اور فلاح عامہ کے قریب تر لا کر حکم لگایا جاتا ہے۔

مصالح مرسلہ کی حجیت کے دلائل:

ائمہ اربعہ میں سے امام مالک بن انسؒ نے مصالح مرسلہ کو ایک مستقل شرعی دلیل کے طور پر تسلیم کیا ہے اور مالکیہ کے نزدیک نئے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے اس کے استعمال میں کثرت سے کام لیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مصالح مرسلہ کا اصول امام مالک سے منسوب ہے، مصالح مرسلہ کو شرعی حجت قرار دینے والوں کے چند اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں: (73)

قرآن:

قرآن مجید نے دین کے عمومی مزاج اور نئے مسائل کو حل کرنے میں مصلحتیں اختیار کرنے میں درج ذیل اصول دیئے ہیں۔

1. ﴿ يُرِيْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾. (البقرۃ ۱۸۵)

اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

شارع کا یہ منشاء نہیں ہے کہ لوگوں کی زندگیاں مشقت اور تنگی سے دوچار ہوں، فرمان الہی ہے:

2. ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾. (المائدۃ ٦)

اللہ تم پر زندگی کو تنگ کرنا نہیں چاہتا۔

تعاملِ صحابہؓ:

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ نے بہت سے نئے مسائل میں مصالح کا اعتبار کرتے ہوئے احکام کا استنباط کیا جن میں سے چند ایک بطور مثال درج ذیل ہیں۔

1۔ عہد ابوبکرؓ میں قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع کیا گیا، حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ کام نہیں کیا تھا اور نہ ہی ایسا کرنے کی نصیحت فرمائی تھی، لیکن امت کی مصلحت کی خاطر قرآن مجید کو ایک مصحف یعنی کتابی صورت میں جمع کیا گیا، کیونکہ اس میں لوگوں کے لئے فائدہ تھا حالانکہ اس سے قبل قرآن مجید مختلف ٹکڑوں کی شکل میں موجود تھا۔

2۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوۃ سے جنگ کی، حالانکہ وہ کلمہ گو تھے۔ لیکن عدم ادائیگی زکوۃ غریب اور نادار لوگوں کے لئے نقصان کا باعث تھی اور ان کو نقصان پہنچانا دینی مزاج کی خلاف ہے۔

3۔ حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں قحط کے زمانہ میں ایک علاقہ کی ذکاۃ دوسرے علاقہ کے لوگوں کو دی گئی۔

4۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مسجد نبوی کی توسیع کی خاطر ملحقہ عمارتوں کو منہدم کر دیا گیا۔ اس میں چند اشخاص کی مصلحت کو عام مصلحت کی خاطر نظر انداز کیا گیا۔

5۔ حضرت عثمانؓ نے خاوند کی طرف سے مرض الموت (وہ بیماری جس میں آدمی کا انتقال ہو جائے) میں اپنی بیوی کو وراثت سے محروم کرنے کی خاطر طلاق دینے پر بیوی کو وراثت میں حصہ دینے کا حکم دیا۔

6۔ کاریگر کے پاس اگر لوگوں کی چیزیں ضائع ہو جائیں تو ان سے چیزوں کے معاوضہ کی ادائیگی لوگوں کو دلوانے پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہے، حضرت علیؓ کا قول ہے کہ لوگوں کے لئے یہی مناسب ہے، حالانکہ کاریگروں کے پاس یہ چیزیں لوگوں کی امانت کے طور پر ہوتی ہیں اور امانت کے ضائع ہونے پر معاوضہ ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا لیکن مصلحت عامہ کی خاطر یہ لازم قرار دیا گیا۔

عقلی دلائل

یہ بات شریعت اسلامیہ کی خوبیوں میں سے ہے کہ اس نے تمام مصالح کے اعتبار یا عدم اعتبار کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا بلکہ بعض مصالح کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، زمان و مکان کے تغیر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سے مصالح کی جزئیات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں، شریعت نے تمام مصالح کی جزئیات کے لئے الگ احکام نہیں دیئے، اس لئے جب کبھی کوئی ایسی مصلحت سامنے آئے جس کے حکم کے بارے میں قرآن وسنت نے سکوت اختیار کیا ہو اور وہ مصلحت شریعت کے مجموعی مزاج اور بنیادی مصالح کی رعایت کے موافق ہو تو اس مصلحت کو اختیار کرنا جائز ہے۔

مصالح مرسلہ پر عمل کی مزید شرائط

مصلحت مرسلہ کی حجیت کے قائلین نے اس پر عمل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط عائد کی ہیں؛

1۔ زیرِ غور مصلحت مرسلہ اور شریعت کے مقصد و مزاج کے درمیان ایسی ملائمت و مناسبت ہو کہ اس مصلحت کو اختیار کرنے سے شریعت کے کسی قطعی اصول کی نفی نہ ہو بلکہ وہ مصلحت ان مصالح سے متفق ہو جن کا حصول و قیام شریعت کے مقاصد میں شامل ہے، زیرِ غور مصلحت شریعت سے نامانوس اور بہت دور نہ ہو۔

2۔ مصلحت اپنی ذات میں معقول اور قابلِ فہم ہو، اگر اہلِ عقل کے سامنے اس کو پیش کیا جائے تو وہ اسے قبول کرلیں۔

3۔ اس مصلحت پر عمل کرنا ضروری ہو، اس کو اختیار کرنے سے نقصان اور حرج دور ہوتے ہوں، اگر اس مصلحت کو اختیار نہ کیا جائے تو لوگ مشقت اور تنگی میں مبتلا ہوتے ہوں۔

4۔ مصلحت مرسلہ میں عام انسانوں کا فائدہ ہوتا ہے خاص طبقہ اور گروہ کے فائدہ کی خاطر مصلحت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، عام مصلحت کو خاص مصلحت پر مقدم کیا جائے گا۔

5۔ مصلحت مرسلہ پر عمل کرنے سے دو نقصانات میں سے سب سے بڑا نقصان دور ہونا لازم آتا ہے۔

مصالح مرسلہ سے کام لینے کے محل یعنی مقام

مصالح مرسلہ سے کام لینے کی زیادہ ضرورت اس شعبہ میں ہوتی ہے جس کا تعلق عمومی حیثیت سے معاشرہ کی فلاح و بہبود سے ہے مثلاً جدید تقاضا کے مطابق قوانین بنانا جس طرح ٹریفک کے قوانین، عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کا طریق کار، دفتروں کے کھلنے اور بند کرنے کے اوقات کار کا مسئلہ، مختلف بازاروں کے لئے متعدد ضابطے تشکیل دینا اور پھر موقع محل کے لحاظ سے ان کے نفاذ کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرنا اور سزائیں مقرر کرنا وغیرہ کبھی مصالح مرسلہ کے پیش نظر ایسا حکم دینے کی بھی گنجائش ہوتی ہے جو کتاب وسنت کے عام حکم کے خلاف ہو، مثلاً مذکورہ مثال کفر و اسلام کی جنگ میں ملت کی حفاظت و بقاء کی خاطر خون مسلم ارزاں بنا دیا گیا تھا کہ اس کے بغیر دشمن کی پسپائی اور اس پر غلبہ پانا ناممکن تھا۔(74)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

7- ساتواں ماخذ: شرعُ مَن قَبلنا

(شرائع سابقہ۔ اسلام سے پہلے کی شریعتیں)

(Eerlier Scriptures / Previous Devine Law)

فقہ اسلامی کا ساتواں ماخذ اور پانچواں ذیلی ماخذ ماقبل کی شریعت ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں سے پہلی امتوں پر اترنے والی کتابیں، مختلف ہدایات اور وہ راستے اور طریقے ہیں جو دوسری امتوں کے پاس موجود محفوظ تھے ان کو شریعت کہا جاتا ہے۔ شریعت اور دین کے فرق کا آپ تعارفی باب میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ تمام انبیاء کا دین ایک ہے اور شرائع مختلف ہیں۔ شریعت وہ قانون، ضابطہ اور اصول ہیں جو ہر نبی اپنے اس دور کے تقاضوں کے مطابق اپنی امت کو زندگی گزارنے کے لئے دیتے تھے۔ اسلام کوئی نیا دین نہیں بلکہ ابتداء انسانیت سے سلسلہ انبیاء اور ادیان سابقہ کا آخری کامل و مکمل ایڈیشن ہے اس نے اپنے مآخذ قانون میں سابقہ انبیاء کی شرائع کے وہ پہلو جن پر آج بھی عمل ممکن ہے شامل کئے ہیں۔ یہ ماخذ اسلامی شریعت کے سابقہ ادیان سے تسلسل اور رسول اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی ایک واضح اور سورج کی مانند روشن دلیل ہے۔

اصطلاحی تعریف

ما شرع الله لمن قبلنا من اليهود و النصارى ولأُمَم الأُخرى. (زیدان . الوجیز. باب عاشر)

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے قبل یہودی عیسائی یا دوسری امتوں پر جو شریعتیں نازل کی ہی۔

تمام سابقہ انبیاء کی شریعتیں یا یہ تمام طریقے اس وقت ماخذ قانون بن سکتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا ہو یا وہ اسلامی شریعت سے متصادم نہ ہوں۔ دراصل تمام انبیاء کا دین ایک ہے لیکن شرائع مختلف، ہر نبی اپنے زمانے کے حالات کے مطابق جو قوانین ہدایت الٰہی کی صورت میں لاتے تھے وہ ان کی شریعت کہلاتی تھی پھر دوسرے نبی حالات اور ماحول کی تبدیلی کے مطابق جو نئے قوانین لاتے وہ ان کی شریعت کہلاتی تھی، مثلاً شریعت ابراہیمی، شریعت موسوی، شریعت محمدی ﷺ وغیرہ۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

قرآن حکیم سے استدلال

انبیاء اور ان کی شریعتوں کے تذکرے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾. (الانعام ۹۰)

یہ ہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے ان کے ہدیٰ کی آپ اتباع کیجئے۔

ہدیٰ کی تشریح فقہاء نے یہ کی ہے۔

والهدا اسم الایمان و الشرائع جمیعا لا ن الا هتداء یقع بالکل فیجب علیه اتباع شرعهم

ہدیٰ ایمان (بنیادی اصول) اور شرائع (راستہ اور طریقہ) سب کو شامل ہے کیونکہ ہدایت پانے کا تعلق سب سے ہے اس لئے ان (انبیاء) کی شریعت کا اتباع واجب ہے۔

دوسری آیت میں ہے

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسٰٓى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ (الشوری 13)

اللہ نے تمہارے لئے وہی (الدین) مقرر کیا ہے جس کی وصیت حضرت نوح کو کی گئی تھی اور جس پر چلنے کا حکم حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا ان سب کو تعلیم یہی تھی کہ ''الدین'' کو قائم رکھو اور اس میں الگ الگ نہ ہو۔

ملت ابراہیمی کو اتباع کا حکم اس آیت میں ہے۔

﴿ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا﴾. (النحل ۱۲۳)

ہم نے آپ کو وحی بھیجی کی آپ ملت ابراہیمی کی اتباع اور پیروی کیجئے۔

اسی طرح قصاص حدود وغیرہ سے متعلق ماقبل کی شریعتوں کے بہت سے جزوی احکام قرآن حکیم میں موجود ہیں۔

سنت رسول اللہ ﷺ سے ثبوت

رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، مثلاً ایک روایت میں ہے کہ

'' اگر کسی بات کے متعلق براہ راست وحی نہ آتی تو آپ اہل کتاب (یہودی و نصاریٰ) کے طور طریقوں پر عمل کرنا پسند فرماتے تھے۔

Marfat.com

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں ایک اور روایت ہے جس میں اہل کتاب ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت کی ہر اچھی باتوں پر عمل کا ثبوت ملتا ہے۔

یعمل فی الاسلام بفضائل الجاهلیه

''اسلام میں زمانہ جاہلیت کی اچھی باتوں پر عمل کیا جاتا تھا''۔

اسی بنا پر محدثین نے فرمایا ہے:

وان شرع من قبلنا یلزمنا مالم ینقض الله با لانکار.

انہیں شریعتوں پر عمل کرنا ضروری ہے جب تک وحی الٰہی یعنی قرآن مجید ان شریعتوں کی مخالفت نہ کر رہا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

والا نبیاء اخوة لعلات امهاتهم شتی و دینهم واحد.(75)

''تمام انبیاء آپس میں بھائی ہیں کہ ان کی مائیں مختلف اور دین (جو مثل والد کے ہے) ایک ہے''۔

تمام شرائع کا مقصد

تمام شرائع سماویہ کا بنیادی عقیدہ ایک ہی رہا ہے اور وہ حالات و زمانہ کے مطابق لوگوں کو سہولتیں فراہم کرنا ہے۔اس لئے ایک نبی کے زمانہ کے حالات کے مطابق ایک حکم حلال یا حرام ہوتا تھا اور دوسرے نبی کے زمانہ میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے وہ حکم بدل جاتا ہے۔

اسی طرح مختلف شریعتوں میں احکام معاملات بھی مختلف رہے ایک چیز کسی امت کی شریعت میں حرام تھی مگر وہی چیز کسی اور شریعت میں دوسری امت کے لئے حلال کر دی گئی، مثلاً ماضی کی امتوں کے لئے مال غنیمت (دشمن کا وہ مال جو قتال کے ذریعے قبضے میں لے لیا گیا ہو) حرام تھا مگر امت محمدیہ کے لئے اسے حلال کر دیا گیا۔

بعض اوقات کوئی چیز سابقہ امت پر حلال تھی مگر بعد میں آنے والی امت پر حرام کر دگئی، مثلاً ناخن والے تمام جانور، گائے اور بکری کی چربی یہود سے پہلے شریعت میں حلال تھی اور یہود پر حرام کر دی تھی۔

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾.(الانعام:١٣٦)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان پر ہم نے ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری کی چربی بھی، بجز اس کے جو ان کی پیٹھ یا آنتوں میں لگی ہوئی یا ہڈی سے لگی رہ جائے۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جو تمام شریعتوں میں حرام ہیں جیسے شرک، جھوٹ، بدکرداری اور نجاست وغیرہ۔

سابقہ شریعتوں کے احکام اور ان کا حکم

فقہائے کرام نے طویل بحث کے بعد شرائع سابقہ کے احکام کو مندرجہ ذیل پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم

وہ احکام جو عقائد سے متعلق ہیں ان کو دین کا نام دیا گیا ہے اور یہ تمام شریعتوں میں یکساں رہے ہیں یہ کسی ایک رسول کی شریعت کے ساتھ مخصوص نہ تھے۔ مثلاً اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان وغیرہ۔ عقائد دین کے اصول میں سے ہیں، سابقہ شریعتوں میں پائے جانے والے ان اصول دین کو شریعت اسلامی منسوخ نہیں کرتی، شرائع سابقہ کے عقائد شرعی طور پر حجت ہیں، اب ان کی حجیت کی دلیل شریعت اسلامی ہے شرائع سابقہ نہیں۔

دوسری قسم

وہ احکام جو شریعت اسلامی میں مذکور نہیں ہیں یعنی قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ نے انہیں بیان نہیں کیا، ایسے احکام کے بارے میں علمائے اصول کا اتفاق ہے کہ وہ ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ مثلاً عیسائیوں کا نظریہ تثلیث اور یہودیوں کا نظریہ نجات یا ان کی زندگی گزارنے کے وہ طریقہ جو اسلامی شریعت سے متصادم ہیں وغیرہ۔

تیسری قسم

وہ احکام جنہیں شریعت اسلامی نے بیان کیا ہے اور قرآن مجید یا سنت رسول ﷺ میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ وہ احکام ہم پر بھی اسی طرح فرض ہیں جس طرح سابقہ امتوں پر فرض تھے، احکام کی یہ قسم بلا نزاع شرعی حجت ہے، ان کی حجیت کی دلیل شریعت اسلامی ہے، ان کا ماخذ بھی شرائع سابقہ نہیں بلکہ شریعت اسلامی ہے۔(76)

مثلاً روزہ سابقہ امتوں پر بھی فرض ہے، قرآن مجید میں سابقہ امتوں پر روزہ کی فرضیت کا ذکر کرنے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کے ساتھ ہی امت مسلمہ پر بھی اس کے فرض ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾. (البقرہ:۱۸۳)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ کی صفت پیدا ہو''۔

اسی طرح قربانی شریعت ابراہیمی کی نشانی ہے جسے شریعت اسلامی میں بھی برقرار رکھا گیا ہے، حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے رسول ﷺ سے پوچھا، یا رسول ﷺ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

سنته ابیکم ابراهیم. (77)

''یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے''۔

چوتھی قسم

وہ احکام جن کا ذکر قرآن مجید یا سنت نبوی ﷺ میں کیا گیا ہے لیکن ان کا منسوخ ہونا قرآن یا سنت کی کسی نص سے ثابت ہے ایسے احکام ہمارے حق میں منسوخ ہیں، شریعت اسلامی شرائع سابقہ کے جن احکام کی ناسخ ہے وہ بالا اتفاق ہمارے لئے شرعی حجت نہیں ہیں، یہ احکام سابقہ امتوں کے لئے ہی خاص تھے اور انہیں پر فرض تھے، امت مسلمہ پر یہ فرض نہیں ہین۔ جس طرح بنی اسرائیل پر گناہوں کی توبہ قبول ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے میں سے گناہ گاروں کو قتل کریں۔ جس طرح وارد ہے:

﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ﴾. (البقرہ:۵۴)

لہٰذا تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو اسی میں تمہارے خالق کے نزدیک تمہاری بہتری ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر احسان فرمایا ہے کہ وہ توبہ کی غرض سے صدق دل کے ساتھ اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگ لیں۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا﴾. (التحریم:۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے توبہ کرو خالص توبہ''

سابقہ امتوں پر مال غنیمت حرام تھا، وہ لوگ اسے اپنے تصرف میں نہیں لا سکتے تھے، سابقہ امتیں اپنے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اموال غنائم کو ایک جگہ پر جمع کر کے رکھ دیتیں اور آسمان سے آگ آکر انہیں بھسم کر دیتی تھیں، امت مسلمہ کے لئے مال غنیمت کو حلال اور اس کے استعمال کو جائز قرار دے دیا گیا، شریعت اسلامی نے مال غنیمت کی حرمت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

واحلت لی المغانم ولم تحل لاحد من قبلی.(78)

اور میرے لئے غنیمت کے اموال حلال کر دیئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہ کئے گئے تھے۔

پانچویں قسم

شرائع سابقہ کے وہ احکام جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے یا وہ سنت میں بیان ہوئے ہیں لیکن قرآن و سنت دونوں نے ان کا نہ تو اقرار کیا ہے اور نہ ہی انکار یعنی شریعت اسلامی میں ان احکام کی فرضیت یا منسوخی کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی بلکہ قرآن وسنت دونوں خاموش ہیں، مثلاً پانی کی تقسیم کا جو حکم قوم صالح کو دیا گیا وہ یہ تھا:

﴿وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ م بَيْنَهُمْ ج كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ﴾.(القمر:۲۸)

اور ان کو جتا دے کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔

ایک اور مثال تورات کے اس حکم کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾.(المائدہ:۴۵)

"تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ، پھر جو قصاص کا صدقہ کرے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے"۔

احکام شرائع سابقہ کی اس قسم کی شرعی حجت ہونے یا نہ ہونے کے مسئلہ پر علمائے اصول کے دو گروہ ہیں۔

Marfat.com

1۔ قائلین: ان حضرات کے نزدیک یہ احکام حجت تسلیم کئے جائیں گے۔

2۔ منکرین: ان لوگوں کے ہاں ایسے احکام، شریعت اسلامی کا حصہ نہیں لہٰذا یہ حجت بھی نہیں ہیں۔

قائلین کے دلائل

علمائے اصول کا ایک گروہ احکام شرائع سابقہ شرعی دلیل کو حجت تسلیم کرتا ہے، ان علماء کے نزدیک سابقہ شریعتوں کے جو احکام ہماری شریعت میں بیان کئے گئے ہیں اور وہ شریعت اسلامی کی کسی نص سے منسوخ نہیں ہوئے وہ احکام ہمارے نبی ﷺ کی شریعت ہیں۔ اب وہ سابقہ شریعتوں کے احکام نہیں رہے لہٰذا وہ ہمارے لئے حجت ہیں۔ البتہ سابقہ شریعتوں کی کتب کی طرح رجوع کرنا جائز نہیں ہے، شرائع سابقہ کے احکام معلوم کرنے کے لئے یہودی و نصاریٰ کی روایات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے کتاب میں تحریفات کر دی ہیں، اور ان کی روایت میں تواتر بھی مفقود ہے، لہٰذا شرائع سابقہ کے بارے میں وہی کچھ معتبر اور قابل اعتماد ہے جو وحی متلو (قرآن مجید) یا وحی غیر متلو (سنت) کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ ان کے دلائل اسی عنوان کے ابتداء میں گزر چکے ہیں۔

شرائع سابقہ کو ماخذ قانون تسلیم کرنے والوں میں جمہور اصحاب حنیفہؒ امام مالکؒ، بعض اصحاب شافعیہ اور جمہور حنابلہ شامل ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت ہے کہ شرائع سابقہ کے جن احکام کا نسخ ثابت نہیں ہے ان کا اعتبار کیا جائے گا۔

منکرین کے دلائل

احکام شرائع سابقہ کی حجیت یعنی ان کو مآخذ قانون تصور کرنے کے منکرین اپنے موقف کے حق میں جن دلائل کو بنیاد بناتے ہیں ان میں سے چند اہم دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾. (المائدہ ۴۸)

ہم نے تم (انسانوں) میں سے ہر ایک کے لئے شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ہر امت کے لئے الگ شریعت ہے، لہٰذا ایک امت دسری امت کی شریعت کی مکلّف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں مختلف امتیں پیدا کی ہیں جو اپنی اپنی شریعتوں پر عمل کرنے کی مکلّف تھیں۔

Marfat.com

﴿ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ ﴾. (المائدة 48)

اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا لیکن اس نے یہ اس لئے نہیں کیا کہ جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

سنت سے دلائل

حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں گورنر بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا:

كيف تقضى اذا عرض لك قضاء.

''جب تمہارے پاس مقدمہ آئے گا تو فیصلہ کس طرح کرو گے''؟

حضرت معاذؓ نے عرض کیا! اللہ تعالیٰ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق فیصلہ کروں گا، پھر آپ نے فرمایا: اگر تم سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی نہ پاؤ اور کتاب اللہ میں بھی نہ پاؤ؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا پھر میں اپنی عقل، غور وفکر اور دریافت سے فیصلہ کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کا سینہ تھپکایا اور فرمایا

الحمد الله الذى و فق رسول رسول الله يرضى رسول الله

''ہر طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے رسول اللہ (ﷺ) کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے''۔

اگر شرائع سابقہ کے احکام حجت اور واجب العمل ہوتے تو حضرت معاذؓ ان کا ذکر ضرور کرتے۔ اگر اس کا ذکر کرنے سے بھول گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ضرور یاد کروا دیتے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کا بیان قبول فرمایا:

نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تورات کا کچھ حصہ دیکھ کر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا، اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

لو كان موسى حيابين اظهر كم ماحل له الا ان يتبعنى. (79)

اگر موسیٰ علیہ السلام بھی آج تمہارے درمیان میں زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

صحابہ کرام کے عمل سے استدلال

اگر شرائع سابقہ حجت ہوتیں تو مجتہد صحابہ کرامؓ ان سے ضرور استفادہ کرتے، کسی مسئلہ کا حکم قرآن و سنت سے نہ ملنے پر شرائع سابقہ کی طرف رجوع کرنا صحابہ کرام سے ثابت ہوتا، مثلاً دادی کی میراث اور شراب نوشی کی حد وغیرہ۔ لیکن تعامل صحابہ سے ایسی کوئی مثالیں نہیں ملتی کہ انہوں نے قرآن سنت سے کسی مسئلہ کا حکم نہ ملنے کی صورت میں کسی سابقہ شریعت کی اتباع کر کے اس مسئلہ کا حکم دریافت کیا ہو، حالانکہ ان کے درمیان کعب الاحبار اور عبداللہ بن سلام جیسے شرائع سابقہ کے ثقہ عالم موجود تھے۔

اجماع سے استدلال

مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت اسلامی تمام سابقہ شریعتوں کی ناسخ ہے۔

ان تمام آراء کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے، شرائع سابقہ کو ماخذ قانون ماننے والوں کے دلائل زیادہ قوی ہیں اور ان کی بیان کردہ شرائط کے مطابق یہ اسلامی قانون سازی میں ماخذ قانون شمار ہو گا۔ ان تمام دلائل کے باوجود اول یوم سے آج تک تمام فقہاء اور علماء اصول اس کو ماخذ قانون تصور کرتے ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

8- آٹھواں ماخذ: عرف (رواج)

Custom

یہ اسلامی شریعت کا آٹھواں ماخذ اور چھٹا ذیلی ماخذ ہے۔ عرف عربی زبان کا لفظ ہے لیکن اردو میں بھی مروج ہے لغوی طور پر اس سے مراد کسی براعظم، ملک علاقہ قوم، قبیلہ یا خطہ کے لوگوں کی وہ تہذیب، رسوم اور اطوار ہیں جو ایک مدت ہائے دراز سے ان کے اندر پائی جاتی ہیں اور تقریباً اکثر لوگوں میں مقبول ہیں۔ مزید وہ لوگ اپنے معاملات زندگی انہیں رسوم و رواج کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ مثلاً دستوری معاملات، قانونی معاملات، معاشرتی و اقتصادی معاملات وغیرہ۔

عرف و رواج کی تعریف واقسام

فقہاء نے عرف و رواج کی یہ تعریف کی ہے۔

عادة جمهور قوم فى قول او عمل (80)

قول یا عمل میں کسی قوم کے اکثر لوگوں کی اقوال اور افعال (معاملات) میں عمومی عادت کا نام عرف ہے۔

عرف عادت سے ملتا جلتا ایک لفظ ''استعمال'' بھی ہے جس میں لفظ اصلی معنی سے نقل ہو کر شرعاً مجازی معنی میں مستعمل ہونے لگتا ہے اور اسی استعمال کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ فقہاء کی درج ذیل عبارت میں اسی کی طرف اشارہ ہے

''استعمال الناس حجة يجب العمل بها''

لوگوں کا استعمال حجت ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

معاشرہ اِسی طرح جس چیز سے مانوس ہو، جس چیز کا عادی ہو، اور اپنی زندگی میں جس قول یا فعل پر چل رہا ہو، اصطلاح میں اس کو بھی عرف کہتے ہیں۔

فقہاء کے نزدیک عرف و عادت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ چنانچہ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بات

Marfat.com

عرف و عادت سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ عادت عرف کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ عادت عرف ہی ہے۔ عرف کے ساتھ عادت کے لفظ کو تاکید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، نہ کہ کسی نئے معنی کے لئے۔

عرف، جیسا کہ تعریف سے واضح ہے، کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی عملی۔ کبھی عام ہوتا ہے۔ اور کبھی خاص۔ اور اپنی تمام قسموں میں یا صحیح ہوتا ہے یا فاسد۔

عرف عملی:

عرف عملی سے مراد وہ کام (اعمال) ہیں جن کے لوگ عادی ہوں، جیسے تحریری معاہدہ اور ایجاب قبول کے بغیر خرید وفروخت کرنا، جس کو اصطلاح میں بیع تعاطی کہتے ہیں یعنی بیچنے والا خریدنے والے کو اس کے مانگنے پر ایک چیز دیتا ہے، اور وہ اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے دونوں کے درمیان کوئی باہمی عقد نہیں ہوتا۔

اسی طرح حق مہر کو دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے ادا کرنا، یا ایک حصہ ایک طریقہ سے دوسرا دوسرے طریقہ سے ادا کرنا۔ یہ تقسیم مہر معجّل (فوری ادائیگی) اور مہر موٴجل (تاخیر سے یا بعد میں ادائیگی) کہلاتی ہے۔ عام لوگوں کے استعمال کے لئے جو حمام بنائے جاتے ہیں۔ ان میں داخل ہو کر نہانا اور داخل ہونے سے پہلے وہاں ٹھہرنے کی مدت اور غسل میں استعمال کے لئے پانی کی مقدار طے نہ کرنا، گھر کے برتن اور جوتے کسی کاریگر یا کارخانہ سے بنوانا، مہمان کے سامنے کھانا رکھ دینا، اور اس سے مہمان کا اجازت حاصل کئے بغیر یہ سمجھنا کہ اس میں سے اس کو کھانے کی اجازت ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے رسم ورواج عرف عملی کہلاتے ہیں۔

عرف قولی:

عرف قولی سے مراد بعض وہ الفاظ ہیں جو لوگوں کے درمیان معروف ہوتے ہیں، یعنی جب وہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ تو ان کا ایک خاص مفہوم ہوتا ہے، جو اس مفہوم سے مختلف ہوتا ہے جس کے لئے وہ لفظ لغت میں وضع کئے گئے ہیں۔ جیسے لفظ بچہ کا اطلاق لڑکے پر ہوتا ہے لڑکی پر نہیں، لفظ لحم (گوشت) کا اطلاق مختلف جانوروں کے گوشت پر ہوتا ہے، لیکن مچھلی کے گوشت پر نہیں ہوتا ہے، لفظ جانور کا اطلاق صرف چوپایوں پر ہوتا ہے حالانکہ اس کے لغوی معنی ہر وہ چیز ہے جو زمین پر حرکت کرتی ہو۔

عرف ورواج کا اسلامی فقہ کی نشو ونما میں کردار:

یہ نہایت قدیم ماخذ ہے اور تقریباً اسلام سے قبل ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے، فقہ اسلامی کی نشو ونما میں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس کا بڑا دخل ہے، عرب اور غیر عرب کے بہت سے عرف و رواج جو الٰہی حکمت، اسلامی شریعت کے بنیادی فلسفہ یعنی لوگوں کے درمیان مساوات اور ان کو ہر مسئلہ میں سہولت فراہم کرنے کے خلاف نہ تھے اور قرآن و سنت کی تعلیمات بھی ان کے بارے میں خاموش تھیں، ان کو دور نبوی ﷺ میں بھی برقرار رکھا گیا مزید صحابہ و تابعین نے اور ان کے بعد فقہاء نے باقی رہنے دیا اور ہر علاقہ میں وہ اسلامی قانون یعنی فقہ اسلامی کا جزو بن گئیں اور اس طرح عرف ایک اسلامی مآخذ قانون کی حیثیت سے متعارف ہوا۔

اسلام سے پہلے کی جتنی چیزیں زمانہ اسلام میں باقی رہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سب پہلے کی شریعتوں بالخصوص شریعت ابراہیمی سے ماخوذ اور مستنبط تھیں، نہایت مشکل ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عرب اور غیر عرب میں کسی اور طریقہ سے رائج معقول رواج کا وجود ہی نہ ہو مثلاً دیت (خون کا معاوضہ) سو اونٹ رائج تھی، جس کو عبدالمطلب (رسول اکرم ﷺ کے دادا) نے ایک کاہنہ عورت کی تجویز پر قبول کیا تھا، وہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں بدستور رائج رہی اور فقہ میں اس باب کے پورے مسائل اسی پر مبنی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ ایک موقع پر فرمایا ہے۔

ونهى عن الرسوم الفاسدة و امر بالصالحة.(81)

”رسول اللہ ﷺ نے فاسد رسموں سے منع کیا ور اچھی رسموں کے قبول کرنے کا حکم دیا“

اصل یہ ہے کہ وہ تمام عرف و رواج جو الٰہی حکمت (منافع کا حصول اور نقصان دور کرنا) کے موافق تھے وہ سب قبول کئے گئے، خواہ وہ عرب میں رائج رہے ہوں یا غیر عرب میں ان کا تعلق ماقبل کی شریعتوں سے تھا یا نہ تھا۔

قرآن سے عرف کی حجیت

قرآن حکیم میں اسکی بنیاد درج ذیل آیت بن سکتی ہے۔

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾. (الاعراف:۱۹۹)

عفو درگزر سے کام لیجئے عرف کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے نہ الجھئے۔

عرف میں مفسرین کے نزدیک تمام عقلی و رواجی اچھی باتیں داخل ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اس لئے اس عموم میں مذکور اصطلاحی عرف بھی داخل سمجھا جائے گا چنانچہ ذیل کی احادیث سے ایک حد تک اس کی تائید ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انتم اعلم با مور دنیا کم . (82)

تم لوگ اپنی دنیوی امور سے زیادہ واقف ہو۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

مارآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن ومار آه المسلمون قبيحا فهو عندالله قبيح.(83)

جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کو وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ عام اصول انہیں باتوں میں نافذ ہوگا جو اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہ ہوں اور جو اس کے خلاف ہوں گی ان میں اس کو نہ مانا جائے گا۔

فقہاء کے نزدیک عرف کی اہمیت

علماء اصول نے عرف ورواج کو بہت اہمیت دی ہے مثلاً مختلف فقہی قواعد میں وہ کہتے ہیں

العادة محكمة...... عادت فیصلہ کن چیز ہے۔

الثابت بالعرف کالثابت بالنص

جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ نص یعنی قرآن اور حدیث سے ثابت کے مثل ہے۔

الثابت بالعرف كثابت بدليل شرعي

جو عرف سے ثابت ہے وہ شریعت میں دلیل شرعی سے سمجھا جائے گا۔

فقہاء نے بہت سے مسائل میں مختلف علاقوں کے عرف ورواج ہی کو مدار بنا کر حکم جاری کیا ہے۔(84)

عرف کو ماخذ قانون بنانے کی چار شرائط

1۔ عرف قرآن وسنت کے حکم کے بالکل خلاف نہ ہو۔

2۔ عرف قرآن وسنت کے عام حکم کے خلاف بھی نہ ہو، اگر حکم کے کسی خاص جزء میں مخالفت ہوتی ہو تو ایسی صورت میں عام حکم سے اس خاص کو عرف کی بناء پر مستثنیٰ قرار دیں گے، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا ہے جو بیچنے والے کے پاس موجود نہ ہو، لیکن موچی سے جو معاہدہ جوتا تیار کرنے کا کیا جاتا ہے اس میں جوتا موچی کے پاس موجود نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تیار کر کے دیتا ہے، فقہاء نے عرف کی بناء پر اس صورت کو جائز قرار دیا ہے۔

3۔ عرف اگر ایک ایسے حکم کے خلاف ہو جو قرآن وحدیث سے حاصل نہ کیا گیا ہو بلکہ قیاس کے ذریعہ

Marfat.com

حاصل ہوا ہو تو قیاس کو چھوڑ کر عرف پر عمل کیا جائے گا۔

4۔ جو احکام محض عرف پر مبنی ہوں وہ عرف کے بدلنے سے بدل جائیں گے کیونکہ ان کی مدت عرف کی بقا تک ہی تھی۔

عرف کے ماخذ ہونے کی عقلی دلیل

عرف وعادت کی حجیت کے معنی یہ ہیں کہ کسی معاشرہ میں یہ قاعدے یوں ہی رائج نہیں ہو جاتے بلکہ ان کے پیچھے سینکڑوں سالوں کی تاریخ اور عدل وانصاف ہمدردی اور آسانی کے اصول کارفرما ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ان کو تسلیم کیا ہے اگر کوئی شخص کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اسکے لئے پیشگی اجازت کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی کے ہاں آگ لگ جائے تو اس کا دروازہ توڑ کر اندر گھس جانے اور سامان بچا لینے کے لئے کسی تائید یا منظوری کی ضرورت نہیں، مہمان کی میزبان کے ہاں رہتے ہوئے اس کے گھر کی ایسی چیزیں استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، جنہیں عرف عام میں مہمان استعمال کرتا ہے۔ معاملات میں خصوصیت سے عرف وعادت کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ اگر تصرف یعنی استعمال کے لئے اجازت وشرائط کا طے کرنا لازمی قرار دیا جائے تو روزانہ کے معمولات متاثر ہوتے اور جینا دشوار ہو جاتا ہے۔

عرف کی مزید دو اقسام

عرف کی دو اقسام قولی وفعلی کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اُس کی مزید دو اقسام درج ذیل ہیں:

1۔ عرف فاسد

وہ عرف جو قرآن وسنت کی واضح نص کے خلاف ہو یا کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتا ہو۔ اسے عرف فاسد کہتے ہیں، ایسا عرف قبول نہیں کیا جائے گا جیسے پیدائش اور موت کے موقع پر منکرات شرعی پر مبنی رسوم ورواج، سودخوری اور جوئے پر مبنی معاہدے وغیرہ۔

2۔ عرف صحیح

عرف صحیح یہ ہے جو قرآن، سنت یا اجماع سے ثابت شدہ حکم کا مخالف نہ ہو، کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ کرتا ہو اور کسی دلیل شرعی کے خلاف نہ ہو۔ ایسا عرف قبول کیا جائے گا، اس سے مسائل کا اخذ معتبر ہوگا اور اسے ایک شرعی اصول سمجھا جائے گا۔ عرف صحیح کو درج ذیل مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

1۔ منگنی کے وقت لڑکی کو جو کپڑے یا دوسرا سامان دیا جاتا ہے وہ تحفہ ہوتا ہے اور وہ سامان میں داخل

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

نہیں ہوتا۔

2۔ عقد نکاح کے وقت لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے اور ان میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔

3۔ ہوٹلوں کے مالک اپنے ملازمین کو دوپہر اور رات کو کھانا اپنے پاس سے کھلاتے ہیں۔

4۔ طلاق یا موت کے نتیجہ میں میاں بیوی میں تفریق کے بعد مہر موجل کا استحقاق ہوتا ہے یا اس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عرف صحیح ماخذ قانون ہوگا اور اس کو مدنظر رکھ کر قانون سازی کی جائے گی لیکن عرف فاسد کسی صورت میں بھی ماخذ نہیں بن سکتا۔(85)

Marfat.com

9- نواں ماخذ: سدِ ذرائع (سدُ الذرائع)

(Prohibition of what may Lead to Committing Sins)

لغوی اور اصطلاحی معنیٰ:

یہ شریعت اسلامیہ کا نواں ماخذ اور ساتواں ذیلی ماخذ ہے۔ یہ دو الفاظ سد اور ذرائع کا مرکب ہے، یہ دونوں عربی زبان کے لفظ ہیں لیکن اردو میں بھی مروج ہیں "سد" عربی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد دیوار ہے، یہ لفظ رکاوٹ، آڑ اور بند کرنے کا مفہوم بھی دیتا ہے، قرآن مجید میں یہ لفظ انہیں معنوں میں استعمال ہوا ہے، مثلاً قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴾. (الکهف ۹۴/۱۸)

ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یا جوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہے ہیں، کیا ہم آپ کے لئے خرچ کا انتظام کر دیں تا کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار کھینچ دیں۔

لفظ ذرائع جمع ہے اس کی واحد ذریعہ ہے یہ لفظ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں مستعمل ہے۔

لغت میں ذریعہ کے معنی ہیں وسیلہ یا واسطہ ہے جس سے کسی چیز تک پہنچا جا سکے۔ اس کی جمع ذرائع ہے، وسیلہ کی جمع وسائل اور واسطہ کی جمع وسائط یا واسطے ہے۔

سدالذرائع کی اصطلاحی تعریف

منع الوسائل ا والافعال الموديه الى المفاسد (زيدان. الوجيز/245)

ایسے امور اور وسائل کے استعمال سے روک دینا جو خرابی کا باعث بنتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو چیزیں بھی پیدا کی ہیں ان میں نفع و نقصان دونوں ہوتے ہیں لیکن بنی نوع انسان کے لئے وہ چیز فائدہ مند ہے جس میں نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہو، اس لحاظ سے تمام اشیاء اور چیزوں کو فائدہ دینے کے لحاظ سے دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تمام اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ مفسدہ (وہ چیزیں جو خرابی کا باعث ہیں)۔

2۔ مصلحہ (وہ چیزیں جو فائدے کا باعث ہیں)۔

ذرائع کی بھی دو قسمیں ہیں: 1۔ قولی 2۔ فعلی

فقہ کی اصطلاح میں لفظ ''ذرائع'' کا اطلاق ان وسائل اور طریقوں پر ہوتا ہے جو مقاصد تک پہنچاتے ہوں، جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز ''سد ذرائع'' میں سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کا تعلق ان وسائل واسباب کو روکنے سے ہے جو مفاسد تک پہنچاتے ہیں۔

سد ذرائع سے مراد ہے ان تمام راستوں کا بند کرنا اور ان راہوں کو مسدود کر دینا ہے جس کے ذریعے اسلامی شریعت کے مطابق فساد یا گناہ ومعصیت پھیلنے کا خطرہ ہو حالانکہ بظاہر وہ عمل فساد کا ذریعہ شمار نہ ہوتے ہوں۔ مزید جن کا استعمال بنی نوع انسان کے لئے نقصان دہ ہو اور بالآخر وہ شریعت کے ممنوعات کے ارتکاب کا پیش خیمہ بن جاتے ہوں اگرچہ کسی ممنوع امر کا ارتکاب بلا ارادہ ہی سرزد ہو رہا ہو۔ مثلاً پنیر یا انگور کی کاشت بظاہر کوئی فاسد عمل نہیں لیکن اگر پنیر سے، ہیروئن اور انگور سے شراب بنانے کا خطرہ ہو تو یہ کاشت بنی نوع انسان میں نشہ کو عام کرے گی، جو فساد کا باعث ہے۔

''ایسے ذرائع، وسائل اور اسباب کا انسداد یا ان کو روک دینا جو مفاسد یا معصیت کا ذریعہ بنتے ہوں سد الذرائع ہے۔''

مزید ذرائع کے معنی وسائل کے ہیں۔ ذریعہ کسی چیز کے لئے وسیلہ یا راستہ کو کہتے ہیں۔ خواہ یہ چیز خرابی کا باعث ہو (مفسدہ) یا فائدہ کا (مصلحہ)۔ اور یہ قول ہو یا فعل لیکن موجود سیاق وسباق میں لفظ ذرائع کا اطلاق ان وسائل پر ہوتا ہے جو مفاسد تک پہنچاتے ہوں۔ چنانچہ جب یہ کہا جائے کہ فلاں چیز سد الذرائع کی قبیل سے ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسکا تعلق ان وسائل واسباب کو روکنے سے ہے۔ جو مفاسد تک پہنچاتے ہوں۔ یعنی جو بنی نوع انسان کے لئے نقصان اور خرابی کا باعث ہوتے ہیں۔

ایسے افعال جو مفاسد تک پہنچاتے ہیں۔ اپنی ذات میں فاسد وحرام بھی ہو سکتے ہیں، اور مباح وجائز بھی۔ پہلی قسم تک ذرائع اپنی ذات، طبیعت ومزاج سے ہی شر ونقصان اور فساد کی طرف لے جاتے ہیں اور حرام ہیں اور سد الذرائع میں نہیں آتے۔ جیسے نشہ آور چیزوں کا استعمال جو انسان کے ہوش وحواس کو زائل کر دیتا ہے، کسی پر زنا کی تہمت لگانا جو دوسرے کی عزت وناموس کو برباد کر دیتا ہے۔ اور زنا جس سے نسب میں گڑبڑ اور اختلاط پیدا ہوتا ہے۔ ان افعال کی کئی اقسام ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ان افعال کی ممانعت کے بارے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے ، اور درحقیقت یہ سدالذرائع کے دائرہ میں داخل ہی نہیں ہیں،سدالذرائع کے ماخذ قانون میں ایسے امور اور ایسے افعال آتے ہیں جو اسلامی شریعت میں قطعاً حرام نہیں ہوتے بلکہ اپنی ذات سے مباح اور جائز ہیں لیکن مفاسد کا سبب بنتے ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں۔(85)

سدالذرائع کے حوالہ سے انسانی افعال کی پہلی قسم

ایسے افعال جو شاذ و نادر ہی فساد وخرابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔اس میں مصلحت یعنی نفع و فائدہ کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اور مفسدہ یعنی خرابی ونقصان کا امکان کم ہوتا ہے۔جیسے اس عورت کو دیکھنا یا اس پر نگاہ ڈالنا جس کے ساتھ منگنی ہوگئی ہو، یا ہونے والی ہو، یا اس کے بارے میں گواہی دینا ہو۔انگور کی کاشت کرنا۔ان افعال کو صرف اس امکان یا احتمال کی بنا پر ممنوع نہیں قرار دیا جا سکتا کہ ان کے ذریعہ فساد، برائی یا گناہ کے پھیلنے یا وقوع پذیر ہونے کا خطرہ بہت کم ہوتا ہے اس کی مزید مثالیں یہ ہیں۔شارع نے عدت کے ختم ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں عورت کے قول کو تسلیم کیا ہے، حالانکہ اس پر جھوٹ کا بھی احتمال ہے۔قاضی کو شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ اس میں گواہوں کے جھوٹ بولنے کا بھی احتمال ہے۔ایک اکیلے دیانتدار شخص کی روایت کو قبول کیا جاتا ہے، حالانکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کو بات صحیح یاد نہ رہی ہو۔چونکہ یہ اندیشہ اور احتمالات موہوم اور مرجوح ہیں، اس لئے شارع نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، اور ان کو اعتبار کے قابل ہی نہیں سمجھا اس قسم میں سدالذرائع کا اصول استعمال نہیں ہوگا۔

دوسری قسم

ایسے افعال جو مفسدہ یعنی خرابی یا نقصان کا کثرت سے ذریعہ بنتے ہوں تو ان کا مفسدۃ یعنی نقصان مصلحت یعنی فائدہ سے زیادہ راجح ہے۔جیسے شورش و فتنہ کے زمانہ میں ہتھیار فروخت کرنا۔زمین کو ایسے کاموں میں استعمال کے لئے کرایہ پر دینا جو حرام ہوں، جیسے کوئی شخص اس جگہ کو جوئے کا اڈا بنا لے۔مشرکین کے باطل معبودوں کو ان لوگوں کے سامنے گالی دینا یا برا بھلا کہنا جن کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ بھی اس گالی کو سن کر اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔ایسے شخص کے ہاتھ انگور وفروخت کرنا جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ انگور کے رس سے شراب بناتا ہے، اور یہ اس کا پیشہ ہے۔اس قسم میں سدالذرائع کے ماخذ کو استعمال کر کے ان کو ختی کرکے ان امور سے روک دیا جائیگا کیونکہ یہ فساد کا ذریعہ بنیں گے۔

Marfat.com

تیسری قسم

اس قسم میں جو ذرائع وسائل شامل ہیں اگر مکلّف ان کو ان مقاصد کے خلاف استعمال کرے جن کے لئے ان کو بنایا گیا تھا۔تو وہ خرابی کی طرف لے جائیں، جیسے ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے پھر اس سے شادی کرنے کے لئے اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کرائے۔یہ نکاح کا غلط استعمال ہے۔ایسے ہی اگر کوئی شخص بیع کو ربا (سود) کے حصول کا ذریعہ بنائے۔جیسے کوئی شخص اس شرط پر کوئی کپڑا فروخت کرے کہ اگر ادھار دے گا تو اس کی قیمت ایک ہزار ہے، اور نقد دے گا تو اس کی قیمت نو سو روپے ہے۔یہاں مفسدہ (خرابی) کو ہی ترجیح دی جائے گی۔

تیسری قسم میں شامل افعال کے بارے میں اختلاف ہے، کہ مفسدہ (خرابی) کا سبب بننے کی وجہ سے ان کی ممانعت ہے یا نہیں۔

سد الذرائع اصول فقہ میں ایک تسلیم شدہ اصول ہے۔اور مآخذ احکام میں سے یہ بھی ایک ماخذ (دلیل) ہے کیونکہ یہ ایک ایسی اصل ہے جس کتاب وسنت نے بھی معتبر سمجھا ہے۔

سدالذرائع کی حُجیت کے قرآنی دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا﴾ (البقرة:104)

''اے ایمان والوں تم نبی کو اپنی طرف مخاطب کرنے کی غرض سے راعنا نہ کہا کرو، اور انظرنا کہا کرو، اور پوری توجہ سے سنا کرو''۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کسی بات کو ان سے دوبارہ سمجھنے کے لئے لفظ ''راعنا'' یعنی ہماری رعایت کریں کہتے تھے۔لیکن منافقین اور یہودی یہ لفظ اس طرح اداء کرتے تھے کہ اس کا معنی بنتا تھا ''ہمارا چرواھا'' یہ لفظ شان نبوت میں گستاخی کا باعث تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے سد الذرائع کے اصول کے تحت مسلمانوں کو لفظ راعنا کہنے سے منع کیا ہے، حالانکہ ان کی نیت اچھی تھی۔یہ ممانعت یہودیوں کے ساتھ مشابہت کی بنا پر کی، جن کا مقصد اس لفظ سے نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہنا تھا۔

حدیث سے دلائل:

1۔ حدیث میں واضح طور پر شراب کے ایک قطرہ کے استعمال کو بھی حرام کیا گیا ہے، تا کہ یہ گھونٹ پینے کا ذریعہ نہ بن جائے۔اور گھونٹ گھونٹ پی کر کے پینا اس مقدار میں شراب پینے کا ذریعہ نہ بنے جو نشہ

Marfat.com

لاتی ہے۔اس طرح وہ گھونٹ گھونٹ بچا کر ایک حرام فعل میں مبتلا ہو جائے گا۔اس لئے حدیث میں آتا ہے، جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ لاتی ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اس کی علت یہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

2۔ حدیث میں وارد ہے کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ملنا حرام ہے تا کہ خلوت میں یہ ملاقات کسی حرام فعل کے ارتکاب کی محرک نہ بنے۔

3۔ عدت کی حالت میں نکاح کرنا، چاہئے بعد میں جنسی تعلقات قائم کرے، حرام ہے، اس کی علت یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے ایسے فعل کی ممانعت ہے جو صحبت کو ذریعہ بنے۔نکاح صحبت کا ذریعہ ہے۔

4۔ نبی کریم ﷺ نے بیع وقرض کو اکٹھا کرنے سے منع فرمایا تا کہ ان کا آپس میں ملنا ربا کا ذریعہ بن جائے۔

5۔ رسول اکرم ﷺ نے حاکم یا قاضی کو ہدیہ قبول کرنے سے منع کیا ہے، یہ اس شخص کے لئے ہے جو اس عہدہ پر مقرر ہونے سے پہلے ہدیہ نہ دیتا ہو۔اس کی علت یہ ہے کہ یہ ہدیہ نا جائز تحفوں اور نذرانوں کا ذریعہ بن جائیگا۔

6۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ جس شخص کو راستہ میں کوئی گری پڑی چیز ملے وہ اس پر کسی کو گواہ بنالے، حالانکہ وہ اس کا امین تھا۔آپ نے یہ حکم اس مصلحت کی بنا پر دیا تھا کہ اس کو لالچ نہ آجائے، اور اس چیز کو اپنے پاس چھپا کر نہ رکھ لے۔

مزید دلائل:

1۔ جو شخص اپنی بیوی کو اپنی میراث سے محروم کرنے کے لئے طلاق دے اس کو میراث میں سے حصہ دیا جائے گا تا کہ یہ طلاق اس کی میراث سے محرومی کا ذریعہ نہ بنے۔جمہور فقہاء کی یہی رائے ہے۔اور اس کی بنیاد اس فتویٰ پر ہے جو بعض صحابہ کرامؓ نے اس کے بارے میں دیا تھا۔ان کا یہ دعویٰ بھی سدذرائع کے اصول پر مبنی تھا جس کے صحت کی تائید قرآن وسنت کی نصوص سے ہوتی ہے۔

2۔ پر فتن دور میں سد ذرائع کے طور پر اسلحہ کی خرید وفروخت پر پابندی لگائی جا سکتی ہے، سماج دشمن افراد سے اسلحہ چھینا جا سکتا ہے، رسول اکرم ﷺ نے فتنہ کے زمانہ میں اسلحہ کی خرید وفروخت سے منع فرمایا۔اس طرح ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد یا

Marfat.com

بازار سے گزرے اور اس کے پس تیر ہو یعنی دور حاضر کے تناظر میں بندوق، پستول، کلاشنکوف وغیرہ تو اس کے پیکان کو تھام لے اور اُس کی نالی کو نیچے کر کے رکھے تا کہ کسی مسلمان کو خراش نہ آئے۔اس حدیث کی رو سے عام حالات میں اسلحہ کی نمائش پر سد ذرائع کے طور پر پابندی کا جواز ملتا ہے۔

3۔ جس شخص کے بارے میں یقین ہو کہ وہ انگور سے شراب بنائے گا اس کے ہاتھ انگور فروخت کرنا بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ ارتکاب گناہ میں تعاون ہے جو قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ناجائز ہے۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾. (المائدہ ۵:۲)

نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔

علماء اصول کا سدِ ذرائع کے بارے میں موقف

مالکیہ سد ذرائع کا اصول ماننے میں تنہاء نہیں ہیں بلکہ ان کا کا دوسرے فقہاء سے زیادہ اس پر عمل ہے۔اس سلسلہ میں مالکی فقیہ علامہ قرافی کہتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سد ذرائع تین قسم کے ہوتے ہیں۔

1۔ پہلے قسم کے معتبر ہونے پر سب کا اتفاق ہے، مثلاً مسلمانوں کے راستوں میں کنویں یا گڑھے کھودنا، ان کے کھانے کی چیزوں میں زہر ملانا اور جن لوگوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اگر ان کے بتوں کو برا بھلا کہا جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہیں گے تو ان کے بتوں کو برا بھلا کہنا حرام ہے۔

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًام بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام ۶:۱۰۸)

اور جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں تم ان کو گالیاں مت دو (کہ ایسا کرنے سے وہ جواب میں) اللہ تعالیٰ کو لاعلمی کی وجہ سے گالیاں دیں گے۔

2۔ دوسری قسم کے لغو یا باطل ہونے پر سب کا اتفاق ہے جیسے انگور کاشت اس لئے نہ کرنا کہ لوگ اس کو شراب بنانے کے لئے استعمال کریں۔یہ ذریعہ شراب کو نہیں روک سکتا۔

3۔ تیسری قسم میں اختلاف ہے جیسے ایک مدت مقرر کر کے خرید و فروخت کرنا اس مسئلہ میں ہم ذریعہ کا اعتبار کرتے ہیں، دوسرے فقہاء کی رائے اور عمل اس میں ہم سے مختلف ہے، اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے فقہاء کے مقابلے میں ہم سد ذرائع کی زیادہ رعایت کرتے ہیں۔(86)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

10-دسواں ماخذ: استصحاب

Presemption of Continuity

استصحاب کی تعریف

لغوی تعریف

یہ اسلامی شریعت کا دسواں ماخذ اور آٹھواں ذیلی ماخذ ہے۔لفظ استصحاب کا مادہ (ص۔ح۔ب) صحبت ہے، یہ لفظ اس مادہ سے باب استفعال کے وزن پر ہے، اس سے مراد کسی چیز کے ساتھ چمٹ جانا اور کسی چیز کا ساتھی بننا ہے، جیسا کہا جاتا ہے کتاب اس کا ساتھی ہے یا قرآن مجید اس کا بہترین ساتھی ہے وغیرہ۔استصحاب لغت میں مصاحبت اور مصاحبت کے جاری رہنے کو کہتے ہیں۔مصاحبت کے معنی ساتھ رہنا ہے۔یعنی دو شخصوں یا دو چیزوں کا ساتھ ہونا۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں استصحاب کی تعریف یہ ہے۔

استدامة اثبات ما كان ثابتا او نفي ما كان منفيا.(87)

یعنی جو چیز پہلے سے ثابت و موجود چلی آرہی ہو اس کو اسی طرح ثابت سمجھنا یا جو چیز پہلے موجود نہ ہو اس کو اب بھی موجود نہ سمجھنا۔

یعنی جو چیز یا انسان جس حالت میں پہلے تھا اس کو اس وقت تک اس طرح اپنی حالت میں باقی سمجھنا جب تک کوئی ایسا سبب موجود نہ ہو جو اس کو تبدیل کر دے۔

اس اصول کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ کسی خاص وقت یا زمانہ میں وہ زندہ تھا تو ہم یہ کہیں گے کہ وہ اب بھی زندہ ہے، جب تک کہ اس کی وفات کے بارے میں کوئی ثبوت موجود نہ ہو اور اس بنیاد پر اس کا نکاح قائم رہے گا اور بیوی کو دوسری شادی کی اجازت نہیں دی جائے گی، مزید اس کی جائیداد وغیرہ بھی تقسیم نہیں ہوں گی۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس مثال سے واضح ہوتا ہے استصحاب سے مراد یہ ہے کہ پہلے کی حالت اس وقت تک قائم سمجھی جائے گی جب تک اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل جائے (حال پر محض اس لئے حکم دیا جائے کہ ماضی میں یہی حکم موجود تھا)۔ اوراس کے خلاف ثابت نہیں ہے فقہاء کی اصطلاح میں استصحاب حال اسی کا نام ہے تعریف یہ ہے۔

ما ثبت في الزمن الماضي فالاصل بقائه في المستقبل.

''گزشتہ جو بات ثابت ہو آئندہ اسی کو باقی سمجھ کر وہی حکم دینا''۔

دوسری تعریف یہ ہے:

حكم بقاء امر محقق لم يظن عدمه.

''ایسے امر قطعی کے بقاء کا حکم کہ جس کے عدم کا گمان نہ ہو''۔

مثلاً امام شافعیؒ کہتے ہیں جو شے غیر سبیلین (انسان کے آگے اور پیچھے کی شرم گاہ سے نہ نکلے بلکہ منہ، ناک، آنکھ یا کان کے کسی اور حصہ) سے نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ اس سے پہلے بالاتفاق وضو قائم تھا اسی حالت پر اب بھی باقی سمجھا جائے گا۔

مذکورطریق استدلال ہر ایسے حکم میں ہی کام دے سکتا جو پہلے سے بذریعہ دلیل ثابت ہو اور اب اس کے زوال میں شک ہو گیا ہو۔ امام شافعی کے نزدیک یہ حجت موجبہ ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حجت دافعہ ہے۔ یعنی موجود حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ جدید حقوق کا ثبوت نہ ہو گا۔

استصحاب کی قسمیں

اصل میں تمام چیزوں کے حلال ہونے کے بارے میں استصحاب:

اول: الاصل في الاشياء الاباحه...... تمام اشیاء دراصل مباح یعنی حلال ہیں۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام خوردونوش کی اشیاء جانور، نباتات یا جمادات جن کے حرام ہونے کی کوئی دلیل موجود نہ ہو حلال و مباح ہیں۔ کیونکہ کائنات میں موجود تمام چیزوں کا حکم اصلی اباحت (حلت) ہے۔ ان میں سے جو چیزیں حرام ہیں وہ شارع کی طرف سے بتلائی ہوئی کسی دلیل کے سبب یا کسی نقصان کی وجہ سے حرام ہیں اس بات کی دلیل کہ اشیاء کا حکم اصلی اباحت ہے۔

قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾. (الجاثیہ 13)

ترجمہ: اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اس سب کو اس نے اپنی جانب (اپنے حکم) سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔

اس کی دوسری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾. (البقرۃ 29)

ترجمہ: وہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے نفع کے لئے پیدا کیا۔

2۔ انسانوں کی ذمہ داری سے متعلق استصحاب

انسان بلحاظ اپنی اصلیت کے تمام حقوق سے بری و آزاد ہے۔ جب تک کوئی دلیل موجود نہ ہو اس وقت تک اس کے ذمہ کوئی حق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ دوسرے شخص نے اس کے ایک ہزار روپے دینے ہیں تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا حق ثابت کرنے کے لئے کوئی رسید، گواہ یا مزید کوئی ثبوت پیش کرے، بغیر ثبوت کے اس کا دعویٰ استصحاب کی وجہ سے رد کر دیا جائے گا۔

مزید اگر کوئی یہ سمجھ کر کوئی کتا خریدے کہ یہ پولیس کا کتا ہے جو سراغ رسانی کے کام آتا ہے اور جرائم کی تفتیش میں مدد دیتا ہے یا یہ سمجھ کر خریدے کہ یہ شکاری کتا ہے، خریدنے کے بعد اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ صفت اس میں موجود نہیں ہے تو اس کی بات استصحاب کی وجہ سے تسلیم کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتوں میں سراغ رسانی یا شکار کی صفت پیدائشی نہیں ہوتی۔ اصل کے اعتبار سے ان میں یہ وصف معدوم ہوتی ہے۔ ان کو یہ کام سکھائے جاتے ہیں۔ ان کو تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد انہیں اس کا ملکہ ہوتا ہے۔ اس لئے اصل کے اعتبار سے وہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ اور اس کی سچائی کی وجہ استصحاب ہے۔

3۔ ایسے وصف سے متعلق استصحاب جو حکم شرعی کو ثابت کر دے، جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو

کسی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد پر کسی شخص کی ملکیت ثابت ہو تو اس کی یہ ملکیت اور اس کا حکم اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اس کی ملکیت زائل ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ مثلاً یہ کہ وہ اس کو فروخت کر دے، وقف کر دے، یا ہبہ کر دے۔ کسی شخص کے ذمہ کسی سبب کے موجود ہونے کی وجہ سے قرض ثابت ہو، عقد نکاح کے سبب میاں بیوی کے درمیان حلت کا ثبوت اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جو ان کے درمیان تفریق کو بتلاتی ہو۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

استصحاب کے بارے میں علماء اصول کی رائے

احناف کے نزدیک استصحاب اس معنی میں حجت ہے کہ جو چیز جس حالت میں پہلے سے چلی آرہی ہو اس کو اسی حالت میں آئندہ بھی سمجھا جائے گا اور جو حکم اس کے مخالف ہو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ان کے ان قول کا مطلب:

''الاستصحاب حجة فی الدفع لافی الاثبات''

استصحاب دفع میں حجت ہے، اثبات میں نہیں۔یعنی کسی کو الزام سے بری کرنا ہے تو یہ ماخذ قانون حجت ہے لیکن کسی پر الزام ثابت کرنے کے لئے یہ ماخذ حجت نہیں، کیونکہ بنیادی طور تمام انسان الزام سے بری ہیں، لہٰذا اسے ملزم بنانے کے لئے یہ کہا جائے کہ یہ شخص سابقہ دور میں کافی جرائم کا مرتکب ہو چکا ہے اور ماخذ استصحاب کے ذریعہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جرم بھی اس سے سرزد ہوا ہے، احناف کے نزدیک نہیں مانا جائے گا۔دوسرے فقہاء جیسے حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک استصحاب دفع اور اثبات دونوں میں حجت ہے۔

استصحاب بحیثیت ماخذ قانون

اول: استصحاب حقیقت میں کسی نئے حکم کو ثابت نہیں کرتا۔لیکن جو حکم ماضی میں معتبر دلیل سے ثابت تھا وہی اب بھی جاری رہے گا۔اس صورت میں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اپنی ذات سے یہ کوئی فقہی ماخذ نہیں ہے۔اور نہ کوئی ایسا ماخذ ہے جس سے احکام مستنبط کیے جائیں۔یہ تو صرف اس بات کا قرینہ ہے۔کہ جس دلیل کی بنیاد پر حکم پہلے تھا اب بھی وہی باقی ہے۔

دوم: کسی مسئلہ کے حکم کے بارے میں جب کوئی خاص دلیل موجود نہ ہو اس وقت استصحاب پر عمل کیا جاتا ہے۔یہ اس وقت ممکن ہے جب فقیہ دلیل تلاش کرنے میں اپنی سی پوری کوشش کر چکے اور اس کو دلیل نہ ملے۔اس وقت وہ استصحاب کی طرف رجوع کرتا ہے۔اس لئے جیسا کہ بعض نے کہا ہے، فتویٰ کا آخری دارومدار اسی پر ہوتا ہے۔مفتی سے جب کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی حکم دریافت کیا جاتا ہے تو وہ پہلے قرآن مجید میں تلاش کرتا ہے، پھر سنت میں، پھر اجماع میں۔اور آخر میں قیاس سے کام لیتا ہے۔جب اس کو ان میں سے کہیں بھی حکم نہیں ملتا، تو نفی و اثبات میں وہ استصحاب الحال کی طرف رجوع کرتا ہے۔اگر اس چیز کے زائل ہونے میں کوئی تردد ہو تو اصل میں اس کو باقی سمجھا جائے گا، اگر وجود میں تردد ہو تو اصل میں اس کا عدم وجود معتبر ہوگا یعنی اس کو معدوم سمجھا جائے گا۔(88)

Marfat.com

11- گیارھواں ماخذ: تعامل

Practice

یہ اسلامی شریعت کا گیارھواں ماخذ اور نواں ذیلی ماخذ ہے لفظ تعامل کے حروف اصلیہ (ع۔م۔ل) ہیں اس مادہ سے باب تفاعل کے وزن پر یہ لفظ تعامل ہے، اس کے لغوی معنی (کسی قوم، گروہ، شخصیات یا علاقہ کے لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کے مختلف میدانوں میں معاملہ کرنے کا طریقہ ہے)

تعامل کی تعریف یہ ہے۔

التعامل وهو عادة الناس فى المعاملات من البيع و الشراء و غيرهما

خرید فروخت اور دوسرے معاملات میں لوگوں کی عادت کا نام ''تعامل'' ہے۔

اصول فقہ میں تعامل کی بحث میں کافی سارے عنوان ملتے ہیں، مثلاً تعامل صحابہ، تعامل اہل مدینہ، تعامل اہل بیت، تعامل امت اور تعامل علماء کرام وغیرہ ان تمام سے مراد اس گروہ کے لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات، معاملات، لین دین وغیرہ کا طریقہ ہے۔یعنی تمام مسلمانوں کا نہیں بلکہ صرف مدینہ طیبہ میں رہنے والوں کو طریقہ ان کا تعامل کہلائے گا۔صحابہ کرامؓ کا طریقہ ان کا تعامل کہلائے گا، اسی طریقہ سے اہل بیت اور علماء کرام وغیرہ کا طریقہ ان کا تعامل کہلائے گا۔

اس باب میں آپ تعامل صحابہ یعنی صحابہ کرامؓ کا دینی و دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات اور لین دین کا طریقہ کار کیا تھا اور کیا وہ ہمارے لئے حُجت یعنی قابل عمل ہے یا نہیں ہے اور تعامل اہل مدینہ کا مطالعہ کریں گے۔

تعامل اور عرف میں فرق یہ ہے کہ عرف کسی قوم یا علاقہ کے وہ رواج ہیں جو ہر عام و خاص میں مقبول ہوتے ہیں لیکن تعامل ایک قوم کے کسی گروہ، خاندان یا شخصیات کے طرز عمل کا نام ہے۔جس طرح تمام عرب کے مسلمانوں میں مروج عادات اور ثقافت عرف ہے لیکن اُن سے صرف مدینہ والوں کا عمل تعامل اھل مدینہ کہلائے گا۔اِسی طرح ایک قوم کے اکثر لوگوں میں مروج عادت عرف کہلائے گی لیکن اُس قوم کے رؤساء کی عادات یا اُس قوم کے علماء کی عادات تعامل رؤسا یا تعامل علماء کہلائیں گی۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تعاملِ صحابہ:(Practice of Holy Companions)

اس کو صحابہ کی آراء یا قول صحابی بھی کہتے ہیں، اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا مختلف دینی و دنیوی احکام پر عمل درآمد ہے، فقہاء نے تدوین قانون کے مرحلہ میں اس سے بہت استفاد کیا ہے اور اس کو سنت میں شمار کر کے بطور ماخذ استعمال کیا ہے۔

اصحاب رسول ﷺ کا مقام و مرتبہ

صحابہ کرامؓ وہ حضرات ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے براہ راست تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، آپ ﷺ کی فکری و عملی زندگی کو اپنی زندگی میں رچایا اور بسایا تھا، جو کچھ جس طرح آپ نے بیان فرمایا اُس کو غور سے سنا اور آپ ﷺ کو جس طرح اور جس طریقے پر عمل کرتے دیکھا، بعینہ اسی طرح اس پر عمل پیرا ہوئے، اگر کہیں اشتباہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھ کر تشفی کر لی۔ ان میں کچھ اصحاب ایسے بھی تھے جو قانونی معاملات میں خصوصیت سے ممتاز تھے اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک کی شہادت بھی موجود ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کے اہم ترین کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک ایسی پاکباز صاحب علم وفہم اور انسانیت دوست لوگوں کی جماعت تیار کی جس کی مثال نہ تاریخ میں ملتی ہے اور نہ دور حاضر میں، ایسی حالت میں ان سے بڑھ کر مزاج شناس نبوت اور کون ہو سکتا ہے؟ ان کی رائے اور عمل کے مقابلہ میں کسی اور کی رائے کو اہمیت نہیں دی جا سکتی اور مجموعی حیثیت سے ان کے قرآن و سنت کی تشریح سے متعلقہ قول و فعل کو معیار تسلیم کرنے میں کسی اصول پر کلی زد نہیں پڑتی۔ بلکہ یہ تو عین مقصد نبوت کے مطابق ہے کیونکہ نبوت اس پر بھی مامور ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کر دے جو اس کے بعد ہر حیثیت سے اس کی تعلیمات کی محافظ اور اس کے مقاصد کی تکمیل کر سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ "نبی" کے ارشادات میں ایسے اصول کلیہ ضروری ہوتے ہیں جن سے مسائل کو استنباط کیا جا سکتا ہے چونکہ نبی کی تیار کردہ جماعت مزاج شناس نبوت ہوتی ہے اس لئے وہی بعد میں قرآن و سنت کے کلیات کی تشریح و تعبیر کے اس فرض کو انجام دینے کا حق رکھتی ہے اور اس کی انجام دہی قبولیت کے معیار پر ٹھیک اتر سکتی ہے۔ ان دلائل کی وجہ سے فقہاء نے تعامل صحابہ کو حجت تسلیم کیا ہے اور صحابہ کی آراء اور ان کے تعامل کو مدنظر رکھ کر قانون سازی بھی کی ہے۔

قرآن مجید سے ثبوت

مندرجہ ذیل آیت سے صحابہ کی اہمیت پر روشنی ہوتی ہے۔

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾. (التوبہ:۱۰۰)

مہاجرین وانصار میں جولوگ سبقت کرنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں اوروہ لوگ جنہوں نے راست بازی کی حیثیت کو برقرار رکھا ہے، بالخصوص ''رضواعنہ'' جوالٰہی حکمت کے ساتھ ان کے تعامل کی ہم آہنگی پر دلالت کرتا ہے۔

اس آیت میں ''رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' کا جملہ صحابہؓ کے ''تعامل'' کے ماخذ قرار دینے کے بارے میں نہایت اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، بالخصوص ''رضواعنہ'' جوالٰہی حکمت کے ساتھ ان کے تعامل کی ہم آہنگی پر دلالت کرتا ہے۔

احادیث سے ''تعامل'' کے ماخذ ہونے کا ثبوت:

مامن نبی بعثه الله فی امته قبلی الاکان له فی امته حواریون و اصحاب یاخذون و یقتدون بامره.(89)

''جس نبی کوبھی اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے بھیجا سب کی امت میں اس کے مددگاراوراصحاب تھے جو نبی کی سنت کو حاصل کرتے اوراس کے حکم کی اقتداء کرتے تھے''۔

دوسری حدیث میں ہے:

فعلیکم بسنتی و سنته الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا وعضوء ا علیها(90)

''تم لوگ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو مضبوطی کے ساتھ اس پر جمے رہواوراس سے رہبری حاصل کرو''۔

ایک اورروایت میں رسول اللہ ﷺ نے بطور سند اور معیار صحابہ کا تعامل پیش کیا ہے وہ یہ ہے:

''جس راستہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں وہی حق ہے''۔

تعامل صحابہ، شرائط ودرجات

1۔ تعامل کے بارے میں یہ مسلک اصول فقہ میں مذکور ہے

یحب اجماعا فیما شاع فسکتوا مسلمین و لا یجب اجماعا فیما ثبت الخلاف بینهم.

''جو بات صحابہؓ میں عام طور پر شائع یا عام ہو جائے یا جس کوانہوں نے مان لیا ہواور وہ قبولیت

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

عام کا درجہ حاصل کر لے اس کی اتباع واجب ہے اور جس میں کچھ اختلاف ہو اس میں واجب نہیں ہے''۔

یہ اس لئے کہ صحابہ میں جو بات عمومی حیثیت سے بلانکیر پائی جائے گی اس کی حیثیت اجماع کی ہوگی اور جب اجماع ہر دور کا حجت ہوتا ہے تو صحابہ کا اجماع بدرجہ اولیٰ حجت ہوگا۔

2۔ شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کے کسی بات میں متفق ہونے کو بھی اصولی حیثیت دی ہے اور اس کا اتباع ضروری قرار دیا ہے۔

كل ما ثبت فيه اتفاق الشيخين يجب الاقتداء به.(91)

''ہر وہ بات جس میں شیخین کا اتفاق ہو اس کی اقتداء واجب ہے''۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تدوینِ قانون میں اشخاص کے انتخاب میں کمیت کے مقابلہ میں کیفیت کا زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے، یعنی اشخاص کو تولا جاتا ہے، گنا نہیں جاتا ہے۔

3۔ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد اگر کسی صحابی نے کسی مسئلہ میں قرآن وسنت سے کوئی شرعی حکم نہ ملنے کی وجہ سے ذاتی اجتہاد پر کوئی فتویٰ دیا اور وہ فتویٰ سنت رسول ﷺ کے عین مطابق نکلا تو ایسا فتویٰ سنت رسول ﷺ کے حکم میں داخل ہوگا اور حجت تسلیم کیا جائے گا۔

4۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر صحابہ کا اجماع منعقد ہوا اور وہ آج اسلامی قانون کا حصہ ہیں، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دادی کے لئے میراث میں چھٹے حصے کا حکم نافذ فرمایا اور اس پر اجماع صحابہؓ ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی تجویز کو مانتے ہوئے شراب نوشی پر سزا چالیس کوڑوں کو بڑھا کر اسی کوڑوں کا حکم جاری کیا۔ شراب نوشی پر اسی کوڑوں کی سزا پر اجماع صحابہ منعقد ہوا، سور کی چربی حرام ہونے پر صحابہؓ کے مابین اتفاق ہے، اس بات پر بھی اجماع ثابت ہے کہ مسلمان عورت کا غیر مسلم مرد کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، اجماع صحابہؓ اس پر بھی ہے کہ مال غنیمت میں سے صرف وہ اراضی جس پر مسلمانوں نے جنگ اور فتح سے قبضہ کیا ہو اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

5۔ اقوال صحابہؓ کی ایک قسم وہ ہے جو قرآنی آیات کی تفسیر اور ان آیات کے اسباب نزول سے متعلق ہے سبب نزول سے مراد وہ حالت یا واقعہ ہوتا ہے جس میں کوئی آیت نازل ہوئی، صحابی کے علاوہ کسی اور شخص نے عہد رسالت کو نہیں دیکھا، اس لئے کسی آیت کے سبب نزول سے آگاہ صحابی کے علاوہ کوئی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اورنہیں ہوسکتا، سبب نزول کے بیان کرنے میں صحابہ کی ذاتی رائے یا اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ نزول آیت کے وقت جو مخصوص حالات یا واقعات پیش آئے، صحابہ نے ان کو بیان کر دیا۔ مثلاً قرآن مجید کی آیت:

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا﴾. (الجمعه 11)

''اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے ہوئے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا''۔

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں حضرت جابر کا قول ہے ''ایک بار ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جمعہ نماز پڑھ رہے تھے تو ملک شام کے اونٹوں کا ایک قافلہ غلہ لادے ہوئے آیا، سب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مسجد سے نکل گئے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تو مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی''۔ ایسے تمام تفسیری اقوال میں جن میں کسی آیت کا سبب نزول بیان کیا گیا ہو حجت ہوں گے۔(92)

تعامل صحابہ ان شرائط کے ساتھ ماخذ قانون ہے اور اس سے ان شرائط اور ان سابقہ درجات کو مدنظر کر قانون سازی کی جائے گی اس کے علاوہ تعامل اہل مدینہ امام مالکؒ کے نزدیک ماخذ قانون ہے۔

تعامل اہل مدینہ

امام مالکؒ اور مالکیہ کے نزدیک اہل مدینہ کا تعامل بھی ماخذ قانون اور حجت ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ خیر القرون یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور تک عبادات اور معاملات میں مدینہ کے لوگوں کے باہمی طریقہ کار کو متعلقہ قرآنی آیات اور سنت مبارکہ کی عملی تشریح سمجھ کر انہیں کو اختیار کیا جائے گا اور اُن سے مزید مسائل بھی استنباط کئے جائیں گے۔

اُن کی رائے میں اہل مدینہ کے عمل کی خود رسول اکرم ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ نے نگرانی کی اور جہاں کوئی غلطی ہوئی اُس کی فوراً اصلاح کر دی۔ ایسے شہر اور ایسے لوگوں کا عمل جس کی اتنی صاحب علم، پاکیزہ اور انسان دوست شخصیات کے ذریعہ متواتر اصلاح ہوتی رہی ہو، کو ماخذ قانون اور مثال بنانا ایک مستحسن عمل، عقلی تقاضہ اور شرعی حکم ہے اس لئے تعامل اہل مدینہ مالکیہ کے نزدیک اہم ذیلی ماخذ قانون ہے۔

تعامل اہل مدینہ کی تعریف

عمل اهل المدينه هو مااتفق عليه العلماء و الفضلاء بالمدينه كلهم او اكثر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

هم في زمن مخصوص سواء اكان سنده نقلا او اجماعا .

''ایک مخصوص زمانہ تک (خیر القرون تک) اہل مدینہ کے علماء اور فضلا کا وہ عمل جس کو نقل کے ذریعے (قرآن کی آیات یا حدیث) یا اجتہاداً تمام اہل مدینہ یا اکثر نے اختیار کیا۔''

اس ماخذ کو مالکیہ کے علاوہ باقی مذاہب قبول نہیں کرتے کیونکہ اس کے حق میں قرآن وحدیث کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ ماخذ بنانے کی وجہ امام مالکؒ کے مدینہ میں رہائش اور اُن کی مدینہ اور اہل مدینہ سے محبت تھی۔

مزید تعامل اہلبیت اہل تشیع کے نزدیک ماخذ قانون ہے دور حاضر میں تعامل علماء کرام کو بھی بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

Marfat.com

12- بارھواں ماخذ: مسلّمہ شخصیتوں کی آراء

(Opionions of Eminent Personalties/Jurists)

فقہ اسلامی کا بارھواں ماخذ اور دسواں ذیلی ماخذ ''مسلمہ شخصیتوں کی آراء'' ہیں۔

اس میں خیر القرون اور اُس کے مابعد زمانہ کے مجتہدین، مجددین، مفسرین، محدثین اور علماء کرام کے اقوال، فتاویٰ، ثالثی، عدالتی فیصلے، سرکاری وغیر سرکاری ہدایتیں وغیرہ سب داخل ہیں، مگر مرکزی حیثیت صحابہ کی ذاتی اور شخصی آراء کو حاصل ہوگی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

اصحابی کا لنجوم با یھم اقتدیتم اھتدیتم.(93)

''میرے صحابی مثل ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کی اقتداء کرلو گے ہدایت مل جائے گی''۔

فقہاء نے صحابہ کرام سے اخذ واستفادہ کے یہ دلائل بیان کئے ہیں۔

صحابہؓ کی آراء کے مستند ہونے پر دلائل:

(The opinion of Companions)

لان اکثر اقوالھم مسموع محضرۃ الرسالۃ ، ان اجتھد و افرایھم اصوب لانھم شاھدوا موارد النصوص ولتقدمھم فی الدین و برکۃ صحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کونھم فی خیر القرون.(94)

''اوران کے اکثر اقوال زبان رسالت سے سنے ہوئے ہیں اوراگرانہوں نے اجتہاد بھی کیا ہے توان کی رائے زیادہ صائب ہے کیونکہ انہوں نے نصوص کے موقع ومحل کا براہ راست مشاہدہ کیا ہے۔دین میں انہیں تقدم حاصل ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے فیضیاب ہوئے ہیں ان کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا''۔

لانھم شاھدوا احوال التنزیل واسرار الشریعۃ.(95)

Marfat.com

''کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے نزول اور اسرار شریعت کا مشاہدہ کیا ہے''۔

ومعرفة اسباب التنزيل.

''ان کو اسباب تنزیل یعنی قرآنی احکام کے نازل ہونے کے پس منظر کی معرفت حاصل ہے''۔

ان وجوہ کی بنا پر اگر وہ اپنی رائے سے بھی کوئی بات کہتے ہیں تو وہ دوسروں کے مقابلہ میں بدرجہا فضیلت اور برتری کی مستحق ہوتی ہے۔تعامل صحابہ اور قول صحابی میں فرق یہ ہے وہ پورے گروہ کا عمل اور تمام کی رائے ہوتی ہے اور اس ماخذ سے مراد اُن کی انفرادی، ذاتی اور شخصی رائے ہے۔

فقہاء نے صحابہؓ سے اخذ واستنباط کے بارے میں ان کے علم وفضل ،تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے ان کے درجے قائم کئے ہیں ، اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت اور قانونی امور میں ان کی خصوصیت کا بھی لحاظ رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ سب انسان یکساں نہیں ہوتے اس لئے سب صحابہ بھی یکساں نہیں تھے ، اس لئے قانونی امور میں ان صحابہ کی رائے زیادہ وزنی ہوگی ،جن کی طرف اس عبارت میں اشارہ ہے۔

الذين افنوا اعمارهم فی الصحبة و تخلقوا با خلاقه الشريفه كا لخلفاء و الازواج المطهرات والعبادلة و انس وحذيفة ومن فی طبقهم.(96)

''جن صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں اپنی عمریں گزاری تھیں اور آپ ﷺ کے پاکیزہ اخلاق کے رنگ میں رنگ گئے تھے ، جیسے خلفاء راشدین، ازواج مطہرات،عبادلہ (عبداللہ بن مسعودؓ،عبداللہ بن عمرؓ،عبداللہ بن زبیرؓ،عبداللہ بن عباسؓ،حضرت انسؓ،حضرت حذیفہ اور جوان کے طبقہ میں ہیں''۔

تابعین کے اقوال کے ساتھ فقہاء کا طرز عمل:

(The Opinion of Scuccessors)

صحابہؓ کے بعد تابعین کا درجہ ہے ،جس پر آیت قرآنی ﴿الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾ (جنہوں نے نیکی اور خلوص کے ساتھ صحابہ کا اتباع کیا) اور درج ذیل میں حدیث نبوی شاہد ہے۔

خير امتی قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.(I-96)

''میری امت کا بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ جو اس کے بعد ہے، پھر وہ جو اس کے بعد ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس بناء پر فقہاء نے تابعین کے اقوال و آراء سے بھی استفادہ کیا ہے، اور جن تابعین کے فتاویٰ صحابہ کے زمانہ میں مشہور ہوئے اور تسلیم کئے گئے، جیسے قاضی شریح اور حضرت مسروق وغیرہ ان کو اخذ و استنباط میں مثل صحابی کے قرار دیا ہے۔ اسی طرح بعد کے فقہاء نے ائمہ کرام اور فقہاء عظام کے اقوال اور آراء کو تسلیم کیا ہے اور اُن کو امت مسلمہ کے لئے حجت قرار دیا ہے مثلاً آئمہ اربعہ۔ امام غزالی، امام ابن تیمیہ شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی وغیرہم، یہ اور اس پائے کی دور حاضر اور قیامت تک آنے والی اس مقام اور اس پائے کے مسلّمہ شخصیات کی آراء حجت اور ذیلی ماخذ قانون تصور ہونگی۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

13- تیرھواں ماخذ: ملکی قانون

Countries Laws

ملکی قانون سے استفادہ:

فقہ اسلامی کا آخری ماخذ اور گیارھواں ذیلی ماخذ ''ملکی قانون'' ہے۔

عرف، تعامل اور ملکی قوانین میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر دونوں کو قوت نافذہ حاصل نہیں ہوتی یعنی حکومت یا طاقت کے ذریعہ نافذ نہیں کئے جاتے بلکہ لوگوں میں رائج ہوتے ہیں۔ لیکن ملکی قانون کسی علاقہ کے وہ ضابطہ، اصول وقواعد ہیں جن کو حکومتی طاقت، قبائلی اتفاق وغیرہ سے نافذ کر دیا جاتا ہے۔

قرآن وسنت سے اس کے ثبوت کی دلیل وہی آیتیں اور حدیثیں بن سکتی ہیں جو عرف ورواج کے باب میں مذکور ہوچکی ہیں۔ دعوت الٰہی کے اہم مقاصد میں ﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (رسول معروف کا حکم دیتا ہے) کا ذکر ہے اور معروف کے عموم میں وہ ملکی قانون بھی داخل ہیں جو اسلامی اصول کے موافق ہوں اور شریعت اور عقل کے خلاف نہ ہوں۔

امت مسلمہ کے ''مشن'' میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾. (آل عمران: ۱۱۰)

''تم تمام امتوں میں بہتر امت ہو جو لوگوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے ظہور میں آئی ہے، تم معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے اور اللہ پر سچا ایمان رکھنے والے ہو''۔

اس بناء پر یہ امت جہاں جہاں گئی وہاں کے اچھے رسوم وقوانین (معروف) کی حوصلہ افزائی کی ان سب کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ماقبل شریعت کے بقایا قوانین تھے اور معاشرتی فلاح و بہبود کے لحاظ سے وہاں کے باشندوں نے کوئی قانونی وضع ہی نہ کیا تھا، محض غلط اندیشی اور قومی و جماعتی زندگی سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔

Marfat.com

رسول ﷺ نے عرب کے بعض پرانے قوانین کو قبول کیا۔

ابتداء میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے ان قوانین کو معمولی ترمیم و اصلاح کے بعد قبول فرمایا، جو عرب میں رائج تھے، خواہ ان کا تعلق ماقبل کی کسی شریعت سے تھا یا نہ تھا، اور بعد میں یہی قوانین فقہ اسلامی کا جز قرار پا گئے لیکن اس قبولیت کے ہر مرحلہ میں معاشرہ کی حالت اور عوامی شعور کا ٹھیک اندازہ لگا لیا گیا اور جن کو قبول کیا گیا ان کو اس طرح اسلام کے قالب میں ڈھالا گیا کہ وہ شریعت اسلامیہ میں بالکل فٹ ہو گئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب میں درج ذیل قسم کے قوانین موجود تھے:۔

(۱) مدعی سے دعویٰ کے ثبوت کے لئے گواہ طلب کئے جاتے تھے، اگر گواہ نہ ہوتے اور مدعا علیہ انکار کرتا تو مدعا علیہ کو قسم دی جاتی تھی۔

فقہ کا مسلمہ اصول بھی یہی ہے۔

البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر.

''گواہی مدعی کے ذمہ ہیں اور قسم انکار کرنے والے کے ذمے ہے۔''

(۲) نکاح کے کئی طریقے رائج تھے، غلط طریقوں کو موقوف کر کے ان کی جگہ صحیح طریقہ کو قائم رکھا گیا۔

(۳) تملیک جائداد کی مختلف صورتیں رائج تھیں، بیع، ہبہ، رہن، اجارہ وغیرہ ان کو قائم رکھا گیا اور ان سب کے احکام فقہ میں موجود ہیں۔

(۴) بیع (خرید و فروخت) کی مختلف شکلیں رائج تھیں، بیع صرف، بیع سلم، مرابحہ، تولیہ وغیرہ، ان میں نزاع اور فساد کی صورتوں کو باطل قرار دے کر صحیح صورتوں کو رواج دیا گیا۔ فقہ میں ہر ایک کے احکام موجود ہیں۔

(۵) زمین کو اجارہ یا بٹائی (مزارعت) پر دینے کا رواج تھا۔

(۶) وصیت کا دستور تھا۔

(۷) معاملات کے تصفیہ اور قوانین کے نفاذ کی مختلف صورتیں رائج تھیں وغیرہ۔

غرض رائج شدہ قوانین میں جو بھی اسلامی اصول کے موافق تھے یا بروئے کار لانے میں معاون بنتے تھے، ان سب کو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے قبول فرما لیا تھا، اور جن میں کچھ خامی تھی ان میں ترمیم و اصلاح کر کے انہیں موافق بنایا تھا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

صحابہ کرامؓ کے مختلف ملکوں کے قوانین سے استفادہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام وغیرہ کو جن ملکوں اور قوموں سے سابقہ پڑا انہوں نے بھی ان کے اچھے قوانین کو قبول کیا اور بعد میں وہ سب فقہ اسلامی کا جز بنے اس کی چند صورتیں تھیں۔

(۱) صحابہ کرامؓ تجارت کے لئے ملک شام، مصر، حبشہ، عراق، یمن وغیرہ جایا کرتے تھے۔ شام و مصر میں رومی قانون اور عراق میں ایرانی قانون سے انہیں سابقہ پڑتا تھا۔ یمن میں بھی یہودیوں، رومیوں اور ایرانیوں کے اثرات تھے۔ اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہی اسلامی فتوحات کا سلسلہ مغربی چین سے اندلس کے کچھ حصہ تک پہنچ گیا۔ اس وسیع علاقہ میں کئی مستقل تمدن پہلے سے موجود تھے اور رومی قوانین بھی رائج تھے۔ صحابہ اُن قوانین کا احترام کرتے تھے۔

(۲) ان مفتوحہ ممالک کی زبان، کلچر، مذہب وغیرہ، ہر شے کی حفاظت اور معاملات کے تصفیہ اور مراسم کی ادائیگی میں حتی الامکان ملک و مذہب کے قوانین کا لحاظ کیا جاتا تھا۔

واقرا اھلھا فیھا علی ملکھم و شرائعم.

''ملکوں کے باشندے اپنے اپنے مذاہب اور قوانین پر باقی رکھے گئے تھے''۔

(۳) ان کو نکاح، میراث اور دیگر معاملات وغیرہ میں مذہبی وقومی پوری آزادی حاصل تھی۔

فھم احرار فی شھاداتھم و منا کحاتحم و مواریثھم و جمیع احکامھم.

''وہ اپنی شہادت، نکاح، وارثت وغیرہ کے تمام قوانین میں آزاد تھے (اپنے قوانین کے مطابق عمل کرتے تھے)''۔

(۴) ایک عرصہ تک مفتوحہ ممالک کے دفاتر کی زبان بھی ملکی برقرار رکھی گئی تھی۔ چنانچہ عراق کی دفتری زبان فارسی میں، شام کا دفتری زبان رومی اور مصر کا دفتر قبطی میں تھا۔ عبدالملک کے زمانہ میں عربی زبان دفتری زبان قرار پائی تھی۔

(۵) معاہدین اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور اسلامی حکومت میں انہیں پورے حقوق و مراعات حاصل تھے، نیز باہمی اخذ و استفادہ کا سلسلہ جاری تھا۔ (97)

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ ممالک کے بہت سے قوانین باقی رکھے۔

۱۔ عراق، شام مصر کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے بڑی حد تک رومی، یونانی اور ایرانی قانون لگان و مالگزاری کو باقی رکھا تھا، البتہ ظلم و زیادتی کی صورت اور کاشتکاروں کے ساتھ سخت گیری کے قوانین کی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اصلاح وترمیم کردی گئی تھی۔

۲۔ چنگی وغیرہ کے لئے یہ قانون تھا کہ بیرونی ممالک کے تاجروں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جائے جیسا وہ مسلمان تاجروں کے ساتھ اپنے ملک کے قانون کے مطابق کرتے ہیں، غرض ان طریقوں سے بعض ملکی قانون فقہ اسلامی کا جزاء قرار پائے تھے۔(98)

اِن دلائل کی بنیاد پر تمام دوسرے ممالک کے قوانین کو اسلامی قوانین کے قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ یہ بات بھی محل نظر رہے کہ یہ ماخذ قانون اور عرف دونوں تقریباً ملتے جلتے ہیں۔

Marfat.com

دوسرا باب

مآخذ شرعیہ

(اسلامی مآخذِ قانون)

(Sources of Islamic Law)

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

(مآخذ شرعیہ)

(1) ابن منظور افریقی۔ لسان العرب۔ تفصیل مادہ اَخَذَ۔

(2) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/171

(3) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع الاسلامی/11-14

(4) جوزیہ ابن قیم امام۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ مصر۔ مکتبہ کلیات الازہر۔1968-171/1/1

(5) بزدوی فخر الاسلام۔ اصول البزدوی۔ 21/1

(6) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/179

(7) رازی فخر الدین امام۔ تفسیر مفاتیح الغیب۔ تفسیر سورۃ الحج:78

(8) امام احمد بن حنبل۔ مسند 366/2

(9) ابن کثیر عماد الدین۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سورۃ البقرۃ:185

(10) ابن کثیر عماد الدین۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سورۃ البقرۃ:185

(11) زمخشری۔ تفسیر کشاف۔ تفسیر سورۃ البقرۃ:233

(12) محمد تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔/95

(13) امام شاطبی۔ موافقات۔ 25/4

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(14) ابوداؤد۔ سنن أبي داود۔ مقدمہ باب من سنّ سُنۃ حسنۃ

(15) امام زرقانی۔شرح زرقانی علی موطا امام مالک۔ مصر مکتبہ تجاریہ الکبریٰ۔ 1957۔ 3/1

(16) ملا جیون۔نورالانوار۔ لبنان۔ دار الکتب العلمیہ 1406ھ۔ 3/2

(17) خاکوانی ڈاکٹر محمد باقر خان۔فقہا کے اصول حدیث/78

(18) امام شاطبی۔ موافقات 26/4

(19) تبریزی۔ شرف الدین امام۔ مشکاۃ المصابیح۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

(20) امام مسلم۔ صحیح مسلم۔ بحوالہ راہ عمل جلیل احسن ندوی/33

(21) دارمی امام۔ سنن الدارمی۔ باب الفتیا و مافیہ من الشدۃ

(22) امام احمد بن حنبل۔ مسند۔ 413/4

(23) ابن کثیر تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سورۃ النساء:65

(24) امام أبوداؤد۔ سنن أبي داود۔ کتاب الاقضیہ۔ باب الاجتہاد

(25) امام بخاری۔ صحیح بخاری۔ باب اقتداء افعال النبی

(26) حوالہ سابقہ۔ کتاب الایمان۔ باب ماجاء إنما الاعمال بالنیۃ

(27) امام مسلم۔ صحیح مسلم۔ 167/1

(28) امام مالک۔ موطا امام مالک۔ باب مالا یجوز من عتق المکاتب

(29) امام بخاری۔ صحیح بخاری۔ کتاب الاذان۔ باب أذان المسافر اذا کانو جماعۃ

(30) شیخ محمد رضا۔ محمد رسول ﷺ لاہور۔ تاج کمپنی۔ (س۔ن) 253

(31) شیخ محمد رضا۔ محمد رسول ﷺ لاہور۔ تاج کمپنی۔ (س۔ن) 253

(32) آمدی الاحکام فی اصول الاحکام: 21/2

(33) عبدالعزیز بخاری۔ کشف الاسرار شرح اصول البزدوی۔ قسطنطنیہ۔ مکتبہ الصنائع 1307۔ 288/2

(34) عبدالعزیز بخاری۔ کشف الاسرار شرح اصول البزدوی۔ قسطنطنیہ۔ مکتبہ الصنائع 1307۔ 288/2

(35) بزدوی فخر الاسلام۔ اصول البزدوی۔ 152/

(36) ابن خزیمہ۔ صحیح ابن خزیمہ۔ بیروت۔ المکتب الاسلامی۔ (س۔ن) 213/3

(37) مولانا معین الدین خٹک۔ اصول الفقہ۔ لاہور۔ البدر پبلیکشر۔ 2001-208/2

(38) امام بخاری۔ صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب کیف یقبض العلم

Marfat.com

(39) عبدالعلی بحرالعلوم۔فواتح الرحموت۔246/2
(40) علی حسب اللہ۔اصول التشریع الاسلامی۔/98
(41) تقی امینی۔فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔/144
(42) ابن قدامہ عبداللہ بن احمد المقدسی۔ روضۃ الناظر و جُنۃ المناظر قاھرہ۔ المطبعہ السّلفیہ۔ 1139ھ۔151/1
(43) مفتی محمد مجاہد۔قیاس۔اسلام آباد۔بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔9/2001
(44) احمد حسن ڈاکٹر۔جامع الاصول/242
(45) عبدالعلی بحرالعلوم۔فواتح الرحموت۔248/2
(46) امام ترمذی۔جامع ترمذی۔244/1
(47) امام احمد بن حنبل۔مُسند۔149/1
(48) مفتی محمد مجاہد۔قیاس/14
(49) امام ابوداوٗد۔سنن اَبی داوٗد۔کتاب الاقضیۃ۔باب الاجتہاد
(50) امام بخاری۔صحیح بخاری۔کتاب الحج۔باب وجوب الحج وفضلہ
(51) احمد حسن ڈاکٹر۔جامع الاصول/246-250
(52) حوالہ سابقہ
(53) بزدودی فخرالاسلام اصول البزدوی/46
(54) احمد حسن ڈاکٹر۔جامع الاصول/365
(55) ابن قدامہ حنبلی۔روضۃ الناظر۔/50
(56) علی حسب اللہ۔اصول التشریع الاسلامی/165
(57) سرخسی امام شمس الائمۃ۔اصول السرخسی۔قاھرہ۔مطابع دارالکتاب العربی1972-110/1
(58) تقی امینی۔فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/215
(59) امام سرخسی۔اصول السرخسی 110/1
(60) حوالہ سابقہ
(61) امام بخاری۔صحیح بخاری۔کتاب الایمان۔باب الدین یسر
(62) امام بخاری۔صحیح بخاری۔کتاب الجہاد۔باب بعث اِبی موسیٰ ومعاذ اِلی الیمن

Marfat.com

(63) امام احمد بن حنبل۔ مُسند۔ 279/1
(64) ابن کثیر۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر سورۃ البقرۃ:185
(65) تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/22
(66) قسطلانی۔ جواھر البخاری۔ باب السلم فی کیل معلوم/255
(67) مولانا معین الدین خٹک۔ اصول الفقہ 304/2
(68) عبدالعلی بحرالعلوم۔ فواتح الرحموت۔ 260/2
(69) امام شاطبی۔ الموافقات 2/3
(70) حوالہ سابقہ 3/10-11
(71) تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/239 مزید علی حسب اللہ اصول التشریع/141
(72) امام بخاری۔ صحیح بخاری۔ کتاب الطب۔ باب شرب السم والدواء
(73) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الأصول/375-381
(74) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع۔/144
(75) بلیق عزالدین۔ منہاج الصالحین/558
(76) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/411
(77) ایضاً
(78) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الأصول/412
(79) تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/261
(80) بلیق عزالدین۔ منہاج الصالحین/553
(81) تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/273-275
(82) صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب نمبر 141
(83) مسند احمد بن حنبل۔ بیروت۔ المکتب الاسلامی۔ (ت۔ن) 279/1
(84) تقی امینی۔ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/275
(85) زیدان عبدالکریم۔ الوجیز/248
(85-A) شوکانی محمد علی امام۔ ارشاد الفحول۔ مصر۔ ادارہ الطباعۃ المنیریۃ 1348ھ/241-252
(86) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/390

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(87) جوزیہ۔ابن قیم امام۔اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ بیروت۔دارالجلیل 1973-294/1

(88) عبدالوھاب خلاف۔علم اصول الفقہ۔مصر۔مطبعہ النصر۔1405./200

(89) مسند احمد بن حنبل 126/4۔حدیث (عرباضؓ بن ساریہ)

(90) جوزیہ ابن قیم۔اعلام الموقعین۔137/4

(91) صدرالشریعہ۔التوضیح والتلویح۔کراچی۔نور محمد اصح المطابع 1400-17/2

(92) ابن کثیر۔تفسیر ابن کثیر۔تفسیر سورۃ الجمعۃ:16

(93) امام شاطبی۔ الموافقات 3/4 مزید دیکھیں جوزیہ ابن قیم۔ اعلام الموقعین۔ مشکاۃ المصابیح۔ کتاب مناقب الصحابہ

(94) صدرالشریعۃ۔التوضیح۔18/2

(95) ملاجیون۔نورالانوار/217

(96) حوالہ سابقہ

(96-A) بخاری۔کتاب فضائل الصحابہ۔باب فضائل اصحاب النبی ﷺ

(97) تقی امینی۔فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/283

(98) حوالہ سابقہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تیسرا باب

استنباط احکام کے طریقے اور اس کے قاعدے (وُجُوہ دَلالات)

Principles of Interpretation

استنباط احکام کے طریقے اور اس کے قاعدے (طُرقُ الِاستنباط):

تعارفی باب میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ علم اصول فقہ میں چار عنوانات پر تفصیلی بحث ہوتی ہے۔اگر کسی کتاب میں یہ چاروں عنوان ہوں گے تو وہ اصول فقہ کی مکمل کتاب ہوگی۔اگر کسی کتاب میں کوئی ایک عنوان یا کسی عنوان کے ذیلی حصہ کے بارے میں مفصل بحث یا معلومات اکٹھی کر دی گئی ہوں تو وہ اصول فقہ کے ذیلی عنوان کی کتاب کہلائے گی۔مثلاً اسلامی مآخذ قانون میں سے صرف کسی ایک ماخذ استحسان پر کتاب تحریر کرنا اصول فقہ کے ذیلی عنوان کی کتاب کہلائے گی۔قدیم فقہی کتب یا بعض جدید کتب جو قدیم طریقہ پر تصنیف کی گئی ہیں میں اس تیسرے عنوان ''استنباط احکام کے طریقے'' کو علیحدہ باب کی صورت میں بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس عنوان کو مآخذ قانون کو مصادر شریعت یا ذیلی عنوان ''قرآن مجید'' میں ہی الفاظ قرآنی کی تقسیمات یا اُن سے استنباط احکام کے باب میں لایا گیا ہے۔اس قدیم طریقہ کا آغاز حنفی اصولی فخر الاسلام امام بزدوی نے کیا تھا۔

وہ چار عنوانات درج ذیل ہیں:

۱۔ الادلۃ الشرعیۃ۔ (اسلامی قانون کے مآخذ یا مصادر الشریعۃ)

۲۔ الحکم الشرعی۔ (اللہ تعالیٰ کا حکم یا اسلامی شریعت میں احکام کے درجات)

۳۔ طُرقُ الِاستنباط۔ (وجوہ دلالات، یعنی مآخذ قانون سے احکام اخذ یا مستنبط کرنے کے طریقے اور قاعدے)

۴۔ اجتہاد و تقلید۔ (مجتہد کی شرائط و اقسام، اجتہاد کی حدود اور تقلید کی شرعی حیثیت)

Marfat.com

آپ سابقہ ابواب میں کچھ تاریخی اور اصولی مباحث کے علاوہ پہلے دو عنوانات کے بارے میں مطالعہ کر چکے ہیں۔اب اس باب میں تیسرے عنوان ''استنباط احکام کے طریقے اور قاعدے'' کا مطالعہ کریں گے۔اس عنوان کو وجوہ دلالات بھی کہتے ہیں۔

استنباط کے معنی کے بارے میں آپ تعارفی باب میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ اس سے مراد جدید مسائل کو اسلامی مآخذ قانون کے ذریعہ حل کرنا ہے۔جب کوئی مجتہد یا فقیہ کسی جدید و قدیم مسئلہ کو قرآن کی آیت، احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں یا قیاس، استحسان و مصالح مرسلہ کے ذریعے حل کر رہا ہوگا تو کہا جائے گا کہ وہ ان مآخذ سے استنباط احکام کر رہا ہے یعنی مسائل کا حل تلاش کر رہا ہے۔مثلاً دور حاضر میں اسلامی بنک کاری کے مختلف طریقہ اسلامی مآخذ قانون کے ذریعے واضح کرنا استنباط احکام کہلائے گا۔اسے استخراج یا استدلال یا مسائل اخذ کرنا بھی کہتے ہیں۔

استنباط احکام کے طریقے جاننے کی ضرورت اور عربی زبان کے اہمیت

جس طرح سابقہ ابواب میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ اسلامی کے بنیادی مآخذ، قرآن اور سنت عربی زبان میں ہیں اس کے علاوہ اس زبان کو اسلامی زبان کا درجہ بھی دیا گیا ہے جس طرح رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عربی زبان سے محبت کرو کیونکہ یہ قرآن مجید کی زبان ہے، میری زبان ہے اور اہل جنت کی بھی یہی زبان ہوگی۔(1)

اس زبان کی اہمیت کی وجہ سے اسلامی قانون کے ماہرین، مجتہدین یا مجدّ دین کے لئے اس زبان کی صرف اہمیت تسلیم کرنا کافی نہیں بلکہ اس کی ماہیت، صرف ونحو، لغوی قواعد، علم المعانی و البدیع، الفاظ و تراکیب، عام، خاص، مطلق وغیرہ سے مکمل واقفیت اور اس میں گہرائی اور گیرائی حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔اگر ایک شخص عربی زبان سے واقفیت نہیں رکھتا تو وہ صرف ترجموں کے ذریعہ مجتہد یا فقیہ بن سکتا ہے اور نہ ہی استنباط احکام پر قدرت رکھ سکتا ہے۔اس لئے عالم دین، مفتی فقیہ، مجتہد یا مجدد بننے کے لئے عربی زبان سے ماہرانہ واقفیت از حد ضروری ہے۔

یہ بات ایک حقیقت ہے کہ آج کے دور یعنی اکیسویں صدی تک اصول فقہ کی بنیادی کتب اور اہم ترین بنیادی فقہی فتاوی وکتب عربی زبان میں ہیں۔ان کے ذریعہ سابقہ علمی ذخیروں اور ماضی سے تعلق برقرار رکھ کر مستقبل کے مسائل حل کرنے کے لئے ایک فقیہ اور مجتہد کے لئے عربی زبان سے مکمل واقفیت حاصل کرنا بنیادی اور اولین اہمیت کا حامل ہے۔اگر کسی کو عربی زبان میں مہارت یا مہارت تامہ حاصل نہیں تو اُس کو تفسیر،

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حدیث فقہ اور بقیہ علوم اسلامیہ کے ماہرین یا جیّد علماء کرام میں قطعاً شمار نہیں کیا جا سکتا۔ علوم اسلامیہ میں تحقیق کے لئے عربی زبان میں مہارت حاصل کرنا اولین شرائط میں سے ہے۔

فقہی مآخذ یا اسلامی قانون کے مآخذ میں سے قرآن اور سنت ہر استنباط کا مرجع اور دلیل کی سند ہیں۔ قرآن کی آیات یا سنت کے الفاظ جن کو فنی لحاظ سے ''نصوص'' جو نص کی جمع ہے کہا جاتا ہے، عربی زبان میں ہیں اس لئے اس زبان کے ایسے قواعد کا ادراک اور ان کا جاننا ضروری ہے جن میں ان نصوص کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ یعنی ایسے مخصوص قواعد سے واقفیت ضروری ہے جو قرآنی نصوص کی شرح یا وضاحت کر کے فقیہ کے لئے ایسا واضح اور بین طریقہ اجاگر کر دیتی ہیں جس سے اسے استنباط احکام کا منہج، طریقہ اور ضابطہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اس واضح اور معین طریقہ کی وجہ سے دنیا کے تمام علاقوں میں موجود فقیہ یا مجتہد جب مسائل حل کر رہے ہوں گے تو تمام کے حل میں ایک ہی رنگ غالب ہو گا مزید یہ کہ ان تمام کے حل میں علاقہ، خطہ، حالات و زمانہ کے اختلاف کے باوجود جوہری اتفاق ہو گا۔ (2)

استنباط احکام کے قواعد اور اُن کی اہمیت

علماء اصول نے اصولِ استنباط کے اعتبار سے عربی زبان کا جائزہ لینے کے بعد ان اصول و قواعد کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو یہ پانچ ہیں:

1۔ الفاظ و جملوں کے بارے میں اصولی و لغوی قاعدے۔ (ان قواعد کے مزید پانچ ذیلی طریقے)
2۔ مختلف حروف اور ان کے معانی۔ (حروف معانی مبانی وغیرہ)
3۔ ناسخ منسوخ۔ (مختلف نصوص میں ناسخ اور منسوخ کی پہچان۔)
4۔ تعارض و ترجیح کے اصول۔ (اگر دو نصوص کے احکام ایک دوسرے سے مختلف اور متصادم ہوں تو ان میں اختلاف دور کرنے کے طریقہ۔)
5۔ شریعت کے مقاصد جن کو مقاصد الشریعۃ یا فقہ المقاصد بھی کہتے ہیں۔ (3)

ان پانچوں قواعد کی تفصیل آپ اس باب میں مطالعہ کریں گے۔

مجتہد یا فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نصوص یعنی قرآنی آیات اور احادیث کے احکام کو سمجھنے اور ان سے مسائل کا استخراج کرنے کے لئے اصولی و لغوی قاعدہ اور ان کی تشریح کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے کیونکہ ایک نص کے الفاظ متعدد وجوہات کی وجہ سے کئی معانی رکھتے ہیں۔ ان معانی میں سے کسی ایک معنی کو اس وقت تک ترجیح نہیں دی جا سکتی جب تک شارع یعنی اللہ تعالیٰ کا اس لفظ کو بیان کرنے کا مقصد معلوم نہ

Marfat.com

ہو۔شارع کے مقصد کو جاننے کے لئے شریعت کے عمومی مقاصد کا جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ان احکام کے مقاصد کو اصول فقہ کے اس عنوان کی ذیلی شاخ مقاصد الشریعۃ یعنی اسلامی شریعت کے عمومی مقاصد میں واضح کیا گیا ہے۔ان مقاصد سے آگاہی بھی مجتہد یا فقیہ کے لئے ضروری اور بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

مجتہد یا فقیہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان قواعد کا بھی پوری طرح علم رکھے جن سے نصوص و احکام کے درمیان بظاہر تعارض کو دور کرنے کے لئے مدد لی جاتی ہے۔اسے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اختلاف یا تعارض کیسے دور کیا جاتا ہے اور اس کے متعدد طریقے کیا ہیں۔اس کے لئے قرآن اور حدیث میں ناسخ و منسوخ کی بحث کا علم اور دلائل و احکام کے درمیان ترجیح دینے کے قاعدوں کی پہچان بھی ضروری ہے۔

مختصراً یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فقیہ یا مجتہد کے لئے نئے مسائل کو حل یا قدیم مسائل کے ادراک کے لئے استنباط احکام کے طریقے اور قاعدے جاننا اور ان کی پابندی کرنا ضروری ہے جو یہ پانچ ہیں۔

1۔ قرآن وحدیث کے مختلف الفاظ اور جملوں سے متعلق اصولی ولغوی قواعد۔(پانچ طریقہ)

2۔ حروف اور ان کے معانی کی پہچان۔

3۔ قرآن وحدیث میں ناسخ و منسوخ کی حقیقت کو سمجھنا صرف ضروری نہیں بلکہ بہت ضروری امر ہے۔

4۔ مختلف مآخذ شریعہ کے درمیان بظاہر اختلاف یعنی تعارض کو رفع کرنے کا علم اور ایک ماخذ کو دوسرے ماخذ یعنی دلائل کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے اصول۔

5۔ شریعت اسلامیہ کے عمومی مقاصد۔

اگر اس کو ان پانچ اشیاء کا مکمل اور جامع علم نہیں تو نہ وہ مجتہد ہے نہ فقیہ ہے۔اصول فقہ میں یہ عنوان بقیہ تینوں عناوین سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وہ تمام نظریاتی بحثیں اور یہ تطبیقی اور اطلاقی بحث ہے۔مزید یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ فقہاء اور علماء اصول کی طرف سے ان پابندیوں کی وجہ سے دور صحابہؓ سے لے کر دور حاضر تک مشرق، مغرب، شمال، جنوب میں اسلامی فقہ کا مزاج ایک ہی رہا ہے اور آج جو مجتہدین مسائل حل کر رہے ہیں ان کے نتائج اور پندرہ صدیوں سے اس میدان میں مسائل حل کرنے والوں کے نتائج ، مقاصد اور مزاج میں جوہری اتفاق روز روشن کی طرح نظر آتا ہے۔

اصولی ولغوی قواعد اور اُن کا تعارف

استنباط احکام کے قواعد میں اولین طور پر اصولی ولغوی قواعد ہیں ان قواعد کا بنیادی طور پر تعلق قرآن مجید

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اور حدیث کے الفاظ سے ہے۔ ان کو نصوص کہتے ہیں۔ ان میں لغوی اور اصطلاحی طور پر قرآن وسنت کے مختلف الفاظ کا پانچ طریقوں سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

(1) قرآن وسنت کے مختلف الفاظ یا تراکیب کس معنی کے لئے بنائی (وضع) گئی ہیں کیا ان کا لغوی و اصطلاحی طور پر ایک ہی معنی ہے یا وہ متعدد معنوں کے لئے وضع کیے گئے ہیں۔

(2) پھر اس بات کو بھی دیکھا جاتا ہے کہ یہ مخصوص لفظ اپنے اصلی اور حقیقی معنی جس کے لئے وہ بنایا (وضع) گیا تھا میں استعمال ہو رہا ہے یا مجازی معنی میں مستعمل ہے۔

(3) اس امر کو بھی جانچا اور پرکھا جاتا ہے کہ نص کے اس الفاظ کے مخصوص معنی ان سے پوری طرح واضح بھی ہو رہے ہیں یا الفاظ بہت مشکل ہیں اور ان پر بہت غور وفکر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یعنی الفاظ کے اپنے معنی پر دلالت کے اعتبار کو پرکھا جاتا ہے۔

(4) الفاظ کی اپنے معنی پر دلالت کی کیفیت کے لحاظ سے تجزیہ کیا جاتا ہے کہ ان الفاظ کی عبارت سے احکام کا حصول جو ہمارا اصل مقصود ہے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے یا اس میں کچھ مخفی اشارہ و دلالتیں بھی ہیں جن سے مزید احکام بھی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

(5) پھر بیان کے طریقوں کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے کہ قرآن وسنت میں احکام بیان کرنے کے مختلف طریقہ کون کون سے ہیں کہ یہ بیان تفسیر ہے یا بیان تقریر وغیرہ۔

اس لحاظ سے قرآن، حدیث اور سنت کے ایک لفظ یا تراکیب کو پانچ طریقوں سے پرکھا جاتا ہے تاکہ اُن کی اصلی حقیقت واضح ہو اور اس میں ہمہ قسم کے شرعی احکام مکمل طریقہ سے مجتہد اور فقیہ کے سامنے آجائیں۔ بعض قدیم وجدید اصولی اِس بحث کو قرآن مجید کے الفاظ کی تقسیمات کے تحت بیان کرتے ہیں اور اُس کو علیحدہ عنوان ''استنباط احکام کے قاعدے اور طریقے'' میں شمار نہیں کرتے۔

اصولی ولغوی قواعد کی شرعی مثال

اصولی ولغوی قواعد اور اِن کی استنباط احکام میں اہمیت کو اِس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

﴿ولا تقتلوا النفس﴾

''اور کسی جان کو قتل نہ کرو''

اب یہ ایک حکم شرعی ہے اور آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ اصول فقہ کا موضوع اور مقصد ہی حکم شرعی تک

Marfat.com

رسائی ہے، اس لئے اب اولین طور پر اِس حکم کے الفاظ کا بناوٹ (وضع) کے لحاظ سے جائزہ لیا جائے گا کہ

(1) لغوی طور پر لفظ ''النفس'' خاص ہے، عام ہے یا مشترک۔

اب یہ لفظ عام ہے اس میں تمام بنی نوع انسان شامل ہیں۔

(2) لغوی معنی کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ یہ لفظ حقیقی معنی میں استعمال ہو رہا ہے یا مجازی معنی میں۔

تو یہ لفظ جس معنی کے لئے بنایا گیا ہے اُس میں حقیقی طور پر استعمال ہو رہا ہے اور مجازی معنی میں استعمال نہیں ہو رہا اس سے مراد انسان کو جان سے مار دینا ہے۔

(3) تیسرا جائزہ یہ لیا جائے گا کہ اس سے حقیقی معنی صریحاً واضح ہو رہے ہیں یا کنایتاً۔

تو اس آیت کا حقیقی معنی صریحاً واضح ہو رہا ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کو قتل نہ کرے۔

(4) چوتھا جائزہ یہ لیا جائے گا کہ یہ لفظ اپنی مراد اور مفہوم خود واضح کر رہا ہے یا اُس لفظ میں کچھ پیچیدگی اور مشکل ہے کہ اِس کی مراد سمجھ ہی نہیں آ رہی۔ جس طرح قرآن مجید کا ایک اور حکم ہے ''نماز قائم کرو'' اب اس حکم کی جب تک کوئی عملی شکل پیش نہ کی جائے تو یہ حکم سمجھ ہی نہیں آ سکتا۔

لیکن اِس آیت میں نفس اور قتل کے الفاظ میں کوئی پیچیدگی یا خفا نہیں ہے اور ان الفاظ کا معنی واضح سمجھ آ رہا ہے کہ کسی انسان کو بھی قتل نہ کرو۔

(5) پانچواں جائزہ یہ لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یعنی حکم شرعی اس کی عبارت سے حاصل کیا جا سکتا ہے یا اُس حکم کو حاصل کرنے کے لئے کچھ مزید کوششیں بھی کرنی پڑیں گی۔

تو اس آیت سے ہی یہ حکم شرعی حاصل ہو رہا ہے کہ نوع انسانی میں کسی انسان کو بھی قتل نہ کرو گویا کہ انسان کا قتل حرام ہے۔ اب یہ حکم عبارۃ النص سے ہی واضح ہو رہا ہے مزید غور و فکر اور کوششیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے قرآن یا حدیث کے الفاظ و تراکیب کا اصولی و لغوی قواعد کے مطابق پانچ طریقوں سے جائزہ لے کر پھر اُن سے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں۔

اصولی و لغوی قواعد کی عام مثال

ان قواعد کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے مثلاً ہمارے پاس دو لفظ ۱۔لوٹا ۲۔گھوڑا ہیں۔

اب ہم نے جائزہ لینا ہے کہ یہ دو الفاظ صرف ایک معنی رکھتے ہیں یا کئی معانی کے حامل ہیں۔ پھر ایک آدمی کہتا ہے کہ

Marfat.com

1- یہ انسان لوٹا ہو گیا ہے۔ 2- یا اس خاندان کے تمام افراد لوٹے ہیں
3- یا یونین کونسل کے سارے ممبر گھوڑے ہیں۔ 4- اور آج تو سارا اصطبل ہی فروخت ہو گیا ہے وغیرہ

اب ان جملوں میں ان دو الفاظ کا جائزہ چار طریقہ سے لینا ہو گا۔

1- یہ دو الفاظ لغوی طور پر کس معنی کے لئے بنائے یا وضع کئے گئے تھے کیا ان الفاظ کو صرف ایک معنی کے لئے بنایا گیا تھا یا بیک وقت ان سے کئی معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

2- کیا ان جملوں میں یہ الفاظ حقیقی معنوں میں استعمال ہو رہے ہیں یا مجازی معنوں میں۔

3- کیا یہ الفاظ جس معنی کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں وہ حقیقی یا مجازی معنی اس سے واضح طور پر صریحاً ظاہر ہوتے ہیں یا کنایتاً یعنی ان میں کچھ ابہام اور اخفاء ہے۔

4- کیا ان الفاظ کے ذریعہ جو پیغام یا شرعی حکم ہمیں پہنچنا چاہئے تھا اور جس کے لئے فقیہ یا مجتہد یہ ساری کوششیں کر رہے ہیں۔ یعنی اس حکم کی دلالت اس کی عبارت سے واضح طور پر حاصل ہو جاتی ہے یا اس میں کچھ مخفی اشارے بھی ہیں جس سے مزید حکم غور و فکر سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اس لفظ کی عبارت سے ہی حکم شرعی واضح ہوتا ہے یا اشارۃً بھی کچھ حکم ملتے ہیں۔

یہ ایک لغوی حقیقت ہے کہ لفظ لوٹا صرف ایک مخصوص برتن اور لفظ گھوڑا ایک خاص جانور کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور گھوڑے جس جگہ رہتے ہیں اس مقام کو اصطبل کہتے ہیں۔

۱- اب ایک تو یہ دونوں لفظ خاص ہیں یعنی ایک معنی کے لئے بنائے گئے ہیں اور عام بھی نہیں یعنی بیک وقت کئی معنوں میں مشترک طور پر بھی استعمال نہیں ہوتے۔ جگ یا گلاس کو لوٹا اور گدھے یا بیل کو گھوڑا نہیں کہا جا سکتا۔

۲- دوسرا یہ کہ ان فقروں میں یہ الفاظ حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں صریحاً بھی نہیں بلکہ کنایۃً استعمال ہو رہے ہیں۔

۳- تیسرا یہ کہ جس مجازی معنی میں یہ الفاظ استعمال ہو رہے ہیں وہ معنی بھی بہت غور و فکر سے حاصل ہو رہے ہیں۔ عام آدمی اس فقرہ کو سن کر کہ انسان لوٹا ہو گیا اور اصطبل فروخت ہو گیا بہت سٹپٹائے گا کہ آخر ایک انسان اس خاص برتن کی طرح کیسے ہو گیا اور گھوڑوں کا پورا اصطبل کس طرح بک گیا۔ گویا کہ الفاظ کے معنی ظاہر نہیں بلکہ مخفی ہیں۔

۴- چوتھا یہ کہ کیا وہ پیغام جو اس فقرہ کے یہ دو الفاظ ہمیں دے رہے ہیں اس کی عبارت سے واضح طور پر حاصل ہو جاتا ہے یا اس کے لئے بھی مزید محنت کرنی پڑتی ہے اور مزید یہ کہ اگر ایک پیغام عبارت سے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مل رہا ہے تو کیا اور کچھ پیغام کسی اور طریقہ سے بھی ان الفاظ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

اب ان تمام امور کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے۔

۱۔ کہ یہ دو الفاظ حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہو رہے بلکہ مجازی معنوں میں مستعمل ہیں کیونکہ یہ دو الفاظ مجازاً اکثر سیاستدانوں، اراکین یونین کونسل و اسمبلی کے لئے مخصوص اوقات میں بولے جاتے ہیں۔

۲۔ ان کی عبارت سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اسمبلی کے کچھ ممبروں نے اپنی وفاداریاں بدل لی ہیں اور مزید اشارۃ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ممبران صاحب کردار بھی نہیں۔

۳۔ اگر ایک پارٹی کے تمام ارکان اپنی وفاداریاں تبدیل کر کے دوسری پارٹی میں شامل ہو جائیں تو دوسرا فقرہ کہ پورا اصطبل فروخت ہو گیا بولا جاتا ہے اور یہ بھی اس کا مجازی استعمال ہے حقیقی نہیں ہے۔

اصولی ولغوی قواعد کی تفصیل اور پانچ اقسام:

اسی مثال کے مطابق علماء اصول نے بھی نصوص یعنی قرآن وسنت کے الفاظ وتراکیب کو اس کے معنی اور اس کے ساتھ اس کے تعلق، استعمال، ظہور وخفا اور حصولِ حکم شرعی کے اعتبار سے پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ قرآن وحدیث کے مختلف الفاظ عربی لغت میں کن معنی کے لئے بنائے یعنی وضع کئے گئے تھے۔

اس لحاظ سے ایک لفظ کسی ایک مخصوص معنی یا عام معنی یا بیک وقت کئی معنی میں استعمال کے لئے وضع کیا گیا ہوگا۔

اسی طرح وضع یا بناوٹ کے لحاظ سے ایک لفظ یا ترکیب کی چار اقسام بنتی ہیں۔

الف۔ خاص: اس عنوان کے تحت پھر خاص کی چار اقسام مطلق، مقید امر، نہی بھی آتی ہیں۔امر کے باب میں آمر، مامور اور مامور بہ کی بحث بھی آتی ہے۔

ب۔ عام: اس عنوان میں عام، اُس کی اقسام عام مخصوص البعض اور عام غیر مخصوص البعض اور اس کی تفصیل آتی ہے۔

ج۔ مشترک: اس عنوان میں مشترک اور اس کی تفصیل آتی ہے۔

د۔ مؤول: اس عنوان میں مؤول اور اس کی تفصیل آتی ہے۔

2۔ لفظ جس معنی کے لئے بنایا گیا یا وضع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہو رہا ہے یا کسی دوسرے معنی یعنی مجازی معنی میں استعمال ہو رہا ہے اس لحاظ سے اس کی چار اقسام ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

1۔ حقیقت 2۔ مجاز 3۔ صریح 4۔ کنایہ

3۔ لفظ جس معنی کے لئے بنا ہے یا وضع کیا گیا ہے وہ معنی اس سے واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں یا وہ معنی مبہم ہیں یعنی لفظ ذاتی طور پر فی نفسہ، بہت پیچیدہ ہے اور بہت مشکل سے سمجھ آتا ہے یا سمجھ ہی نہیں آتا۔

اس لحاظ سے لفظ کی آٹھ قسمیں بنتی ہیں۔ چار معانی کے واضح، ظاہر ہونے کے یعنی ظہور کے لحاظ سے اور چار مبہم ہونے یعنی خفاء کے لحاظ سے ان کو متقابلات کی بحث بھی کہتے ہیں۔ وہ اس طرح ہے۔

1۔ ظاہر 5۔ خفی

2۔ نص 6۔ مجمل

3۔ مفسر 7۔ مشکل

4۔ محکم 8۔ متشابہ

پہلی چار ظہور کے لحاظ سے ہیں یعنی ان الفاظ کے معنی ظاہر اور واضح ہوتے ہیں اور دوسرے چار خفا کے لحاظ سے ہیں یعنی وہ الفاظ بہت پیچیدہ ہوتے ہیں اور ان کے معنی میں ابہام ہوتا ہے جو گہرے غور و فکر سے واضح ہوتا ہے یا وہ انسان کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا مثلاً قرآن مجید کی آیات متشابہات۔

4- پھر لفظ کی اس کے معنی پر دلالت کی کیفیت کے لحاظ سے جائزہ لیا جاتا ہے یعنی قرآن و حدیث کے الفاظ سے شرعی حکم خود لفظ کی عبارت اور اُس کے صیغہ سے فوری طور پر سمجھ آ جاتا ہے یا اس کے حکم کو سمجھنے کے لئے کچھ مزید کوشش کرنی پڑتی ہے تو اس لحاظ سے احناف کے نزدیک اس کی چار اقسام اور جمہور کی رائے میں اس کی بنیادی طور پر دو اقسام اور پھر ان دو کی مزید دو دو اقسام اور ان کی پھر متعدد ذیلی اقسام ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

احناف کی اقسام:

1۔ عبارۃ النص

2۔ اشارۃ النص

3۔ دلالۃ النص

4۔ اقتضاء النص

Marfat.com

جمہور کی اقسام

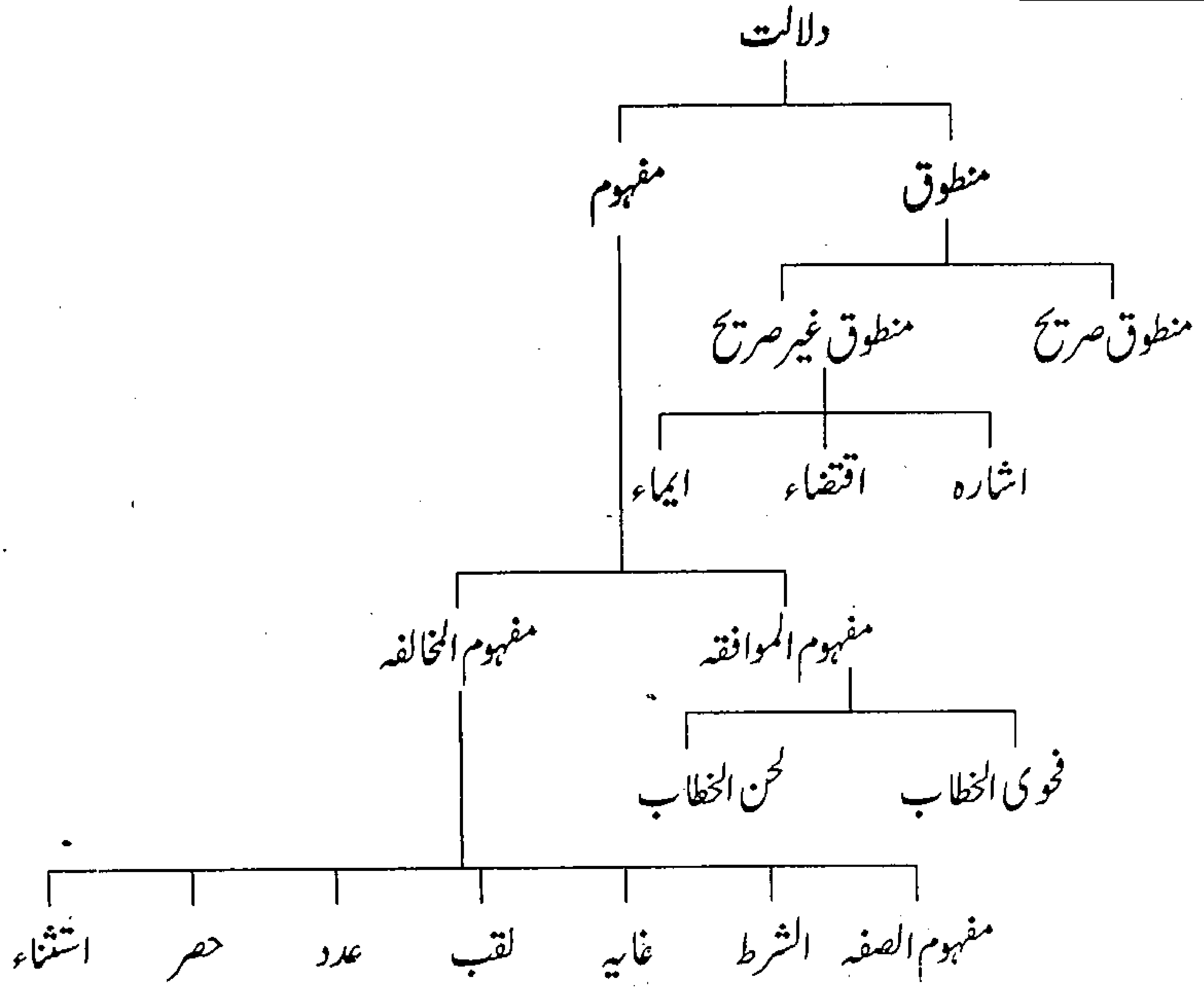

(5) اس کے بعد بیان کی طریقے بیان تفسیر، بیان تقریر، بیان ضرورت اور بیان عطف وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔(4)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(1/1) الفاظ کی وضع (بناوٹ) کے لحاظ سے تین اقسام

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر زبان میں ہر لفظ کسی معنی کے لیے وضع کیا جاتا ہے یعنی ہر لفظ کسی نہ کسی معنی کا حامل ہوتا ہے۔ اپنے معنی کے اعتبار سے ہر لفظ تین قسم کے معنی کا حامل ہو گا کسی خاص معنی کا یا عام معنی کا یا کئی معانی کا یعنی مشترک۔ تو معنی کے لحاظ سے ایک لفظ کی تین درج ذیل اقسام بنتی ہیں۔

۱۔ خاص ۲۔ عام ۳۔ مشترک (مووَّل)

1- خاص (Specific Word)

خاص عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بھی مروج ہے لغوی طور پر عربی زبان میں خاص اکیلے اور تنہا کو کہتے ہیں۔ علم اصول فقہ میں خاص ایسا لفظ ہے جو تنہا ایک معنی کے لئے وضع کیا گیا یا بنایا گیا ہو اور بلا شرکت غیرے اس ایک معنی پر دلالت کرے۔ خاص جس معنی کے لئے وضع کیا جاتا ہے اس کی مراد و مفہوم معلوم ہوتی ہے۔ جس لفظ کی مراد و مفہوم معلوم نہ ہوا اور جو لفظ بے معنی ہو وہ خاص کی تعریف سے خارج ہے۔

اس کی تعریف یہ ہے

کل لفظ وُضِع لمعنی واحد علی الانفراد. (5)

''وہ لفظ جو صرف ایک معنی کے لئے بنایا گیا ہو۔''

خاص کی عمومی طور پر مندرجہ ذیل پانچ اہم صورتیں ہیں:

۱۔ خاص شخصی: مثلاً ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ وغیرہ۔

خاص شخصی میں شخص معین ہوتا ہے، مثلاً ابو بکرؓ ایک معین شخص ہے جو لفظ کی وضع اور بناوٹ کے اعتبار سے کسی اور کی شرکت کا احتمال نہیں رکھتا۔ اب ابو بکر سے مراد عمر، عثمان، علی، عبداللہ وغیرہ قطعاً نہیں لئے جا سکتے یہ لفظ صرف ایک شخص پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ خاص عددی: ایسا لفظ جس کو کسی معین عدد و گنتی کے لیے وضع کیا گیا ہو،

جیسے چار دس اور بیس وغیرہ اب بیس کے عدد سے مراد آٹھ نہیں لیا جا سکتا۔

۳۔ خاص جنسی: جس کی جنس معنی کے اعتبار سے خاص ہو۔

جیسے انسان، جانور، پرندہ، انسان سے مراد جانور نہیں لیا جا سکتا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۴۔ خاص نوعی: وہ لفظ جس کو کسی خاص نوع کے لئے وضع کیا گیا ہو۔
جیسے مرد۔عورت، مذکر، مونث

۵۔ خاص وصفی: وہ لفظ جس کو کسی ایک وصف کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے علم اور جہل، غصہ، نفاق، ایمان وغیرہ

خاص کا حکم:

اسلامی شریعت میں خاص کے معنی پر عمل کرنا واجب ہے۔ خاص اپنے مخصوص معانی پر قطعی طور پر اس طرح حاوی ہوتا ہے کہ اس میں کسی اور معنی یا مفہوم کا امکان یا اُس کا احتمال نہیں ہوتا۔ مثلاً طلحہ عالم ہے اس کلام میں ''طلحہ'' اور ''عالم'' خاص ہیں، یہ دونوں الفاظ غیر کا احتمال نہیں رکھتے۔ لہٰذا طلحہ پر عالم ہونے کا حکم قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا اس سے کسی صورت بھی دوسرا حکم ثابت نہیں ہوتا۔

خاص بذات خود اپنے اس معنی کو قطعی طور پر بتلاتا ہے جس کے لئے وہ وضع کیا گیا ہو۔ خاص میں ابہام یا کوئی دوسرا مفہوم نہیں پایا جاتا خاص کسی وضاحت اور تفسیر کا احتمال بھی نہیں رکھتا۔(6)

خاص کی مثالیں:

ا۔ جس طرح اس آیت میں لفظ نار (آگ) خاص ہے، عام یا مشترک نہیں ہے۔
قُلنا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم (انبیاء.۶۹)
''ہم نے آگ کو حکم دیا اے آگ ٹھنڈی اور باعث سلامتی ہو جا، ابراہیمؑ کے حق میں۔''

یہاں لفظ نار سے مراد حقیقی اور معروف آگ ہے۔ بعض ملحد کہتے ہیں کہ اس سے مراد نمرود کا غصہ ہے لیکن یہ ایک ایسا احتمال ہے جس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔
مثلاً کوئی شخص یوں کہے:

۲. قتل القاضی المجرم:
''یعنی قاضی نے مجرم کو قتل کیا۔''

اس میں لفظ قَتَلَ (قتل کیا) اپنے حقیقی معنی کو قطعی طور پر نہیں بتاتا، کیونکہ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اس نے قتل کرنے کا حکم دیا، یہ احتمال ایک دلیل سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ قاضی حکم دیتا ہے یا فیصلہ کرتا ہے، نافذ نہیں کرتا۔ اس میں لفظ قتل خاص نہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۳۔کفارہِ قسم کے بارے میں قرآن مجید کی آیت میں خاص الفاظ:

لا یوآخذکُم الله باللّغو فی ایمانکم ولکن یو اخذکم بما عقد تم الایمان فکفّار تُه اطعام عشرۃ مساکین من اوُسط ما تطعمون اهلیکم أو کسوتهم او تحریر رقبة. فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام. (مائده.۸۹)

''اللہ تعالیٰ تمہاری ان قسموں پر جولغوولا یعنی ہوں تم سے مواخذہ نہیں کرتا لیکن اُن قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جن کو تم نے مستحکم کرلیا ہو، سوکسی پختہ قسم کے توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا وہ کھانا دینا جو تم اپنے گھر والوں کو دیا کرتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دینا یا ایک غلام آزاد کرنا، پھر جو ان تینوں باتوں میں سے کسی کا بھی مقدور نہ رکھتا ہو تو تین دن کے روزے رکھے۔''

لفظ عشرۃ مساکین (دس مسکین) لفظ اور (یا) اور لفظ ثلاثة ایام (تین دن) یہ سب الفاظ خاص ہیں۔ ان کو اپنے معنی سے ہٹانے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اس لئے ان الفاظ کو جن معنی کے لئے بنایا (وضع) گیا ہے ان سے انہیں نہیں ہٹایا جاسکتا اس لئے قسم والے کو کفارہ دینے میں اختیار ہوگا کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے چاہے ان کو کپڑا پہنائے اور چاہے غلام آزاد کرے۔ اگر ان سب سے عاجز ہو تو پھر تین روزے رکھے۔

۴۔ بکریوں کی زکوۃ کا نصاب بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

فی کل اربعین شاةً شاةٌ.

''یعنی چالیس بکریوں پر ایک بکری زکوۃ میں دینی ہوگی۔''

اس نصاب میں دو چیزیں مقرر ہیں۔

۱۔ چالیس بکریوں پر ایک بکری زکوۃ کے طور پر دینی پڑے گی۔

۲۔ چالیس بکریاں نصاب ہے۔

یہ دونوں لفظ خاص ہیں۔اس میں کمی بیشی کا کوئی احتمال نہیں اس لئے اپنے مدلول (معنی) میں یہ قطعی حجت ہیں۔(7)

5 مطلقہ کی عدت کے بارے میں خاص لفظ

ایسی خواتین جو اپنے خاوندوں سے طلاق لی چکی ہوں اور حاملہ بھی نہ ہوں مزید، جن کے ساتھ اُن کے

Marfat.com

خاوند جنسی تعلقات بھی قائم کر چکے ہوں یعنی خلوت بھی ہو چکی ہو اور جن کو حیض بھی آتا ہو۔اس قسم کی مطلقات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾. (البقرۃ ۲۲۸)

''یہ اپنے بارے میں تین قروء تک انتظار کریں گی''۔

قروء، قرء کی جمع ہے۔اب قرء سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہیں۔عربی لغت میں ''قرء'' کا لفظ طہر کے معنی میں بھی آتا ہے اور حیض کے معنی میں آتا ہے۔طہر اور حیض دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی خاص نہیں ہے عام ہے اب یہاں ''ثَلَاثَةَ قُرُوْءَ'' سے مراد حیض ہے یا اس سے مراد طہر ہے؟

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو درداؓ، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھ فقہائے کوفہ اور ایک روایت میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی بھی سب کہتے ہیں کہ یہاں قروء سے مراد حیض ہیں، اطہار مراد نہیں ہیں بلکہ حیض مراد ہیں۔

حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ یہ سب فرماتے ہیں کہ قروء سے مراد طہر یعنی پاکیزگی کی حالت ہے حیض نہیں۔(8)

فقہائے حنفیہ کہتے ہیں کہ ثلاثۃ کے لفظ پر غور کرنا چاہئے کہ ثلاثۃ کے لفظ کے کیا معنی ہیں۔ثلاثۃ کا لفظ ایک خاص ہے جو ایک مخصوص متعین معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے یعنی تین۔

دو اور چار کے درمیان کے عدد کا جو مرتبہ ہے، اسی متعین مرتبے کے لئے ثلاثۃ کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔اب اڑھائی پر بھی ثلاثۃ کا اطلاق نہیں ہوتا اور ساڑھے تین پر بھی، ثلاثۃ کا لفظ خاص ہے۔ثلاثۃ کا اطلاق صرف پورے تین پر ہوتا ہے۔تین سے کم یا تین سے زیادہ پر ثلاثۃ کا اطلاق نہیں ہوتا اب یہ لفظ واضح کرے گا کہ اس آیت میں شارع کی مراد طہر ہے یا حیض ہے۔

فقہائے حنفیہ لکھتے ہیں کہ فرض کیجئے ایک شخص نے عورت کو طہر میں یعنی جب وہ پاکیزگی کی حالت میں تھی حیض کی حالت میں نہیں تھی طلاق دے دی۔اس لئے کہ طلاق تو طہر میں دی جاسکتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اس طہر کے علاوہ امام شافعیؒ کے نزدیک تین طہر مزید گزارنے چاہئیں۔اس طہر کو وہ کامل طہر شمار کرتے ہیں اور اس کے علاوہ مزید دو طہر شمار کرتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس طہر کے علاوہ تین مزید طہر ہونے چاہئیں تو یہ معاملہ ساڑھے تین پر طے ہو گیا۔اگر یہ کہتے ہیں کہ اس طہر کے ماسوا دو مزید گزارنے چاہئیں تو معاملہ اڑھائی پر آگیا۔اس طرح ثلاثۃ پر عمل نہ ہوسکا۔یہ لفظ خاص ہے اِس لئے اس لفظ کا تقاضا ہے وہاں قروء سے مراد طہر نہ لیا جائے بلکہ مراد حیض

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

لیا جائے۔اگر طہر مراد لیا جائے تو پھر معاملہ ساڑھے تین یا اڑھائی کا ہوتا ہے لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک طہر یہ بھی ہے چاہے اس طہر کا ایک دن بھی باقی کیوں نہ ہو اور دو طہر مزید گزارے، اس طرح ثلاثۃ پر عمل ہو جائے گا۔(9)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ثلاثۃ کا لفظ خاص ہے عام، مشترک یا مؤول نہیں اس کے لفظ کا یہ احاطہ نہیں ہے۔اس لئے اس سے مراد حیض اور صرف حیض ہو گا یہ ہے استنباط احکام میں الفاظ کے معنی سے حکم حاصل کرنا۔

(6) وضو میں نیت اور ترتیب کے مسئلہ میں لفظ (فاغسلو) پر خاص کا اطلاق

اس مسئلہ میں اس بات پر بھی بحث ہوئی ہے کہ وضوء میں نیت اور ارادہ فرض ہے یا نہیں ہے؟۔اور اسی طریقے سے ترتیب کہ پہلے چہرے کو دھو لینا، پھر ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا۔پھر سر پر مسح کرنا۔پھر پیروں کا دھو دینا اعضائے وضوء میں یہ ترتیب فرض ہے یا نہیں؟

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نیت بھی فرض ہے اور اعضاء کے درمیان جو ترتیب ہے وہ بھی فرض ہے ایک رائے کے مطابق ان کے نزدیک وضو کے چھ فرض ہیں۔

اِس کو اِس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ایک شخص کہیں دور دراز کے سفر سے اپنے گھر آیا۔اور اس شخص نے اپنے بدن کے بعض حصوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پانی اپنے ہاتھوں، چہرے اور پاؤں پر ڈالا اور سر پر ہاتھ پھیر لیا۔وضو کی نیت نہیں کی بلکہ پاؤں اور جسم کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے ایسا کیا اور ترتیب کا بھی خیال نہیں رکھا۔اب یہ شخص نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں پڑھ سکتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ سکتا۔اس لئے کہ اس شخص نے اگر چہرے کو دھویا ہے۔ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا ہے، پیروں پر پانی بہایا ہے یا سر پر مسح کیا ہے تو اس شخص نے یہ کام نماز کے ارادے سے نہیں کیا۔بلکہ صرف اپنے جسمانی اعضاء کو ٹھنڈک پہنچانے کے لئے یہ فعل سرانجام دیا ہے۔چونکہ یہاں نیت موجود نہیں اور ارادہ موجود نہیں ہے تو اس شخص کا وضو نہیں ہوا۔اور یہ شخص نماز نہیں پڑھ سکتا۔اسکے وضو کے لئے نیت کرنا اور ترتیب کے ساتھ وضو کرنا شرط اور ضروری ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کیونکہ آیتِ وضو میں لفظ ''فاغسلو'' خاص معنی کے لئے ہے، اس سے مراد دھونا، صاف کرنا یا پانی بہانا ہے۔اُس میں نیت یا ترتیب کا ذکر نہیں اس لئے ایک شخص نے جب چہرے پر پانی بہایا ہے جس ارادے سے بھی ہو اور ایک شخص نے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیا ہے جس ارادے سے بھی ہو، ایک شخص

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

نے سر پر مسح بھی کیا ہے اور ٹخنوں تک پاؤں بھی دھو لیے ہیں۔ تو بس اس شخص کا وضو ہو گیا اور وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ وضو کے لئے نیت اور ارادے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اب شافعیہ یہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں پہلی حدیث حضرت عمرؓ سے روایت ہے، جس میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

﴿انما الاعمال بالنيات﴾ (10)

''بات اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام اعمال اور تمام عبادات کا دار و مدار نیت پر ہے''۔

﴿وانما لا امر ء مانوى﴾

اور ایک شخص کے لئے وہ کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

یہاں ''انما'' کا لفظ ہے۔ ''انما'' کے ذریعے سے حصر ثابت ہوتا ہے۔ ''انما'' کے لفظ سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ ارادے اور نیت کے بغیر سرے سے اعمال کی صحت نہیں ہے۔ اور سرے سے اعمال کا وجود نہیں ہے۔ اسی طریقے سے وضوء پر بھی اس کا اطلاق ہو گا۔

حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہ تو صرف یہی ہے کہ:

﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾. (المائدہ ۶)

اب یہاں جو حکم ہے وہ غسل اور مسح کا ہے۔ ''غسل'' کا لفظ بھی لفظ خاص ہے۔ ایک مخصوص معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور وہ ہے پانی کا بہانا۔ اسی طرح ''مسح'' کا لفظ بھی خاص ہے اور ایک متعین معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور وہ ایک تر ہاتھ کو سر پر پھیرنا۔ ان دونوں الفاظ سے کوئی اور معنی مراد نہیں لیا جا سکتا۔

قرآن مجید کی یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ صرف ان تین اعضاء کا دھو لینا اور صرف سر پر مسح کر لینا یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے ساتھ یہ تذکرہ نہیں کیا ہے کہ تمہارا ارادہ ہے یا تمہارا ارادہ نہیں ہے۔ تم نے کس ارادے اور کس نیت سے ان تین اعضاء پر پانی بہایا اور تم نے کس ارادے اور کسی نیت سے سر پر مسح کیا۔ اور تم نے اس کام میں ترتیب کیا رکھی اور کیا نہ رکھی بلکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ یہ کام تم کرو۔

اب اگر ہم اس حدیث شریف کی بنا پر کہیں کہ نیت اور ارادہ بھی شرط ہے اور اس حدیث کے ذریعے سے ہم خاص کتاب اللہ پر شرط کا اضافہ کریں تو خاص کتاب اللہ پر شرط کا اضافہ ہم خبر واحد کی بنا پر نہیں کر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سکتے۔اس بنا پر ہم یہ کہیں گے کہ صرف ان تین اعضاء کا دھو لینا اور سر پر مسح کر لینا فرض ہے اور نیت سنت ہے۔حدیث کو ہم سنت پر محمول کر لیں گے۔قرآن مجید میں غسل اور مسح کا جو ذکر آیا ہے،اس کو ہم فرض پر محمول کریں گے۔اگر ایک شخص نے نیت نہیں کی تو اس وضو کی وجہ سے اس شخص کو صرف نیت کا ثواب نہیں مل سکتا لیکن اس وضو کو نماز کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے اور اس وضو سے نماز کو ادا کیا جا سکتا ہے۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ الفاظ کے وضع یعنی بناوٹ کے لحاظ سے فقہاء کرام کس طرح مختلف مسائل استنباط کرتے ہیں اور اُن کے مابین مسائل میں اختلاف کیسے پیدا ہوتا ہے۔(11)

خاص کی اقسام

خاص کی مندرجہ ذیل چار اقسام ہیں:

(ا) مطلق (ب) مقید (ج) امر (د) نہی

خاص لفظ کبھی مطلق ہوگا یعنی غیر معین پر دلالت کرے گا کبھی وہ اس کے برعکس معین پر دلالت کرے گا یعنی مقید ہوگا اور کبھی اُس میں کسی مخصوص کام کا حکم ہوگا یا اُس سے روکا گیا ہوگا یعنی امر ہوگا یا نہی ہوگا۔مزید تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(ا) مطلق: (Indeterminate)

تعریف: اس کا لغوی معنی آزاد ہونا ہے۔اور اصطلاحی معنی یہ ہے۔

مطلق وہ خاص لفظ ہے جو" ﴿لفظ خاص لم يقيد بقيد لفظي﴾(12)

ترجمہ:"ایسا خاص لفظ جو اپنے حقیقی معنی پر بغیر کسی شرط اور قید کے دلالت کرے۔"

یہ خاص لفظ اپنی جنس میں عام ہوتا ہے اور اپنی جنس کے ایک فرد یا کثیر غیر معین افراد پر کسی صفت،شرط، زمان،مکان،عدد یا کسی اور چیز کی قید کے بغیر دلالت کرتا ہے۔مثلاً مسلم (مسلمان) رجل (آدمی) اور کتب (کتابیں) وغیرہ یہ تمام الفاظ خاص ہیں لیکن ایک کثیر معین تعداد پر دلالت کرتے ہیں۔اس لفظ میں جنسی طور پر کوئی قید نہیں ہوتی جیسے ہندی مسلمان یا پاگل آدمی یا اصول فقہ کی کتاب وغیرہ۔

مطلق کا حکم

قرآن وسنت کی کسی نص میں اگر کوئی لفظ مطلق آیا ہو تو کسی قید اور شرط کے بغیر اس پر عمل کیا جائے گا۔اگر مطلق کو مقید کرنے کی دلیل موجود ہو تو پھر مطلق پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ دلیل کے مطابق مقید پر عمل ہوگا۔مقید کا تعریف کا آپ مطالعہ کریں گے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مطلق کی مثالیں

۱۔ قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾. (البقرة ۲:۱۸۴)

اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔

اس آیت میں لفظ ''ایام'' خاص معین مفہوم کے لئے وضع کیا گیا ہے اور مطلق ہے اور مُقید نہیں ہے۔یعنی اس لفظ میں یہ قید نہیں کہ سال کے چند مخصوص ایام یعنی خاص دنوں میں یا متواتر روزے رکھے۔مریض اور مسافر کے لئے اس لفظ کے مُطلق ہونے کی وجہ سے رعایت ہے کہ وہ ماہ رمضان کے چھوڑے ہوئے روزوں کو بعد کے ایام میں جب بھی چاہیں رکھ کر پورے کر لیں۔یہ ایام مسلسل بھی ہو سکتے ہیں اور متفرق بھی۔قرآنی نص نے رمضان کے روزوں کی قضاء کے لئے مسلسل یا متفرق ایام کی قید نہیں لگائی۔

۲۔ مثال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مِنْ ، بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْدَيْنٍ﴾. (النساء ۴:۱۲)

میراث کے سارے حصے اس وقت نکالے جائیں گے جب وصیت جو مرنے والے نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے۔

اس آیت میں لفظ ''وصیۃ'' (وصیت) خاص ہے اور مطلق ہے اور کسی معین مقدار سے مقید نہیں ہے یعنی قرآن مجید میں اس کو مقید نہیں کیا گیا۔اس لفظ کی رو سے اگر کوئی شخص مرتے ہوئے اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا چاہے تو وصیت پورے مال کی ہو سکتی ہے، نصف، تیسرے یا چوتھائی مال کی بھی ہو سکتی ہے۔لیکن وصیت کو ایک تہائی تک مقید کرنے کی دلیل سنت سے ملتی ہے۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے کل مال کی وصیت کر جاؤں۔فرمایا: نہیں۔انہوں نے کہا نصف کی۔فرمایا: نہیں۔انہوں نے کہا تہائی کی۔آپ نے فرمایا:

''فالثلث و الثلث كثيرانك ان تدع ورثتك اغنياء خير من ان تدعهم عالة يتكففون الناس في ايديهم''۔(13)

ثلث میں کوئی حرج نہیں اور ثلث بھی زیادہ ہے۔تمہارا اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جانا اس سے اچھا ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سنت نے مطلق وصیت کے حکم کو ایک تہائی مقدار سے مقید کر دیا ہے، لہذا ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے زیادہ کی وصیت کرے تو ایسی وصیت صرف ایک تہائی مال ہی پر نافذ ہوگی اب اس آیت میں لفظ وصیت مطلق نہیں بلکہ مقید ہو گیا ہے اور اس میں ایک تہائی کی قید ہے اِس لئے یہ حکم مقید ہو گیا ہے۔(14)

مطلق کے جس جزء پر بھی عمل ہو جائے تو مامور بہ (جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو) پر عمل ہو جائے گا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ﴾. (المائدة ٦:٥)

اور اپنے سروں پر مسح کر لو۔ (اس آیت میں لفظ مسح خاص ہے یعنی سر کے کتنے حصہ کا مسح کیا جائے۔

اس آیت میں سر کا مسح کرنے کا حکم مطلق ہے، سر کے مسح کو مقدار کی قید سے مقید نہیں کیا گیا۔ جس شخص نے آدھے، دو تہائی اور ایک تہائی سر پر مسح کر لیا تو سر کا مسح ہو جائے گا۔(15)

(ب) مُقَیَّد: (Determined)

لفظ مقید مطلق کی ضد یعنی برعکس ہے۔ اس کی عربی تعریف یہ ہے۔

تعریف: ﴿لفظ خاص قيد بقيد﴾(16)

مقید وہ خاص لفظ ہے جو اپنے معنی پر کسی شرط یا قید کے اضافہ کے ساتھ دلالت کرے۔

یعنی کسی چیز، افراد یا فرد کے ساتھ کوئی خاص لفظ لگا کر اس کو کسی قید سے مقید کرے۔

مقید اپنی جنس میں عام نہیں ہوتا اور اپنی ماہیت پر بعض قیود کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔ مثلاً ''رجل مسلم'' (مسلمان آدمی)۔ یہاں خاص مطلق لفظ ''رجل'' پر ''مسلم'' کی شرط لگا کر اُسے مقید کر دیا ہے اس سے مراد کافر آدمی یا مشرک آدمی نہیں لیا جا سکتا۔ اسی طرح عراقی شاگرد، سفید پرندہ۔ اب ان میں شاگرد خاص مطلق لفظ ہے اس کو عراقی لگا کر خاص مقید بنا دیا گیا ہے۔ اسی طرح بقیہ الفاظ ہیں۔

بالفاظ دیگر مقید متعین فرد یا کئی متعین افراد کو بتلانے والا لفظ ہوتا ہے اور ایسی صفت کے ساتھ ملا ہوتا ہے جو کسی مقید کے ساتھ اس کے مقید ہونے کو بتلاتی ہے جیسے رجل عراقی (عراقی مرد) یا رجال عراقین (بہت سے عراقی مرد)۔

Marfat.com

مقید کا حکم:

اگر قرآن وسنت کی نص میں پایا جانے والا کوئی خاص لفظ کسی قید سے مقید ہو تو اس قید کے مطابق اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔اگر مقید پر اس کی قید کے بغیر عمل کرنے کی کوئی دلیل موجود ہو تو پھر اس پر بغیر قید کے بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔

جیسے آپ پڑھ چکے ہیں کہ مطلق غیر مشروط طور پر اور بلا کسی قید کے اپنے اطلاق میں جاری ہوتا ہے۔اس لئے کسی قید کے ساتھ اس کو مقید کرنا جائز نہیں۔لیکن اگر اس کو مقید کرنے کی کوئی دلیل موجود ہو تو اُس حکم کو مقید کر دیا جائے گا جیسے کہ قرآن مجید (سورۃ المجادلہ آیت ۳) میں کفارہ ظہار کے طور پر ایک رقبہ (غلام آزاد) کرنے کا ذکر ہے جو مطلق ہے۔لہذا خواہ غلام مسلمان ہو یا غیر مسلم اس کے آزاد کرنے سے ظہار کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

لیکن اگر قرآن وسنت کے کسی حکم میں کوئی ''مقید'' لفظ مذکور ہو تو اس کی ''قید'' کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس مقید کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔جیسے کہ قرآن حکیم (سورۃ النساء آیت ۹۲) میں قتل کے کفارہ کے طور پر ''رقبۃ مومنۃ'' (مومن غلام) کی آزادی کا ذکر ہے یہ حکم مقید ہے۔لہذا اس صورت میں سورۃ مجادلۃ آیت نمبر۳ میں مطلق غلام کے برعکس ایسا غلام آزاد کرنا ضروری ہے جو مومن ہو۔اسی طرح ''شھرین متتابعین''، دو ماہ کے لگاتار روزہ وغیرہ کے احکام میں لفظ شھرین جو مطلق تھا اُس کو متتابعین، لگاتار سے مقید کر دیا گیا۔(17)

مقید کی مثال:

ظہار کے کفارہ سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾. (المجادلة:4)

ترجمہ: پھر جو شخص غلام یا باندی آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے ذمہ اس سے پہلے کہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں دو مہینے کے لگاتار روزے ہیں۔

اس آیت میں رمضان کے روزہ کی قضا جس کا آپ سابقہ عنوان مطلق میں مطالعہ کر آئے ہیں کے برعکس شھرین (دو ماہ) لفظ تتابع (مسلسل) کے ساتھ مقید ہے۔یعنی دو ماہ کے متواتر روزہ رکھے۔

مقید کی تیسری مثال قتل خطا کے کفارہ سے متعلق ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾. (النساء:92)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ترجمہ: تو ایک مسلمان غلام یا باندی آزاد کرنا ہے۔

قتل خطاء کے اس کفارہ میں یہ ضروری ہے کہ جو غلام آزاد کیا جائے وہ مسلمان ہو یعنی مطلق غلام کے ساتھ مسلم کی شرط لگا کر اُسے مقید کر رہا ہے۔ اگر غیر مسلم غلام آزاد کیا جائے گا تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اس طرح الفاظ کے معانی سے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں۔

ایک ہی لفظ کا مطلق اور مقید استعمال ہونا:

کبھی ایک لفظ ایک نص میں مطلق استعمال ہوتا ہے اور وہی لفظ دوسری نص میں مقید استعمال ہوتا ہے، تو کیا اس صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا؟ یعنی مطلق سے مقید مراد لیا جائے گا؟ یا جہاں مطلق لفظ آیا ہے وہاں بحیثیت مطلق کے اس میں یہ عمل ہوگا اور جہاں مقید وارد ہوا ہے وہاں مقید پر عمل ہوگا؟ اس طرح یہ چار صورتیں بنتی ہیں۔

1۔ مطلق اور مقید: حکم اور سبب میں متفق:

اگر مطلق اور مقید کا حکم ایک ہو، اور دونوں کا سبب بھی ایک ہو تو اس حالت میں مطلق کو مقید کر کے اس پر عمل کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾. (البقرة 173)

ترجمہ: تم پر مرا ہوا جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾. (الانعام: 145)

ترجمہ: آپ ان سے فرما دیجیے جو احکام مجھ پر وحی کے ذریعہ نازل ہوئے ہیں میں ان میں کوئی بھی ایسی چیز حرام نہیں پاتا جو کوئی کھانے والا کھائے، الا یہ کہ وہ مرا ہوا جانور ہو، یا بہتا ہوا خون ہو۔

لفظ دم (خون) پہلی آیت میں مطلق استعمال ہوا ہے یعنی ہر قسم کا خون۔ اور دوسری آیت میں مقید یعنی دَمًا مَّسْفُوْحًا (بہتا خون) خون کو بہتے ہوئے لفظ کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔ یہ دونوں آیات کریمہ میں ایک ہی حکم بیان ہوا ہے یعنی خون پینا حرام ہے۔ اور دونوں میں حکم کا سبب بھی ایک ہے یعنی وہ نقصان جو خون پینے سے ہوتا ہے۔ اس لئے مطلق کو مقید پر محمول کیا گیا ہے یعنی مطلق کے حکم کو مقید کر دیا جائے اور پھر اُس پر عمل کیا

Marfat.com

جائے گا۔اس لئے اب اس آیت میں جس خون کا پینا حرام ہے اس سے مراد بہتا ہوا خون ہے۔جو خون بہتا نہ ہو وہ پاک ہے اور اس کا کھانا یا پینا حلال ہے۔جیسے جگر (کلیجی) تلی، اور وہ خون جو ذبح کرنے کے بعد گوشت اور رگوں میں لگا رہ جاتا ہے وہ حلال ہے، حرام نہیں۔گویا کہ مقید حکم پر عمل ہوگا مطلق پر نہیں ہوگا۔

2۔مطلق اور مقید، حکم اور سبب دونوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔

چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے کہ:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً م بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾.

(المائدة:38)

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

دوسری آیت میں ہے۔

وضو میں ہاتھ دھونے کا حکم ہے کہ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَاقُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ﴾.(المائدة:6)

ترجمہ:اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کے لئے اٹھو تو پہلے اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو ذرا اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ۔

پہلی آیت میں لفظ اَيْدِی (ہاتھ) مطلق ہے۔اور دوسری آیت میں مقید (اِلَى الْمَرَافِقِ، کہنیوں تک) اور دنوں کا حکم بھی مختلف ہے۔پہلی آیت میں حکم کا سبب چوری ہے اور دوسری آیت میں حکم کا سبب وضو ہے یعنی ہاتھوں کو دھونا فرض بتایا گیا ہے۔پہلی آیات میں سبب چوری ہے دوسری آیت میں نماز کا ارادہ ہے۔ پھر عربی میں ید سے مراد انگلیوں سے لے کر کندھے تک پورا ہاتھ ہے۔

اس آیت میں مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا، بلکہ مطلق پر اپنی جگہ عمل ہوگا، اور مقید پر اپنی جگہ۔اس لئے کہ دونوں نصوص کے حکم اور سبب یعنی موضوع میں کوئی تعلق نہیں ہے۔سرقہ سے متعلق آیت میں لفظ ید (ہاتھ) کے مطلق ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ چور کا ہاتھ پورا کاٹا جائے تاکہ مطلق کے حکم پر پورا عمل ہو سکے۔لیکن سنت نے اس عمل کو مقید کر دیا ہے۔حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا تھا۔احناف کے نزدیک یہ حدیث مشہور ہے۔اس لئے قرآن میں اگر کوئی لفظ مطلق ہو، تو ان کے نزدیک مشہور حدیث سے اس پر زیادتی یا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

3۔ مطلق اور مقید کا حکم مختلف ہو، اور سبب ایک ہو

جب مطلق اور مقید کا حکم مختلف ہو، لیکن سبب ایک ہو، تو اس صورت میں بھی مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا، اور اس پر بھی عمل ہوگا جس کے لئے وہ وارد ہوا ہے۔ مقید بھی اپنی قید کے ساتھ باقی رہے گا، اور اس پر بھی اپنی اس قید کے ساتھ اسی جگہ عمل ہوگا جس کے لئے وہ وارد ہوا ہے۔

مثال:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَاقُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾. (المائدة 6)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کو اٹھو تو پہلے اپنے منہ کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ کو دھولیا کرو۔

عربی میں لفظ ید، ہاتھ سے مراد انگلیوں کے پورے سے لے کر کندھے تک مکمل بازو ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ﴾.

(المائدة 6)

ترجمہ: پھر تم پانی پر قدرت نہ پاؤ تو ایسی حالت میں تم پاک مٹی کا قصد (تیمم) کرو اور اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھ کا مسح کرلو۔

پہلی آیت میں ہاتھ دھونے کا حکم مقید ہے۔ یعنی پورے ہاتھ کو نہیں بلکہ اُس کو کہنیوں تک دھونے کا حکم ہے۔ دوسرے آیت میں ہاتھوں پر مسح کرنے کا مطلق ہے۔ اور دونوں حکموں کا سبب ایک ہے، وہ نماز کا ارادہ ہے۔ اس حالت میں بھی، مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ہر ایک پر اپنی جگہ مطلق اور مقید کی حیثیت سے عمل کیا جائے گا۔

4۔ مطلق اور مقید کا حکم ایک ہو، لیکن دونوں کا سبب مختلف ہو۔

مطلق اور مقید کا حکم ایک ہو، لیکن دونوں کا سبب مختلف ہو، تو ایسی صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور فقہاء جعفریہ کے نزدیک مطلق و مقید دونوں پر علیحدہ علیحدہ عمل ہوگا۔ دوسرے فقہاء کے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو۔

کفارہ ظہار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا﴾. (النساء: 92)

ترجمہ: اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ان کے ذمہ ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنا ہے۔

قتل خطاء کے کفارہ کے بارے میں دوسری آیت ہے:

﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾.

ترجمہ: تو ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرنا ہے۔

پہلی آیت میں لفظ رقبة (غلام) مطلق ہے۔ دوسری آیت میں لفظ رقبة مومنة (مسلمان غلام) مقید ہے۔ دونوں آیتوں میں ایک ہی حکم ہے یعنی غلام آزاد کرنا۔ لیکن سبب مختلف ہے، پہلی آیت میں ظہار سے رجوع کرنے کا حکم ہے۔ دوسری آیت میں قتل خطا کا کفارہ اور دیت کا حکم ہے۔ لہذہ جمہور کی رائے میں دونوں پر علیحدہ علیحدہ عمل ہوگا۔ (18)

ج۔ د۔ امر و نہی (Command & Prohabition/Proscription)

امر و نہی بھی خاص کی چار اقسام میں سے دو اقسام ہیں۔ امر کے معنی حکم کے ہیں، اور نہی کا معنی روکنے کے ہیں۔ شریعت کے اکثر احکام میں کسی متعین کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا کسی مخصوص کام سے روکا گیا ہے۔ اسی لئے یہ دو اصطلاحات بھی خاص کا حصہ اور بہت اہم ہیں۔

امر کے موضوع میں تین اصطلاحات

امر بھی خاص کی قسموں میں سے ایک قسم ہیں۔ امر کے بارے میں تین اصطلاحوں پر بحث ہوگی۔

1۔ آمر = یعنی حکم دینے والا اور شارع جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے مزید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی آمر ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پہنچانے کے ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حکم دینے والے کو شارع بھی کہتے ہیں۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ کو شارع بھی کہا جاتا ہے۔

2۔ مامور بہ = یعنی وہ حکم، کام یا فعل جس کا حکم آمر کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اس میں یہ عقلی بحث ہوگی کہ وہ حکم کس قسم کا ہونا چاہئے یعنی ایسا حکم نہ ہو جو انسان کی طاقت سے زیادہ ہو۔ تکلیف مالا یُطاق۔

3۔ مامور = یعنی جس کو حکم دیا جاتا ہے اور وہ انسان ہے۔

امر کی اہمیت اور اس کے مختلف طریقہ

امر کے عمومی معنی حکم کے ہیں اصول فقہ میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی حکم شرعی ہیں۔ اللہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تعالٰی کے احکام یعنی حکم شرعی کو سمجھنے کے لئے فقیہ اور مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ اس بحث کی باریکیوں، گیرائی اور گہرائی سے مکمل طور پر آگاہ ہو۔ کیونکہ عربی میں امر کا صیغہ متعدد طریقہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل آ رہی ہے۔ بسا اوقات امر کا صیغہ حکم دینے کے معنی میں کسی کام کی فرضیت یا وجوب پر دلالت کرتا ہے کبھی مستحب، نفل یا سنت ہونے پر اور کبھی توہین پر بھی دلالت کرتا ہے۔ لہٰذہ فقیہ یا مجتہد اِن طریقوں کو سامنے رکھ کر لفظ کے معنی کا تعین کرے گا، یہ نہ ہو کہ امر کا لفظ توہین کا معنی دے رہا ہو اور وہ اُس سے فرض یا واجب کا حکم حاصل کر رہا ہو۔ ان تمام احوال کو سامنے رکھ کر نصوص سے حکم حاصل کر کے اس کی حیثیت کو واضح کیا جائے گا تا کہ عوام الناس اللہ تعالٰی کے احکام کی اصلی روح کے مطابق اپنے مسائل کو حل کر کے سعادت دارین حاصل کر سکیں۔

امر کی تعریف

امر عربی زبان کا لفظ ہے اِس سے مراد حکم دینا ہے اور اصول فقہ کی اصطلاح میں

هوا للفظ الموضوع لطلب الفعل علی سبیل الا ستعلاء. (19)

ترجمہ: امر اُس لفظ اور صیغہ کا نام ہے جو کسی فعل کے کرنے کے مطالبہ کے لئے وضع کیا گیا ہو اور ایک آمر خود کو بلند و بالاتر سمجھتے ہوئے اُس فعل کو کسی مامور سے طلب کرنے حکم دے۔

گویا کہ آمر یعنی حکم دینے والا خود کو مامور سے اونچی شان والا سمجھتے ہوئے حکم دے تو وہ امر ہے۔

اگر حکم دینے والا یا کسی سے کام کو طلب کرنے والے کے اندر یہ صفت ''علی سبیل الاستعلاء'' بالا دستی، بلندی، اونچی شان اور برتری کی نہ پائی جائے تو اُس کا حکم اور اس کی طلب ''امر'' نہیں کہلائے گی بلکہ اسے دعا یا التماس کہا جائے گا۔ کیونکہ اس میں طلب کرنے والا خود کو مخاطب سے فروتر اور کمتر سمجھ رہا ہوتا ہے حالانکہ صیغہ امر کا استعمال ہوتا ہے مثلاً:

اللھم اغفرلی.

اے اللہ مجھے معاف فرما۔

اب اس میں ''اغفر'' عربی لغت کے اعتبار سے امر کا صیغہ ہے لیکن اصول فقہ کے اعتبار سے یہ امر نہیں بلکہ دعا ہے۔ اسی طرح ایک دوست دوسرے دوست کو کسی کام کرنے کے بارے میں حکم دیتا ہے یا کہتا ہے تو یہ التماس ہے امر نہیں۔ متعدد وجوہ کے باعث فقیہ یا مجتہد کے لئے امر کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔

کسی فعل کے کرنے کا مطالبہ کئی طرح سے ہوتا ہے۔ امر کے صیغہ کے ساتھ جیسے اِفعَلْ (کرو) کے

Marfat.com

ساتھ جن کا مقصد حکم دینا یا مطالبہ کرنا ہو صرف خبر دینا نہ ہو۔ جیسے قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾. (بقرہ ۲۲۸)

ترجمہ: اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

اس لفظ میں يَتَرَبَّصْنَ (روکے رکھیں) امر کا صیغہ نہیں، بلکہ مضارع کا صیغہ ہے۔ لیکن اس میں حکم پایا جاتا ہے۔ جو قرینہ سے معلوم ہوتا ہے قرینہ سے مراد اس نص کا سیاق وسباق اور اس میں مخفی اشارہ ہے جس کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوگا کہ اس میں حکم پایا جاتا ہے یا نہیں۔ ان تینوں کی مزید مثالیں ملاحظہ ہو: امر کے صیغہ کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾. (آل عمران: ۱۳۲)

ترجمہ: اور اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول کی فرمان برداری کرو۔

لام امر کی مثال قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾. (بقرہ ۱۸۵)

ترجمہ: جو شخص تم میں سے اس (رمضان) مہینے کو پائے اس کو چاہئے کہ اس ماہ کے روزے رکھے۔

اس کی مثال حدیث میں ملاحظہ ہو:

"مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ" (20)

یعنی جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ کوئی اچھی بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔

جملہ خبریہ جو امر کے مفہوم پر مستعمل ہے اسکی مثال یہ آیت ہے:

﴿ وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾

(بقرہ: ۲۳۳)

ترجمہ: اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ حکم اس کے لئے ہے جو شیر خوارگی کی مدت پوری کرنا چاہے۔

اس صیغہ سے مقصود ماؤں کو یہ حکم دینا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ یہ خبر دینا مقصود نہیں ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔

ان تمام طریقوں کے مطالعہ کے بعد اب امر کے متعدد معنی میں استعمال کا جائزہ لیا جائے گا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

امر کا متعدد معنی میں استعمال

عربوں اور عربی لغات میں امر کا صیغہ بہت سے معنی کے لئے مستعمل ہے۔ مجتہد، مفتی یا علماء کرام ان طریقون کا جائزہ لے کر احکام مستنبط کریں گے۔ امر سے مراد ہوتا ہے: واجب ہونا مستحب ہونا، مباح ہونا، دھمکانا، ہدایت کرنا، ادب سکھانا، عاجز کرنا، اور دُعا وغیرہ، یہ متعدد معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہ تمام معنی واضحاً بھی اور قرآئن کے ذریعہ بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ قرآئن کے معنی ہیں واضح طور پر نہیں بلکہ اشاروں سے وہ معنی واضح ہورہے ہوں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی باوقار اور خوش پوش شخص کو سرِ بازار پریشان حالی میں ادھر ادھر بھاگتا ہوا دیکھ کر آپ خود بخود سمجھ جائیں گے کہ اس پر کوئی مصیبت نازل ہوچکی ہے یہ قرینہ ہے۔ اب آپ امر کے اہم معانی میں استعمال کی مثالیں ملاحظہ کریں۔

ا۔ وجوب: (یعنی فرض ہونا)

﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾. (بقرہ. ۴۳)

ترجمہ: نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو، اور پیغمبر کی اطاعت کرو۔

۲۔ استحباب: (یعنی سنت، نفل وغیرہ ہونا)

﴿فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا﴾. (نور. ۳۳)

ترجمہ: اگر تم ان میں بہتری دیکھو تو ان کو مکاتب بناؤ۔

۳۔ اباحت: (مباح ہونا)

﴿وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا﴾. (مائدہ ۲)

ترجمہ: اور جب حلال ہوجاؤ (احرام کھول دو) تو تم کو شکار کرنے کی اجازت ہے۔

۴۔ تہدید (دھمکانا):

﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾. (حم السجدہ. ۴۰)

ترجمہ: تم جو چاہو کئے جاؤ۔

۵۔ ارشاد (ہدایت یا راہنمائی کرنا):

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾. (بقرہ. ۲۸۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم ایک مقرر مدت کے لئے قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

٦۔تادیب (ادب سکھانا):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے جو عمر میں چھوٹے تھے کھانے کا ادب سکھانے کے لئے فرمایا: كُلْ مِمَّا يَلِيكَ۔ یعنی اپنے سامنے سے کھاؤ۔

۷۔تعجیز (عاجز کرنا):

﴿ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ﴾. (البقرہ.۲۳)

ترجمہ:تم اس جیسی ایک (چھوٹی سی) سورت ہی بنا کر لے آؤ۔

۸۔دعا:(مانگنا)

﴿ رَبِّ اغْفِرْلِي وَلِوَالِدَيَّ ﴾. (نوح.۲۷)

ترجمہ:اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخشدے۔

۹۔امتنان (احسان جتانا):

﴿ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾. (مائدہ.۸۸)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ۔

۱۰۔اکرام: (عزت کرنا)

﴿ادْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ﴾. (حجر.۴۶)

ترجمہ:سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔

۱۱۔تسخیر:(مسخر کرنا)

﴿كُونُوا قِرَدَةً﴾. (بقرہ.۶۵)

ترجمہ:بندر ہو جاؤ۔

۱۲۔ اہانت:(بے عزتی کرنا)

﴿ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾. (دخان.۴۹)

ترجمہ:اس عذاب کا مزہ چکھو، کیونکہ تو بڑی ذی عزت اور ذی مرتبت والا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۱۳۔تسویہ (برابر کرنا):

﴿اِصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا﴾. (طور.۱۶)

ترجمہ: تم صبر کرو یا نہ کرو۔

۱۴۔استدعا کرنا: (درخواست کرنا)

امروالقیس کے شعر کا ایک مصرع ہے:

اَلَا اَیُّھَا اللَّیْلُ الطَّوِیْلُ اَلَا انْجلی.

ترجمہ: اے طویل رات اب تو روشن ہو جا۔

۱۵۔حقارت سے کہنا:

﴿اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ﴾. (یونس.۸۰)

ترجمہ: جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے وہ ڈالو۔

۱۶۔تکون: (بنانا)

﴿کُنْ فَیَکُوْنُ﴾. (بقرہ.۱۱۷)

ترجمہ: ہو جاؤ سو وہ ہو جاتا ہے۔

۱۷۔امر خبر کے معنی ہیں

فَاصْنَعْ مَاشِئتَ

ترجمہ: تیرا دل جو چاہے کر۔

۱۸۔خبر امر کے معنی ہیں

﴿ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ﴾. (بقرہ.۲۳۳)

ترجمہ: اور مائیں اپنی ولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔

امر کی تین حالتیں:

(۱) وجوب۔ (۲) استحباب (۳) اباحت

امر متعدد معنی میں استعمال ہوتا ہے جس میں سے اہم اٹھارہ معنی اور طریقوں کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔ اب امر چونکہ بہت سے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے اس بات میں اختلاف ہے۔ کہ امر سے

Marfat.com

حقیقت میں کونسے معنی مراد ہیں۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ امر صرف وجوب یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو فرض کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے، وجوب کے معنی میں اس کا استعمال حقیقی ہے، باقی میں مجازی۔اس لئے وجوب کے علاوہ دوسرے معنی مراد نہیں لئے جا سکتے، سوائے اس کے کہ وہاں کوئی نشانی خاص پس منظر اور قرینہ موجود ہو۔اگر قرینہ استحباب کو بتلائے تو امر کا تقاضا استحباب ہوگا۔اگر قرینہ اباحت کو بتلائے تو امر کا اقتضاء اباحت ہوگا۔اور اِسی طرح باقی معانی مراد لئے جائیں گے جس کی تفصیل یہ ہے:

ا۔ اگر امر کے ساتھ کوئی واضح نشانی یا ایسا قرینہ موجود ہو، جس کی بنا پر ہم اس امر کو وجوب کے معنی میں لینے پر مجبور ہیں۔یعنی ایسا قرینہ موجود ہو جس کی بنا پر وجوب کا معنیٰ متعین ہوتا ہو تو اس فعل کو ادا کرنا واجب ہے۔

ایسی صورت حال میں اصولیین اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ "امر" وجوب کے لئے ہے۔یعنی اس امر سے ہم وجوب کا معنیٰ مراد لیں گے، کوئی دوسرے معنی مراد نہیں لیں گے۔

2-3 اسی طرح اگر ایک صیغہ امر ہے اور اس صیغہ امر کے ساتھ کچھ ایسے قرائن ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں امر اجازت کے معنیٰ میں ہے یا یہ امر استحباب کے معنی میں ہے یا پھر اس امر کا فلاں معنی ہے۔اصولیین کا اس سلسلہ میں اتفاق ہے کہ اس امر سے پھر "لزوم" یعنی فرض اور واجب ہونے کا معنی نہیں لیا جائے گا بلکہ اس سے مراد وہ معنی لیا جائے گا جس معنی کے لئے قرینہ موجود ہوگا۔اگر اباحت اور اجازت کا قرینہ موجود ہو تو ہم اس امر سے اباحت اور اجازت کے معنی مراد لیں گے۔استحباب کا قرینہ موجود ہو تو ہم استحباب کا معنی مراد لیں گے۔اگر کوئی اور قرینہ موجود ہے تو وہی معنی مراد لیں گے، جس کا قرینہ موجود ہو۔اصولیین کا اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ امر کا صیغہ بہت زیادہ معانی میں استعمال ہوتا ہے مزید امر کی بحث اہم ترین ہے اس لئے اس کی چند مزید صورتیں درج ذیل ہیں۔(21)

امر کی بحث میں مزید چار صورتیں:

ا۔نہی کے بعد امر (کسی فعل کی ممانعت کے بعد اس کی ادائیگی کا حکم دینا)۔

اگر قرآن وسنت میں کسی فعل کی ممانعت کے بعد اس کی ادائیگی کا حکم دیا جائے تو آیا یہ امر بھی وجوب کے لئے ہوگا یا نہیں۔امام شافعی کے نزدیک ایسا امر اباحت کو ظاہر کرتا ہے وہ کئی ایک نص سے استدلال کرتے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہیں۔جیسے کہ احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت ہے اور اسکے بعد اس کا جواز ﴿ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو) اور اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہاں امر اباحت یعنی اجازت کے لئے ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ کسی فعل کی حرمت وممانعت کے بعد بھی اس کے کرنے کا حکم وجوب ہی کو ظاہر کرتا ہے۔گویا یہ حکم بھی دیا گیا ہے۔سابقہ حرمت کا اس میں کوئی اعتبار نہیں۔اس لئے کہ دلائل یہی بتاتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔احناف اس میں کوئی فرق نہیں کرتے۔کہ یہ امر حرمت سے پہلے واقع ہوا یا حرمت کے بعد۔پہلے فریق کے جواب میں احناف یہ کہتے ہیں کہ جہاں امر سے استحباب کا حکم نکلتا ہے وہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جو استحباب کے لئے ہوتا ہے۔

''احناف'' میں سے علامہ ابن ھمام کا نظریہ یہ ہے کہ:

''حرمت کے بعد کسی فعل کا حکم دینے سے اس کی حرمت ختم ہو جاتی ہے اور اس فعل کا حکم وہی ہوتا ہے جو وقت سے پہلے تھا۔یعنی وجوب اباحت یا استحباب''۔

2۔کیا امر تکرار کو ظاہر کرتا ہے

پھر جس فعل کا صیغہ امر کے ساتھ حکم دیا گیا ہو تو کیا امر اس کے بار بار کرنے کا ظاہر کرتا ہے۔اس کے متعلق جس نظریئے کو ترجیح دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ امر کا صیغہ محض کسی فعل کے کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔اس حکم کی تعمیل کے لئے اس کی کم از کم ایک مرتبہ ادائیگی ضروری ہے اس لئے ایک بار کرنا تو اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ہاں البتہ اگر کوئی قرینہ یا اشارہ ایسا موجود ہو جو یہ ظاہر کرے کہ اس جگہ امر سے مراد تکرار ہے تو اس صورت میں امر سے تکرار ہی مراد ہو گا۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾.(المائدہ ۵.٦)

''اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کے لئے اٹھو تو اپنے چہرے دھولو''......(آخر تک)

کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضو کے حکم کا ارادہ نماز کے ساتھ معلق کر دیا ہے۔اس صورت میں وضو کی تکرار اس کی علت (نماز) کی تکرار پر مبنی ہے نہ کہ امر پر یعنی جتنی مرتبہ نماز پڑھیں اُتنی مرتبہ وضو کرلیں۔......اسی طرح دوسرے مقامات پر تکرار فعل کے لئے کوئی نہ کوئی قرینہ موجود ہوتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

3۔کیا امر تاخیر فعل کا متقاضی ہے یا فوری عمل کا

پھر اس مسئلے میں کہ آیا ''امر'' فوری تعمیل کا متقاضی ہے یا تاخیر سے عمل کا۔علماء کے مابین اختلاف ہے۔جو لوگ ''امر'' کی صورت میں تکرار فعل کے قائل ہیں ان کے نزدیک امر فوری تعمیل کا متقاضی ہے۔جب کہ اس کے بارے میں دوسرا مسلک یہ ہے کہ ''امر'' یا تو وقت کے ساتھ مقید ہوگا یا مقید نہ ہوگا۔اگر وہ وقت کے ساتھ مقید ہو تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اس وقت میں وسعت ہے یا تنگی۔جس وقت میں وسعت ہو تو اس میں اس فعل کو آخری وقت تک مؤخر کیا جا سکتا ہے۔لیکن اگر وقت میں تنگی ہو تو اس میں تاخیر کا احتمال نہیں ہے اُسے خود اُدا کرنا پڑے گا۔

4۔جس شے سے فرض کی تکمیل ہوتی ہو اس کا حصول فرض ہونا

گزشتہ بحث سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ علماء اصول کے نزدیک عمومی طور پر ''امر'' وجوب یعنی حتمی اور لازمی ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔اور مخاطب کے حق میں ایسا فعل فرض ہے۔لیکن اگر اس فرض حکم کا انحصار کسی اور عمل پر ہو جیسے نماز کے لئے وضو کی شرط حج کے لئے استطاعت کی شرط اور زکاۃ کے نصاب کی شرط ہے ہو تو کیا یہ فعل بھی اس دلیل سے فرض تصور ہوگا جس دلیل سے اصل فعل فرض ہوا اسکی دو صورتیں ہیں:

ا۔ ایسے فعل جن کو وجود میں لانے کی مکلّف، طاقت نہ رکھتا ہو۔مثال کے طور پر حج کی ادائیگی استطاعت پر زکوۃ کی نصاب پر، اور جمعۃ کی ایک مقرر تعداد میں نمازیوں کی موجودگی پر منحصر ہے۔لیکن ان تمام امور کو وجود میں لانا مکلّف کی استطاعت سے باہر ہے اس صورت میں مکلف کے لئے ادائیگی حج کے لئے مالی استطاعت فراہم کرنا یا زکوۃ کی ادائیگی کے لئے نصاب مہیا کرنا فرض نہیں ہے۔

ب۔ ایسے امور جن کو بجالانے کی مکلّف استطاعت رکھتا ہو۔(22)

اولا یہ کہ اس دوسرے فعل کی فرضیت پر کوئی خصوصی حکم موجود ہو جیسے کہ ادائیگی نماز کے لئے وضو کا مستقل حکم سورہ المائدۃ: (آیت:6)

میں ہے مزید یہ کہ اصل فرض یعنی نماز پڑھنے کا حکم بھی مستقل اور علیحدہ ہے تو اس طرح یہ دونوں امور الگ الگ ''اوامر'' کے تحت مسلمانوں کے لئے فرض ہیں۔اسی طرح بقیہ احکام ہیں۔

امر کے بارے میں مزید مباحث لایعنی طوالت کا باعث ہیں اس لئے انہیں ترک کیا جا رہا ہے شائقین بنیادی کتب کی طرف رجوع کریں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

امر کی تین اصطلاحات

آپ امر کے موضوع میں تین اصطلاحات کا مطالعہ کر چکے ہیں ان میں ایک آمر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اِس پر اس کتاب کے پہلے باب حکم شرعی کے عنوان ''حاکم'' میں تفصیلی بحث موجود ہے۔ مامور انسان ہے جس پر بھی حکم کے باب میں ''محکوم علیہ'' کے عنوان میں مواد موجود ہے اُن دو اصطلاحات کا مطالعہ کرنے کے لئے پہلے باب کی طرف رجوع کریں اب یہاں مامور بہ پر بحث ہوگی۔

مامور بہ اور اُس کی اقسام

امر تقاضا کرتا ہے آمر کا، مامور کا اور مامور بہ کا۔ کتاب اللہ کے سلسلہ میں آمر تو ہے اللہ اور مامور ہے مکلّف یعنی بندہ اور جس فعل کا حکم دیا جائے وہ ہے مامور بہ۔

مامور بہ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تقسیم دو طرح سے کی گئی ہے پہلی ادائیگی وقت اور دوسری تعمیل حکم کے لحاظ سے ہے۔

مامور بہ کی ادائیگی کے لحاظ سے اقسام:

مامور بہ ادائیگی وقت کے لحاظ سے دو قسم کا ہوتا ہے۔ ا۔ مامور بہ مطلق ب۔ مامور بہ مؤقت

(ا) مامور بہ مطلق:

مامور بہ مطلق وہ فعل ہے جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو اور وہ فعل ایک ایسے وقت سے مقید نہ ہو، جس کے گزرنے کے ساتھ ہی اس فعل کی ادائیگی فوت ہو جاتی ہو۔ اسے مامور بہ مطلق کہتے ہیں۔

مثلاً روزے کی قضاء، زکوۃ کی ادائیگی، کفارے کی ادائیگی، یہ معمور بہ مطلق ہیں، اس لئے کہ روزے کی قضا کے لئے، کفارے کی ادائیگی کے لئے، زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کوئی ایک ایسا خاص وقت متعین نہیں ہے کہ اس وقت کے گزرنے کے ساتھ ہی اس فعل کی ادائیگی فوت ہو جائے یعنی زکوۃ قضاء ہو جائے، رمضان شریف کے روزے کی قضا کے لئے وقت باقی نہ رہے اور وہ فوت ہو جائے یا کفارہ کی ادائیگی فوت ہو جائے۔ تو یہ ہے مامور بہ مطلق۔

حکم:

اور اس مطلق کا حکم یہ ہے کہ اگر پوری عمر کے کسی بھی حصے میں اس مامور بہ کو ادا کر دیا ئے تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور اس امر کی تعمیل ہو جائے گی اور اس امر اور حکم کی تعمیل کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ حکم کی تعمیل

Marfat.com

کسی خاص وقت میں کی جائے۔

ب۔ مامور بہ موقت:

مامور بہ کی دوسری قسم ہے مامور بہ موقت۔ مامور بہ موقت اس فعل کا نام ہے۔ جس کا حکم دیا جائے اور یہ فعل ایک ایسے وقت سے مقید ہو کہ جس کے گزرنے کے ساتھ فعل کی ادائیگی فوت ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر نماز کے لئے ایک خاص وقت متعین ہے اور اس کے وقت کے گزرنے کے ساتھ ہی اس نماز کی ادائیگی فوت ہو جاتی ہے۔ رمضان شریف کا روزہ ہے، اس کی ادائیگی کے لئے ایک خاص وقت متعین ہے اور اس خاص وقت کے گزرنے کے بعد روزے کی ادائیگی فوت ہو جاتی ہے۔ اسے مامور بہ مؤقت کہتے ہیں۔ (23)

مامور بہ کا حُسن و قبح:

مکلف کو صیغہ امر سے جس فعل کا حکم دیا جائے ''اسے مامور بہ'' کہا جاتا ہے جس طرح نماز پڑھو، زکاۃ ادا کرو وغیرہ۔۔ اصول فقہ یہ ایک عقلی اور فلسفیانہ بحث ہے کہ شارع یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی فعل کا حکم دینا اس فعل کے حسن (اچھا ہونے) کو بتاتا ہے کہ یہ فعل بنی نوع انسان کے لئے بہتر ہے۔ اچھے (حسن) اور برے (قبیح) ہونے کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے:

1۔ کسی شے کا کامل ہونا اچھائی اور حُسن ہے اور ناقص ہونا برائی ہے۔ جیسے کہ علم انسان کے لئے صفت کمال ہے۔ اسی لئے یہ اچھا (حسن) ہے اور جہالت اس کے لئے صفت نقصان ہے۔ اس لئے بری (قبیح) ہے۔

2۔ کسی شے کا اپنی طبیعت، مزاج، یا دنیوی اغراض کے مناسب ہونا، اچھا اور نا مناسب ہونا برا ہے۔ جیسے کسی شے کی شیرینی اس کی اچھائی اور کڑواھٹ اس کی برائی ہے۔

3۔ جس فعل کے کرنے پر اس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف، اجر اور ثواب کا مستحق ہو۔ وہ ''حسن'' ہے اور جس کام کے کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذمت اور سزا کا مستحق ہو وہ ''قبیح'' ہے۔ چنانچہ اصول فقہ میں تمام معاملات میں اللہ کی اطاعت (حسن) اچھائی اور معصیت (نافرمانی) برائی اور قبیح ہے۔

ابتدائی دونوں معانی انسانی عقل کے اعتبار سے ہیں ان میں کسی عمل کو اچھا یا برا سمجھنا حُسن و قُبح یعنی خوبصورت اور قبیح (افعال کا اچھا یا برا ہونا) عقلی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ رہی تیسری قسم، تو اس کے متعلق اختلاف ہے کہ اس صورت میں افعال کا حسن وقبح عقلی ہے یا شرعی۔ یعنی اگر انسانی عقل کسی چیز کو

Marfat.com

اچھا سمجھے اور شریعت اور اس کی مخالفت کرے تو اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے۔کیا شرعی احکام عقل سے متصادم ہیں یا عقل ناقص ہے اور شرعی احکام معیار ہیں۔یہ بحث پہلے باب حکم شرعی کے عنوان ''حاکم کے حکم کی پہچان'' میں ہے۔تفصیل کے لئے اس کا مطالعہ کریں۔

اداء۔قضاء۔تعجیل۔اعادة

انسان یعنی مامور، اللہ تعالیٰ کے حکم (مامور بہ) کی بجا آوری یا اُس حکم کی تعمیل کئی طرح سے کرتا ہے اگر اُس پر بروقت عمل کرتا ہے تو یہ اداء ہے اور وقت کے بعد کرتا ہے تو یہ قضاء ہے۔اگر اُس حکم پر وقت سے پہلے عمل کر لیتا ہے تو یہ تعجیل ہے اور اگر اُسے کسی وجہ سے دوبارہ لوٹاتا ہے تو یہ اعادہ ہے۔تو یہ تمام تعمیل حکم کے لحاظ سے امر کی اقسام ہیں۔

مامور بہ کی تعمیل حکم کے لحاظ سے اقسام

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بھی دو طرح سے ہوتی ہے اس طرح بھی اس کی دو اقسام ہیں۔

(ا) ادا (ب) قضاء

ا۔ادا کی تعریف

ادا کی تعریف یہ ہے کہ آمر یعنی اللہ تعالیٰ نے مامور بہ یعنی کسی حکم کی ادائیگی کے لئے جو وقت متعین کیا ہے اس وقت کے اندر اس حکم کی تعمیل ہونا یہ ''ادا'' ہے۔مثلاً وقت پر نماز پڑھنا روز رکھنا وغیرہ۔

ب۔قضا کی تعریف:

قضا کا مطلب یہ ہے کہ وہ وقت جو مامور بہ کی ادائیگی کے لئے متعین ہے، تو مکلّف اس وقت میں امر یعنی حکم کی تعمیل نہیں کرتا بلکہ اس وقت کے گزرنے کے بعد امر کی تعمیل کرتا ہے تو یہ ''قضا'' ہے۔مختصر طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آمر نے اپنے امر کی تعمیل کے لئے جو وقت متعین کیا ہے، اس وقت کے اندر اندر اس حکم کی تعمیل کی جائے تو یہ ادا ہے اور اس وقت کے گزرنے کے بعد امر کی تعمیل کی جائے تو یہ قضا ہے۔(24)

مثال:

مثال کے طور پر ظہر کی نماز ہے، اب ظہر کی نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو وقت متعین کیا ہے وہ زوال سے عصر تک ہے۔اب اگر اسی وقت میں وہ نماز پڑھی جائے تو یہ ادا ہے۔اب اگر یہ وقت گزر جائے تو عصر کے وقت میں یا مغرب کے وقت یا عشاء کے وقت میں ہم ظہر کی نماز پڑھیں تو یہ قضا ہے۔اگر مکلّف حکم کی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تعمیل اُس وقت میں کرتا ہے جو آمر کی طرف سے مقرر ہے تو یہ ادا اور اگر وقت کے بعد کرتا ہے تو یہ قضا ہے۔
ادا اور قضا دونوں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام عبادات اور معاملات دونوں میں ہیں اِس لئے یہ دونوں حقوق اللہ میں بھی ہونگے اور حقوق العباد میں ہونگے۔ اب ان دونوں کی اس باب میں اقسام کا ذکر ہوگا۔

ادا کی تین اقسام (حقوق اللہ وحقوق العباد میں):

ادا کی تین اقسام:

ا۔ ادائے خالص کامل ۲۔ ادائے خالص قاصر یا ناقص ۳۔ ادا شبیہ بالقضاء

یہ تین قسمیں تو حقوق اللہ میں ہوئیں۔

اسی طرح تین قسمیں ہیں حقوق العباد میں۔ اس کا مطلب ہے کہ ادا کی چھ اقسام ہوئیں۔ حقوق اللہ میں تین اقسام اور حقوق العباد میں تین اقسام۔

اصولیین کہتے ہیں کہ ادا، یا تو ہوگی حقوق اللہ میں یا ہوگی حقوق العباد میں۔ حقوق اللہ میں جو ادا ہے اس کی دو قسمیں ہے۔

ا۔ ادائے خالص ۲۔ ادائے شبیہ بالقضاء۔

اور حقوق العباد کی جو دو قسمیں ہیں۔ وہ بھی ادائے خالص اور ادائے شبیہ بالقضا۔

ادائے خالص کی اقسام:

ادائے خالص کی دو قسمیں ہیں، کامل اور قاصر۔ تو مجموعی طور پر اگر ہم تحقیق کریں تو ادا کی چھ اقسام سامنے آتی ہیں۔

قضا کی اقسام:

اب لیجئے قضا کو۔ تو قضاء کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ قضائی حقوق اللہ ۲۔ قضائی حقوق العباد۔

اللہ کے حقوق میں قضا اور بندوں کے حقوق کی قضا۔

حقوق اللہ میں قضا کی اقسام:

۱) قضائے خالص اور ۲) قضائی معنی الادا (یعنی وہ قضا جو ادا کے معنی میں ہو۔)

Marfat.com

قضائے خالص کی اقسام:

۱) قضا بمثل معقول ۲) قضا بمثل غیر معقول۔

اور پھر قضاء بمثل معقول کی دو قسمیں ہیں۔ مثل کامل اور مثل قاصر۔

اسی طریقے سے قضائی حقوق العباد اس میں بھی یہی قسمیں چلتی ہیں۔ قضائی حقوق العباد مثل کامل کے اعتبار سے اور مثل قاصر کے اعتبار سے۔

تو یہ اقسام اسی تقسیم کی بنتی ہیں۔ اب مختصر طور پر ایک ایک دو دو مثالیں ہر قسم کی دی جا رہی ہیں۔

اداء فی حقوق اللہ

1-ادائے خالص کامل:

ادائے خالص کامل کی مثال یہ ہے کہ

"اداء الصلوة بالجماعة"

ایک شخص اگر باجماعت نماز کی ادائیگی کرتا ہے۔ تو یہ بھی ادا ہے اس اعتبار سے کہ شارع نے اقیمو الصلوۃ کے حکم کی تعمیل کے لئے جو وقت مقرر کیا ہے۔ اسی وقت میں وہ اس امر کی جماعت کے ساتھ تعمیل کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے لئے بروقت جماعت کے ساتھ نماز ادکرنا ادائے کامل ہے یہ ادائے خالص کی مثال ہے۔

2-ادائے خالص قاصر:

ادائے خالص قاصر کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص منفرد حالت میں نماز پڑھتا ہے۔ یہ ادائے خالص تو ہے ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی تعمیل کے لئے جو وقت مقرر کیا ہے اس وقت میں وہ حکم کی تعمیل تو کر رہا ہے۔ لیکن جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہا تو۔

"اداء الصلوة باالجماعة اداء كامل و اداء الصلوة منفرد اداء قاصر"

یعنی ایک شخص اگر نماز باجماعت پڑھتا ہے تو یہ ادائے کامل ہے۔ اگر علیحدہ طور پر پڑھتا ہے تو یہ ادائے قاصر ہے۔ ادائے ناقص بھی اسے کہتے ہیں اور ادائے قاصر بھی اسے کہتے ہیں۔ اسی کی بنا پر حضور ﷺ کا وہ ارشاد ہے۔

"صلوة الجماعة تفضل على صلوة الفرد بسبع و عشرين درجة" (25-A)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

نماز با جماعت ایک منفرد شخص کی نماز پر ستائیس درجہ زیادہ افضل ہوتی ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادائے کامل ہے اور یہ ادائے قاصر ہے۔

3-ادا شبیہ بالقضا

اس کی مثال ہے کہ ایک شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کی جب اس نے دو رکعت نماز امام کے پیچھے پڑھ لی تو اس شخص کا وضو جاتا رہا۔اب اس شخص نے وضو کیا اور واپس آیا تو اس دوران امام نماز سے فارغ ہو چکا تھا۔اس وقت یہ شخص بقیہ نماز جماعت کے بغیر انفرادی طور پر پڑھتا ہے۔

اس کا فعل ادا تو ہے۔لیکن یہ ادا شبیہ بالقضا ہے اس اعتبار سے کہ اس شخص نے پہلے ہی سے نیت کر کے یہ اپنے اوپر لازم کیا تھا کہ میں امام کے پیچھے یہ چاروں رکعت پڑھوں گا۔اب اس شخص نے امام کے پیچھے دو رکعت تو پڑھ لیں لیکن ابھی دو رکعتیں اس سے رہ گئیں اور اس نے امام کے پیچھے نہیں پڑھیں۔اس حیثیت سے کہ اس نے اپنے اوپر جس طریقے سے نماز پڑھنے کو لازم کیا تھا،اس طریقے سے وہ نماز نہ پڑھ سکا۔اس لحاظ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ من کل وجہ ادا نہیں لیکن یہ 'اداء فی معنی القضاء'' ہے۔ادا تو ہے لیکن قضا کے معنے میں ہے۔اس کو ادا شبیہ بالقضا کہتے ہیں۔

4-اداء فی حقوق العباد کی دو اقسام کامل۔قاصر

ا۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کسی کی گائے غصب کر لی یا کسی سے بیل زبردستی پکڑ لئے۔اب اگر وہ غاصب غصب شدہ گائے یا بیل بالکل صحیح حالت میں کسی نقصان کے بغیر اصلی مالک کو واپس کر دیتا ہے تو یہ ہے ادائے کامل۔اس لئے کہ جس حالت پر اور جس ہیئت پر غصب واقع ہوا ہے اور جس حالت اور جس کیفیت پر اس غاصب پر لازم ہے کہ اسے واپس کر دے اسی حالت اور اسی کیفیت پر اس نے مالک کو واپس کر دی۔تو حقوق العباد میں یہ ہے مثال اداء کامل کی۔

۲۔ فرض کیجئے کہ اس غاصب نے وہ گائے مالک کو واپس تو کر دی۔لیکن اس میں زخم کا ایک نشان بھی پایا گیا اور وہ گائے زخمی تھی۔اب اس گائے یا بیل میں ایک ایسا نقصان پیدا ہوا جس کی بناء پر اس کی قیمت اور مالیت میں کمی واقع ہوگئی۔تو غاصب کے یہ مال کی واپسی ادائے قاصر ہے۔یعنی ادا تو ہے اس لئے کہ جس گائے یا بیل کو اس نے غصب کیا ہے اسی کو واپس کر دیا لیکن قاصر ہے۔اس لئے جس کیفیت اور جس حالت پر یہ غصب واقع ہوا تھا،اس کیفیت پر اور اس حالت پر اس غاصب نے مالک کے سپرد نہیں کیا۔یہ بندوں کے حقوق میں ادائے قاصر کی مثال ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حقوق اللہ میں قضا کی تین اقسام

1- حقوق اللہ میں قضائے کامل کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح ایک شخص پر ظہر کی چار رکعت نماز واجب ہے۔اب وہ کسی وجہ سے اُس دن کی نماز ظہر نہیں پڑھ سکا اور اُس کی نماز قضا ہو گئی۔اب اگلے دن وہ اُس دن کی نماز ظہر باجماعت پڑھنے کے بعد سابقہ دن کی قضا نماز بھی کسی طریقے سے باجماعت ادا کر دے تو اس کو کہتے ہیں ''قضاء الصلوۃ بالجماعۃ'' یہ قضائے کامل ہے۔

2-3- اور اگر وہ شخص اُس سابقہ دن کی قضا نماز کو دوسرے دن انفرادی طور پر ادا کرتا ہے، تو یہ ہے مثال قضائے قاصر کی۔اور اگر ایک شخص نے امام کے پیچھے نماز شروع کی ایسی حالت میں کہ امام ایک رکعت یا دو رکعت پڑھ چکا ہے اور امام کے ساتھ اس نے ایک رکعت یا دو رکعت ادا کی۔اس کے بعد امام نے سلام پھیر لیا۔تو یہ شخص اٹھ کھڑا ہوا۔

اب اس کی باقی نماز، اس لحاظ سے تو قضا ہے کہ امام نے سلام پھیرا ہے اور یہ بعد میں آیا ہے۔لیکن اس لحاظ سے ادا ہے کہ اس شخص نے یہ التزام اپنے اوپر نہیں کیا تھا کہ میں امام کے پیچھے چار رکعت پڑھوں گا۔اس لئے کہ اسے تو معلوم تھا کہ دو رکعت نماز مجھ سے گزر گئی۔یہ نماز اس قضا کی مثال ہے جو قضافی معنی الاداء کہلاتی ہے۔جو ادا کے معنی میں ہے۔

حقوق اللہ وحقوق العباد میں قضاء کی مزید اقسام

قضا بمثل معقول کامل اور قضا بمثل معقول قاصر.

یہ کامل اور قاصر وغیرہ حقوق العباد میں بھی جاری ہوتے ہیں۔قضا کی یہ اقسام ہیں۔

قضائے کامل، قضائے قاصر اور قضاء فی معنی الادا۔

حقوق العباد میں ایک ہے قضا بمثل معقول اور دوسرے قضا ہے بمثل غیر معقول حقوق اللہ میں تو قضا بمثل معقول کی مثال یہ ہے کہ۔

''قضاء صوم بصوم والصلوٰۃ بالصلوۃ''

اب نماز کی قضاء نماز کے ساتھ اور روزے کی قضا روزے کے ساتھ۔روزے اگر ایک شخص سے فوت ہو گئے۔تو وہ روزے کی قضاء کرتا ہے تو یہ قضائے بمثل معقول ہے۔

1-قضاء بمثل معقول (حقوق اللہ میں)

ایک شخص سے نماز قضا ہوئی ہے۔تو نماز کے بدلے میں وہ نماز پڑھتا ہے۔تو یہ قضا بمثل معقول ہے۔

Marfat.com

2-قضاء بمثل غیر معقول (حقوق اللہ میں)

اور قضا بمثل غیر معقول کی مثال یہ ہے۔کہ ایک شخص کا روزہ فوت ہوا۔
اور وہ شخص، شیخ فانی ہے یعنی ایسی عمر میں پہنچ چکا ہے کہ اس کے بعد وہ روزے کی ادائیگی پر سرے سے قادر ہی نہیں ے۔اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اسے یہ حکم ہے۔

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

''اور ان لوگوں پر جو طاقت نہیں رکھتے روزے رکھنے کی۔ان پر مسکین کو کھانا کھلانے کا فدیہ ہے''۔

یہ فدیہ روزہ کے لئے قضاء تو ہے۔لیکن یہ قضاء بمثل غیر معقول ہے۔اس لئے کہ ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ آخر فدیے کے درمیان اور روزے کے درمیان وجہ مماثلت اور وجہ مشابہت کیا ہے؟لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ چاہے ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن بات فی الواقع یہ ہے کہ فدویہ روزے کا مثل ہے۔

3-قضاء بمثل معقول کامل (حقوق العباد میں)

حقوق العباد میں قضاء بمثل معقول کامل کی مثال ہے۔کہ فرض کیا کہ ایک شخص نے ایک من گندم کسی سے چرالی یا اس نے زبردستی لے لی۔اور یہ ایک من گندم اس نے کھالی یا اس کے پاس ہلاک ہوگئی۔اب اس شخص پر لازم ہے کہ ایک من گندم کے بدلے میں ایک من گندم اسی مالک کو واپس کرے۔
اب وہ ایک من گندم جو یہ غاصب، مالک کو دے رہا ہے۔یہ وہی گندم تو نہیں ہے جس گندم پر غصب کا فعل واقع ہوا تھا۔بلکہ اس کا مثل ہے اور یہ مثل معقول ہے۔

4-قضاء بمثل معقول قاصر (حقوق العباد میں)

ایک شخص دوسرے کے چاول غصب کر لے۔جس وقت ادائیگی کا وقت آیا تو اس وقت وہ چاول بھی ختم ہو چکے تھے اور بازاروں میں سرے سے چاول ملتے ہی نہ تھے۔اب یہاں پر بھی قیمت ادا کرنا واجب ہو گی۔کیونکہ چاول کی مثل چاول میسر نہیں اور نقدی یا قیمت چاول کا مثل نہیں مزید وہ صورتاً مماثلت نہیں بلکہ معناً مماثلث ہے۔صورت اور شکل کے لحاظ سے تو یہ زر تبادلہ ہے۔اور چاول کھانے کی چیز ہے۔لیکن معنوی طور پر ان کے درمیان مماثلت پائی جاتی ہے۔اس لئے کہ مالیت کے اعتبار سے جس طرح سونا اور چاندی مال ہے، اس طرح یہ گندم اور جو بھی مال ہے۔اس لحاظ سے ان کے درمیان مماثلت پائی جاتی ہے۔یہ ہے مثال

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

"قضاء بمثل معقول قاصر" یعنی قضاء ایک ایسے مثل معقول کے ساتھ جو مثل معقول قاصر ہے۔

5-قضاء فی معنی الادا (حقوق العباد میں)

"قضاء فی معنی الادا" کی مثال یہ ہے۔فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کسی سے سونا چرایا، یا کسی سے چاندی چرائی۔اب سونے سے اسنے ایک برتن بنالیا۔چاندی سے زیور بنالیا۔غاصب نے یعنی چور نے سونا یا چاندی میں اتنی تبدیلی کی کہ اُن کی شکلیں اور فوائد ختم ہو گئے اب چوری والے سونے کا برتن یا چاندی کے زیورات سابقہ مالک کو واپس کرنا قضاء فی معنی الادا ہے۔(26)

د۔نہی (Prohibation)

اب آپ خاص کی چوتھی قسم نہی کا مطالعہ کریں گے خاص کی چار اقسام میں سے مطلق ،مقید اور امر کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔نہی بھی خاص کی قسموں میں ایک قسم ہے۔

لغت میں نہی منع کرنے یا روکنے کو کہتے ہیں۔عربی میں عقل کو"نہیہ" کہتے ہیں یہ اس لئے کہتے ہیں کہ انسان کو ایسے کام کرنے سے روکتی ہے جو اس کے لئے نقصان کا باعث ہو مزید سچائی اور درستگی کے خلاف ہو۔قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ج اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾ (طٰہٰ:54)

ترجمہ:خود بھی کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ، بیشک ان باتوں میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

نہی کی اصطلاحی تعریف

"وهو قول القائل لغيره على سبيل الاستعلاء لا تفعل" (27)

کسی شخص کا خود کو دوسرے سے برتر سمجھتے ہوئے اُس سے لازمی طور پر کسی کام کے نہ کرنے کا مطالبہ کرنا۔

کسی ہستی کا اپنے آپ کو بڑا اور بالادست سمجھ کر دوسرے کو لاتفعل (تم یہ کام مت کرو) کہنا۔

یعنی کوئی شخص جو اپنے آپ کو دوسرے شخص سے بڑا سمجھتا ہو، اس دوسرے شخص کو کسی کام سے ایسا صیغہ استعمال کر کے روکے جو ممانعت پر دلالت کرتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

نہی کے صیغے

اس سے ثابت ہوتا ہے نہی امر کی ضد یعنی برعکس ہے۔ نہی میں بھی کسی متعین یا مخصوص کام سے روکا جاتا ہے اس لئے یہ بھی مطلق، مقید اور امر کی طرح خاص کی آخری قسم ہے عربی میں نہی کے متعدد صیغہ ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

1۔ نہی کے صیغوں میں پہلا مشہور صیغہ لَا تَفْعَلْ (یعنی مت کر)۔ جیسے

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ (بنی اسرائیل 32)

یعنی زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔

2۔ نہی کا دوسرا صیغہ کسی چیز کے حلال و جائز ہونے کی نفی کرنا ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ ''فلا تحل'' یہ کام حلال و جائز نہیں ہے۔ جیسے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ م بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (البقرۃ 230)

ترجمہ: پھر اگر دو طلاقوں کے بعد شوہر اس عورت کو تیسری طلاق بھی دیدے تو وہ عورت تیسری طلاق کے بعد اس شخص کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ اس شخص کے سوا کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

3۔ نہی کا تیسرا صیغہ، ایسے صیغے کا استعمال کرنا جو نہی اور حرمت دونوں کو بتلائے۔ جیسے:

﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾۔ (النحل 90)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں بے حیائی اور نامعقول کاموں سے سرکشی و بغاوت سے روکتا ہے۔

دوسری آیت ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ﴾۔

تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں حرام کی گئی ہیں۔

ان آیت میں یَنْهٰى اور حُرِّمَتْ کے صیغوں سے نہی وممانعت کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔

4۔ کبھی نہی امر کے صیغہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتی ہے۔ لیکن اس صورت میں امر کا یہ صیغہ ممانعت کو بتلاتا ہے۔ جیسے:

﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾۔ (الانعام 20)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اور تم کھلا گناہ بھی ترک کرو اور چھپا گناہ بھی ترک کرو یعنی اس کو چھوڑ دو اس کے قریب نہ جاؤ۔(28)

نہی کے صیغہ کا مختلف معانی میں استعمال

امر کی طرح، نہی کا صیغہ متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسے حرمت، کراہت، دعا، تحقیر، ارشاد، شفقت، توزیہ یعنی برابری، بیان عاقبت اور مایوسی وغیرہ ان میں سے اہم کی تفصیل درج ذیل ہے۔ مزید شارع کے حکم نہی کو استعمال کرنے یا اس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے مجتہد و مفتی وغیرہ کو بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا کیونکہ شریعت کے اکثر احکام امر ہیں یا نہی ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض افعال کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ امور سے روکا گیا ہے۔

ا۔حرمت کی مثال

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الانعام:151)

ترجمہ: بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے قریب مت جاؤ، اور کسی کو قتل نہ کرو جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہو مگر ہاں کسی شرعی عذر کی بنا پر۔

2۔کراہت کی مثال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿لا تصلوا فی مبارك الابل﴾(ا-28)

یعنی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ پر نماز مت پڑھو۔

3۔دعا کی مثال

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾. (آل عمران:8)

ترجمہ اے ہمارے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی ٹیڑھا پن پیدا نہ کرنا، اور اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما تو بڑا عطاء فرمانے والا ہے۔

4۔شفقت کی مثال

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تتخذو الدواب کراسی. (ب-28)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے: جانوروں کو کرسیاں نہ بناؤ (یعنی جانوروں کی پیٹھوں پر بیٹھ کر باتیں وغیرہ نہ کیا کرو اگر ایسی ضرورت پیش آجائے تو جانور سے نیچے اتر جایا کرو)۔

5۔ بیان عاقبت کی مثال

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (ابراھیم:42)

ترجمہ: ایسا مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے اعمال سے غافل ہے۔

6۔ مایوسی کی مثال:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

(التحریم:7)

ترجمہ: اے کافرو! آج تم کوئی عذر پیش نہ کرو (یعنی بہانے مت بناؤ) آج کے دن تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو کچھ تم (دنیا) میں کرتے تھے۔

نہی کا حکم:

علمائے اصول کے ہاں یہ مسئلہ بھی زیر بحث رہا کہ آیا نہی کا صیغہ فوری تعمیل اور تکرارِ ممانعت پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علمائے اصولیین کے دو اقوال ملتے ہیں:

1۔ بعض علمائے اصول کا موقف یہ ہے کہ جب تک کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو نہی کا صیغہ نہ فوری تعمیل حکم کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی تکرار پر دلالت کرتا ہے۔

2۔ دیگر فقہاء کے نزدیک نہی اصل میں فوری عمل اور تکرار کو بتلاتی ہے۔ اگر شارع کسی چیز سے منع کرے تو مکلّف پر لازم ہے کہ وہ اس سے فوراً رک جائے، اور ہمیشہ رکا رہے۔ مکلّف فوراً اس بات سے باز آجائے اور ہمیشہ اس سے رکا رہے۔

جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ نہی کا صیغہ کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اگر کوئی قرینہ یا کوئی واضح نشانی موجود نہ ہو تو اس صورت میں نہی کون سے معنی پر دلالت کرے گی؟ اس بارے میں فقہاء کے درج ذیل تین موقف ہیں۔

1۔ فقہاء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ نہی کراہت یعنی مکروہ کو بتلاتی ہے۔ اسکے یہی معنی ہیں، اور اگر کوئی قرینہ یعنی واضح اشارہ موجود نہ ہو تو یہ کراہت کے سوا دوسری چیز کو نہیں بتلاتی۔

2۔ فقہاء کی دوسری جماعت کا خیال یہ ہے کہ نہی کراہت اور حرمت جن کا مطالعہ آپ حکم شرعی کی بحث

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

میں کر چکے ہیں دونوں کے درمیان مشترک ہے۔اور یہی اس کے اصلی معنی ہیں۔اور قرینہ یعنی کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوگا کہ نہی کا صیغہ اس مقام پر کس مفہوم کے لئے استعمال ہوا ہے۔

3۔ جمہور فقہاء کی تیسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ نہی کا حکم تحریم یعنی حرمت ہے۔یہی اس کے حقیقی معنی ہیں اور اس معنی کے لئے اس کو بنایا گیا ہے۔حرمت کے علاوہ دوسرے معانی کے لئے نہی کے صیغہ کا استعمال مجازاً ہوگا۔اور نہی کے مجازی معنی کے لئے کوئی قرینہ موجود ہوتا ہے۔لیکن جب کوئی قرینہ موجود نہ ہوتو نہی صرف محرمات پر دلالت کرتی ہے۔یعنی یہ کسی کام کو حرام قرار دیتی ہے۔(29)

نہی کی دو اقسام: ا۔نہی عن افعال شرعیہ ۲۔نہی عن افعال حسیہ

نہی کی کئی اقسام ہیں لیکن اُن میں دو قسمیں بہت اہم ہیں ایک قسم وہ ہے جس میں شریعت اسلامی نے چند افعال سے رک جانے کا حکم دیا ہو اور دوسری قسم ہے جس میں بعض افعال عقلاً اور عادۃً ناپسندیدہ ہوں۔

1- ایک ''نہی عن افعال شرعیہ'' 2- دوسری قسم ''نہی عن افعال حسیہ'' کہلائے گی۔

فعل شرعی وہ فعل ہے جس کا وجود شریعت پر موقوف ہو جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ۔اور حسی وہ ہے جس کا وجود عقل وعادت پر موقوف ہو مثلاً دکھی کی مدد، حسن اخلاق، مریض کی تیمارداری وغیرہ۔

افعال حسیہ سے نہی یہ ہے کہ قتل کرنا، دھوکہ دینا، زنا کرنا، شراب پینا، جھوٹ بولنا، کسی پر ظلم کرنا، ان افعال کو ہر شخص محسوس اور معلوم کر لیتا ہے، کہ یہ ناپسندیدہ اور انسانوں کے لئے نقصان کا باعث ہیں خواہ وہ شریعت کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

افعال شرعیہ سے نہی یہ ہے کہ عید کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔مکروہ اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنے کی ممانعت ہے۔

حسی افعال کا جو حال شریعت کے آنے سے پہلے تھا، شریعت کے آنے بعد بھی اس کا وہی حال ہے۔اس میں کوئی تغیر نہیں آیا۔چنانچہ زنا، قتل ناحق اور جھوٹ جیسے افعال جس طرح شریعت کے نزول سے پہلے قبیح و مذموم اور حرام سمجھے جاتے تھے، اسی طرح شریعت کے نزول کے بعد بھی حرام ہیں۔

شرعی افعال کے اصل لغوی معنی شریعت کے آنے کے بعد بدل گئے ہیں۔صلوۃ لغت میں دعا کو کہتے ہیں۔شریعت نے اس پر رکوع، سجود اور قیام وقعود بڑھا دیئے ہیں۔اسی طرح صوم لغت میں کھانے پینے سے رو کے رہنے کو کہتے ہیں جب کہ شریعت نے اس پر مزید قیود وشروط کا اضافہ کر دیا۔ایسے ہی دوسرے احکام بھی ہیں۔(30)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

2- عام(General Word)

آپ سابقہ اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ علم اصول فقہ میں چار عنوانات پر تفصیلی بحث ہوتی ہے اس میں ایک عنوان ''طرق الاستنباط'' یعنی استنباط احکام کے طریقے اور قاعدے ہیں۔ ان قواعد کی بھی پانچ اقسام ہیں جن میں ایک قسم اصولی ولغوی قاعدے ہیں۔

ان اصولی لغوی قواعد کی بحث میں گزر چکا ہے کہ وضع یا بناوٹ کے لحاظ سے الفاظ کی تین اقسام بنتی ہیں۔

1۔ خاص 2۔ عام 3۔ مشترک (مؤول)

ان میں سے آپ خاص اوراس کی چار اقسام مطلق، مقید امر و نہی کا مطالعہ کر چکے ہیں اب آپ عام کا مطالعہ کریں گے۔

لغوی اعتبار سے عام عربی زبان میں اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنی وضع یعنی بناوٹ اور ترکیب کے لحاظ سے کسی معین، محدود یا مخصوص اشیاء، اشخاص یا گروہ پر دلالت نہ کر رہا ہو بلکہ جب وہ لفظ بولا جائے تو اپنی جنس کی تمام حدود ''کو'' اپنے اندر شامل اور جمع کر لے۔ مثلاً لفظ ''انسان'' عام ہے یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو اپنے اندر شامل کر لیتا ہے اور وہ تمام اس لفظ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ایسے لفظ حیوان، سماوات، علماء، فقراء وغیرہ اصول فقہ کی اصطلاح میں اس سے مراد:

'' اما العام فما يتنا ول افراداً متفقة الحدود على سبيل الشمول'' (31)

عام ایسا لفظ ہے جو کثیر افراد کے لئے وضع (بنایا) کیا گیا ہو اور ان تمام کو جن پر وہ مشتمل ہے، اپنی اس تنہا ترکیب لفظی سے محدود اور متعین کئے بغیر ایک ہی وقت میں اپنے مفہوم میں شامل کر لے۔

عام میں شمول یعنی اپنی جنس کو مکمل شامل کرنا لفظی بھی ہو سکتا ہے اور معنوی بھی۔

1- لفظی شمول

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لفظ میں ایسی نشانیاں اور علامات موجود ہیں جن کی بنا پر ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اس لفظ کے مفہوم میں شمول اور جمعیت ہے۔ مثلاً مشرکون اور مسلمون کے الفاظ ہیں۔ اب مسلمون اور

Marfat.com

مشرکون کے الفاظ کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ عام لفظاً اور معناً ہے۔اس لئے کہ مسلمون اور مشرکون میں ''واؤ، نون'' موجود ہے۔''واؤ، نون'' ایک ایسی علامت ہے جس سے ہم عمومی دلالت، جماعت اور شمول کو معلوم کرسکتے ہیں۔ یہاں بہت سے مسلمان اور بہت سے مشرک مراد ہیں۔اب جس لفظ کے ساتھ یہ دو لفظ شامل ہوجائیں گے وہ لفظی شمول والا عام کہلائے گا مثلاً مومنون، ظالمون، عالمون، عابدون، صالحون وغیرہ

2- معنوی شمول

معنوی شمول سے مراد یہ ہے کہ لفظ میں تو کوئی ایسی ظاہری علامت مثلاً واؤ اور نون وغیرہ نہ ہوگی جس سے ہم جمعیت اور شمول کا معنی سمجھ کرسکیں لیکن معنوی لحاظ سے وہ لفظ متعدد چیزوں کو شامل کر رہا ہوگا مثلاً ''من'' اور ''ما''۔

جس طرح قرآن مجید میں ہے؛

ما عند کم یُنفَدُ و ما عنداللہ باقٍ. (النحل: 96)

''جو کچھ تمارے پاس ہے وہ ختم ہوجائے گا اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔''

اب اس میں لفظ (ما) کا ترجمہ ''جو'' ہے اور یہ لفظ عام ہے اور تمام چیزوں پر دلالت کرتا ہے

''من'' اور ''ما'' ایسے الفاظ ہیں کہ ان کے لفظ میں جمعیت اور شمول کی کوئی علامت نہیں ہے اور جمعیت اور شمول کا کوئی قرینہ نہیں ہے لیکن معنی کے لحاظ سے بہت سی چیزیں ''ما'' اور ''من'' میں شامل ہوجاتی ہیں اس لئے یہ دو الفاظ معنوی شمول کی مثال ہیں۔

''عام'' کی دو اقسام

عام کی دو اقسام ہیں۔نمبر۱: عام غیر مخصوص البعض اور نمبر۲: عام مخصوص البعض۔

نمبر۱: عام غیر مخصوص البعض وہ عام ہے جس میں کسی دلیل کی بنا پر بعض افراد یا اشیاء کو نہ نکالا گیا ہو۔یعنی جس کے حکم میں کسی دلیل کی بنا پر تمام افراد شامل ہوں۔

نمبر۲: عام مخصوص البعض۔یعنی وہ لفظ عام جس کے حکم سے بعض افراد یا اشیاء کسی خاص دلیل یا قرینہ کی بنا پر نکال دیئے جائیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ استاد کلاس میں اعلان کرے کہ تمام کلاس کو چھٹی ہے لیکن زید اور بکر بیٹھے رہیں لفظ تمام عام ہے اور اس میں شمول معنوی ہے اب استاد نے عام حکم دے کر اس میں سے دو شاگردوں کو نکال دیا ہے لہٰذہ یہ عام مخصوص البعض ہے اگر یہ دو لڑکے نہ نکالے جاتے تو حکم غیر مخصوص البعض ہوتا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

1۔ عام غیر مخصوص البعض کی مثال اور حکم

وہ عام حکم جو غیر مخصوص البعض ہے۔اس کے متعلق حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ عام قطعی ہے اس میں تمام اشیاء افراد شامل ہیں۔قرآن یا سنت کے عام حکم کو خبر واحد یا قیاس کے ذریعہ مخصوص البعض نہیں کر سکتے یعنی قیاس اور خبر واحد کے ذریعے اس کے عموم کو روک نہیں سکتے۔اُس کی مثال یہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾۔ (المائدہ ۳۸)

''اور وہ شخص جو چوری کرے اور وہ عورت جو چوری کرے،ان میں سے ہر ایک کے ہاتھوں کو کاٹ دو (اور یہ ہاتھوں کا کاٹنا) یہ جزاء ان کے عمل کی ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہے۔بے شک اللہ عزیز اور حکیم ہے''۔

اس آیت میں لفظ ''بما کسبا'' میں ''ما'' عام ہے جس سے مراد یہ ہے کہ جب چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں تو اُس کو اُسکے بداعمالی کی مکمل سزا مل گئی اب اُس کو مزید کوئی تاوان، جرمانہ یا چوری شدہ مال کے واپسی کی سزا نہیں دی جاسکتی۔کیونکہ لفظ ما عام ہے اور اِس سے مراد مکمل سزا ہے سزا کا کچھ حصہ نہیں۔اگر ہاتھ کاٹنے کے بعد مزید کسی قسم کی سزا کی گنجائش ہوتی تو لفظ ما کے بجائے لفظ بعض استعمال کیا جاتا جو عام نہیں ہے۔اب اس سلسلہ میں احناف اور شافعیہ کا اختلاف اس کی مزید وضاحت کرے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی کے مال کو چرایا اور وہ مال سارق کے پاس محفوظ نہیں ہے۔بلکہ سارق سے وہ مال تلف ہوگیا۔ارادتاً اس نے مال کو ہلاک نہیں کیا بلکہ آگ لگ گئی اور وہ بالکل تلف ہوگیا اور چور کے ہاتھ کو بھی کاٹ دیا گیا۔تو چور کے ہاتھ کاٹ دینے کے باوجود اس چور پر لازم ہے چوری شدہ مال بھی واپس کرے۔صرف ہاتھ کاٹ دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس مال کا تاوان بھی اس پر عائد ہوگا۔مالی تاوان بھی اس پر عائد ہوگا اور ہاتھ بھی اس کا کاٹ دیا جائے گا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''جزاء بما کسبا''

یہ ہاتھ کاٹ دینا جزا ہے بما کسبا۔لفظ ''بما'' یہاں موجود ہے۔اور ''بما'' کا لفظ، لفظ عام ہے اور اس میں معنوی شمول ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ''جزاء بجمیع ما کسبا'' یہ قطع اور یہ ہاتھ کاٹ ڈالنا سارق کے تمام افعال کے لئے سزا اور جزا ہے۔اگر ہم یہ کہیں کہ اس کے ہلاک ہونے کے باوجود اس پر مالی

Marfat.com

تاوان بھی ہے تو معلوم ہو گیا کہ اس کے تمام افعال کے لئے یہ قطع ید جزا نہیں ہے۔

''جزاء بما کسبا'' کا لفظ تقاضا کرتا ہے کہ ہم چور پر مالی تاوان عائد نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر وہ مال سارق کے پاس موجود ہے تو اسے واپس لوٹانا ہو گا۔ اس لئے کہ ابھی تک مالک کی ملکیت باقی ہے۔ لیکن اگر وہ مال ہلاک ہو چکا ہے غیر اختیاری طور پر تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ اس کا مالی تاوان نہیں ہے۔

2۔ عام مخصوص البعض کی مثال اور حکم

مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ﴾. (الانعام:۱۲۱)

''اور تم مت کھاؤ ان ذبیحوں میں سے اور ان حیوانات میں سے جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو'' یعنی جن حیوانات کو ذبح کیا جائے اور ان پر اللہ تعالیٰ نام نہ لیا جائے، ان کو مت کھایا کرو۔

اس پر شافعیہ اور حنفیہ کے درمیان اتفاق ہے کہ اگر ایک مسلمان نے کسی حیوان کو ذبح کیا اور تکبیر و بسم اللہ کو وہ اتفاقاً بھول گیا تو یہ بالکل معاف ہے اور اس قسم کے ذبیحوں کا کھانا بالاتفاق جائز ہے۔

یہاں دیکھئے کہ ''مَا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ'' کی آیت کا حکم عام ہے اور اپنے عموم کے لحاظ سے اس کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر قسم کے ذبیحے نہ کھائے جائیں جن پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ چاہے نسیان کی بنا پر اللہ کا نام رہ گیا ہو یا اس شخص نے قصداً یا ارادتاً اللہ تعالیٰ نام لینا چھوڑ دیا ہو۔ تو ایسی صورت میں قرآن مجید کی یہ آیت عموم کے لحاظ سے اس کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن اس پر بالکل اجماع ہے کہ ''متروک التسمیہ ناسیا'' یعنی ایسا ذبیحہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا یا ذبح کرنے والا ل بھول گیا ہو تو اس قسم کے ذبیحہ کو کھانا بالاتفاق جائز ہے۔ اجماع امت کی وجہ سے اس عام حکم میں سے اس قسم کو نکال کر جائز قرار دیا جائے گا یہ ہے عام مخصوص البعض۔ (32)

عام اور اُس کی چار شرائط

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عام ایسا لفظ ہے جس کی لغت میں ایک وضع اور ایک ہی ترکیب ہو، متعدد نہ ہوں۔ تاکہ اس کے مفہوم کے تمام افراد اس میں شامل ہو جائیں۔ یعنی وہ تمام افراد جن پر اس کا مفہوم صادق آتا ہو اس میں شامل ہوں۔ اور وہ لفظ افراد کی معین تعداد نہ بتلاتا ہو۔ اگرچہ خارج میں اور فی الواقع ان کی تعداد معین ہو۔ جیسے لفظ سماوات (آسمان) اور علماء البلد (شہر کے علماء)۔

چنانچہ لفظ رجال (مرد) عام ہے، کیونکہ لغت میں اس کو ایک ہی وضع سے اس مفہوم کو ادا کرنے کے

Marfat.com

لئے بنایا گیا ہے، یہ اپنے مفہوم میں ان تمام افراد کی شمولیت کو بتلاتا ہے جن پر اس لفظ کے یہ معنی صادق آتے ہیں۔ اور یہ ایک ہی بار یا ایک ہی وقت میں ان سب کو مجموعی طور پر بتلاتا ہے۔ یہاں عام کی تعریف میں چار شرائط یا قیود ذکر کی گئی ہیں۔

1۔ اپنے جیسے افراد پر محیط ہو۔

2۔ اپنے اس خاص مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہی لغت میں اس لفظ کو بنایا گیا ہو جس کو وضع کہتے ہیں۔

3۔ اپنے تمام افراد کو ایک ہی بار یا ایک ہی وقت میں بتلاتا ہو۔

4۔ افراد کی کوئی معین تعداد نہ بتلاتا ہو۔

عموم کے لئے چھ اہم الفاظ

عموم پر دلالت کرنے والے الفاظ بہت سے ہیں۔ ان میں سے چھ مشہور الفاظ درج ذیل ہیں۔

1۔ لفظ کل اور جمیع (تمام۔ سارے) یہ دونوں ان الفاظ کے مفہوم کا عام ہونا بتلاتے ہیں جن کی طرف ان کی اضافت ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿کل نفس ذائقه الموت﴾. (آل عمران:185)

ترجمہ: ہر جاندار موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔

2۔ وہ جمع جو الف لام تعریف کے ساتھ ہو۔ جو استغراق (تمام فرد کے شامل ہونے) کرتی ہو یا وہ جمع جو اضافت کے ساتھ ہو۔

مثالیں

﴿ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾. (البقرة: 195)

ترجمہ: اور احسان کیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ اَلْمُحْسِنِيْنَ عام ہے، اس پر الف لام داخل ہے۔ اور یہ عام احسان کرنے والوں پر صادق آتا ہے۔

عام اور جمع کی مختلف اقسام کا حکم

عموم کے لحاظ سے جمع خواہ مذکر سالم ہو یا مونث سالم، یا جمع مکسر ہو، اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ سب عموم کے الفاظ ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مذکر و مونث کو بتانے کے لئے جو جمع کے الفاظ استعمال

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہوتے ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں

1۔ جمع کی ایک قسم وہ ہے جو صرف مذکر پر دلالت کرتی ہے، اس میں مونث شامل نہیں ہوتی۔ اور اس کے برعکس بھی ایسا ہی ہے۔ ہاں اس لفظ کے علاوہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو یہ بتلائے کہ اس لفظ سے مراد دونوں ہیں۔ تو اس صورت میں جمع کا صیغہ مردوں اور عورتوں کو شامل ہوگا۔ چنانچہ لفظ (رجال) مردوں کے خاص مخصوص ہے اور لفظ نساء عورتوں کے ساتھ۔ کسی دلیل کے بغیر ایک سے دوسرے کے معنی مراد نہیں لے سکتے۔

2۔ دوسری عام وہ ہے جو اپنی وضع کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ جیسے ناس (لوگ) انس (انسان) بشر (انسان اور آدمی) تیسری قسم وہ ہے جس میں جمع مونث سالم کی علامت (یعنی الف اور تا) پائی جاتی ہے۔ جیسے مسلمات اور جمع مذکر سالم کی علامت (یعنی واؤ اور نون) پائی جاتی ہے، جیسے مسلمون۔

اسی طرح ماضی کے صیغوں میں جمع مذکر کے لئے واؤ اور جمع مونث کے لئے نون استعمال ہوتا ہے، اول الذکر مثال فعلوا (ان سب مردوں نے کام کیا) اور موخر الذکر کی مثال فعلن (ان سب عورتوں نے کام کیا)۔

3۔ ایسا لفظ جس پر الف لام داخل ہو، اور وہ استغراق کے معنی کے لئے ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْعَصْرِ. اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ. اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ. وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾. (العصر)

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی بے شک انسان نقصان وخسارہ میں ہے، مگر ہاں وہ لوگ جو ایمان لائے، اور نیک کام کئے، ایک دوسرے کو دین حق پر قائم رہنے کی تلقین، اور ایک دوسرے کو صبر وتحمل کی تاکید کرتے رہے۔

اس آیت میں لفظ انسان عام ہے اور تمام افراد کو شامل ہے۔

4۔ اسماء موصولہ یعنی ضمیریں: جو، جن، جس، جو کچھ (ما، مَن الذی، الذین، التی، ھولاء، اولئک وغیرہ، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا﴾. (النساء10)

ترجمہ بلاشبہ جو لوگ بغیر کسی شرعی حق کے یتیموں کے مال کھاتے ہیں تو اس کے سوا کچھ نہیں کر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔اور عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

اس میں لفظ الذین (یعنی جو لوگ) عام ہیں۔

5۔ اسمائے شرط، جیسے من (جو شخص) ما (جو چیز) این (جہاں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾۔(البقرہ:185

ترجمہ: سو جو شخص تم میں سے اس مہینے کو پائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔

اس آیت میں لفظ مَنْ (جو شخص جو کوئی) عام ہے۔

6۔ نفی یا نہی کے سیاق میں (یعنی نفی یا نہی کے صیغہ کے بعد) جو نکرہ آئے وہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔

مثالیں

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾۔(التوبہ:84)

ترجمہ: اور اے پیغمبر! آئندہ ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اس کی جنازے کی نماز نہ پڑھیں اور نہ ہی ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان کے لئے دعا مانگیں۔

اس آیت میں لفظ اَحَدٍ عام ہے، یہ نہی کے سیاق میں آیا ہے، اس سے عموم مراد ہوگا یعنی کسی بھی کافر و مشرک کی نماز جنازہ یا اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔

عام کی تخصیص اور مخصِّص کی اقسام

یہ بات آپ پڑھ چکے ہیں کہ عام اپنے مفہوم کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اور اس کی دو اقسام ہیں، جو دلیل عام کے حکم کو کچھ حد تک خاص کر دیتی یا اُس کی تخصیص کو بتلاتی ہے اس کو مخصص پہلے صاد کی زیر کے ساتھ کہتے ہیں۔(33)

مُخصِّص کی سات قسمیں

1۔ وہ مستقل کلام جو عام سے ملا ہوا ہو۔

2۔ وہ مستقل کلام جو عام سے علیحدہ ہو۔

3۔ عقل کی بنیاد پر تخصیص

4۔ عرف کی بنیاد پر تخصیص

5۔ سنت کی بنیاد پر تخصیص

6۔ شرط کی بنیاد پر تخصیص

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

7۔ خبر واحد کی بنیاد تخصیص

1-وہ مستقل کلام جو عام سے ملا ہوا ہو

مستقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلام فی نفسہ مکمل ہو، اور عام کے ساتھ ملے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخصص اس کے ساتھ مذکور ہو، اس طرح کہ عام کے بعد اس کا ذکر کیا جائے۔

مثال: اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾. (البقرة 185)

ترجمہ: سو جو شخص تم میں سے اس مہینے کو پائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔

اس آیت میں لفظ مَنْ (جو شخص) عام ہے، اور اس میں وہ شخص داخل ہے، جو رمضان کے مہینہ میں موجود ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ روزے رکھے۔ لیکن اس عموم کی تخصیص اس کے بعد آنے والے بعض افراد سے ہوتی ہے، یہ مریض اور مسافر ہیں۔ اس کی دلیل وہ مستقل کلام ہے جو اس کے بعد اس سے ملا ہوا ہے، اور وہ یہ آیت ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾. (البقرة 185)

ترجمہ: جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس کے ذمہ اور دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرنا ہے۔

بیمار اور مسافر اس نص میں شامل نہیں ہیں جس سے روزہ ان لوگوں پر فرض ہوتا ہے، جو اس ماہ میں موجود ہوں۔ لیکن فوراً بعد والی آیت اِس حکم کی تخصیص کرتی ہے۔

2-ایسا مستقل کلام جو عام سے جدا ہو

یہ وہ کلام ہے جو فی نفسہ تو مکمل ہو، لیکن اس نص سے ملا ہوا نہ ہو جس میں لفظ عام وارد ہوا ہے۔ جس طرح سابقہ مثال میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔

مثال: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾. (البقرة 228)

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

اس آیت میں لفظ مطلقات عام ہے۔ اور یہ لفظ مطلقہ عورت کو شامل ہے۔ خواہ اس کے خاوند نے اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کئے ہوں، یا ازدواجی تعلقات قائم نہ کئے ہوں۔ اس آیت کی رو سے طلاق یافتہ عورتوں پر عدت گزارنا ضروری ہے۔ لیکن یہ عموم صرف ان عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کے ساتھ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جنسی (Sexual) ازدواجی تعلق قائم ہو چکا ہو۔ اور وہ مطلقہ عورتیں جن کے ساتھ ابھی تک ازدواجی یعنی جنسی تعلق قائم نہ ہوا ہو، اس میں شامل نہیں ہیں۔ درج ذیل آیت اس عموم حکم میں تخصیص پیدا کرتی ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ج فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾.

(الاحزاب 49)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جس کی گنتی ان سے پوری کراؤ ان کو کچھ فائدہ (یعنی خرچ) دے کر اچھی طرح رخصت کر دو۔

اب اس عام حکم میں تخصیص کی ہدایات فوری بعد کی آیات میں نہیں بلکہ کسی اور مقام پر ہیں گویا کہ یہ ہدایات عام والے حکم سے جدا ہیں۔

دوسری مثال: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (البقرة 172)

تم پر مرا ہو جانور حرام کیا گیا ہے۔

اس میں لفظ الْمَيْتَةُ عام ہے جس میں ہر مردار داخل ہے اور مردار کا حکم یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے۔ اس کی تخصیص اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: ہمارے لئے دو مردار حلال قرار دیے گئے۔ وہ حدیث یہ ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: احلت لنا ميتتان و دمان، فاما الميتتان: فالجراد والحوت و اما الدمان فالطحال والكبد. (34)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال قرار دیئے گئے، دو مردار سے مراد مچھلی اور ٹڈی، دو خون سے مراد کلیجی اور تلی۔

3- عقل کی بنیاد پر عام میں تخصیص کرنا

عقل میں یہ صلاحیت ہے کہ ان تمام نصوص کی تخصیص کرے جو شرعی تکلیفات و احکام پر مشتمل ہیں۔ یعنی اس بات کی وضاحت کرے کہ ان تمام شرعی احکام کی پابندی کن لوگوں پر لازم ہے اور کن پر لازم نہیں یعنی اس عام حکم کی تخصیص کن لوگوں کے لئے ہے۔ اس تخصیص سے یہ نصوص ان لوگوں تک محدود ہو جاتی ہیں

Marfat.com

جو تکلیف کے اہل ہیں، اور وہ لوگ ان سے خارج ہو جاتے ہیں جو غیر مکلّف ہیں، جیسے نابالغ بچے اور دیوانے، شریعت بھی عقل کی دلیل کی تائید کرتی ہے اور تکلیف کا مدار بلوغ کے ساتھ عقل کو بھی بنایا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

عقل سے تخصیص کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ یعنی نماز قائم کرو اور كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ یعنی تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ اسی طرح وہ تمام عام نصوص جن میں شرعی تکلیفات و احکام مذکور ہیں۔ ان سب سے نابالغ بچے اور دیوانے خارج ہیں یعنی اُن پر یہ احکام لاگو نہیں ہوتے۔ ان تمام نصوص میں تخصیص کرنے والی چیز عقل ہے۔ اور اس مسئلہ میں شریعت بھی وہی بات بتلاتی ہے جو عقل بتلاتی ہے۔

4- عرف (رسم ورواج) کی بنیاد پر عام میں تخصیص کرنا

عرف ورواج بھی لفظ عام میں تخصیص کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ عرف ورواج کی وجہ سے لفظ عام میں تخصیص کی جا سکتی ہے۔

مثالیں:

- ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾.

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لئے جو شیر خوارگی کی مدت پوری کرنا چاہئے۔

اس میں الوالدات عام ہے اور اس میں تمام مائیں شامل ہیں لیکن یہاں اس سے وہ مائیں مراد ہیں جن کے خاندانوں میں اپنے بچوں کو دودھ پلانے کا رواج ہو۔ لہٰذا وہ عورتیں اس میں شامل نہیں ہوں گی اور عرف ورواج کی وجہ سے اُن کی تخصیص ہو جائے گی جن کے خاندانوں میں مائیں خود اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتیں۔

5- صفت کی بنیاد پر عام میں تخصیص کرنا:

صفت سے بھی عام کے حکم میں تخصیص ہوتی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾. (النساء 23)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ترجمہ:تم پر تمہاری مائیں، اور بیٹیاں، اور بہنیں اور پھوپھیاں، خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو۔اور رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں حرام کر دی گئی ہیں۔اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں بھی جو تمہاری ہی پرورش میں رہتی ہیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔بشرطیکہ تم ان کی ماں کے ساتھ ہم بستری کر چکے ہو۔

اس لفظ میں لفظ رَبَائِب (یعنی زیر پرورش و تربیت لڑکیاں) لفظ عام ہے۔لیکن اس کے آگے جو صفت مذکور ہے اس نے اس کی تخصیص کر دی۔یعنی اس آیت میں جن زیر پرورش لڑکیوں سے نکاح حرام ہے۔ان سے مراد وہ لڑکیاں ہیں جو ان بیویوں کی اولاد ہوں جن سے ان کا خاوند صحبت کر چکا ہے۔اور یہ لڑکیاں دوسرے خاوند سے ہوں۔اس صفت نے حرمت کے اس حکم کو ان لڑکیوں تک محدود کر دیا۔

6-شرط کی وجہ سے عام میں تخصیص کرنا

شرط کی وجہ سے بھی عام کے حکم میں تخصیص پیدا ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَاسَلَّمْتُمْ مَّآاٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾.(البقرة:233)

ترجمہ:تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کا وہ حق ان کو ادا کر دو، جو ان کو دینا تھا۔

اس آیت میں لفظِ جناح (گناہ) عام ہے کیونکہ وہ نکرہ ہے، اور سیاق نفی میں آیا ہے۔لیکن اس آیت میں ایک شرط بھی مذکور ہے جو بتلاتی ہے کہ گناہ کی نفی اس شرط یعنی اس خاص حالت تک محدود ہے، عام نہیں ہے۔

دوسری مثال:

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌج فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْم بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْدَيْنٍط وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ﴾.(النساء:12)

ترجمہ:اور جو مال تمہاری بیویاں چھوڑ کر جائیں اگر ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں نصف حصہ تمہار اور اگر اولاد ہو تو بیوی کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی حصہ ہے، اور (جو مال تم چھوڑ کر فوت ہو جاؤ) اس میں تمہاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد زندہ نہ ہو۔

اس آیت میں خاوند اور بیوی کے لئے نصف یا چوتھائی حصہ مشروط ہے کہ میت کی اولاد میں سے کوئی بھی فرد زندہ نہ ہو، اگر اولاد زندہ ہے تو پھر شوہر کو نصف اور بیوی کو چوتھائی حصہ نہیں ملے گا، بلکہ شوہر کو بیوی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کے ترکہ میں چوتھائی حصہ اور بیویوں کو شوہر کے ترکہ میں آٹھواں حصہ ملے گا۔

اس آیت میں بیوی کے مرنے کے بعد خاوند کو اُس کے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا لیکن شرط یہ ہے کہ بیوی سے کوئی اولاد نہ ہو اب اس آدھے ترکہ کے عام حکم کے ساتھ اولاد کے نہ ہونے کی شرط لگا کر مخصوص کر دیا گیا ہے۔

7- خبر واحد سے قرآن مجید کے عام حکم کی تخصیص

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید میں جو لفظ عام وارد ہوا ہو، اس کی تخصیص قرآن سے یا متواتر سنت سے جائز ہے لیکن سنت آحاد (یعنی خبر واحد) کی تخصیص میں اختلاف ہے۔ کیونکہ قرآن مجید قطعی الثبوت ہے، اور خبر واحد ظنی الثبوت ہے، اس لئے ظنی میں قطعی کی تخصیص کی قدرت نہیں ہے۔ یہ احناف کی رائے ہے۔ ان کے نزدیک قرآن مجید میں وارد ہونے والے لفظ عام کی تخصیص خبر واحد سے جائز نہیں ہے، ہاں اس کی تخصیص اس لفظ سے ہوسکتی ہے جو قوت میں اس کے برابر ہو۔ جیسے قرآن کی نص یا سنت متواترہ۔ کیونکہ تخصیص سے یہ نص ظنی الدلالت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کی تخصیص ایسے چیز سے نہیں ہوسکتی ہے جو ظنی ہو، جیسے خبر واحد۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عام کی تخصیص کسی مطلوبہ لفظ بیان (تصریح) کی قسم سے ہوتی ہے اس لئے جو لفظ اس کی وضاحت کرتا ہو وہ اس لفظ سے جس کی وضاحت مقصود ہو قوت میں اس لفظ کے برابر یا زیادہ ہونا چاہئے۔

احناف کے مقابلہ میں جمہور علماء کے نزدیک قرآن مجید میں جو لفظ عام وارد ہوا ہے اس کی تخصیص سنت آحاد (یعنی خبر واحد) کے اس لفظ سے جو خاص ہو جائز ہے، کیونکہ خبر واحد اگرچہ ظنی الثبوت ہے۔ لیکن خاص ہونے کی بنا پر قطعی الدلالت ہے۔ اس لئے دونوں برابر ہوں گئے لہٰذا قرآن میں مذکور لفظ عام کی تخصیص خبر واحد میں مذکور خاص سے جائز ہے۔

قرآن مجید میں عام الفاظ کی خبر واحد سے تخصیص کی مثالیں

1. ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾. (البقرۃ 172)

ترجمہ: تم پر مردار (یعنی مرا ہو جانور) حرام کیا گیا ہے۔

اس آیت میں لفظ مَيْتَةٌ عام ہے جس میں ہر مردار داخل ہے اور مردار کا حکم یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے۔ اور اس آیت سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ ہر قسم کے مردار حرام ہیں، لیکن درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کے جانور اس سے مستثنیٰ ہیں:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: هو الطهور ماء ه الحل میتته. (35)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

اسی طرح چوری کی سزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾. (المائدة:)

ترجمہ: اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

اس آیت کے عموم سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص چوری کرلے اُس کے ہاتھ کاٹے جائیں، قطع نظر اس کے کہ اس نے کتنی مال کی چوری کی ہے، لیکن اس آیت کے عموم کی تخصیص درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

لا تقطع اليد فی اقل ربع دینار. (36)

یعنی ایک چوتھائی سے کم دینار کی چیز کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حد سرقہ سے متعلق آیت عام ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چور کسی قیمت کی چیز بھی چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹا جانا چاہئے۔ لیکن حدیث میں چوری کا نصاب مقرر کیا گیا ہے۔ اس نصاب سے کم قیمت کی چیز چوری کرنے کی صورت میں حد سرقہ جاری نہیں ہوگی۔ صرف تعزیری سزا دی جائے گی۔

اسی طرح محرمات نکاح کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾. (النساء:24)

ان محرمات مذکورہ کے علاوہ اور باقی عورتوں کو تمہارے لئے اس طور پر حلال کر دیا گیا ہے۔ کہ تم اپنے اموال یعنی اپنے مہر کے بدلے ان کو حاصل کرو۔ بشرطیکہ نکاح سے مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ محض شہوت رانی۔

اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کریم میں مذکور جن عورتوں سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے، ان کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ لیکن قرآن کریم کے اس عموم کی تخصیص درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے جس میں بیوی کی پھوپھی اور خالہ سے بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے نکاح کی ممانعت کی گئی ہے۔

حدیث: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تنکح المراة علی عمتها ولا خالتها. (37)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس عورت یعنی اپنی بیوی کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا۔

یعنی کسی بھی عورت کے خاوند کا اس کی بیوی کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ سے نکاح نہیں ہوسکتا۔اس آیت کے عام حکم میں تخصیص خبر واحد سے ہورہی ہے۔(38)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

3- مشترک۔مؤول: (Equivocal Word)

استنباط احکام کے قاعدوں میں آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ بناوٹ (وضع) کے لحاظ سے کسی لفظ کی چار اقسام ہوں گی۔

1۔ وہ لفظ کسی خاص معنی کے لئے بنایا یا وضع کیا گیا ہوگا (خاص)۔
2۔ وہ لفظ کسی عام معنی کے لئے وضع کیا گیا ہوگا (عام)۔
3۔ وہ لفظ بیک وقت متعدد اور کئی معنی کے لئے بنایا گیا ہوگا لیکن وہ تمام معنی اس سے بیک وقت مراد نہیں لئے جاسکتے ہوں گے (مشترک)۔
4۔ تیسری قسم کے لفظ کو جب کسی خاص نشانی، سیاق وسباق، دلائل یا غالب گمان کے بعد کسی ایک معنی کے لئے محدود کر دیا جائے یا اسکے متعدد معنی میں سے کسی ایک معنی کو متعین کر لیا جائے تو وہ معنی ''مؤول'' شمار ہوگا (مؤول)۔اب وہ لفظ مشترک نہیں کہلائے گا بلکہ اُس کو مؤول کہا جائے گا۔

مشترک

لفظ مشترک، رے کی زبر کے ساتھ کا مادہ شرک باب سمع یسمع ہے اور اس کے کے حروف اصلیہ (ش۔ر۔ک) ہیں۔اسکے لغوی معنی شریک ہونا ہیں۔اور مشترک اس لفظ سے مفعول کا صیغہ ہے جس کے لغوی معنی ہیں ''وہ لفظ جس کے کئی معنی ہوں۔''

مؤول

یہ لفظ تاویل سے نکلا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مشترک لفظ کے متعدد معانی میں سے قرائن، دلائل یا گمان غالب کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے ایک معنی کا انتخاب کر لیا ہے تو وہ معنی مؤول ہوگا۔یعنی ہم نے اپنے وزنی دلائل کی وجہ سے اس کے کئی معانی میں سے ایک معنی کو تاویلاً اختیار کر لیا ہے اس لئے اس اختیار کئے گئے معنی کو مؤول کہیں گے۔یہ بھی ممکن ہے مختلف فقہاء اپنے ظن وگمان اور دلائل کی وجہ سے بیک وقت ایک مشترک لفظ کے مختلف معانی مراد لیں۔ان کا آپ آئندہ سطور میں مطالعہ کریں گے، اس لفظ کا مادہ اول ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مشترک کی تعریف اور مثال

المشترك لفظ وضع لمعنيين او اكثر باوضاع متعدده.(39)

یعنی مشترک وہ لفظ ہے جو دو یا دو سے زیادہ معنوں کے لئے بنایا گیا ہو، اور ہر ایک کی وضع (ساخت) علیحدہ علیحدہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشترک، خاص اور عام کے برعکس ایسا لفظ ہے جو لغت میں بیک وقت کئی معانی کے لئے وضع (بنایا جاتا ہے) کیا جاتا ہے۔

لیکن یہ بات اہم ہے کہ اُس لفظ کے متعدد معنی ہونے کے باوجود ایک ہی وقت میں سارے معنی مراد نہیں ہوتے اور نہ اس کے لئے یہ وضع کیا گیا ہے۔ بلکہ اس میں جتنے بھی مطالب شامل ہیں وہ علیحدہ علیحدہ ادا ہوتے ہیں ایک مرتبہ اس کے ایک معنی مراد لئے جائیں گے، دوسری مرتبہ کوئی دوسرے معنی۔

ایسا مشترک لفظ جس کے دو معنی ہوں اسکی مثال لفظ قروء ہے۔ اس کے معنی حیض اور طہر یعنی پاکیزہ حالت کے ہیں۔ ابتداء ہی سے اس لفظ کو انہی دونوں معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اب یہ دونوں معنی کسی جگہ بیک وقت مراد نہیں ہونگے بلکہ کسی جملہ میں اس کا معنی طہر استعمال ہوگا اور کسی جملہ میں حیض

آپ کے سامنے لفظ ''عین'' ہے۔

لفظ ''عین'' بہت سے معنوں کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ ''عین'' کے معنی جاسوس بھی ہے۔ اس کا معنی عربی میں گھٹنا بھی ہے۔ سورج اور سونا بھی ہے۔ ''عین'' کے معنی آنکھ بھی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اہل لغت نے ''عین'' کے چالیس معنی ذکر کئے ہیں۔ یعنی چالیس معنوں میں ''عین'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اب یہ لفظ مشترک ہے۔ مختلف حالات کی بنا پر یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوگا اور متعدد مقامات پر اس کے مختلف معنیٰ ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح لفظ مشتری ہے۔ یہ مشترک لفظ ہے اس لئے کہ عقد بیع کو قبول کرنے والا یعنی خریدار کو بھی مشتری کہتے ہیں اور آسمان میں جو ستارہ ہے اس کو بھی مشتری کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ ''جاریة'' ہے۔ ''جاریة'' کشتی کو بھی کہتے ہیں۔ اور لونڈی کو بھی کہتے ہیں۔ بلکہ مطلقاً ایک لڑکی کو بھی کہتے ہیں۔ چاہے وہ لونڈی ہو یا آزاد ہو۔ اس کے مختلف معنی ہو سکتے ہیں۔ تو یہ لفظ ''جاریة'' مشترک ہے۔

مشترک کا حکم

مشترک کا حکم یہ ہے کہ جب تک کوئی ایسی دلیل نہ ہو، کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جس کی بنا پر ہم ایک معنی کو

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

دوسرے معنوں پر ترجیح دیں اس وقت تک مشترک کا حکم یہ ہے کہ ہم یہ اعتقاد کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے اس لفظ سے، وہ حق ہے۔ جو بھی اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق ہے۔

لیکن اس کے بعد اگر ہمارے سامنے قرائن اور دلائل آجائیں اور دلائل کی بنا پر ایک معنی کو اور معنوں پر ترجیح دے سکتے ہوں تو پھر یہ معلوم کیا جانا چاہئے کہ وہ قرائن اور وہ علامات کیسے ہیں؟ اگر دلائل اور قرائن ظنی ہوں، یقین پیدا نہ کریں تو پھر اسی مشترک سے مؤول بن جاتا ہے اور اس مؤول کا نام ہوگا ''المؤول من المشترك''۔ اگر دلائل یقینی ہوں تو اُس لفظ کا ایک ہی معنی متعین ہوگا اور اُسکو کہا جائے گا المفسر من المشترك۔(40)

قرآن وسنت کی نصوص میں اگر مشترک لفظ آئے تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ لغوی وشرعی اصطلاحی معنی میں مشترک ہے تو شرعی اصطلاحی معنی پر اس کو محمول کیا جائے گا یعنی اُس سے شرعی معنی مراد لئے جائیں گے۔ اور لغوی دو یا دو سے زیادہ معنی میں مشترک ہے۔ تو جس معنی پر محمول کی دلیل موجود ہو اس پر اس کو محمول کیا جائے گا۔

مثالیں

1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾.

طلاق (رجعی) دومرتبہ ہے۔

طلاق کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک شرعی۔ لغوی معنی زنجیر کھول کر آزاد کرنا ہیں۔ شرعی واصطلاحی معنی میاں بیوی کے درمیان رشتہ ازدواج کو ختم کرنا ہیں۔ اس آیت میں طلاق کے شرعی واصطلاحی معنی مراد ہوں گے۔

2۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾.

اور نماز قائم کرو۔

شریعت میں لفظ صلوٰۃ سے مراد وہ معروف عبادت ہے جو مسلمان روز پانچ وقت ادا کرتے ہیں۔ لیکن صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا ہیں جو یہاں مراد نہیں ہیں۔ اس مشترک لفظ کو بجائے لغوی معنی کے اصطلاحی معنی پر محمول کرنے کا سبب یہ ہے کہ شارع نے اس کو لغوی معنی سے نکال کر شرعی واصطلاحی معنی میں استعمال کیا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہے۔اس لئے اس لفظ کی دلالت شارع کے عرف میں جس کے لئے شارع نے وضع کیا ہے متعین ہے۔اس وجہ سے ہمیں یہ معنی اختیار کرنا چاہئے۔

مؤوّل

مشترک لفظ جب تک اس کے دو معنی میں سے ایک معنی دوسرے معنی پر راجح نہ ہوں تو وہ مشترک ہے جب دو معانی میں سے ایک معنی مجتہد کی تاویل سے راجح ہو جائے تو وہ مشترک مؤول ہو جاتا ہے۔

مؤول کی تعریف

اما الموول فھو تبین ما یحتمل المشترک بغالب الرائی والاجتھاد.

مؤول کا مطلب ہے کہ مشترک لفظ کے کسی ایک معنی کو غالب رائے یا اجتہاد کی بنیاد پر ترجیح دینا۔

گویا مؤول وہ مشترک لفظ ہے جس کے متعدد معنی لغت میں پائے جاتے ہو لیکن اُس کا کوئی ایک معنی کسی عالم دین، مفتی، فقیہ یا مجتہد کی تاویل یا رائے کے ذریعہ متعین ہو جائے۔یعنی جب تک مشترک کے معنی میں سے کسی معنی کو ترجیح نہیں دی جائے گی اس وقت تک اس کو مشترک کہا جائے گا اور جب کسی ایک معنی کو مجتہد کی تاویل سے ترجیح دی جائے گی تو مشترک بعینہ مؤول ہو جائے گا۔

حکم مؤول

مؤول کا یہ حکم ہے کہ اُس پر اس معنی کے مطابق، جس معنی کا تعین ان دلائل اور ان قرائن سے ہو گیا ہو عمل لازم اور واجب ہے۔لیکن اگر بعض فقہاء کے نزدیک وہ دلائل ظنی ہیں اور یقینی نہیں ہیں اور وہ مشترک لفظ کے مؤول معنی کے ان قرائن اور ان دلائل کو نہیں مانتے بلکہ علمی بنیادوں پر ان قرائن اور دلائل سے اختلاف کرتے ہیں تو ان کو اختلاف کا حق ہے۔ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے دلائل کی بنا پر کوئی اور رائے قائم کریں۔

کوئی فریق دوسرے کو اس بنیاد پر کافر یا فاسق نہیں قرار دے سکتا۔اس لئے کہ یہ دلائل اور قرائن ظنی ہیں، یہ گمان غالب کو پیدا کرتے ہیں اور یقین کو پیدا نہیں کرتے۔اس کی مثال بالکل وہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مؤول من المشترک کی مثال

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾.(البقرہ ۲۲۸)

کہ مطلقات اپنے بارے میں تین قروء انتظار کریں گے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اب قروء کا لفظ مشترک ہے اور قرء کی جمع ہے۔اب قرء میں دو معانی ہیں۔حیض کے معنی میں بھی آتا ہے اور طہر، پاکیزگی یعنی جب عورت پاک ہوتی ہے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

حنفیہ کے پاس کچھ دلائل اور قرائن ہیں اور ان دلائل اور قرائن کی بنا پر انہوں نے ظنی طور پر یہ رائے قائم کی ہے کہ قروء سے مراد ہیں حیض۔لیکن شافعیہ ان دلائل اور قرائن کو تسلیم نہیں کرتے کہ ''قروء'' سے مراد حیض لیا جائے اُن کی رائے میں اِس سے مراد طہر یعنی پاکیزگی لی جائے۔جس طرح حنفیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ رائے قائم کریں کہ ''قروء'' سے مراد حیض ہیں اور عورت کی عدت تین حیض ہیں۔اسی طرح شافعیہ کو بھی اپنے دلائل اور قرائن کی بنا پر اس قسم کی رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہ کہیں کہ ''قروء'' سے مراد اطہار ہیں۔اب ایک وہ طہر ہے جس میں طلاق واقع ہے وہ گزر جائے اور اس کے بعد مزید دو طہر گزر جائیں تو اس عورت کی عدت ختم ہو جائے گی۔شافعیہ کے نزدیک اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کوئی اور نکاح کر لے۔شافعیہ احناف پر کفر کا فتویٰ نہیں دے سکتے اور احناف ان پر کفر کا فتویٰ نہیں دے سکتے۔اس لئے کہ یہاں ''قروء'' سے حیض کا معنی متعین ہے تو وہ گمان غالب کی بنا پر ہے اور اگر ''قروء'' سے طہر کا معنی متعین ہے تو وہ بھی گمان غالب کی بنا پر ہے۔ہر طرف سے جو دلائل اور قرائن ہیں ان کا جواب دیا جا سکتا ہے اور وہ قطعی نہیں ہیں بلکہ ظنی ہیں۔وہ گمان غالب کو پیدا کرنے والے ہیں۔اسے کہتے ہیں ''مؤول من المشترک''۔(14)

المفسر من المشترک کی مثال

اگر ایسے قرائن اور دلائل سے ہم کسی مشترک لفظ کا ایک معنی متعین کریں جو یقینی اور قطعی ہو تو اسکے بعد ہم پر لازم ہوگا کہ اسی ایک معنی پر عمل کریں بلکہ ہم یقین کر لیں کہ بس یہی معنی معین ہے۔اسے کہتے ہیں ''المفسر من المشترک''۔یعنی اس کا نام ہو گیا ''المفسر من المشترک''۔

اصولیین نے اس کی مثال قرآن وسنت سے تو نہیں دی ہے، معاملات کی بنا پر دی ہے۔فرض کیجئے کہ ایک شخص نے یہ کہا کہ

''لفلان علی عشرۃ دراھم''

فلاں شخص کے مجھ پر دس روپے لازم ہیں۔یہ عشرۃ دراھم کا لفظ مشترک ہے۔فرض کیجئے کہ ایک شہر میں مختلف قسم کے سکے چلتے ہیں، افغانی سکے بھی چلتے ہیں، پاکستانی سکے بھی چلتے ہیں، ہندوستانی سکے وغیرہ۔لیکن ایک سکہ ایسا ہے کہ اس کا رواج دیگر سکوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔اگر وہ شخص اپنے کلام میں تصریح نہ کر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

دے تو ہم گمان غالب کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہاں پر دس روپے مراد ہیں غالب سکے کے لحاظ سے، گویا کہ پاکستانی سکے دس روپے فلاں کے مجھ سے واجب ہیں۔ یہ تعین جو ہم نے کیا ہے، گمان غالب کی بنا پر کیا ہے۔ اس لئے کہ عام طور پر جو تبادلہ ہوتا ہے، وہ غالب سکے کی بنا پر ہوتا ہے۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً دیگر سکے چلتے ہیں۔

لیکن ایک شخص نے اگر یہ کہا کہ

"فلان علی عشرة دراهم من نقد بخارا".

کہ فلاں شخص کے مجھ پر "بخارا کے سکے" کے دس روپے ہیں۔ یا اس نے کہا کہ ہندوستانی یا افغانی سکے کے لحاظ سے۔ اب "مفسر من المشترک" ہے۔

اس لئے کہ اس متکلم نے خود ہی بیان کر دیا کہ میری مراد یہ ہے۔ اب یہ بخارا کے دس روپے قطعی طور پر اس پر لازم ہو گئے۔ اب اس میں کسی اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ نصوص میں اگر اس قسم کا لفظ مشترک پایا جائے اور اس کے بعد صاحب شرع اپنی طرف سے خود ہی تشریح اور تفسیر کر دے تو اس کے بعد اس مشترک لفظ کے معنی میں اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ سب لوگوں کا اتفاق ہوتا ہے کہ اس مشترک سے پھر فلاں معنی کو مراد لیا جائے اور فلاں معنی مراد لیا جائے۔ تو یہ ہے "مفسر من المشترک"۔

عربی زبان میں مشترک الفاظ کے موجود ہونے کے چار اسباب

دنیا کی تمام زبانوں کی طرح عربی زبان میں بھی مشترک الفاظ موجود ہیں، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ فقہاء نے اس کے کئی سبب بیان کئے ہیں، ان میں سے چار اہم اسباب درج ذیل ہیں:

1۔ الفاظ کے مختلف معانی کی وضع میں عرب قبائل کا اختلاف۔ ایک قبیلہ ایک لفظ کسی معنی کے لئے وضع کرتا ہے، اور دوسرا قبیلہ اسی لفظ کو کسی دوسرے معنی کے لئے وضع کرتا ہے اور تیسرا قبیلہ کسی تیسرے معنی کے لئے وضع کرتا ہے۔

2۔ کبھی ایک لفظ ایک معنی کے لئے وضع کیا جاتا ہے، پھر مجازاً دوسرے معنی میں استعمال ہونے لگتا ہے۔ اس کے بعد اس کا مجازی استعمال مشہور ہو جاتا پھر ہم تک یہ اس طرح پہنچتا کہ اس لفظ کے دو معنی ہیں، حقیقی اور مجازی۔

3۔ کبھی کوئی لفظ مشترک طور پر دو معنی کے لئے ہی وضع کیا جاتا ہے۔ اور ان دونوں پر ان کا اطلاق درست سمجھا جاتا ہے۔ پھر لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ لفظ مشترک معنی کے لئے وضع کیا گیا

Marfat.com

ہے۔

اسی طرح لفظ نکاح ہے، اس کے معنی ملانے کے ہیں۔اس کا اطلاق نفس عقد پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ اس میں دونوں لفظ یعنی ایجاب وقبول کا ملانا ہوتا ہے۔اسی طرح اس کا اطلاق، وطی (صحبت۔جنسی تعلقات قائم ہونا) پر صحیح ہے۔لیکن عقد کے معنی میں اس کا استعمال مشہور ہو گیا، تو بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ عقد کے معنی میں اس کا استعمال حقیقت ہے اور دوسرے معنی ہیں مجاز۔کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ وطی (صحبت) کے معنی میں یہ لفظ حقیقت ہے اور عقد کے معنی میں مجاز۔

4۔ ایک لفظ لغت میں کسی خاص معنی کے لئے وضع کیا جاتا ہے۔جیسے لفظ صلوٰۃ ہے۔لغت میں صلوٰۃ دعا کو کہتے ہیں۔پھر شرعی اصطلاح میں اس کو معروف عبادت یعنی نماز کے لئے وضع کر لیا گیا۔(42)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(1/2) الفاظ کے استعمال کے لحاظ سے چار اقسام:

1- حقیقت 2- مجاز 3- صریح 4- کنایہ

ابھی تک آپ اصول فقہ کے اس موضوع ''استنباط احکام کے طریقے'' میں کسی الفاظ کے وضع یعنی اس کی بناوٹ کے لحاظ سے مختلف اقسام کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اس میں گزر چکا ہے کہ عربی لغت میں کوئی بھی لفظ خاص معنی کے لئے بنایا گیا ہوگا یا عام معنی یا مشترک معنی کے لئے۔

اب آپ مطالعہ کریں گے کہ وہ مختلف الفاظ جو مختلف معانی کے لئے وضع کئے گئے تھے ان کا استعمال کس طریقہ سے ہو رہا ہے۔ اب اس بحث میں ان الفاظ کا وضع کے لحاظ سے نہیں بلکہ استعمال کے لحاظ سے جائزہ لیا جائے گا۔

حقیقت ومجاز اور اس موضوع کی اہمیت

اس لحاظ سے الفاظ کو پہلے دو طرح سے استعمال کیا جائے گا، حقیقی لحاظ سے یا مجازی لحاظ سے اور پھر دونوں طریقہ استعمال سے مفہوم صریحاً واضح ہو رہا ہوگا یا کنایۃً واضح ہو رہا ہوگا۔ حقیقی اور مجازی معنی میں اگر مشابہت بہت ہو تو اس کو استعارہ بھی کہتے ہیں۔ مثلاً گیدڑ یا بکری کے الفاظ حقیقی طور پر ایک خاص جانور کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن مجازی طور پر اس سے مراد بزدلی بھی لی جاتی ہے۔ جب کسی انسان کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ گیدڑ ہے یا بکری کی طرح ہے تو اب یہ اس لفظ کا حقیقی استعمال نہیں بلکہ مجازی استعمال ہے اور اپنے معنی واضحاً یعنی صریحاً دے رہا ہے کہ آدمی بزدل ہے۔

اگر یہ لفظ اس طرح استعمال کیا جائے کہ فلاں نوجوان گیدڑ نما انسان ہے تو اس سے یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی شکل یا منہ گیدڑ کی طرح ہے یا یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ وہ گیدڑ کی طرح بزدل ہے۔ اب یہ لفظ یا فقرہ مجازاً بھی اپنے معنی واضح طور پر یا صریحاً نہیں دے رہا بلکہ کنایتاً دے رہا ہے۔ مزید تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

اس بحث کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص سے انسانوں کے لئے احکام حاصل کرتے ہوئے مجتہد، فقیہ یا مفتی کو اس بات کا جائزہ لینا پڑے گا کہ یہ لفظ یا ترکیب حقیقی معنی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

میں استعمال ہورہی ہے یا مجازی معنی میں مستعمل ہے۔اس استعمال کے لحاظ سے وہ اس سے حکم مستنبط کرے گا یہ نہیں ہوسکتا کہ قرآن مجید کسی لفظ کو مجازی طور پر استعمال کررہا ہو اور فقیہ اُس سے حقیقی معنی مراد لے رہا ہو مثلاً لفظ ''اعمٰی'' اندھا ہونا حقیقی معنی آنکھوں سے اندھا میں بھی استعمال ہوا ہے اور مجازی معنی عقل سے اندھا سوچ سمجھ سے عاری کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اس طرح لفظ ''قریۃ'' بستی اور دیہات کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور بستی و دیہات کے باشندوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اس لئے یہ بحث بھی استنباط احکام میں اہم ہے۔

لفظ کی کسی معنی میں استعمال کے اعتبار سے قسمیں

عربی زبان میں ایک لفظ اپنی معنی میں دو حیثیتوں سے استعمال ہوسکتا ہے،ایک وہ معنی جس کے لئے اس لفظ کو وضع کیا گیا ہے، دوسرے وہ معنی جس کے لئے اس کو وضع نہیں کیا گیا۔ان دونوں میں استعمال کے اعتبار سے لفظ کی چار قسمیں ہیں۔

1۔ حقیقت 2۔ مجاز 3۔ صریح 4۔ کنایہ۔

1- حقیقت کا بیان

حقیقت کی تعریف

لغوی طور پر حقیقت سے مراد ثابت ہے یعنی جو چیز معلوم ہو۔

اصطلاح میں حقیت کی تعریف یہ ہے۔

ھی کل لفظ ارید بہ ما وضع لہ فی الاصل لشئی معلوم.(43)

حقیقت وہ لفظ ہے جو ایسے معنی کے لئے استعمال ہو جس کے لئے اس کو وضع کیا گیا ہے اور اس لفظ کے معنی معلوم و متعین ہوں۔

یعنی لفظ کسی معنی کے لئے اس طور پر متعین کیا جائے کہ وہ لفظ اس معنی پر بغیر کسی اشارہ، نشانی یا قرینہ کے دلالت کرے مزید اس معنی پر دلالت کرنے میں وہ کسی قرینہ کا محتاج نہ ہو۔فقہاء نے حقیقت کی درج ذیل تین اقسام بیان کی ہیں:

1۔ لغوی حقیقت 2۔ شرعی حقیقت 3۔ عرفی حقیقت

Marfat.com

لغوی حقیقت

لغوی حقیقت کا مطلب یہ ہے کہ کسی لفظ کو ایک معنی کے لئے متعین کرنے والے اہل لغت ہوں۔یعنی کوئی لفظ اپنے ان لغوی معنی میں مستعمل ہو جن کے لئے اس کا بنایا گیا ہے۔جیسے مریخ۔مشتری سورج ، چاند اور ستارے۔یہ الفاظ لغت میں ایسے سیاروں کے لئے استعمال کیے گئے ہیں جو روشن ہیں ، اور یہ عام طور پر معروف ہیں۔

شرعی حقیقت

شرعی حقیقت کا مطلب یہ ہے کہ شارع (اللہ تعالیٰ) نے کسی لفظ کو ایک مخصوص معنی کے لئے متعین کر دیا ہو۔اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔کہ کوئی لفظ اپنے شرعی معنی میں استعمال کیا گیا ہو۔یعنی اس میں وہ معنی ہوں جو شارع نے اس سے مراد لئے ہیں جیسے قربانی ،صوم ،بیت اللہ ، حج ،زکوۃ اور صلوۃ وغیرہ۔ان کے لغوی معنی کچھ اور ہیں لیکن ان سے وہ مخصوص ومعروف عبادات مراد ہیں جو شارع نے بیان فرمائی ہیں۔اسی طرح زواج، طلاق اور خلع کے الفاظ اپنے شرعی معنوں میں جن کے لئے ان کو وضع کیا گیا ہے سمجھے جائیں گے۔

عرفی حقیقت

هی اللفظ المستعمل فی معنی عرفی خاص یصطلح علیه جماعة او طائفة معینة......الخ.(44)

یعنی حقیقت عرفیہ خاصہ سے مراد یہ ہے کہ کسی فن کے ماہرین یا کسی مخصوص جماعت نے کسی لفظ کو ایک مخصوص معنی کے لئے متعین کر دیا ہو اور وہ لفظ ان کے متعین کردہ عرفی معنی میں استعمال کیا جائے۔

حقیقت عرفی خاص سے وہ تمام اصطلاحی الفاظ مراد ہیں جو خاص پیشہ وفن یا خاص علوم میں استعمال ہوتے ہیں۔جیسے نحویوں کے عرف میں رفع ،نصب، جر اور صرفیوں کے عرف میں ضمہ،فتحہ اور کسرہ ہے ،اور علماء منطق کے یہاں حد اور ماہیت ہے۔فقہاء کے نزدیک استحسان اور عقد کی اصطلاح ہے۔اور علماء قانون کے نزدیک لفظ فسخ اور اقالہ ہیں۔دیگر فنون وعلوم کا یہی حال ہے۔

حقیقت کا حکم

فقہاء نے حقیقت کے درج ذیل تین حکم بیان کئے ہیں:

1. و حکمها وجود ما وضع له امرا کان او نهیا، خاصا کان او عاماً، نواه المتکلم

Marfat.com

اولم ینو.(45)

حقیقت کا حکم یہ ہے کہ لفظ کے معنی موضوع لہ، کا ثبوت ہو، معنی موضوع لہ، امر ہو یا نہی، خاص ہو یا عام ہو، متکلم نے اس معنی کی نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو۔

یعنی حقیقت کا حکم یہ ہے کہ جو لفظ جن معانی کے لئے وضع کیا گیا ہو اس کے لئے وہ معنی ثابت ہوں گے، چاہے اُس لفظ سے مراد امر ہو یا نہی یا وہ لفظ خاص ہو یا عام مزید اس میں متکلم کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر ایک شخص زید کی اولاد کے لئے ایک ہزار دینار کی وصیت کرے، تو یہ وصیت زید کی اولاد کے لئے ثابت ہوگی اُس کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کے لئے ثابت نہیں ہوگی چاہے وصیت کرنے والے نے تمام کی نیت کی ہو لیکن یہاں لفظ اولاد کے حقیقی معنی کو لیا جائے گا، کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے زید کی اولاد کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس کی اولاد نہیں ہے۔

مثال

ا۔ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾.(الحج:77)

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں رکوع اور سجدہ کے الفاظ فعل کے لحاظ سے خاص ہیں یعنی ان سے شرعی حقیقت کے معنی مراد لئے جائیں گے کوئی اور لغوی اور عرفی معنی نہیں سمجھے جا سکتے اور فاعل یعنی رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لحاظ سے عام ہے۔ کیونکہ لفظ ''امنو'' عام ہے اور اس میں تمام ایمان والے شامل ہیں اب اس مثال میں خاص اور عام دونوں کا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا اس طرح حقیقت میں خاص، عام امر و نہی تمام شامل ہو جاتے ہیں۔ اور معنی موضوع لہ یعنی حقیقت دونوں کے ساتھ جمع ہے رکوع کے معنی موضوع لہ انحناء (یعنی جھکنا) اور سجدہ کا معنی پیشانی کو زمین پر رکھنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ب. ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾.(بنی اسرائیل:33)

اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر کسی شرعی حق کے ساتھ۔

قتل کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اتنی اذیت دی جائے کہ اس کی روح نکل جائے اور وہ مر جائے۔ یہ ممانعت اسی حقیقت کے لئے ثابت ہے اس لئے اس کا ناحق ارتکاب جائز نہیں ہے۔ لہذہ اس سے حقیقی قتل مراد ہوگا مجازی معنی مراد نہیں ہوگا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۲۔ حقیقت کا دوسرا حکم یہ ہے کہ لفظ کا جو حقیقی معنی ہو اس کے علاوہ دوسرا معنی مراد نہیں لیا جا سکتا، چنانچہ لفظ باپ سے مراد باپ ہی ہوگا دادا مراد نہیں ہوگا۔ کیونکہ لفظ "اَب" باپ کے لئے حقیقی ہے اور دادا کے لئے مجازی طور پر استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ حقیقت کا تیسرا حکم یہ ہے کہ اس کو مجاز پر ترجیح دی جائے۔ اسلئے جہاں تک ممکن ہو لفظ کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا، اور حکم حقیقت کے لئے ثابت ہوگا مجاز کے لئے ثابت نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی خاص انسان مثلاً ابو بکر کی اولاد کے لئے کچھ وصیت کر جائے تو اُس اولاد سے مراد اُس کے حقیقی بیٹے اور بیٹیاں ہونگی نہ کہ اولاد کی اولاد۔

Marfat.com

2- مجاز کا بیان

مجاز کی تعریف

لغوی طور پر مجاز سے مراد تجاوز کرنا ہے۔یعنی جو لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہ ہو رہا ہو بلکہ اپنے معنی سے تجاوز کر رہا ہو اسے مجاز کہتے ہیں۔

اصطلاح میں اس سے مراد:

هو كل لفظ مستعار لشئي غير ما وضع له لمناسبة بينهما.(وهبه الزحيلى.اصول الفقه الاسلامى/356)

مجاز سے مراد ایسا لفظ ہے جو معنی موضوع لہ (جس کے لئے لفظ کو وضع کیا گیا ہو یا بنایا گیا ہو) کے علاوہ معنی غیر موضوع لہ (جس کے لئے لفظ کو وضع نہ کیا گیا ہو یا بنایا نہ گیا ہو) کے لئے استعمال کیا جائے۔اور یہ استعمال اس مناسبت کی وجہ سے ہو جو معنی موضوع لہ اور غیر موضوع لہ کے درمیان موجود ہو۔

یعنی مجاز وہ لفظ ہے جو ایسے معنی کے لئے استعمال ہو جس کے لئے اس لفظ کو وضع نہیں کیا گیا، اور یہ استعمال حقیقی و مجازی معنی کے درمیان کسی تعلق کی بنا پر ہو اور کوئی ایسا قرینہ، اشارہ یا نشانی موجود ہو جو یہ واضح کر رہی ہو کہ یہاں اس لفظ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔اور تعلق سے مراد ذہنی رابطہ ہے جو اس لفظ کے حقیقی معنی اور مستعمل معنی کے درمیان بننے والے کے ذہن میں موجود ہو۔

قرینہ سے مراد وہ علامت ہے جس میں یہ بتانے کی صلاحیت ہو کہ یہاں اس لفظ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

جس طرح آپ اس بحث کی ابتداء میں لفظ گیدڑ اور بکری کا حقیقی اور مجازی معنی پڑھ آئے ہیں۔اب یہ دونوں الفاظ مجازی معنی بزدلی کے لئے نہیں بنائے گئے تھے لیکن اس معنی کے یہ مجازی معنی بولنے والے اور سننے والے کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں اس لئے ان دو الفاظ کو اکثر مجازاً بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تعلق کی سات قسمیں

جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کسی لفظ کے حقیقی معنی میں استعمال ہونے کے بجائے مجازی استعمال کی وجہ دونوں کے درمیان ایک تعلق ہوتا ہے جو (سامع) سننے والے کے ذہن میں موجود ہوتا ہے اس طرح حقیقی معنی اور مجازی معنی کے درمیان تعلق کی درج ذیل سات اہم (7) قسمیں ہیں۔

1۔ مشابہت 2۔ الکون 3۔ الایلولۃ 4۔ استعداد

5۔ حلول 6۔ جزئیت یا اس کا عکس 7۔ سببیت۔

1۔مشابہت:(46)

مشابہت سے مراد یہ ہے کہ لفظ کے حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان کوئی خاص وصف مشترک ہو۔جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے یہ اشعار پڑھ کر استقبال کیا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

کوہ وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔

و جب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں گے۔

اس شعر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر (چاند) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ماہ کامل اور آپ کے چہرہ انور کے درمیان روشنی اور چمک دمک میں مشابہت اور اشتراک ہے۔اور آپ کے استقبال کے لئے اس شعر کو پڑھنا اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں بدر سے مراد حقیقی معنی چاند نہیں اور مجازی معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔

2۔الکون

الکون کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو ایسی صفت سے پکارنا جو اس میں پہلے تھی اب نہیں ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ﴾.(النساء:2)

ترجمہ:اور یتیموں کا مال (جو تمہاری تحویل میں ہو) ان کے حوالے کر دو،اور ان پاکیزہ اور عمدہ مال کو اپنے ناقص و گھٹیا (اور) برے مال سے تبدیل نہ کرو۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس آیت میں یتیموں سے مراد وہ افراد ہیں جو بالغ ہوں اور سن رشد کو پہنچ چکے ہوں۔ اور اس سے پہلے وہ یتیم رہ چکے ہوں۔ کیونکہ یتیم کو مال اس کے بالغ ہونے کے بعد ہی سپرد کیا جا سکتا ہے۔ یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں۔ جس کا باپ فوت ہو چکا ہو گویا کہ یتیمی کی مدت بلوغت تک ہے اس کے بعد وہ یتیم نہیں ہے۔ اس کی دلیل میں یہ آیت ہے:

﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾. (النساء:3)

ترجمہ: اور یتیموں کے عقل شعور کا جائزہ لیتے رہا کرو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں (یعنی بالغ ہو جائیں) تو پھر اگر تم ان میں سمجھ بوجھ و اہلیت دیکھو تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔

اب جوانی کے بعد اُن کو یتیم نہیں کہا جا سکتا لیکن یہاں یہ لفظ مجازاً سابقہ تعلق کی وجہ سے کہا جا رہا ہے اس کو الکون کہتے ہیں۔

۳۔ الایلولۃ

الایلولۃ کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو اس نام سے پکارنا جو مستقبل میں وہ بننے والی ہے۔ جیسے ایک قیدی نے جیل میں اپنا خواب بیان کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیٓ اَرٰنِیٓ اَعْصِرُ خَمْرًا﴾ (یوسف:36)

ترجمہ: ان دو میں سے ایک نے (اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا) میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں انگور سے شراب نچوڑ رہا ہوں۔

اس آیت میں انگور کو خمر (شراب) سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ انگور کے شیرہ ہی سے شراب بنتی ہے اس لئے اسے بنت العنب یعنی انگور کی بیٹی کہا جاتا ہے۔ اس لئے اس کا یہ کہنا کہ میں خمر (شراب) نچوڑ رہا ہوں، یعنی انگور کو نچوڑ کر شیرہ شراب میں تبدیل کر رہا ہوں جو کہ بعد میں خمر یعنی شراب بن جائے گا مجازی معنی میں استعمال ہے حقیقی میں نہیں۔

4۔ استعداد

استعداد سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اس میں موجود قوت، صلاحیت اور کوئی خاص اثر پیدا کرنے کی قوت اور استعداد کے نام سے پکارنا۔ جیسے کہتے ہیں: زہر انسانوں کے لئے مہلک ہے۔ یعنی اگر انسان زہر کھا لے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تو زہر میں ہلاک کرنے کی قوت واستعداد موجود ہے۔اب یہاں لفظ مہلک مجازاً استعمال ہو رہا ہے۔

5۔حلول

حلول سے مراد یہ ہے کہ جگہ و مقام کا ذکر کر کے اس سے وہ چیز مراد لینا جو اس جگہ یا مقام میں موجود ہو۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾.

آپ اس بستی سے دریافت کریں۔

یہاں بستی سے مراد بستی کے باشندے ہیں۔مقام کا ذکر کر کے اس کے اندر رہنے والے انسان اور باشندہ مراد ہیں۔اور یہ مجازاً ہے حقیقۃً نہیں اور حقیقت کا مجاز سے یہ تعلق حلول کی قسم کا ہے۔

6۔جُزئیت یا اس کا عکس

جُزئیت یا اس کا عکس، اس کا مطلب یہ ہے کہ جُزء بول کر کُل مراد لینا یا کُل بول کر جُزء مراد لینا۔

جزء بول کر کل مراد لینا کی مثالیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾. (البلد 13)

کسی کی گردن کو چھڑا دینا ہے۔

اسی طرح ظہار کے کفارہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ﴾. (المجادلة 3)

تو ان کے ذمہ ایک غلام (یا باندی) آزاد کرنا ضروری ہے۔

ان دونوں آیتوں میں رقبہ (گردن) سے غلام مراد ہے، گردن غلام کا ایک حصہ ہے۔اس سے مراد پوری غلام کی آزادی ہے۔یہاں جز بول کر مجازی طور پر کل مراد لیا گیا ہے۔

دوسری مثال:

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾. (اللهب 1)

ترجمہ:ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔

اس آیت کریمہ میں ابولہب کے ہاتھوں سے ابولہب کی ذات وشخصیت مراد ہے۔یہ بھی مجازاً جز بول کر کل کی مثال ہے کیونکہ ہاتھ انسانی بدن کا جز ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کل بول کر جزء مراد لینے کی مثال:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ﴾. (البقرة:19)

ترجمہ: جو لوگ موت کے ڈر کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔

یہاں انگلیاں بول کر انگلیوں کے پورے مراد لئے گئے ہیں۔ کیونکہ پوری انگلی کان میں داخل نہیں ہو سکتی۔ یہ کل بول کر جزء مراد لینے کی مثال ہے جو مجازاً استعمال ہوتی ہے حقیقتاً استعمال نہیں ہوتی۔

7۔ سببیت

سببیت سے مراد یہ ہے کہ سبب بول کر مُسبَّب مراد لیا جائے یا مسبب بول کر سبب مراد لیا جائے۔

سبب بول کر مسبب مراد لینے کی مثال:

مثلاً کوئی شخص یہ کہے:

رَعَيْنَا الْغُيُثَ یعنی ہم نے بارش کو چرایا۔ اس جگہ الْغُيُث سے گھاس اور نباتات مراد ہیں۔ اس مثال میں سبب یعنی الغیث بول کر اس سے مُسبَّب گھاس اور نباتات مراد لی گئی ہیں۔ کیونکہ بارش کے بعد زرخیز زمین میں گھاس اور چارہ وغیرہ اگنا شروع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ''فلاں اکل دم اخی''۔ فلاں شخص نے اپنے بھائی کا خون کھایا۔ یعنی اس نے اپنے بھائی کے خون بہا (دیت) کی رقم کھالی، خون بہا دیت کا سبب ہوتا ہے۔

مسبب بول کر سبب مراد لینے کی مثال:

مسبب بول کر سبب مراد لینے کی مثال اللہ تعالیٰ یہ ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ﴾. (غافر:13)

ترجمہ اللہ وہی تو ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا اور تمہارے اوپر آسمان سے رزق اتارتا ہے اور نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں رزق سے مراد مطر یعنی بارش ہے۔ جو کہ مخلوق کے رزق کا سبب ہے۔ یہاں رزق مسبب ہے اور بارش سبب ہے، تو یہاں مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہ کہے کہ تم عدت گزارو، تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کو طلاق

Marfat.com

دینا چاہتا ہے، کیونکہ طلاق عدت کا سبب ہے۔یہاں مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے اور یہ اس لفظ کا حقیقی استعمال نہیں ہے بلکہ مجازاً ہے۔(47)

استعارہ ومجاز مرسل

ان سات اقسام میں اگر حقیقت اور مجاز کے درمیان مشابہت یعنی پہلی قسم کا تعلق ہو تو اس کو استعارہ کہتے ہیں اور ان دو کے درمیان اگر بقیہ چھ اقسام کا تعلق ہو تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔

حقیقت کو مجاز بنانے والے قرینہ کی تعریف اور قسمیں

قرینہ نشانی یا اشارہ کو کہتے ہیں یعنی اس سے مراد وہ علامت یا نشانی ہے جس میں یہ بتانے کی صلاحیت ہو کہ اس آیت یا حدیث میں اس لفظ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے بجائے مجازی معانی مراد ہیں۔گویا کہ لفظ کو حقیقی معنی میں استعمال کرنے کے بجائے مجازی معنی میں استعمال کرنے کے بھی چند اصول ہیں۔ان اصولوں کو قرینہ کہتے ہیں:

قرینہ کی چار قسمیں

جو قرینہ یہ بتلائے کہ اس لفظ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ مجازی معنی مراد ہیں، اس کی کئی اقسام ہیں اور اہم چار قسمیں ہیں۔

1۔قرینہ حسیہ

حسی قرینہ اس کو کہتے جس کا ادراک حس کے ذریعے ہو، جیسے کوئی شخص یہ کہے: أَكَلْتُ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ یعنی میں نے اس درخت میں سے کھایا۔اس سے مراد اس کے پھل ہیں۔

2۔قرینہ عقلیہ

قرینہ عقلیہ کی مثال: اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ﴾.(بنی اسرائل:64)

اور ان میں سے جس کو بہکا سکے بہکا تارہ۔

اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ تو میرے بندوں میں سے جسے چاہے بہکا اور پھسلا لے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے (انما الاقدار علی الاغواء)، یعنی شیطان بندوں کو مختلف انداز سے بہکانے، پھسلانے اور وسوسہ اندازی کی صلاحیت رکھتا ہے۔یہ مطلب عقلی قرینہ سے حاصل ہوتا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

3۔قرینہ عادیہ

قرینہ عادیہ یا حالیہ (عادی یا حالی قرینہ) یعنی حسب عادت یا حالات کے مطابق کسی لفظ کے معنی مراد لئے جائیں۔مثلاً کوئی عورت اپنے خاوند کی کسی بات کے ردعمل میں فوری طور پر اپنے گھر سے نکلنا چاہتی ہو اس کا خاوند اس کو سختی سے روکنا چاہتا ہو، وہ اس طرح کہتا ہے کہ ''ان خرجت فانت طالق'' یعنی اگر تو باہر گئی تو تجھے طلاق ہے۔

تو اس کی اس بات کو انہی حالات پر محمول کیا جائے گا، اس کے علاوہ دوسرے حال پر محمول نہیں کیا جائے گا۔یعنی اس سے مراد یہ لیا جائے گا کہ اس وقت نہ جا۔قرینہ یہ بتلا رہا ہے کہ خاوند اِس وقت اپنی بیوی کو باہر جانے سے روکنا چاہتا ہے، بعد میں نہیں۔یعنی اگر اس وقت فوراً نکل گئی تو طلاق واقع ہو گی۔اگر وہ وقت گزر گیا اور اُس کے بعد وہ آتی جاتی رہی تو اُس پر خاوند اس کے قول کا اثر نہیں ہوگا یہ قرینہ عادیہ یا حالیہ ہے۔

4۔قرینہ شرعیہ

قرینہ شرعیہ (شرعی قرینہ) ایک شخص کسی کو اپنے مقدمہ کے لئے وکیل بناتا ہے، اس وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اس کی طرف سے جواب دہی کرے اور فریق مخالف کے دلائل کا دفاع کرے۔اب دفاع کی حد تک وہ وکیل ہے اس سے بڑھ کر اگر وہ فریق مخالف سے جھگڑے اُسے زدوکوب کرے اُسے قتل کی دھمکی دے تو شریعت اسے ان امور کی اجازت نہیں دیتی قرینہ شرعیہ اُسے صرف دفاع کا وکیل تصور کرتا ہے۔(47)

مجاز کا حکم

مجاز کا حکم یہ ہے کہ لفظ کے لئے جو مجازی معنی اس علاقہ میں معروف ہوں اور ثابت ہوں اور حکم کا تعلق مجازی معنی کے ساتھ ہوگا تو اس لفظ سے مجازی معنی مراد لیا جائے گا حقیقی معنی نہیں۔

مثال: جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾.(النساء 43)

ترجمہ: یا تم میں سے کوئی شخص جائے ضرورت سے فارغ ہو کر آئے۔

یہاں غائط سے مراد حدث اصغر ہے، لیکن اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں، کیونکہ غائط کے حقیقی معنی نشیبی زمین کے ہیں اور حکم اس مجازی معنی کے ساتھ متعلق ہے۔یعنی جب آدمی نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور پانی میسر نہ ہو تو وہ تیمّم کرے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اسی طرح اسی آیت میں ہے: ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ یا تم نے عورتوں کو چھوا ہے۔ یہاں عورتوں کے ساتھ ملامسہ (چھونا) کے مجازی مراد ہیں، یعنی صحبت و ہمبستری، ازدواجی و جنسی تعلقات قائم کرنا۔ اور لمس کے حقیقی معنی ہاتھ سے چھونا ہے اور وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔ احناف کے نزدیک اس جگہ حقیقی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں۔ امام شافعیؒ اس کے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اگر کلام کے حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہو تو مجازی معنی مراد نہیں لینا چاہئے۔ یعنی جہاں تک ممکن ہو کلام کو حقیقت پر ہی محمول کرنا چاہئے۔ جب تک اصلی معنی مراد لینا ممکن ہو تو مجازی مراد نہیں لینا چاہئے۔ البتہ جب حقیقت پر محمول کرنا ناممکن ہو تو پھر مجاز پر محمول کیا جائے گا کیونکہ کلام کو بامعنی بنانا اس کو مہمل (بے معنی) بنانے سے بہتر ہوتا ہے۔ (48)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

3,4- صریح و کنایہ کا بیان

آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ استنباط احکام کے طریقوں اور قاعدوں میں اصولی ولغوی قواعد پہلے نمبر پر ہیں ان قواعد میں سے پہلے آپ نے الفاظ کی وضع یا بناوت کے لحاظ سے مختلف اقسام خاص و عام وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے اُس کے بعد آپ مختلف الفاظ کے استعمال کے لحاظ سے سابقہ عنوان میں حقیقت ومجاز کا مطالعہ کر چکے ہیں۔

اب آپ مطالعہ کریں گے کہ جب کوئی لفظ حقیقی یا مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے تو اُس سے اُس کا مفہوم واضحاً سمجھ آجاتا ہے یا لفظ کے مفہوم کو سمجھنے میں بھی کچھ دشواری ہے اور مفہوم غور وفکر کے بعد حاصل ہوتا ہے، اگر مفہوم واضح ہے تو وہ صریح ہے اور غیر واضح کو کنایہ کہتے ہیں۔

صریح کی تعریف

صریح کے معنی واضح کے ہیں یعنی اس نے اپنی بات صراحت سے بیان کی۔

صریح کی تعریف یہ ہے

ما ظهر به المعنى المراد ظهوراً بيّناً بسبب كثرة الاستعمال حقيقة كان او مجازا.(49)

صریح وہ لفظ ہے جس کے معنی اور مراد کسی خاص معنی میں کثرت کے سبب بالکل واضح ہوں، خواہ وہ واضح معنی کسی لفظ کے حقیقی استعمال کے ہوں یا مجازی استعمال کے ہوں۔

حقیقی یا مجازی صورت میں الفاظ کا اظہار کرتے ہوئے صریح وہ لفظ ہے جس کے معنی و مراد بالکل ظاہر اور واضح ہوں، اور اس میں کسی طرح کوئی دوسرا احتمال باقی نہ ہو، بلکہ لفظ بولتے ہی اس کے معنی سمجھ آجائیں وہ صریح لفظ حقیقی ہو خواہ مجازی۔ گویا صریح اور کنایہ دراصل حقیقت ہی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حقیقت صریحہ اور دوسری حقیقت مجازی۔ اگر ایک لفظ حقیقی معنی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور اُس کا مفہوم بھی واضح ہے تو وہ حقیقی صریح لفظ ہوگا اگر ایک لفظ مجاز معنی میں مشہور ہو جائے اور اُس کا حقیقی معنی میں استعمال ترک ہو جائے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تو وہ حقیقی مجازی لفظ بن جائے گا۔

حقیقت صریحہ کی مثال

بِعْتُ (میں نے فروخت کیا) اِشْتَرَیْتُ (میں نے خریدا) تَزَوَّجْتُ میں نے شادی کی۔

اب اِن تینوں الفاظ میں کسی اور معنی کا احتمال ہے اور نہ ہی سننے والے کو ان کو سمجھنے کے لئے غور وفکر اور تدبر کی ضرورت ہے بلکہ ان کا مفہوم ومقصود واضحاً سمجھ آرہا ہے تو یہ ہے صریح حقیقی۔

حقیقتِ مجازی کی مثال

کسی کا یہ کہنا کہ اکلت من هذا الشجره (ای من ثمرها) میں نے اس درخت کو کھایا۔اس کا مطلب ہے کہ میں نے اس درخت کا پھل کھایا۔یعنی متکلم یہ بتلانا چاہتا ہے کہ میں نے درخت کا پھل کھایا ہے۔متکلم کی مراد یہ نہیں ہے کہ میں نے درخت کھایا۔

اسی طرح قرآن مجید میں آتا ہے ﴿ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ ﴾۔آپ اس بستی سے دریافت کریں۔

یہاں مجازی طور پر بستی سے مراد بستی کے باشندے ہیں۔مقام کا ذکر کر کے اس کے اندر رہنے والے مراد ہیں۔اور اہل عرب اس کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں،یعنی لفظ قریہ (بستی) بول کر اہل بستی مراد لیتے ہیں۔

صریح کا حکم

ثبوت الحكم الشرعی به او تحقق مقتضاه بمجر المتكلم به بلا توقف على النية.(50)

صریح کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ زبان سے نکلتے ہی اس سے کسی چیز کا وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔اور متکلم کے ارادہ ونیت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

مثلاً فروخت کرنے والے کا یہ کہنا ہے کہ بِعْتُ هٰذَا الشَّئَ میں نے یہ چیز فروخت کر دی ہے،اور خریدار کو یہ کہنا کہ اشتریت هذا الشئ ،میں نے یہ چیز خرید لی ہے، بائع اور مشتری کے اس قول سے شارع نے بائع کی طرف سے مشتری کو کسی چیز کی ملکیت منتقل ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔اس لئے اگر بیع کی صحیح ہونے کی تمام شرائط موجود ہوں تو اس لفظ کے محض بول دینے سے بیع کا حکم ثابت ہو جائے گا۔خواہ متکلم نے اس کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ اس قول کی مراد واضح اور صریح ہے۔

کنایہ کی تعریف

الكناية هی لفظ استترالمراد منه فی نفسه فلا يفهم الا بقرينة سواً كان

Marfat.com

المرادمعنی حقیقة ام معنی مجازیاً.(51)

کنایہ وہ لفظ ہے جس کے معنی و مراد پوشیدہ ہوں اور بغیر کسی قرینہ کے اس کی مراد سمجھ میں نہ آتی ہو، خواہ وہ معنی و مراد حقیقی ہوں یا مجازی ہوں۔

یعنی کنایہ حقیقی ہو یا مجازی یہ وہ لفظ ہےجس کی مراد پوشیدہ ہو، جب متکلم اس لفظ کو بولے تو سننے والے کا ذہن فوری طور پر اسکی طرف منتقل نہ ہو۔ جس طرح صریح، حقیقت و مجاز کی اقسام میں داخل ہے اور اس طرح کنایہ بھی حقیقت و مجاز کی اقسام میں سے ہے۔

مثال شوہر کا بیوی سے درج ذیل کلمات میں سے کوئی کلمہ کہنا:

اعتدی: تم اپنی عدت گزارو۔ حبلك علی غاربك: تیری رسی تیرے کندھے پر ہے۔

انت طالق: تم جدا ہو۔ الحقی باھلك: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔

ان الفاظ کے کئی معنی ہیں۔ اس لئے خاوند سے اس کی حقیقی مراد اور نیت کے بارے میں پوچھ کر ان الفاظ کے معنی کا فیصلہ کیا جائے گا۔

کنایہ کا حکم

حکم الکنایة ان لا یجب العمل بھا الا بالنیةای بنیة المتکلم لکونھا مستترة المراد.(52)

کنایہ کا حکم یہ ہے کہ متکلم کی نیت کے بغیر اس پر عمل کرنا ضروری نہ ہو کیونکہ کنایہ کا معنی و مراد پوشیدہ ہوتے ہیں۔

یعنی کنایہ کا حکم یہ ہے کہ اس لفظ کے بولنے سے بغیر نیت، قرینہ یا دلالت حال کے بغیر کسی چیز کا وجوب ثابت نہ ہو۔ اگر متکلم کی نیت نہ ہو تو نیت کے قائم مقام کوئی چیز ہو جو اس کے معنی پر مراد پر دلالت کرے۔

مثلاً شوہر اپنی بیوی سے درج ذیل کلمات میں سے کوئی کلمہ کہے:

انت علی حرام: تم میرے اوپر حرام ہے، الحقی باھلك: اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا،

اعتدی: تم عدت گزارو۔

اس طرح کے کلمات سے شوہر کی مراد طلاق ہو، تو اس عورت کو اس وقت تک طلاق نہیں ہو سکتی جب تک وہ ان الفاظ کو بول کر طلاق کی نیت بھی نہ کر لے۔ اگر یہ الفاظ بول کر طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق نہیں ہوگی۔ اس طرح شریعت میں کنایۃً الفاظ پر فوراً عمل نہیں ہوگا بلکہ اُس سلسلہ میں بولنے والے سے اُس کی نیت اور مراد پوچھ کر فتوی دیا جائے گا یا مسئلہ کا حل پیش کیا جائے گا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(1/3) الفاظ کی اپنے معنی پر دلالت (واضح اور غیر واضح) کے لحاظ سے اقسام (مُتقابلات کی بحث)

اِسی باب کے ابتدائی اوراق میں اصولی ولغوی قواعد کی مثال کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے کہ احکام کا استنباط کرتے ہوئے کسی لفظ کو پانچ طریقوں سے پرکھا جائے گا۔

1- یہ لفظ کس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

2- کیا وہ لفظ اس معنی میں حقیقی طور پر استعمال ہو رہا ہے یا مجازی طور پر مزید اس سے حقیقی یا مجازی مراد صریحاً حاصل کی جاسکتی ہے یا کنایۃً۔

3- کیا وہ حقیقی یا مجازی معنی اس سے واضح طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں یا ان الفاظ کی مراد کے سمجھنے میں کچھ ابہام اور اخفاء پایا جاتا ہے۔

4- کیا اس لفظ سے جو حکم شرعی حاصل کرنا ہے وہ اسکی عبارت سے ہی حاصل ہو جاتا ہے یا اس میں کچھ مخفی اشارہ بھی ہیں جن سے مزید حکم بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

5- پھر بیان کی اقسام کا جائزہ لیا جائے گا۔ بیان تفسیر، تقریر وغیرہ

اس طرح ایک لفظ کو پانچ طریقوں سے جانچا اور پرکھا جائے گا تاکہ قرآن وسنت کے الفاظ سے احکام کا استنباط کرتے ہوئے حد درجہ احتیاط روا رکھی جائے۔

اگر ایک لفظ خاص معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور اُس کا استعمال بھی حقیقی طور پر صریحاً یا مجازاً ہو رہا ہے لیکن وہ لفظ خود یعنی فی نفسہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ انسانی عقل اُس کے مفہوم ومراد کو سمجھ ہی نہیں پا رہی تو الفاظ کے اس قسم کی جانچ پرکھ کو اصولِ فقہ، میں الفاظ کا اپنے مفہوم کو واضح یا غیر واضح کرنا کہتے ہیں۔

اب اس بحث میں آپ الفاظ کا اپنی مراد ومفہوم کی ادائیگی کے بارے میں مطالعہ کریں گے۔ ہر لفظ اپنا مفہوم اور مراد دو طرح سے بتاتا ہے واضح طور پر یا مخفی طور پر، اس مفہوم کی ادائیگی کو فقہ کی اصطلاح میں دلالت کہتے ہیں گویا کہ الفاظ اپنی مراد کو واضح کرنے میں دو اقسام کے حامل ہیں۔

1۔ واضح الدلالۃ الفاظ 2۔ غیر واضح الدلالۃ الفاظ۔

Marfat.com

1۔ واضح الدلالۃ الفاظ وہ ہیں جو اپنے معنی اور مراد کو واضح طور پر بتلاتے ہوں۔ان الفاظ کے بھی وضاحت کے اعتبار سے چار درجات ہیں۔یعنی کچھ لفظ اپنی وضاحت کم کرتے ہیں کچھ زیادہ بعض بہت زیادہ اور چند بہت ہی زیادہ اسی ترتیب سے ان کے نام یہ ہیں۔

1۔ ظاہر 2۔ نص 3۔ مفسر 4۔ محکم

وضاحت میں سب سے کم ظاہر ہے پھر اس سے زیادہ واضح نص اس سے زیادہ اپنی مراد کو آشکارا کرنے والا مفسر اور سب سے زیادہ واضح محکم ہے۔

2۔ غیر واضح الدلالۃ الفاظ وہ ہیں جس میں الفاظ کے معنی واضح نہیں ہوتے۔یہ الفاظ اپنے صیغہ سے اپنے معنی و مراد خود نہیں بتلاتے بلکہ ان کے معنی کو سمجھنے کے لئے کچھ بیرونی اشاروں سے مدد لینی پڑتی ہے یعنی ان کی مراد یا دلالت بیرونی امر پر موقوف ہوتی ہے۔اس غیر واضح الدلالہ کے مفہوم کے بھی چار درجات ہیں۔پہلی درجہ میں بعض الفاظ کے مراد کی وضاحت میں اخفاء اور پوشیدگی کم ہوتی ہے۔چند میں زیادہ کچھ میں بہت زیادہ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بالکل انسانی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں اِس لئے اِسے متقابلات کی بحث بھی کہتے ہیں۔ان کے نام یہ ہیں:

1۔ خفی 2۔ مشکل 3۔ مجمل 4۔ متشابہ

ان کو متقابلات بھی کہتے ہیں کیونکہ واضح الدلالۃ اور غیر واضح الدلالۃ الفاظ ظہور اور اخفاء کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مد مقابل بھی آتے ہیں اِس لئے اِسے متقابلات کی بحث بھی کہتے ہیں۔جن کی شکل یہ ہے۔

واضح الدلالہ	غیر واضح الدلالۃ
(1) ظاہر (کم واضح)	(1) خفی (کم غیر واضح)
(2) نص (زیادہ واضح)	(2) مشکل (زیادہ غیر واضح)
(3) مفسر (بہت زیادہ واضح)	(3) مجمل (بہت زیادہ غیر واضح)
(4) محکم (بہت ہی زیادہ واضح)	(4) متشابہ (بہت ہی زیادہ غیر واضح انسانی سمجھ سے بالاتر)

ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

1- ظہورِ مراد۔واضح الدلالۃ چار الفاظ

ا۔ظاہر (Manifest)

ظاہر کی تعریف یہ ہے:

الظاهر هو اللفظ الذی ظهر معناه بنفسه.(53)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

یعنی ظاہر وہ لفظ ہے جس کے معنی خود بخود واضح ہوں۔ جس لفظ کے معنی کو سننے والا غور وفکر کے بغیر سمجھ لے۔

ظاہر کے الفاظ کا واضح ہونا کسی خارجی امر پر موقوف نہ ہو۔ اور سیاق سے یہ بات بھی معلوم ہو کہ اس لفظ کے یہ ظاہری معنی اصل میں مقصود نہیں ہیں بلکہ اصلی مقصود اور معنی ہیں۔

ب۔ نص (Explicit)

نص صریح کلام کو کہتے ہیں اس کی تعریف یہ ہے:

هو اللفظ الذی یکون اظهر من الظاهر فی دلالته علی معناه ، و اظهر یته هذا جأت بسبب سوق الکلام له لا بنفس صیفته.(54)

نص وہ لفظ ہے جو اپنے معنی کی دلالت میں ظاہر سے زیادہ واضح ہو، اور اس کا زیادہ واضح ہونا اس سبب سے ہو کہ یہ کلام (ظاہر کے برعکس) اسی مقصد کے لئے وارد ہوا ہو اس کا زیادہ واضح ہونا خود لفظ یا صیغہ سے نہ معلوم ہوتا ہو۔

1- ظاہر اس لفظ یا کلام کو کہتے ہیں کہ جس کے صرف سننے کی وجہ سے اس سے جو مراد ہے وہ ظاہر ہو لیکن متکلم یعنی شارع اس مراد کے لئے کلام کو نہ لایا ہو بلکہ شارع کی مراد کچھ اور ہو۔

صرف کلام کا سننا ہی متکلم (شارع) کی مراد کی وضاحت کے لئے کافی ہو اور الفاظ سے زائد کسی اور قرینے کی طرف سامع فہم مراد میں محتاج نہ ہو۔ اسے ''ظاہر'' کہتے ہیں۔ ظاہر کی تعریف میں یہ بھی شامل ہے کہ اس میں متکلم اُس واضح مراد کے لئے وہ لفظ نہیں لاتا۔

2- نص اس کلام کا نام ہے جس کے بھی صرف سننے سے مراد ظاہر ہو اور سامع (سننے والا) فہم مراد میں کسی اور قرینے کو محتاج نہ ہو اور (ظاہر کے برعکس) اسی مراد کے لئے ہی متکلم وہ کلام لے کر آیا ہو یعنی معنی اور مراد جو کلام کا مفہوم ہوتا ہے، وہی اس نص سے مقصود اصلی ہوتا ہے۔

''ظاہر'' میں یہ ضروری نہیں ہے کہ جو معنی اس کلام سے ظاہر ہے صرف وہی معنی مقصود ہو لیکن ''نص'' میں یہ ضروری ہے کہ مجرد سننے کی بنا پر جو معنی واضح ہو، وہ مقصود اصلی بھی ہو اور اسی کے لئے کلام کو لایا گیا ہو اور اسی کے لئے کلام کو بیان کیا گیا ہو۔

ظاہر و نص کی مثال

ظاہر اور نص کی مثال یہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾. (البقرہ.۲۷۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے ربوا کو حرام قرار دیا۔

اب قرآن مجید کی یہ آیت بیع کی حلت میں اور ربا کی حرمت میں ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اس آیت کے صرف سننے سے ہر ایک سننے والا بغیر کسی شک وشبہ کے اور بغیر کسی اشتباہ کے یہ معنی معلوم کرسکتا ہے۔ کہ بیع جائز ہے اور ربا حرام ہے۔ لیکن بیع کی اجازت اور ربا کی حرمت یہ شارع کا اصلی مقصود نہیں ہے یعنی آیت کا اصل مقصد یہ نہیں ہے۔ اس آیت سے مقصودِ اصلی بیع اور ربٰو کی شرعی حیثیت واضح کرنا نہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان فرق واضح کرنا ہے۔

بیع اور ربا کے درمیان فرق کے اعتبار سے یعنی بیع اور چیز ہے اور رباء اور چیز ہے، قرآن مجید کی یہ آیت نص ہے۔ لیکن اباحت بیع اور حرمت ربٰو کے اعتبار سے قرآن مجید کی یہ آیت ظاہر ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اس موقف کو رد کرتی ہے جس میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾. (البقرہ ۲۷۵)

''یہ بات اس بنا پر ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بیع ربٰو کی طرح ہے''

یعنی جس طریقے سے بیع جائز ہے۔ اس طریقے سے ربٰو بھی جائز ہے تو اس کلام کو رد کرتے ہوئے اور مشرکین کے اس دعوے کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾. (البقرہ ۲۷۵)

کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز قرار دیا ہے اور ربٰو کو حرام قرار دیا ہے۔

قرآن مجید کے اس سیاق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شارع کا مقصد بیع اور ربٰو کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے مشرکین کے اس عقیدے کو رد کرنا ہے۔ اس مفہوم میں تو قرآن مجید کی یہ آیت نص ہے۔ لیکن صرف بیع کی اجازت اور ربٰو کی حرمت میں قرآن مجید کی یہ آیت ظاہر ہے۔ ربٰو اور بیع کے حکم حلال وحرام کے بارے میں یہ آیت ظاہر ہے۔ لیکن شارع نے یہ آیت اس مقصد کے لئے نازل نہیں کی تھی بلکہ اس کا مقصد مشرکین کے اس اعتراض کہ بیع اور ربٰو میں فرق نہیں ہے کا جواب دینا تھا۔ اب اس جواب کے لحاظ سے یہ آیت نص ہے۔

ظاہر ونص کے درمیان فرق

اول: یہ کہ نص کی دلالت اپنے معنی پر، ظاہر کی اپنے معنی پر دلالت سے زیادہ واضح ہوتی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

دوم: اس کلام کے لانے سے مقصود اصلی نص کے ہی معنی ہوتے ہیں۔ رہا "ظاہر" تو اس کلام کے لانے سے اس کے معنی تبعاً مقصود ہوتے ہیں۔ اصالۃ نہیں۔

سوم: نص میں تاویل کا احتمال، ظاہر میں تاویل کے احتمال سے کم ہوتا ہے۔

چہارم: دونوں کے درمیان تعارض کی صورت میں نص کو ظاہر پر ترجیح دی جاتی ہے۔

ج۔ مفسر:(Elaborated)

لفظ مفسر سین کی زبر کے ساتھ فسر سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی کھولنا ہیں۔ مفسَر اس لفظ یا کلام کو کہتے ہیں جن کے معنی کھول کر بیان کئے گئے ہیں۔ مفسر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

ماأزداد وضو حاً علی النص علی وجه لایبقی فیه احتمال التنصیص اِن کا ن عاماً ولا التاویل ان کان خاصاً.(55)

مفسر وہ لفظ ہے جس کے معنی نص کے مقابلہ میں اس طرح واضح ہوں کہ اگر وہ عام ہو تو اس میں تخصیص کا کوئی احتمال نہ ہو اور اگر وہ خاص ہو تو اس میں تاویل کا احتمال نہ ہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾.(النور:4)

"یعنی اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ اپنے دعوے پر نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسی (80) کوڑے مارو"۔

اس میں لفظ (80) میں کسی تاویل کا احتمال نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک معین عدد ہے جو نہ ساٹھ پر دلالت کرتا ہے نہ ستر اور نہ نوے پر۔ اس میں کمی بیشی نا قابل قبول ہے۔ اس لئے یہ لفظ مفسر ہے۔

مفسر کا حکم یہ ہے کہ اس پر اس کی تفسیر کے مطابق عمل ضروری ہے۔

د۔ محکم:(Unalterally Fixed)

هو اللفظ الذی ظهرت دلالتة علی معناه ظهوراً قویاً علی نحواکثر مماعلیه المفسر ولا یقبل التاویل ولا النسخ (56)

محکم وہ لفظ ہے جس کی دلالت اپنے معنی پر مفسر کی دلالت سے زیادہ قوت کے ساتھ ظاہر ہو اور وہ لفظ تاویل و نسخ قبول نہ کرے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس میں تاویل کا احتمال نہیں ہوتا کیونکہ اس کی دلالت اس درجہ واضح ہوتی ہے کہ اس میں ہر قسم کی تاویل کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔ یہ نسخ کو بھی قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ اصلی حکم کو بتلاتا ہے جو اپنی طبیعت سے کسی تبدیلی و تغیر کو قبول نہیں کرتا یا اپنی طبیعت سے اس کو قبول تو کر لیتا ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز موجود ہوتی ہے جو نسخ کے احتمال کو ختم کر دیتی ہے۔ محکم جس شے کو قطعی طور پر بتلائے۔ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس میں کسی تاویل یا تفسیر کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس میں نسخ و ابطال کا بھی احتمال نہیں ہوتا۔

مزید محکم سے مراد وہ لفظ یا کلام ہے جو اپنے معنی دلالت کے اعتبار سے مفسر سے زیادہ قوی ہو۔ وہ اپنے معنی پر اتنی وضاحت سے دلالت کرے کہ کسی بیان کا محتاج نہ ہو اور نہ اس کے معنی میں کسی اختلاف کی گنجائش ہو۔ اس میں تخصیص، تاویل اور نسخ نہ ہو سکتا ہو، نہ عہد نبوی اور نہ اس عہد کے بعد۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴾. (المائدة ۹۷)

بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔

اور

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴾. (البقرہ ۲۰،۱۰۶)

بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

جو محکم نصوص تخصیص، تاویل اور نسخ قبول نہیں کرتیں ان کا تعلق دین کے اساسی قواعد سے ہے مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کی واحدنیت پر ایمان، ملائکہ، کتب الٰہی، رسولوں اور آخرت پر ایمان۔ ان کے علاوہ وہ نصوص جو اخلاق و فضائل سے متعلق ہیں، جنہیں عقل سلیم تسلیم کرتی ہے اور جو تبدیلی احوال سے تبدیل نہیں ہوتے مثلاً ظلم کے حرام ہونے اور عدل کے واجب ہونے، والدین سے حسن سلوک، صلہ رحمی اور ایفائے عہد سے متعلق نصوص محکم ہیں۔

محکم کا حکم

محکم جس معنی پر قطعی طور پر دلالت کرے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ محکم کے معنی کے خلاف کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔ اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہیں ہوتا۔ یہ نسخ اور تاویل قبول نہیں کرتا، نہ عہد رسالت میں اور نہ اس عہد کے بعد۔ جن نصوص میں نسخ کا احتمال ختم ہو چکا ہے وہ محکم کے حکم میں داخل ہو جائیں گی۔ رحلت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انقطاع وحی ہو چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر

Marfat.com

وحی نازل نہیں ہوگی۔اب نسخ ممکن نہیں رہا۔

واضح الدلالت الفاظ میں تعارض اور ان میں ترجیح کا اصول

شرعی دلائل میں تعارض (CONTRADICTION) کا مطلب یہ ہے کہ کس خاص مسئلہ میں ایک شرعی دلیل جس حکم کی متقاضی ہو کوئی دوسری شرعی دلیل اس کے خلاف دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو۔شرعی دلائل میں تعارض درحقیقت محال ہے۔شریعت نے احکام بیان کرنے لئے جو دلائل دیئے ہیں وہ اگر ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو شریعت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا اور مکلفین کے لئے شرعی احکام کو معلوم کرنا ناممکن ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بعید ہے کہ وہ شریعت کے لئے متعارض دلائل مقرر کریں۔لہٰذا دلائل شرعیہ میں حقیقی تعارض محال ہے۔لیکن ان دلائل کے بارے میں مجتہدین کے فہم اور ادراک میں تفاوت کی بنا پر ظاہری تعارض ممکن ہے جسے دور کرنے اور متعارض دلائل میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لئے اصول مرتب کئے ہیں۔

اس ظاہری تعارض کی ایک قسم واضح الدلالت الفاظ یعنی ظاہر، نص، مفسر اور محکم میں تعارض کا پایا جانا ہے۔

ظاہر و نص میں تعارض

اگر ظاہر اور نص میں تعارض ہو تو نص کو ظاہر پر ترجیح دی جائے گی۔

نص اور مفسر میں تعارض

اگر نص اور مفسر میں تعارض ہو تو مفسر کے معنی کو ترجیح حاصل ہوگی۔

مثال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المستحاضة تتو ضالكل صلوٰة.(57)

مستحاضہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے۔

یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ مستحاضہ (وہ عورت جسے حیض اور نفاس کے علاوہ رحم سے خون آئے) پر ہر نماز کے لئے وضو کرنا لازم ہے۔وہ ایک وضو میں ایک سے زائد نماز نہیں پڑھ سکتی بلکہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا پڑے گا۔

ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

المستحاضة تتوضا لوقت كل صلوٰة.(58)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مستحاضہ ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے۔

یہ حدیث مفسر ہے کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لئے وضو کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جب نماز کا وقت آئے نیا وضو کر لے۔اب اس وقت میں ایک وضو کے ساتھ جتنی چاہے نمازیں پڑھ لے۔حدیث کے اس معنی میں تاویل نہیں کی جاسکتی۔ یہ حدیث مفسر ہے پہلی والی حدیث نص ہے اس لئے بعد والی حدیث کو پہلی حدیث پر ترجیح حاصل ہوگی اور اس کے حکم پر عمل ہوگا۔

ظاہر، نص یا مفسر سے محکم کا تعارض

اگر ظاہر، نص یا مفسر سے محکم کا تعارض ہو تو محکم کو ان تینوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

محکم کو ظاہر پر ترجیح

قرآن مجید میں ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾.(النساء ۴:۳)

جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان سے نکاح کرلو۔

یہ آیت تمام عورتوں سے نکاح کی اباحت میں ظاہر ہے۔ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ م بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾.(الاحزاب 53)

اور تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔

یہ آیت اس بات پر محکم ہے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کے ساتھ بھی نکاح کرنا حرام ہے۔لہٰذا دوسری آیت کے حکم کو پہلی آیت کے حکم پر ترجیح دی جائے گی۔ یہ محکم اور ظاہر کے تعارض میں محکم کی ترجیح ہے۔

محکم کو نص پر ترجیح

اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾.(النساء ۴:۲۴)

ان (محرمات) کے سوا جتنی عورتیں ہیں وہ تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں (نکاح کے لئے)

اس آیت سے پہلی آیت میں درج محرمات (جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے) کے علاوہ دیگر

Marfat.com

عورتوں سے نکاح کی اباحت میں یہ آیت نص ہے۔آیت کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ کی بیویاں بھی ان عورتوں میں شامل ہو جاتی ہیں۔جن سے نکاح جائز ہے۔

قرآن مجید کی اور ایک اور آیت ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ م بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾.(الاحزاب ۳۳:۵۳)

اور تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسول کو تکلیف دو۔اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کرو۔

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح کے حرام ہونے پر محکم ہے۔اس میں نسخ کا احتمال نہیں ہے،لہذا دوسری آیت کے حکم کو پہلی آیت کے حکم پر مقدم کیا جائے گا۔

محکم کو مفسر پر ترجیح

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾.(الطلاق ۶۵:۲)

اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنا لو جو تم میں سے صاحب عدل ہوں۔

یہ آیت عادل گواہوں کی شہادت قبول کرنے پر مفسر ہے۔اس آیت کے حکم کی عمومیت کی رو سے زنا کی تہمت لگانے والے شخص کے توبہ کر لینے کے بعد اس کی گواہی قبول ہوگی کیونکہ توبہ کے بعد وہ عادل ہے۔لیکن قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے:

﴿وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا﴾.(النور ۲۴:۴)

اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔

یہ آیت محکم ہے جس میں صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ زنا کہ تہمت لگانے والے قاذف کی گواہی ہمیشہ کے لئے نا قابل قبول ہے خواہ وہ توبہ بھی کر لے۔محکم کو مفسر پر مقدم کیا جائے گا،لہذا قاذف کی گواہی ہمیشہ کے لئے نا قابل قبول ہے۔(59)

2۔خفائے مراد،غیر واضح الدلالۃ چار الفاظ

خفائے مراد یعنی الفاظ کے اپنے معنی کو پوشیدہ اور مخفی رکھنے کے لحاظ سے بھی کلام کی تقسیم چار اقسام میں ہوتی ہے۔ ا۔خفی ب۔مشکل ج۔مجمل د۔متشابہ۔

Marfat.com

ا۔خفی کی تعریف اور مثال:(Obscure)

هو ما كان ظاهر الد لا لة على معناه ولكن عرض له شي ء من الخفاء لبسبب غير لفظه.

جس لفظ کے معنی اور اُس کی دلالت واضح ہو لیکن لفظ کی حقیقی مراد اور اُسکا مکمل مفہوم مخفی ہو اور اس خفاء کی وجہ وہ لفظ نہ ہو بلکہ کچھ بیرونی اسباب ہوں۔

خفی کا معنی پوشیدہ ہے اور یہ قرآن، حدیث وسنت کے اس کلام کا نام ہے، جس کی مراد مخفی ہو اور صرف کلام کے سننے سے اُس کا معنی، مراد اور مفہوم معلوم نہ ہوتا ہو سامع صرف کلام کے سننے سے اس معنی کی مراد تک نہ پہنچ سکتا ہو لیکن اس خفا اور اس مراد کے پوشیدہ ہونے کا سبب، وہ لفظ بذات خود نہ ہو بلکہ یہاں کوئی اور امر عارض ہوتا ہے جو اس کے معنی کو قدرے پوشیدہ کر دیتا ہے۔اسی امر عارض کی بناء پر مراد میں ایک قسم کا خفا پایا جاتا ہے اور ایک قسم کی پوشیدگی پائی جاتی ہے۔گویا کہ خفی میں لفظ کی مراد ظاہر نہ ہونے کا سبب وہ لفظ نہیں ہوتا بلکہ کچھ بیرونی وجوھات ہوتی ہیں۔

خفی ظاہر کے مقابلے میں ہے۔جس طرح ظہور کے مراتب تھے۔ظاہر،نص،مفسر محکم۔لیکن ظاہر میں ظہور کا ادنی مرتبہ تھا۔تو ظاہر کے مقابلے میں خفی میں خفا کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔یعنی کمزور درجے کا خفا۔مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے کہ:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا﴾.(المائدہ ۳۸)

چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ ڈالو۔

قرآن مجید کی یہ آیت چوری کرنے والے کے بارے میں تو بالکل ظاہر ہے کہ جو شخص چوری کرتا ہے اس کا ہاتھ کاٹ دو۔لیکن وہ شخص جو طرار یعنی جیب کترا ہے۔لوگوں کی جیبوں کو کاٹتا ہے یا نباش ہے یعنی کفن چور ہے تو طرار یا نباش کے ہاتھ کو بھی کاٹ دیا جائے یا نہیں؟ حالانکہ تینوں میں قدر مشترک کسی کا مال اُس کی اجازت کے بغیر لے لینا ہے۔

گویا طرار اور نباش کے اعتبار سے قران مجید کی یہ آیت خفی ہے۔یعنی یہ سامع پر مشتبہ ہے اور سننے والا اس آیت کے سننے سے یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ جیب کترا اور نباش کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے یا نہیں؟ سامع اس کلام کے سننے سے اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ جیب کترے اور کفن چور کے ہاتھوں کو ہم کاٹ دیں یا نہیں؟

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اب یہاں پر ان دونوں کی سزا کے حکم میں خفا ہے اور اس خفا کی وجہ ''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ'' کا لفظ نہیں۔اس لئے کہ سرقے کا معنی اور مفہوم تو بالکل ظاہر ہے۔بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ جیب کترے کے لئے لغت عربی میں ایک مستقل لفظ واضح کیا گیا ہے طرار۔عام لوگ جو چور ہوتے ہیں ان کے لئے تو سارق کا لفظ ہے۔لیکن جیب کترے کے لئے عربی لغت میں ایک مستقل لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔کفن چور کے لئے بھی ایک مستقل لفظ کا اضافہ کیا گیا ہے اصطلاح عرب اور لغت عرب میں اور وہ ہے نباش۔

جہاں تک کفن چور کا تعلق ہے تو وہ سارق کے معنی میں نہیں آئے گا۔وہ اس بنا پر کہ عام چور چوری کرتے ہیں ان لوگوں سے جو یا تو سوئے ہوئے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ ہم مال کی حفاظت کرتے ہیں لیکن وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں یا یہ کہ وہ کہیں جا چکے ہیں اور اس مقام پر موجود نہیں ہیں۔لیکن کفن چور کی چوری میں یہ خصوصیات نہیں ہوتیں اس کے مقابلہ میں یہ جو طرار ہے یعنی جو جیب کترا ہے، یہ اس شخص کی چوری کرتا ہے جو بالکل بیدار ہے۔بقائمی ہوش وحواس ہے۔لیکن معمولی سے توجہ اس کی دوسری طرف ہوگئی اور اس معمولی سے بے توجہی سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور جلدی سے اس کی جیب کو کاٹ دیتا ہے۔تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ طرار عام چوروں کے مقابلہ میں زیادہ، ماہر فن ہے۔کیونکہ یہ معمولی سی غفلت کا فائدہ اٹھاتا ہے چنانچہ یہ سارق ہے۔

اس بنا پر فقہا یہ کہتے ہیں کہ جس طرح سے سارق کے ہاتھ کو کاٹا جاتا ہے اسی طرح طرار کے ہاتھ کو بھی کاٹا جائے گا۔اس لئے کہ یہاں چوری کا معنی بدرجہ اتم موجود ہے۔

جہاں تک نباش کا تعلق ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ کفن چور کے ہاں چور کا مفہوم ناقص ہے۔اس لحاظ سے کہ چوری اُس انسان کی جاتی ہے جو اپنے مال کی حفاظت کا ارادہ رکھتا ہو لیکن میت کفن کی مالک نہیں ہوتی اور نہ وہ ارادہ رکھ سکتی ہے کہ میں اپنی کفن کی حفاظت کروں۔صرف یہ بات کہ کفن چور لوگوں سے شرماتا ہے کہ لوگ کہیں گے کہ فلاں کفن چور ہے۔وہ دن کے وقت کفن نہیں نکال سکتا بلکہ رات کے وقت نکالتا ہے۔لیکن اس کے مقابلہ میں چور تو زندہ مالک کی جائیداد اور مالک کے مال سے چوری کرتا ہے اور یہ شخص میت کی چوری کرتا ہے اور میت مال کی مالک نہیں ہے۔لہذا نباش یا کفن چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

خفی کا حکم

خفی کا حکم یہ ہے کہ صرف تلاش سے اور مجرد طلب سے وہ خفا ظاہر ہوتا ہے تو اُس پر عمل واجب ہے۔ مثال کے طور پر یہاں ہم نے صرف معمولی سی کوشش کی کہ یہ جو طرار اور نباش لغت عرب میں، جو مستقل الفاظ

Marfat.com

وضع کئے گئے ہیں اُن کا منشا کیا ہے۔جب یہ منشاء اختصاص ہمیں معلوم ہوگیا تو ہم نے واضح طور پر یہ کہا کہ طرار کے ہاتھ کاٹ ڈالنا اور نباش کے ہاتھ نہیں کاٹنا چاہئیں۔اب اس حکم پر اس سلسلہ میں عمل واجب ہے۔

ب۔مشکل کی تعریف اور مثال:(Difficult)

مشکل نص کے مقابلہ میں اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کی مراد مخفی ہو اور سننے والا صرف کلام کے سننے سے مراد تک نہ پہنچ سکتا ہو اور اس خفاءِ لفظ اور عبارت کی وجہ وہ لفظ یا عبارت بذات خود ہوں۔

خفی میں تو خفا کا منشاء وہ لفظ بذات خود نہیں ہے لیکن مشکل میں اور مراد کے چھپ جانے کی وجہ وہ بذات خود لفظ اور عبارت ہے اور یہ نص کے مقابلہ میں ہے۔مثلاً قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ص فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾.(البقرۃ.۲۲۳)

یہ تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتی کی طرف آؤ''جس طرح چاہو''۔

یہاں پر''انیٰ'' کے دو معانی ہیں۔کبھی کبھی''انیٰ'' آتا ہے''من این'' کے معنی میں جیسا کہ حضرت زکریا علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾.(آل عمران.۳۷)

جب بھی حضرت زکریا علیہ الصلاۃ السلام اس محراب میں حضرت مریم کے پاس آتے تھے تو اُن کے پاس رزق تازہ تازہ دیکھتے تھے۔گرمیوں کے موسم کا پھل سردیوں میں اور سردیوں کے موسم کا پھل گرمیوں میں تو فرمایا:

''قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا'' تو یہاں حضرت زکریا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ''اَنّٰى لَكِ هٰذَا'' یعنی''من این لَكِ هٰذَا''۔یہ رزق جو ہر ایک دن تمہارے پاس آتا ہے یہ کہاں سے؟''قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ'' حضرت مریم نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔تو اب یہاں جو''انی'' ہے یہ''من این'' کے معنی میں ہے۔(معین الدین خٹک اصول فقہ 211/1)

اور کبھی کبھی''انیٰ''''کیف'' کے معنی میں آتا ہے۔مثال کے طور پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے حضرت زکریا علیہ والصلوۃ والسلام کو بشارت دی کہ

﴿يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ يَحْيٰى لا لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾.(مریم.۷)

کہ ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں کہ ایسے بچے کے ساتھ جس کا نام یحیٰی ہوگا اور اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

﴿قَالَ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ﴾.

تو حضرت زکریا علیہ والصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ کیسے میرا بچہ پیدا ہوگا۔

﴿وَقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ﴾.

حضرت مریم کو جب یہ خوشخبری دے دی گئی کہ تیرا لڑکا پیدا ہوگا تو حضرت مریم نے فرمایا:

﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ﴾.

میرے بچہ کیسے پیدا ہوگا حالانکہ کسی بشر نے مجھے مس نہیں کیا۔

یہاں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک طلب اور دوسری چیز ہے تامل۔ طلب کا معنی یہ ہے کہ ہم یہ تلاش کریں کہ لغت عرب میں ''انی'' کتنے معنوں میں آتا ہے اور تامل کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی آیت کے سیاق و سباق کو دیکھیں کہ اس آیت کے سیاق وسباق سے کون سا معنی متعین ہوتا ہے۔

جب ہم نے تلاش کی تو تلاش سے ہمیں معلوم ہوا کہ ''انی'' تین معنوں میں آتا ہے۔ کبھی ''متی'' کبھی ''کیف'' کیسے اور کبھی کبھی ''من این'' کہاں سے کے معنی میں آتا ہے لیکن جس وقت ہم نے سیاق اور سباق کو ٹٹولا تو یہاں ہم نے دیکھا کہ ''انی'' سے پہلے ایک لفظ ''حرثکم''۔

﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ اور حرث کا معنی ہے کھیتی اور زرعی پیداوار۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم بہر حال آؤ کھیتی کہ طرف جو پیداوار کا محل ہے۔ اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ انسانی پیداوار کا محل کیا ہے؟ ظاہر بات ہے کہ انسانی پیداوار کا محل ایک ہی مخصوص مقام ہے جہاں سے بچوں کی پیدائش ہوتی ہے، عورت کے بدن کا جو پچھلا حصہ ہے وہ تو انسانی پیداوار کا محل نہیں ہے۔ وہ تو گندگی کا محل ہے۔ وہ تو محلِ حرث نہیں ہے بلکہ محلِ فرث ہے تو ''حرثکم'' کا لفظ اس بات کی نشانی ہے اور اس بات کی بالکل واضح دلیل ہے کہ یہاں ''انی'' ''من این'' کے معنی میں نہیں ہو سکتا، جس کے نتیجے میں یہاں محل اور مقام کی تعیم ہو جائے۔ بلکہ ''انی'' ''کیف'' کے معنی میں ہوگا۔ گویا کہ اپنی بیویوں سے جنسی خواہشات کی تکمیل محلِ حرث سے ہو سکتی ہے۔ اب یہاں ''حرث لکم'' کا معنی معلوم کرنے کے لئے کافی کوشش کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ لفظ پیچیدہ ہے۔ اس قسم کے الفاظ کو مشکل کہتے ہیں۔ (63)

ج۔ مجمل کی تعریف اور اُس کی مثال: (Unelaborated)

لفظ خفی المراد منه بحيث لايدركُ الانسان اِلا بيان من المتكلم. (64)

''ایسا لفظ جس کی مراد یا مفہوم اِسقدر مخفی (غیر واضح) ہو کہ اُس کو اس وقت تک سمجھا ہی نہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جا سکے جب تک کہ متکلم یا شارع اُس کی وضاحت نہ کرے۔"

مجمل اس کو کہتے ہیں جس کی مراد مخفی ہو اور خفائے مراد کی وجہ یہ لفظ بذات خود ہو، اور یہ خفا اس حد تک ہو کہ سیاق وسباق کے ذریعے سے کوئی پتہ نہ چلتا ہو کہ اس کلام سے متکلم کی مراد کیا ہے بلکہ متکلم کے بیان کے بغیر وہ خفا زائل نہ ہوتا ہو۔ یعنی متکلم یا شارع رسول اکرم ﷺ اُس کے مفہوم، مراد و معنی کو خود واضح کریں کہ اس سے مراد یہ ہے۔

ایک ایسا ابہام ہو کہ اس ابہام کے ازالے کی کوئی صورت نہ ہو جب تک کہ متکلم خود اس کی تشریح نہ کرے اور واضح بیان نہ کرے، اسے کہتے ہیں مجمل۔ اور یہ متقابلات کے باب میں مفسَّر کے مقابلہ میں ہے۔

مجمل کی مراد کے لئے استفسار، تلاش اور تامل

مجمل میں مراد اور مفہوم معلوم کرنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم متکلم سے تشریح کا مطالبہ کریں گے کہ اس سے مراد کیا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس بیان کے بعد پھر ہم تلاش کریں گے کہ متکلم نے اپنے بیان میں کیا کیا چیزیں ذکر کی ہیں

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ پھر غور وفکر کے بعد ہم متعین کریں گے کہ متکلم کے بیان میں جو چیزیں موجود ہیں وہ تمام چیزیں کس معانی میں پائی جاتی ہیں اور کس معنی میں نہیں پائی جاتیں۔

مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾. البقرة 43

تم صلوۃ قائم کرو اور زکوۃ دو۔

اب ہمیں معلوم نہیں ہے کہ "الصَّلٰوةَ" سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے۔ اور "الزَّكٰوةَ" سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے؟ پوری تفصیل کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اور ہم اگر بہت زیادہ سیاق وسباق کا مطالعہ کر لیں یا اِس کے لغوی و اصطلاحی معنی پر اور زیادہ غور وفکر کر لیں تو غور وفکر کے نتیجے میں بھی ہمارے سامنے بالکل واضح چیز نہیں آتی کہ "الصَّلٰوةَ" کی شکل یعنی نماز پڑھنے کا مکمل طریقہ کیا ہے اور اس کی ترتیب کیا ہے اور "الزَّكٰوةَ" کا نصاب کیا ہے۔ اس کی شرح کیا ہے؟

اب اس کا حل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ یعنی شارع کے نمائندے کی حیثیت سے اپنے افعال اور اپنے اقوال کے ذریعے سے اول سے لے کر آخر تک صلوۃ کا مفہوم اور طریقہ بیان کر دیا ہے۔ اگر رسول

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اکرم ﷺ ہمیں نماز پڑھنے کا طریقہ نہ بتاتے تو قیامت تک کوئی انسان اس لفظ کی مراد و مفہوم اور نماز ادا کرنے کے طریقہ کو نہ سمجھ سکتا۔ اس لئے اول سے لے کر آخر تک حضور ﷺ نے نماز پڑھی اور آپ نے فرمایا کہ

"صلوا کما رایتمونی اصلی" (65)

اس طریقے سے تم نماز پڑھو جس طریقے سے تم نے مجھے دیکھا کہ نماز پڑھتا ہوں۔

اسی طرح "وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" کا معاملہ ہے۔ کہ حضور ﷺ نے اپنے ارشادات اور ہدایات کے ذریعے سے زکوۃ کی تفصیلات واضح کیں۔ اب یہاں صحابہ کرام نے زکوۃ اور صلوۃ کے متعلق ایک استفسار کیا اور نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے متکلم ہی کی طرح تفصیلات واضح کیں۔ گویا کہ وہ تفصیلات اللہ تعالیٰ ہی نے واضح کیں۔ اگر یہ وضاحت نہ ہوتی تو نماز کیا ہے ہمیں کبھی سمجھ نہ آتی کیونکہ یہ لفظ فی نفسہ اپنی وضاحت نہیں کر رہا۔ اب یہ اور اس طرح کے متعدد الفاظ و تراکیب مجمل ہیں جن کی مراد اور مفہوم جب تک متکلم یعنی شارع واضح نہ کرے اُس پر عمل اور اُس سے مسائل کا استنباط ممکن نہیں ہوسکتا۔

د۔ متشابہ کی تعریف: (Unintelligible)

هو اللفظ الذى خفى المراد منه فلا تدل صيغته ولا سبيل إلى ادراكه واستاثر الشارع بعلمه. (66)

متشابہ اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کا مفہوم اور مراد اس قدر مخفی اور اس طریقے سے مخفی ہو کہ بالکل سرے سے یہ امید نہ ہو کہ اس دنیا میں یہ مراد بھی واضح ہوگی۔ اس مراد کے واضح ہونے کی سرے سے امید ہی منقطع ہو یعنی متکلم اور شارع نے سرے سے اس کا مفہوم دنیا میں بیان ہی نہ کیا ہو، اسے متشابہ کہتے ہیں۔ اور متقابلات کی بحث میں یہ محکم کے مقابلہ میں ہے۔

متشابہ کا حکم

متشابہ کا حکم یہی ہے کہ ہم مجمل طور پر یہ اعتقاد رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی متشابہ سے جو مراد ہے، وہ حق ہے۔ لیکن ہم خصوصی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ ہم متشابہ آیات واحادیث پر عمل سے توقف کریں گے یعنی اُن پر عمل نہیں کریں گے اس لئے کہ عمل کا دارمدار تو علم پر ہے۔ جب ہمیں متعین طور پر یہ معلوم نہیں کہ متشابہ سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے تو علم کے بغیر عمل بھی کر نہیں سکتے۔ عمل سے تو ہم اپنا ہاتھ روک لیں گے لیکن اجمالی طور پر ہمارا اعتقاد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی اس سے جو مراد ہے وہ حق ہے، تو یہ متشابہ ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(1/4) الفاظ کی استدلال (حکم شرعی کے حصول) کے لحاظ سے چار اقسام

۱۔ عبارۃ النص ۲۔ اشارہ النص ۳۔ دلالۃ النص ۴۔ اقتضاء النص

ابھی تک استنباط احکام کے قواعد میں آپ نے مطالعہ کیا ہے کہ ایک لفظ اپنی بناوت یا وضع کے اعتبار سے خاص ہوگا یا عام یا مشترک اور وہ لفظ اپنے استعمال کے لحاظ سے حقیقی معنی میں استعمال ہو رہا ہوگا یا مجازی معنی میں اور اُس حقیقی یا مجازی معنی کے استعمال سے لفظ کا مفہوم صریحاً واضح ہو رہا ہوگا یا کنایۃً مزید وہ لفظ فی نفسہ یعنی بذات خود اپنی مراد اور مطلب کو آسانی سے واضح کر رہا گا یا اس میں بھی اخفاء ہوگا اور بڑی مشکل سے اُس کا سمجھا جاسکتا ہے یا انسانی سمجھ سے ہی بالاتر ہے۔

اب آپ اُن الفاظ کی دلالت کی کیفیت کا مطالعہ کریں گے یعنی اُن الفاظ سے حکم شرعی یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم دینا تھا وہ لفظ کی عبارت سے حاصل کیا جاسکتا ہے یا اُس میں کچھ مخفی اشارے یا مزید کچھ اور طریقے بھی ہیں جن سے مزید احکام بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ کا حل یا کوئی حکم چار طریقوں سے حاصل ہو رہا ہوگا۔

1- وہ حکم قرآن و حدیث کی عبارت سے واضح طور پر حاصل ہو رہا ہوگا۔

2- یا اُس میں عبارت سے حاصل شدہ حکم کے علاوہ مزید حکم اشاروں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

3- یا حکم حاصل کرنے کے لئے ہمیں اُس آیت کے مفہوم میں کچھ وسعت پیدا کرنی ہوگی۔

4- یا اُس حکم پر عمل درآمد کرنے کے لئے کوئی لفظ اُس آیت یا حدیث میں محذوف یا مخفی ماننا پڑے گا۔

(ا) اگر حکم شرعی کا حصول جو اصول فقہ کا اصل موضوع ہے عبارت سے حاصل ہو رہا ہے تو یہ عبارۃ النص ہے۔

(ب) اگر حکم شرعی کچھ مخفی اشاروں سے بھی حاصل ہو رہا ہے تو وہ اشارۃ النص ہے۔

(ج) اگر آیت سے شرعی حکم حاصل کرنے اور اُس کے مفہوم پر عمل کرنے کے لئے اُسے کچھ وسعت دینی

Marfat.com

پڑتی ہو تو وہ دلالۃ النص ہے۔

(د) اور اگر اُس عبارت سے حکم شرعی حاصل کرنے کے لئے اُس میں کوئی لفظ محذوف ماننا پڑتا ہے تو یہ اقتضاء النص شمار ہوگی۔

مزید تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(1) عبارۃ النص

(The Plain Meaning of the Text)

تعریف

ھی دلالۃ اللفظ علی المعنی المتبادر فھمہ من نفس صیغۃ، و کان ھذا المعنی ھو المقصود اصالۃ او تبعا من سیاق. (67)

عبارۃ النص لفظ کی اپنے معنی پر اس دلالت کو کہتے ہیں جس سے اس کا مفہوم خود لفظ کے صیغہ سے فوری طور پر سمجھ میں آ جائے، اور اس عبارت میں اس لفظ کے استعمال سے یہی معنی مقصود ہوں، خواہ مستقل طور پر مقصود ہوں یا ضمنی طور پر اس کو ہم مقصود اصلی اور مقصود تبعی بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ عبارۃ النص کی مثالیں ملاحظہ ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾. (الانعام:۱۵۱)

ترجمہ: اور کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو، مگر ہاں کسی حق شرعی کی بنا پر۔

یہ آیت اپنی عبارت یعنی اپنے الفاظ سے کسی انسان کے ناحق قتل کرنے کی حرمت کی بتلاتی ہے، گویا کہ عبارت سے ہی حکم حاصل ہو رہا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ﴾. (بقرہ.۱۱۰)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو۔

یہ آیت اپنی عبارت سے یعنی اپنے الفاظ سے نماز اور زکوۃ کی فرضیت کو بتلاتی ہے۔ اور اس آیت میں معنی یعنی فرضیت صلوۃ وزکوۃ مقصود اصلی ہیں۔

عبارۃ النص دو الفاظ کا مرکب ہے، لغوی طور پر عبارت کا مطلب تفسیر، بیان، وضاحت، خواب کی تعبیر وتفسیر کرنا ہے۔ وہ الفاظ جو معانی پر دلالت کریں انہیں بھی عبارت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اس کی تفسیر کرتے ہیں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جو پوشیدہ ہوتا ہے۔جیسے خواب کی تعبیر بتلانے والا خواب میں پوشیدہ امور کی وضاحت کرتا ہے اور نص سے مراد قرآن وسنت کا کلام ہے۔

گویا کہ عبارۃ النص اپنے معنی پر لفظ کی ایسی دلالت کہ کہتے ہیں جس کی طرف ذہن خود بخود متوجہ ہو، لفظ کا معنی ومفہوم اس کے صیغہ سے از خود سمجھ میں آجائے۔نص کے سیاق سے معلوم ہو کہ شارع نے اسی معنی ومفہوم کے لئے وہ لفظ قصداً استعمال کیا ہے۔

شارع نے ہر نص کو ایک خاص حکم کے لئے وضع کیا ہے۔اپنے حکم ومنشاء کے بیان کے لئے شارع نص میں ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو اس کے حکم وارادہ پر وضاحت سے دلالت کریں،نص کے ہر لفظ کا ایک معنی ہوتا ہے۔یہ معنی اس لفظ کے صیغہ سے فوری طور پر سمجھ میں آجائے اور شارع کی طرف سے وہ لفظ اسی معنی کے لئے نص میں قصداً لایا گیا ہو تو اس لفظ کی ایسے معنی پر دلالت عبارۃ النص کہلاتی ہے۔

Marfat.com

(2) اشارۃ النص

(The Connotation of the Text)

اشارۃ النص کی تعریف

ما لم یکن السیاق لاجله و لکن یفهم بالتامل.(68)

ترجمہ: ایسا حکم جو کلام کا مقصود اصلی نہ ہو بلکہ کچھ غور وفکر سے حاصل ہو۔

اشارۃ النص وہ کلام ہے، جس سے ایک حکم مقصود تو ہے لیکن وہ حکم اس کلام کا مقصود اصلی نہیں ہے۔ بلکہ یہ حکم اس کلام کا مقصود ضمنی ہے۔ اور یہ حکم اس کلام کی عبارت سے واضح طور پر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ سامع کے لئے ضرورت ہے کہ وہ تھوڑا سا غور وفکر کر لے اور کچھ تامل اور فکر سے کام لے۔ زیادہ نہیں بلکہ معمولی غور وفکر کے بعد ہی یہ حکم ظاہر ہوتا ہے۔

اشارہ النص اور عبارۃ النص میں دو فرق

1- اشارۃ النص اور عبارۃ النص کے درمیان دو وجوہ کی بنا پر فرق ہے کہ ایک یہ کہ عبارۃ النص میں جو حکم ہے وہ اس کلام سے بالکل مقصد اصلی ہے، مقصد اساسی اور مقصد بالذات ہے اور اشارۃ النص میں جو حکم ہے وہ اگرچہ فی الجملہ مقصد ہے، لیکن وہ مقصد اصلی اور اساسی نہیں ہے بلکہ ضمنی ہے۔

2- دوسرا فرق یہ ہے کہ عبارۃ النص میں جو حکم ہے وہ کلام کی عبارت سے ظاہر ہے اور صرف اس کلام کا سننا ہی اس حکم کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن اشارۃ النص میں وہ حکم ''من کل وجہ'' لفظ سے ظاہر نہیں ہے۔ صرف اس کلام کا سننا حکم کے فہم کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے معمولی غور وفکر کی ضرورت بھی ہے۔ تو یہ ہے اشارۃ النص۔

عبارۃ النص اور اشارۃ النص کی مثالیں

ا۔ قرآن مجید کی آیت ہے:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ﴾. (الحشر ۵۹: ۸)

(وہ مال) ان مفلس مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں۔

اس آیت کے الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں کہ جو مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے ان کا مالِ فے (دشمنوں کا وہ مال جو ان سے جنگ وقتال کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہو) میں حصہ ہے، یہ عبارۃ النص ہے اور یہی معنی اس آیت کے وارد ہونے کا مقصود اصلی ہے۔

اشارۃ النص اور حتمی طور پر اس سے یہ معلوم ہوا کہ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کی جو جائیدادیں ان کے سابقہ وطن مکہ میں تھیں اور جن پر کفار مکہ نے قبضہ کر لیا تھا، اب وہ ان کی ملکیت سے نکل چکی ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں مہاجرین کے لئے لفظ ''الفقراء'' استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں لایا گیا لفظ ''الفقراء'' اشارۃ یہ معنی دیتا ہے کہ جن جائیدادوں کو مہاجرین مکہ میں چھوڑ آئے ہیں وہ ان کی ملکیت سے خارج ہو چکی ہیں۔ اگر مہاجرین کو مکہ میں چھوڑی ہوئی جائیدادوں کا بدستور مالک تصور کیا جائے تو پھر مہاجرین کا فقر ثابت نہیں ہو سکتا، جب کہ قرآن مجید نے انہیں فقراء کہا ہے۔

لہٰذہ مہاجرین مکہ کا مالِ فے میں حصہ عبارۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے اور مکہ میں اُن کی جائدادوں کا ملکیت سے نکل جانا اشارۃ النص سے ثابت ہو رہا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ عصر میں کامیاب لوگوں کی چار صفات ذکر کی ہیں۔

۱۔ ایمان لانا ۲۔ نیک عمل کرنا ۳۔ حق کی نصیحت کرنا ۴۔ صبر کی نصیحت کرنا

۱۔ اب اس سورۃ کے مطالعہ سے عبارۃ النص کے طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے یہ چار صفات ناجی یعنی نجات حاصل کرنے والے لوگوں کی ہیں۔

۲۔ اور غور وفکر کے بعد اشارہ النص کے طور پر یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہوئے حق کی نصیحت کریں گے تو اُن کو مصیبتوں اور آزمائشوں سے پالا پڑے گا اور پھر وہ ایک دوسرے کو صبر کی نصیحتیں کریں گے۔

پہلا مطلب بغیر غور وفکر کے نص کی عبارت سے ہی حاصل ہو گیا او دوسرا مفہوم غور وفکر کے بعد اُس میں مخفی اشارہ سے حاصل ہوا ہے مزید پہلا مفہوم اصلی ہے اور دوسرا مفہوم تبعی یا ضمنی ہے پہلا مفہوم عبارۃ النص سے ثابت ہے اور دوسرا مفہوم اشارۃ النص سے حاصل شدہ ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(3) دلالۃ النص

(The Implication of the Text)

تعریف

وهی دلالة اللفظ علی ثبوت حکم ما ذکر فی النص لما سکت عنه لا شتراکهما فی علة الحکم التی تفهم بمجر و فهم اللغة.(ا-68)

یعنی دلالۃ النص لفظ کی اپنے معنی پر ایسی دلالت کو کہتے ہیں جو یہ بتلائے کہ اس نص میں جو حکم مذکور ہے اس کا اطلاق کسی دوسرے واقعہ پر بھی ہوتا ہے۔ جو اس میں مذکور نہیں ہے۔لیکن آیت میں مذکورہ حکم کی علت میں شریک ہے، اور یہ علت اس نص کے لغوی (لفظی) معنی جاننے سے سمجھ میں آتی ہو۔

اس دلالت کو المفہوم الموافقہ (مفہوم موافق)، دلالۃ الاولی، قیاس جلی، اور فحوی الخطاب بھی کہتے ہیں۔

مثالیں:

اول: اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ﴾.(اسراء.۲۳)

ترجمہ: اور کبھی ان دونوں کو اف (ہوں) تک نہ کہو۔

اس نص کے الفاظ سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے لئے والدین کو اف کہنا حرام ہے۔ کیونکہ اس لفظ کے کہنے سے ان کو اذیت پہنچتی ہے۔اس سے فوری طور پر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اس نص میں ان کو مارنے اور گالی دینے کی حرمت بھی شامل ہے، کیونکہ مارنے اور گالی دینے سے ان کو جو تکلیف اور اذیت پہنچی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو لفظ اف کہنے سے ہوتی ہے۔اس لئے والدین کی مارنا اور گالی دینا اف کہنے کے مقابلہ میں بدرجہ اولی حرام ہوئے۔لہذا جس واقعہ کا اس نص میں حکم مذکور نہیں ہے (مسکوت عنہ) یعنی مارنا اور گالی دینا وہ حرمت میں اس واقعہ سے کہیں بڑھ کر ہے جو اس میں مذکور ہے یعنی اف کہنا (منطوق) اس آیت میں یہ مفہوم بالکل واضح ہے، اس میں کسی اجتہاد اور قیاس کی ضرورت نہیں۔ لہذہ اب اصل حکم یہ ہوگا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کہ ''والدین کو نہ گالی دو نہ مارو حتی کہ انہیں اف تک نہ کہو۔

اب اگر ایک شخص اس آیت پر عمل کرتے ہوئے ماں باپ کے ساتھ ہر طرح کی بدسلوکی کرے لیکن انہیں کبھی ''اُف'' نہ کہے تو اُس نے پھر بھی اس حکم کی خلاف ورزی کی کیونکہ لفظ ''اف'' کی اصلی روح اور مقصود یہ ہے کہ اُن سے ذرہ برابر بدسلوکی بھی نہ کرو حتی کہ انہیں زبان سے اُف تک نہ کہو۔ تو یہ حکم دلالۃ النص کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔

اب اِس آیت میں مذکور حکم میں وسعت دے کر اصل حکم واضح ہو رہا ہے وہ وسعت نص میں موجود نہیں لیکن لفظ ''اف'' کے مفہوم کا مطالعہ کرنے سے حاصل ہوئی ہے۔ (69)

Marfat.com

(4) اقتضاء النص

(Requirment of the Text by Necessity)

لغت میں اقتضاء کے معنی طلب کرنا ہیں۔اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے:

ھی دلالة اللفظ علی مسکوت عنه یتوقف صدق الکلام و صحته و استقامته علیه ، ای علی تقدیره فی الکلام.(70)

یعنی اقتضاء النص کلام کی اپنے ایسے مخفی یا محذوف لفظ پر دلالت کو کہتے ہیں جس پر اسی کلام کی صداقت، صحت اور درستگی کا دارمدار ہو

یعنی اس کلام میں کوئی ایسا لفظ مقدر یا مخفی ماننا ہوگا جس سے وہ کلام درست ہو جائے۔گویا کہ اُس نص سے حکم حاصل کرنے کے لئے اُس کے مفہوم یا ترجمہ میں کوئی لفظ بڑھانا پڑے گا۔

مثالیں:

اول: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ﴾.(نساء.۲۳)

ترجمہ:تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں حرام کی گئی ہیں۔

اس آیت سے حکم حاصل کرنے کے لئے اس میں نکاح کا لفظ مخفی ماننا پڑے گا۔یعنی تمہاری ماؤں اور تمہاری بیٹیوں سے نکاح کرنا تم پر حرام کیا گیا ہے۔یہ بات ہمیں اقتضاء النص کی دلالت سے معلوم ہوئی۔یعنی نص کے الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں لفظ نکاح مقدر یا مخفی مانا جائے،کیونکہ حرمت کا اطلاق ذات پر نہیں ہوتا، بلکہ ذات سے متعلق فعل ہو جاتا ہے،اور وہ فعل نکاح ہے۔

دوم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ﴾.(مائدہ.۳)

ترجمہ:تم پر مردار، اور خون، اور سور کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔

اس آیت سے حکم حاصل کرنے کے لئے اِس آیت کے مفہوم یا ترجمہ میں اکل اور انتفاع کے الفاظ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مقدر یا مخفی ماننا پڑیں گے۔ یعنی مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کا کھانا یا اُن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے صرف ''حرام کیا گیا ہے'' سے حکم حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ لفظ کی دلالت کا تقاضا یہی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حرمت کا تعلق ذات سے نہیں ہوتا، بلکہ مکلف کے فعل سے ہوتا ہے۔ اس لئے ہر نص کے ترجمہ میں کوئی ایسا لفظ جو اس کے مناسب ہو تقاضے کے مطابق مخفی مانا جاتا ہے۔ تا کہ اصلی حکم شرعی واضح ہو۔ اس طرح اقتضاء النص میں قرآن وحدیث کی نصوص اپنے ترجمہ میں کچھ اور الفاظ ملانے کا تقاضہ کرتی ہیں تا کہ اصولی حکم ظاہر ہو اور لوگ اُس پر عمل بھی کر سکیں۔

دلالات اربعہ کے مراتب

مندرجہ بالا دلالات اربعہ قوت دلالت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہیں۔ ان میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ عبارۃ النص اشارۃ النص سے قوی تر ہے کہ کیونکہ عبارۃ النص جس معنی پر دلالت کرتی ہے وہ نص کے سیاق کا مقصود اصلی ہوتا ہے۔ جب کہ اشارۃ النص سے ثابت ہونے والا معنی نص کے سیاق کا مقصود اصلی نہیں بلکہ بطریق التزام اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ عبارۃ النص اور اشارۃ النص دونوں دلالۃ النص سے زیادہ قوی ہیں کیونکہ دلالۃ النص سے جو مفہوم ثابت ہوتا ہے وہ بواسطہ علت ہوتا ہے اور کلام کے لفظ سے ثابت ہونے والا معنی کسی اور واسطہ سے ثابت ہونے والے معنی سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

دلالۃ النص، اقتضاء النص سے زیادہ قوی طریقہ دلالت ہے۔ اقتضاء النص تمام طرق دلالت میں سے کمزورترین دلالت ہے کیونکہ اقتضاء النص جس معنی پر دلالت کرتا ہے وہ نص کی عبارت اور اس کے صیغہ سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ صدق کلام اور اس کی صحت اس کے معنی کا تقاضا کرتی ہے۔

دلالات اربعہ میں تعارض اور ان میں ترجیح کا اصول:

اگر ایک طریقہ دلالت سے ثابت معنی دوسرے طریقہ دلالت سے ثابت معنی سے متعارض ہو یعنی مختلف دلالتوں کے ذریعہ حاصل شدہ حکم شرعی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں اور اُن کا آپس میں تعارض، اختلاف اور ٹکراؤ ہو جائے تو قوت کے اعتبار سے قوی تر دلالت کے معنی کو دوسری دلالت کے معنی پر ترجیح دی جائے گی۔

مثال: قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾۔ (البقرۃ ۲:۱۷۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے قتل کے معاملات میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

قرآن مجید کی ایک اور آیت یوں ہے:

﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا ﴾. (النساء ۴:۹۳)

اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اسکی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

پہلی آیت عبارۃ النص سے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قتل عمد میں قصاص واجب ہے جب کہ دوسری آیت بطریق اشارہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قتل عمد میں قصاص واجب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے عمد کے مجرم کی جو سزا مقرر کی ہے وہ جہنم میں اس کا ہمیشہ کے لئے رہنا ہے اس میں پہلی آیت کے حکم قصاص کا ذکر نہیں ہے۔ یہ حکم عبارۃ النص کے حکم سے متعارض ہے۔ عبارۃ النص یعنی قتل عمد میں قصاص کے حکم کو اشارۃ النص سے ثابت حکم پر مقدم کیا جائے گا۔ قتل عمد میں قصاص واجب ہے۔ (71)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(1/5)وجوہ البیان (بیان کے طریقے)

قرآن وسنت میں احکام، واقعات، مباحث وغیرہ کے بیان میں مختلف طریقہ اختیار کئے ہیں وجوہ دراصل وجہ کی جمع ہے اور اس سے مراد مختلف طریقے ہیں۔ بیان لغت میں ظہور کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد اپنی مراد اور معنیٰ کو ظاہر کرنا ہے بیان سات طریقوں سے ہوسکتا ہے ان اقسام کا اطلاق الفاظ کی سب اقسام پر ہوتا ہے سوائے محکم کے۔ قرآن سنت کے تمام دلائل اور ان کی اقسام میں متکلم کی جانب سے وضاحت اور بیان کا احتمال ہوتا ہے۔ چنانچہ علماء اصول اور فقہاء نے بیان کی سات قسمیں ذکر کی ہیں۔ جب کہ بعض فقہاء نے بیان کی پانچ قسمیں ذکر کیں ہیں۔ ان فقہاء نے بیان حال اور بیان عطف کو بیان ضرورت میں داخل کیا ہے، اس طرح ان کے نزدیک بیان کی پانچ قسمیں ہیں۔

وجوہ البیان کی سات اقسام: (Mode of Elaboration)

وجوہ البیان کی درج ذیل سات اقسام ہیں:

1۔ بیان تقریر 2۔ بیان تفسیر 3۔ بیان تغییر 4۔ بیان ضرورت

5۔ بیان عطف 6۔ بیان حال 7۔ بیان تبدیل۔

1۔ بیان تقریر

(Complementary Expression/Elaboration)

بیان تقریر وہ ہوتا ہے جس سے قرآن یا حدیث کے کسی لفظ کے ایک معنی ظاہر ہوں، مگر اُس میں دوسرے معنی کا بھی امکان ہو۔ اگر متکلم یعنی شارع اصلی معنی کو زیادہ واضح کر دے اور کلام کا مقصد بتا دے تو دوسرے معنی کا احتمال نہیں رہتا۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾. (الحجر 30)

ترجمہ: سب فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا۔

ملائکہ جمع کا صیغہ ہے جو تمام فرشتوں کو شامل ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا احتمال تھا کہ شاید بعض

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

فرشتوں نے سجدہ نہ کیا ہو جب کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ کہا تو یہ احتمال ہی ختم ہو گیا۔

مثالیں

۱۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ پاکستانی ہزار روپے ہیں، تو اس کا نام بیان تقریر ہو گا۔ متکلم کی وضاحت سے پہلے مطلق روپے کہنے سے یہ احتمال تھا کہ کسی دوسرے ملک کا روپیہ مراد ہو لیکن متکلم نے جب پاکستانی کہہ کر اس کی وضاحت کر دی تو اب یہ احتمال باقی نہ رہا۔

۲۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے پاس فلاں شخص کے ہزار روپے امانت کے طور پر ہیں۔ اگر متکلم لفظ امانت نہ کہتا تو اس میں دوسرا احتمال بھی تھا کہ شاید قرض کے طور پر ہوتے۔ اس لفظ کے کہنے کے بعد اب دوسرا احتمال نہ رہا۔(72)

2۔بیان تفسیر:(Enabling Expression)

بیان تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت یا حضور ﷺ کی کسی حدیث میں بالکل مساوی طور پر دو معانی کا احتمال ہو یا بہت زیادہ معانی کا احتمال ہو۔ اور ہم کسی معنی کو دوسرے معنی پر ترجیح نہ دے سکتے ہوں۔ اب ایسے موقع پر ایک بیان آتا ہے۔ اس بیان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی مراد کو واضح کیا جاتا ہے یا بیان کے ذریعہ سے حضور ﷺ کی مراد ہمارے سامنے واضح ہوتی ہے۔ اسے بیان تفسیر کہتے ہیں۔

مثال:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا. اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا. وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾. (المعارج.۱۹تا۲۱)

کہ انسان پیدا کیا گیا ہے ''هلوع'' جلد باز۔ جب کہ اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر وہ شور اور فریاد کرنے لگتا ہے اور جب اسے کوئی راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو وہ پھر بخیل ہو جاتا ہے۔ اس خیر کو اور نیکی کو پھر منع کرنے والا ہوتا ہے۔ بھلائیوں کے رستوں کو پھر وہ بند کرتا ہے۔ تو اس آیت میں ''هلوعا'' کے لفظ میں متعدد معانی کا احتمال تھا لیکن یہ اب بیان تفسیر ہے۔ کہ:

﴿اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا﴾. (المعارج:21)

اس کے ذریعہ سے قرآن مجید کے لفظ ''هلوع'' کی تفسیر ہو گئی۔ اس کا مفہوم یہ ہے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

"قلیل الصبر شدید الحرص"

انسان میں صبر کم اور حرص زیادہ ہے۔

3۔بیانِ ضرورت:(Elabration by Necessity)

تیسری قسم بیان ضرورت ہے۔یعنی وہ بیان جو تقاضائے کلام کی ضرورت سے حاصل ہو۔اس سے مراد یہ ہے جہاں بولنے کی ضرورت ہو وہاں خاموشی بولنے کے قائم مقام تصور ہوگی۔اور اس خاموشی سے حکم اَخذ کر لیا جائے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾۔(النساء 11)

اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو یعنی بچے اور لڑکیاں نہ ہوں اور ماں باپ اس کے وارث ہوں، پس اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے۔

قرآن مجید میں اس بات کی تصریح کردی کہ اس لاولد شخص کی وارثت میں ماں اور باپ دونوں مشترک ہیں یعنی اس کی پوری جائیداد ماں اور باپ کو ملے گی۔اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ماں کے حصہ کو متعین کردیا کہ ماں کے لئے ایک تہائی حصہ ہے۔تو اس میں والد کے حصہ کے بارے میں خاموشی سے خود بخود یہ بات ثابت ہوگئی کہ باپ کے لئے دو تہائی ہے۔اس لئے کہ جب باپ اور ماں دونوں ایک شخص کی جائیداد کے مشترکہ طور پر وارث ہیں۔دو شریک ہیں اور ایک شریک کا حصہ تہائی ہے تو دوسرے شریک کا حصہ لازماً دو تہائی ہے۔تو اسے بیان ضرورت کہتے ہیں۔(73)

دنیاوی امور میں اسی بیان ضرورت میں یہ چیز بھی آتی ہے کہ فرض کیجئے کوئی شخص دیکھتا ہے کہ اس کا ملازم بازار میں بیٹھا ہوا لوگوں سے خرید وفروخت کے معاملات اور دوسرا کاروبار بھی کر رہا ہے۔اب لوگوں سے خرید وفروخت کے معاملات اور کاروبار کرنا اور اس کے آقا اور مالک کا اس صورت حال پر خاموش رہنا یہ اس بات کی دلیل اور بیان ضرورت ہے اس ملازم کو اپنے آقا کی طرف سے اِس کاروبار کرنے کی اجازت مل گئی ہے کہ کاروبار کر۔اگرچہ اس سے پہلے اس بات کا امکان تھا کہ مالک نے اسے یہ اجازت نہ دی ہو اور یہ بطور خود بازار میں بیٹھ کر کاروبار کرتا رہتا ہو۔اب آقا کا اُسے دیکھ لینا اور اُس پر اعتراض نہ کرنا بیان ضرورت کے تحت اُس کو کاروبار کرنے کی اجازت دینا ہے۔

اور اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ ایک بالغ عورت کے رشتہ دار باپ دادا وغیرہ اس سے اجازت

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

طلب کریں کہ فلاں شخص کے ساتھ ہم تیرا رشتہ کر رہے ہیں۔تیری کیا مرضی ہے؟ اگر وہ شرم وحیاء کی وجہ سے خاموشی اختیار کرے تو یہ خاموشی ضرورتاً اس بات کا بیان ہے کہ اس کی مرضی ہے اور اب اس کا نکاح مذکورہ شخص کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

یہ تمام مثالیں بیان ضرورت کی ہیں اور بیان ضرورت سے متعلق ہیں۔

حنفیہ اسی لئے یہ کہتے ہیں کہ

"السکوت فی معرض الحاجة الی البیان بیان".

ایک ایسے مقام میں جس میں بیان کی حاجت ہے لیکن اس مقام میں اگر خاموشی اختیار کی جائے تو یہ خود بخود بیان کی حیثیت رکھتی ہے۔تو اسے بیان ضرورت کہتے ہیں۔

4۔بیان حال

اصولیین میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ شارع کی خاموشی کاروباری معاملات کے بارے میں وہ بیان حال ہے۔یعنی بیان ضرورت کے مقابلہ میں انہوں نے بیان کی ایک نئی قسم قائم کی ہے اور وہ اسے بیان حال کہتے ہیں یعنی شارع کی حالت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک ناجائز قسم کے کاروباری معاملہ پر شارع خاموش نہیں رہ سکتا۔اس وجہ سے کہ شارع کی خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جائز ہے۔اور بعض اصولیین نے اسے بھی بیان ضرورت میں شمار کیا ہے۔(74)

5۔بیان عطف

عربی میں واؤ حروف عاطفہ میں سے ہے جو حروف کی مختلف اقسام حروف جر، حروف اشارہ وغیرہ میں سے ایک قسم ہے۔اگر شارع یا دنیاوی معاملہ میں کوئی نص اپنے کلام میں حرف عطف واؤ استعمال کرے تو اُس سے کیا مراد لیا جائے گا، بیان عطف کا مفہوم یہ ہے کہ واؤ سے پہلے جو چیز آتی ہے، وہ معطوف علیہ اور داؤ کے بعد جو چیز آتی ہے وہ معطوف ہے۔

سوال یہ ہے کہ معطوف کو معطوف علیہ کا بیان قرار دیا جائے یا نہیں؟ اس میں کئی صورتیں ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ

"لفلان علی مائة و ثلاثة اثواب".

کہ فلاں شخص کے مجھ پر ایک سو اور تین کپڑے ہیں۔اب "مائۃ" معطوف علیہ ہے اور ثلاثۃ معطوف ہے۔اب معطوف کے ساتھ اثواب کا لفظ لگ گیا۔تو اب یہ اس کا بیان ہے کہ یہ سو بھی کپڑے ہیں جس طرح

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

یہ تین کپڑے ہیں یا یہ اس کا بیان نہیں ہے؟

اس پر اتفاق ہے تمام اصولیین کا چاہے شافعیہ ہوں چاہے حنفیہ ہوں کہ اس صورت میں جب کہ معطوف واحد یا اثنین نہیں ہے بلکہ واحد اور اثنین سے مافوق ہے۔ اس صورت میں معطوف میں جو چیز ہے وہی معطوف علیہ کے ساتھ بھی لگے گی۔ معطوف، معطوف علیہ کے لئے بیان اور تفصیل کی حیثیت رکھے گا۔ اگر ایک شخص نے یہ کہا کہ

"لفلان علی مائة و قفیز حنطة".

کہ فلاں شخص کے لئے مجھ پر سو ہے اور ایک پیمانہ گندم ہے۔ یا ایک شخص نے کہا کہ

"لفلان علی مائة و درهم".

کہ فلاں شخص کے لئے وہ مجھ پر ایک سو اور ایک روپیہ۔ تو اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ سو بھی روپیہ ہیں اور سو بھی گندم کے پیمانے ہیں۔ یہاں بھی معطوف، معطوف علیہ کا بیان ہو سکتا ہے۔ (75)

6۔ بیان تغییر (Elaboration by Exception):

شارع یا کسی اور شخص کے کلام سے ایک ظاہر مفہوم تو فوری طور پر واضح ہوتا ہے لیکن اُس میں ایک ایسے مفہوم کا احتمال بھی ہے جو ظاہر نہیں ہے اور متکلم اپنے بیان سے یہ واضح کرتا ہے کہ اس کی مراد دوسرا مفہوم ہے جس کا احتمال تھا اور فوری ظاہر ہونے والا مفہوم اُس کی مراد نہیں ہے اسے بیان تغییر کہتے ہیں۔ تو اب بیان تغییر بالکل بیان تقریر کے برعکس ہے۔ بیان تقریر میں یہ بات ہوتی ہے کہ ایک کلام سے مفہوم ظاہر ہوتا ہے تو بیان کے ذریعہ سے اسی مفہوم کو متعین کیا جاتا ہے کہ یہی میری مراد ہے۔ اور مفہوم غیر ظاہر کا جو احتمال ہے اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن بیان تغییر میں جو مفہوم غیر ظاہر کا احتمال ہے، اسے متعین کیا جاتا ہے کہ میری مراد یہی ہے۔ اور مفہوم ظاہر متبادر کو رد کر دیا جاتا ہے۔

مثال: بیان تغییر کی مثال تعلیق بالشرط اور استثناء ہے۔ یعنی اپنے کلام کے ساتھ کسی شرط کو لگا دینا یا اپنے کلام میں سے کسی کو نکال دینا تعلیق بالشرط کی تشریح یہ ہے:

مثال کے طور پر ایک شخص اپنے غلام سے اگر یہ کہے کہ

"انت حر ان ادیت الی الف درهم"

تم آزاد ہو اگر تم نے مجھے ایک ہزار روپے دیئے۔ تو "انت حر" کا جو کلام ہے اس کا ظاہر متبادر مفہوم تو یہی ہے کہ فوری طور پر مولیٰ نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا۔ گویا کہ عتق کا فی الحال واقع ہونا، یہ انت حر کا مفہوم وہ

Marfat.com

مفہوم ہے جو متبادر ہے یعنی فوری طور پر سمجھ آتا ہے۔لیکن انت حر میں اس بات کا احتمال ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تم آزاد ہو لیکن ایک شرط کو پورا کرو۔اب متکلم نے اس کے بعد جب یہ لگایا کہ

"ان ادیت الی الف درھم"

اگر تم مجھے ایک ہزار روپے ادا کر دے۔تو اس سے مطلب یہ ہے کہ متکلم نے یہ کہا کہ میری مراد عتق نہیں ہے بلکہ میری مراد تعلیق ہے۔یعنی میں فوری طور پر اپنے غلام کو آزاد نہیں کر رہا بلکہ میں اپنے غلام کی آزادی کو ایک شرط سے وابستہ کر رہا ہوں، معلق کر رہا ہوں۔اسے بیان تعلیق کہتے ہیں۔ یہ بیان تغییر کی قسم ہے۔

اسی طرح استثناء ہے مثلاً ایک شخص اگر یہ کہتا ہے کہ

"لفلان علی الف درھم الامئة"

کہ فلاں شخص کے مجھے پر ایک ہزار روپے ہیں مگر ایک سو۔اس کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ یہ ایک ہزار روپے پورے کے پورے اس پر لازم ہیں۔لیکن اس میں یہ احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے ان میں سے کچھ لازم ہوں اور کچھ لازم نہ ہوں۔پورے ایک ہزار نہ ہوں بلکہ تقریبا ایک ہزار ہوں۔جب وہ کہتا ہے کہ الامئة تو یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ مفہوم ظاہر متبادر میری مراد نہیں ہے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ ایک سو کم ایک ہزار۔

گویا استثناء بھی بیان تغییر ہے۔اور تعلیق بالشرط بھی بیان تغییر ہے۔

حکم

بیان تغییر کا حکم یہ ہے کہ وہ موصولاً صحیح ہے لیکن مفصولاً صحیح نہیں ہے۔یعنی اگر تغییر بیان کو پہلے کلام سے بالکل ملا دیا جائے یعنی پہلے کلام کے بعد متصلاً اس کا تذکرہ کر دیا جائے تو پھر اس کا بیان تغییر کا اعتبار کیا جائے گا۔لیکن پہلے کلام کے بعد متصلاً اگر بیان تغییر کا تذکرہ نہیں ہے تو پہلا کلام اپنا عمل کر لے گا اور اپنا اثر پیدا کرے گا۔پھر بیان تغییر کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی اور بیان تغیر کو لغو قرار دیا جائے گا۔

مثال کے طور پر ایک شخص آج تو کہتا ہے اپنے غلام سے مخاطب ہو کر کہ "انت حر" کہ تم آزاد ہو لیکن کل کہتا ہے کہ

"ان ادیت الی الف درھم"

وہ جو میں نے کہا تھا کہ تم آزاد ہو تو میرا مطلب یہ تھا کہ تم اس شرط پر آزاد ہو کہ ایک ہزار روپے مجھے ادا کر دو۔لہٰذا اب اس شرط کی اتنی وقعت نہیں ہے اور وہ غلام فوری طور پر آزاد ہو گیا۔

Marfat.com

7۔بیان تبدیل (نسخ):(Conditional Expression)

بیان کی اقسام میں سے آخری قسم بیان تبدیل ہے اور اسے نسخ کہتے ہیں۔نسخ اور تبدیل کا ہی ایک مفہوم ہے۔قرآن مجید میں کبھی کبھی تبدیل کا لفظ آیا ہے اور کبھی کبھی نسخ کا لفظ آتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرماتا ہے کہ

﴿ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍلا وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ﴾.

(النحل.۱۰۱)

اور جس وقت ہم کسی ایک آیت کو دوسرے آیت کے بدلے میں لے آتے ہیں۔ایک آیت کو تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسری آیت کو لے آتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خوب جانتا ہے کہ جس آیت کو وہ نازل کرتا ہے تو یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ ''اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ'' بیشک تو افتراء کرنے والا ہے اور اپنی طرف سے ایک بات بنا کر جھوٹ باندھنے والا ہے۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ﴾.(البقرہ ۱۰۶)

جس آیت کو ہم منسوخ کریں یا جس آیت کو ہم آپ کے دل سے بھلا دیں تو ہم اس سے ایک بہتر آیت کو لے آتے ہیں یا اس جیسی ایک اور آیت کو لے آتے ہیں۔

لغت میں نسخ کو نقل کہتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ ''نسخت الشمس الظل''سورج نے سایہ کو ایک طرف سے دوسرا طرف منتقل کر دیا۔یعنی سورج جب مشرق کی طرف سے طلوع ہوتا ہے تو تمام اجسام کے سائے مغرب کی طرف بڑھنے لگتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ جب سورج بلند ہوتا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ سایہ بھی اپنے مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔تو نسخ کا لغوی مفہوم نقل ہے۔اور اس نسخ کو بیان تبدیل کہتے ہیں۔

نسخ ایک اعتبار سے تبدیل ہے اور ایک اعتبار سے بیان ہے۔

مثال

اس کی مثال مسئلہ قتل ہے۔جب ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کرتا ہے تو بظاہر گویا قاتل نے اس مقتول کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔اگر قاتل قتل کا اقدام نہ کرتا اور قتل کا ارتکاب نہ کرتا تو بظاہر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک لمبی مدت تک زندگی بسر کرتا لیکن قاتل نے اس کے سلسلہ زندگی کو منقطع کر دیا۔اس لحاظ سے تو ہم یہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سمجھتے ہیں کہ یہ قتل تبدیلی ہے۔لیکن جب ہم اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں کہ ہر ایک شخص کی موت کے لئے ایک خاص وقت مقرر ہے اور وقت مقررہ کے آنے سے پہلے کسی شخص کو موت نہیں آسکتی اور کوئی انسان وقت مقررہ سے پہلے کسی دوسرے انسان کی جان لینے پر قادر نہیں ہے اور وقت مقرر آنے کے بعد کسی طریقہ سے بھی ایک انسان کی زندگی بچ نہیں سکتی۔اس لحاظ سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس قاتل نے جب قتل کا اقدام کیا تو قتل کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فی الواقع اللہ کے نزدیک اس مقتول کی مدت یہاں تک تھی۔اور اللہ تعالیٰ کے علم میں بس مقتول کی زندگی یہیں تک تھی اور اس سے آگے چل کر مقتول کی زندگی سرے سے اللہ کے ہاں تھی ہی نہیں۔تو اس اعتبار سے قتل کا فعل بیان کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾.(الاعراف:۳۴)

جس وقت لوگوں کا وہ مقررہ وقت آجائے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک انسان کی زندگی کی انتہاء کے لئے مقرر ہے تو "لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً" تو اس سے ایک ساعت بھی وہ موخر نہیں ہو سکتے "وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" اور وہ اپنے وقت مقررہ سے پہلے مر نہیں سکتے۔

جس طرح یہ قتل ایک لحاظ سے بیان کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک اعتبار سے تبدیلی کی حیثیت رکھتا ہے جس اعتبار سے یہ تبدیلی کی حیثیت رکھتا ہے، اسی اعتبار سے ہم یہ کہتے ہیں کہ قاتل پر قصاص لازم ہے اور وہ خوں بہا دے گا اس کے لئے جہنم کی سزا ہے۔اسی طرح نسخ بھی ایک اعتبار سے بیان اور دوسرے اعتبار سے تبدیلی کی حیثیت رکھتا ہے۔(76)

Marfat.com

(2) حروفِ معانی کی بحث

آپ ابھی تک اصولی ولغوی قواعد یعنی الفاظ اور ان کے معنی ،مفہوم ، دلالت وغیرہ کا مطالعہ کر رہے تھے اب آپ اصول فقہ میں حکم کے استنباط میں دوسرے موضوع حروف سے متعلق بحث کا مطالعہ کریں گے فقہی مسائل کا دار و مدار حروف کے معانی پر بھی ہے۔اس لئے نحو کی طرح اصول فقہ میں بھی ان حروف کی بڑی اہمیت ہے اور ان حروف کے معانی میں اختلاف کے سبب فقہاء کے مابین کئی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ حروف کی دوقسمیں ہیں۔

(1) حروفِ مبانی۔ (2) حروفِ معانی۔

1- حروفِ مبانی سے مراد ''حروف تہجی'' ہیں یعنی وہ حروف جن کا مقصد صرف وضع کلمات ہے۔

2- اور حروفِ معانی سے مراد وہ حروف ہیں جو کسی معنی و مطلب کے لئے وضع کئے گئے ہوں یہ تین قسم کے ہیں۔

(1) حروف عطف (2) بعض حروف جارہ (3) بعض حروف شرط۔

وہ حروف جو کسی معنی یا مطلب کے لئے بنائے گئے (وضع) ہیں اُن میں اہم یہ ہیں۔ واؤ (اور، برائے عطف)۔فاء۔(پس......پھر......برائے تراخی و عطف)۔ثم (پھر۔برائے عطف و تراخی) لیکن (لیکن۔حرف استثناء)۔یا (اور......یا دو میں سے کسی ایک میں سے حکم کا تعلق بیان کرنے کے لئے) حتی (پھر......)الی (تک ......انتہاء غایت)۔علی (پھر۔) فی (میں ......کلمہ ظرف)۔ان (اگر ......حرف شرط)۔مع ......(ساتھ برائے معیت) ......بعد (بعد میں ...... برائے تاخیر)۔عند (پاس ...... برائے تاخیر)۔اذ، ......(اگر۔جب ......حروف شرط) اذاما (جب بھی ......حروف شرط ......) من (جو شخص ......حرف شرط) ما (جو چیز ......حرف شرط)۔وغیرہ داخل ہیں۔ان میں سے ہرایک حرف سے جن معانی پر دلالت ہوتی ہے اس سے اصول فقہ میں بحث کی جاتی ہے۔ان حروف کو سمجھنے کے لئے کتب اصول فقہ کے ساتھ عربی زبان کی کتب نحو کا مطالعہ بھی ضروری ہے کیونکہ یہ حروف ایک وقت میں متعدد معنی دے رہے ہوتے ہیں۔ان متعدد معانی میں سے بعض فقیہ کوئی معنی لیتے ہیں اور چند کچھ اور معنی لیتے ہیں جس کی وجہ سے احکام کی فرضیت اور استحباب میں فرق پڑ جاتا ہے۔(77)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حروفِ معانی کی تعریف:

قرآن مجید کی بعض بحثیں حروف مبانی سے نہیں بلکہ حروف معانی سے بھی متعلق ہیں۔اس لئے اصولین نے حروف معانی کے متعلق بھی ضروری قواعد اور مسائل کتاب اللہ کی بحث میں ذکر کئے ہیں۔حروف معانی کی وجہ سے بھی فقہاء کے مابین مسائل کے حل میں کافی اختلاف موجود ہے۔

''یہ ایسے حروف ہیں جو ایک ایسے معانی پر دلالت کرتے ہیں کہ جب تک ان الفاظ کے ساتھ مزید کلمات یا الفاظ کا تذکرہ نہ کیا جائے، اس وقت تک ان الفاظ سے وہ معانی مراد نہیں ہو سکتے، جن کے لئے یہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں''۔

مثلاً ''مِن'' اور ''الٰی'' پر غور کیجئے۔لفظ من ''سے'' کے معانی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ الٰی ''تک'' کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔جب تک من اور الٰی کے ساتھ کچھ اور کلمات کا اضافہ نہ کیا جائے۔اس وقت تک ان دو الفاظ سے مخاطب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

جب ہم کہتے ہیں

''سرت من البصره الی الکوفة''.

''میں بصرہ سے کوفہ تک گیا''۔

اس فقرہ میں الفاظ سرت، بصرہ اور کوفہ کو تذکرہ حروف من اور الٰی کے ساتھ کیا گیا ہے۔تبھی تو سامع اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور کہی گئی بات کو سمجھ سکتا ہے۔یہاں الفاظ من اور الٰی کے ساتھ سرت، بصرہ اور کوفہ کا تذکرہ لازمی ہے۔ورنہ صرف من اور الٰی سے مخاطب کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔اب آپ ان حروف کے متعدد معنی کہ وجہ سے صرف ایک مثال کے ذریعہ فقہاء کے اختلاف اور احکام کے استنباط کرنے کے طریقوں کا مطالعہ کریں گے۔

حرف عاطفہ ''وَ''

ان حروف میں سے جو پہلا حرف ہمارے سامنے آتا ہے وہ ہے حرف واؤ ''وَ''۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ حرف ''وَ'' ترتیب کے لئے ہے۔حرف ''وَ'' دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ جس چیز کا تذکرہ ''وَ'' سے پہلے ہے وہ واقع ہونے اور موجود ہونے کے لحاظ سے مقدم ہو گی اور جس چیز کا تذکرہ حرف ''وَ'' کے بعد ہو گا وہ واقع ہونے اور موجود ہونے کے لحاظ سے بھی مؤخر ہو گی۔

مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

"جاء نی زید و عمرو"

تو اس فقرے میں حرف "وْ" کا تقاضا یہ ہے کہ زید کا آنا پہلے اور عمرو کا آنا بعد میں ہو۔

حج کے دوران حروف معانی کے ذریعہ صفا اور مروہ میں سعی کی ترتیب:

اس سلسلہ میں ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ ہم حج اور عمرہ میں صفاو مروہ کے درمیان سعی کی ابتداء کہاں سے کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"نحن نبدء بما بداء الله تعالیٰ به" (78)

"ہم شروع کرتے ہیں وہاں سے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ابتداء کی"۔

یعنی اللہ کے کلام میں جس چیز کا تذکرہ پہلے آیا ہے، ہم وہاں سے سعی کی ابتداء کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾. (البقرہ ۱۵۸)

"بے شک صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں"۔

یعنی صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی عبادت اور بندگی کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے ہیں۔اس آیت میں صفا کا تذکرہ "وْ" سے پہلے ہے اور مروہ کا تذکرہ "وْ" کے بعد ہے۔یہاں "وْ" کا تقاضا ترتیب ہی ہے۔لہذا سعی کی ابتداء صفا سے ہوتی ہے مروہ سے نہیں۔

ترتیبِ وضو میں حروفِ معانی:

اسی بنا پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وضو میں وہی ترتیب فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں موجود ہے۔یعنی سب سے پہلے ہم چہرے کو، اس کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیں۔اس کے بعد سر پر مسح کریں بعد ازاں پیروں کو ٹخنوں تک دھوئیں۔یہ ترتیب اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کا تذکرہ (اور ان اعضاء سے متعلق فرائض) کا ذکر حروف "وْ" کو ترتیب کے لئے استعمال کر کے کیا ہے۔لہٰذا ان کی رائے میں وضو کے پانچ فرائض ہیں۔ چاروں اعضاء کا دھونا اور اُن میں ترتیب کو بھی برقرار رکھنا۔ اگر کسی نے پہلے چہرے کو نہیں دھویا یعنی ترتیب برقرار نہیں رکھی تو اس کا وضو نہیں ہوا احناف حروف کی اس بحث میں شافعیہ سے اختلاف کرتے ہیں اُن کے نزدیک واؤ سے مراد جمع سے ترتیب نہیں ہے وہ "وْ" کو ترتیب کے معنی میں نہیں بلکہ جمع کے معنی میں لیتے ہیں اس لئے وہ وضو کے چار فرض بتاتے ہیں۔ 1- ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا 2- منہ کا دھونا 3- سر کا مسح کرنا 4- پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ﴾. (المائدہ ٦)

''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک ڈھوڈالو۔ اور اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھوؤ''۔

اس آیت میں واؤ کے بارے میں امام شافعیؒ کے سابقہ پیرہ میں استعمال شدہ معنی سے اختلاف کرتے ہوئے حنفیہ کہتے ہیں کہ حرف ''وٗ'' مطلق جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔لہٰذا ان کی رائے میں وضو کے صرف چار فرائض ہیں۔اسی طرح باقی تمام حروف کے معنی میں اختلاف کی وجہ سے مختلف فقہی مکاتب بنتے ہیں۔(79)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(3-4) تعارض ادلۃ، ترجیح اور نسخ

اب آپ استنباط احکام کے طریقے اور قاعدے میں تیسرا اور چوتھا موضوع بیک وقت مطالعہ کریں گے۔ پہلا نصوص کے احکام میں اختلاف جس کو تعارض اُدلۃ کہتے ہیں اور دوسرا ناسخ و منسوخ ہے۔

تعارض کے لغوی معنی ٹکراؤ اور مخالفت کے ہیں۔ ادلۃ سے مراد مختلف مآخذ قانون ہیں جن کا مطالعہ آپ دوسرے باب میں کر چکے ہیں۔

اصطلاحی طور پر اس سے مراد مختلف مآخذ قانون جو مرتبہ میں برابر ہوں، کے احکام کا یا ایک ہی ماخذ کے احکام کا ایک دوسرے سے اختلاف ہونا ہے۔ یعنی قرآن مجید کا حکم حدیث کے مخالف ہو۔ یا قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے سے اور حدیث کے بعض احکام کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے۔

ان يقتضى احد الدليلين المتساويين فى مرتبة الثبوت. نقيض مايقتضيه الاخر، كآيتين أوسنتيں متواترين .(80)

مرتبہ میں مساوی دو دلیلوں کا کسی ایسے کام کا مطالبہ کرنا جو ایک دوسرے کے مخالف ہو، جیسے قرآن مجید کی دو آیات دو متواتر حدیثیں وغیرہ۔

جس طرح قرآن مجید کی ایک آیت میں حکم ہو کہ فلاں کام کرو اور دوسری آیت اُسی کام کے نہ کرنے کا حکم دے رہی ہو اسی طرح دو احادیث میں متضاد احکام ہوں۔

شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض کا مطلب یہ لینا کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک دلیلِ شرعی کسی حکم کی متقاضی ہو اور اس مسئلہ کے بارے میں دوسری دلیل اس سے متضاد حکم دے رہی ہو یعنی ایک آیت حکم دے کہ بزرگوں کا حکم مانو اور دوسری آیت میں حکم ہو کہ بزرگوں کا حکم نہ مانو۔ تو ان معنی میں شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض کا تصور فی الواقع کیا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ تعارض کا مطلب دلائل کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا یا شرعی احکام کا مقصود مبہم رکھنا ہے، اسلامی شریعت میں یہ سب امور جائز نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ جو شارع ہے وہ حکیم بھی ہے اس کے لئے شریعت میں ایسے احکام لانا جو ایک دوسرے سے متصادم ہوں محال ہے۔

تاہم مختلف مجتہدین کی رائے اور ان کی نظر کے اعتبار سے یہ امر محال نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ مجتہدین

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کرام اُس مسئلے کو نہ سمجھ رہے ہوں اور ایک مجتہد ظاہر میں یہ سمجھے کہ کسی مسئلہ میں ایک دلیل دوسرے کے مخالف ہے۔اور اس کا یہ سمجھنا اس کی کم فہمی اور ادراک کی کمزوری اور مسئلہ کے دلائل اور پہلوؤں سے ناواقفیت کے سبب سے ہو۔اگر کسی مسئلہ میں ظاہری طور پر یہ محسوس ہو رہا ہو کہ قرآن مجید نے ایک مسئلہ کے بارے میں دو حکم دئے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہیں تو مجتہدین اور علماء کرام کے لئے ان کے نزدیک اس تعارض کو دور کرنے کے لئے علماء اصول نے کچھ اصول وقواعد وضع کئے ہیں۔جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

قواعد ترجیح:(Preference)

1- شرعی دلیلوں کے درمیان اگر کبھی تعارض پیدا ہو جائے ، بشرطیکہ یہ دونوں قوت میں برابر ہوں جیسے قرآن مجید کی دو آیتیں یا دو حدیثیں۔اس حالت میں مجتہد ان دونوں نصوص کی تاریخ ورود کی تلاش کرتا ہے اور بعد میں وارد ہونے والی نص کو ناسخ تصور کیا جائے گا۔اسکی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾. (البقرة:240)

''اور جو لوگ تم میں سے مرنے لگیں اور اپنے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ دیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں ایک سال تک خرچ دینے اور انکو گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾. (البقرة:235)

''اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک روکے رکھیں''۔

پہلی آیت سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اسکی عدت ایک سال ہے اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت چار مہینے اور دس دن ہے۔چونکہ دوسری آیت پہلی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے اس لئے وہ پہلی آیت کو منسوخ کرتی ہے اور دوسری کا حکم باقی رہے گا۔

لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔یہاں دونوں آیتوں میں حقیقت میں تعارض ہی نہیں اس لئے کہ اول الذکر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کو خاوند کی وفات کے بعد ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے اور دوسری آیت اس مدت کی تعین کرتی ہے۔ جس کے دوران میں عورت کو اپنے خاوند کا سوگ منانا ہوتا ہے۔ اور نکاح کی اجازت نہیں ہوتی۔ لہٰذا دونوں میں تعارض ثابت نہیں ہے۔ (81)

(۲) اگر دو متعارض نصوص کی تاریخ ورود کا علم نہ ہو تو مجتہد ایک نص کو دوسری پر ترجیح دینے کے لئے اس میں وہ طریقے اختیار کرے جو علماء اصول نے متعین کئے ہیں اور، چند اہم یہ ہیں:

اول: نص کو ظاہر پر ترجیح دی جائے گی۔

دوم: مفسر کو نص پر ترجیح دی جائے گی۔

سوم: محکم کو اس کے ماسوا ہر سہ اقسام پر خواہ وہ ظاہر ہو، نص ہو، یا مفسر، ترجیح دی جائے گی۔

چہارم: جو حکم عبارۃ النص سے ثابت ہو اس کو اس حکم پر جو اشارۃ النص سے ثابت ہو پر ترجیح دی جائے گی۔

پنجم: جو حکم اشارہ النص سے ثابت ہو اس کو اس حکم پر ترجیح دی جائے گی جو دلالۃ النص سے ثابت ہو۔

(3) اگر دو متعارض نصوص میں سے ایک کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہو کہ کون سی نص ناسخ ہے، اسی طرح ایک کو دوسری نص پر ترجیح کے جو طریقے اوپر ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہ ہو اور دونوں نصوص قوت میں یکساں بھی ہوں تو اس صورت میں مجتہد کو چاہئے کہ ان دونوں متعارض نصوص کے درمیان جمع، توفیق اور موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح دونوں نصوص پر عمل کرے۔

(5) جمع و توفیق کے قاعدہ میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ دو نصوص میں سے ایک نص عام ہو اور دوسری خاص۔ یا ایک مطلق ہو اور دوسری مقید ہو، تو خاص سے عام کی تخصیص کریں گے اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں عام پر عمل کریں گے۔

(6) توفیق (دو نصوص کے درمیان موافقت پیدا کرنا)۔ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ دو نصوص میں سے ایک کی اس طرح تاویل کی جائے کہ وہ دوسری نص سے ٹکرائے نہ، جیسے بعض متاخرین علماء نے صفات باری سے متعلق بعض آیات کی اس طریقے پر تاویل کی ہے۔

(7) اگر دلیلیں قوت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو ترجیح، دلیل کی قوت کی بنیاد پر دی جائے گی۔ ذیل میں ہم اس قسم کی ترجیح کے کچھ طریقے بیان کرتے ہیں۔

(الف) قرآن مجید کی آیت یا صحیح حدیث کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ قیاس ظنی دلیل ہے اور نص کی موجودگی میں اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(ب) قیاس پر اجماع کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اجماع قطعی ہے اور قیاس ظنی ہے ظنی میں قطعی کے ساتھ معارضہ کی طاقت نہیں ہے۔

(ج) متواتر حدیث کو خبر واحد پر ترجیح دی جائے گی۔

(د) ایسی خبر واحد کو جسے عادل اور فقیہ نے روایت کیا ہو کو اس خبر واحد پر ترجیح دی جائے گی جس کو عادل مگر غیر فقیہ راوی نے روایت کیا ہو۔

(ہ) اگر دو قیاس، باہم متعارض ہوں تو ان میں سے جو زیادہ قوی ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔یعنی جس قیاس میں علت مذکور ہو اس کو اس قیاس پر ترجیح دی جائے گی جس کی علت مستنبط کی گئی ہو۔یا جس قیاس کی علت تائید یا حکم کی مناسبت میں دوسرے قیاس کی علت سے زیادہ قوی ہو۔اس کو ترجیح دی جائے گی۔(82)

نسخ:(Abrogation)

اس کے بارے میں آپ سابقہ عنوان (1/5) بیان کی اقسام میں ''بیان تبدیل'' میں بھی کچھ مطالعہ کر چکے ہیں۔

لغت میں نسخ زائل کرنے یا منتقل کرنے کو کہتے ہیں۔اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے:

رفع الحکم الشرعی بدلیل شرعی متاخر عنه.(83)

''کسی سابقہ شرعی حکم کو بعد کی شرعی دلیل کے ذریعہ ختم کرنے کو نسخ کہتے ہیں''۔

بعد میں آنے والی اس دلیل کو ناسخ کہتے ہیں۔اور اس پہلے حکم کو منسوخ کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں نسخ واقع ہوا ہے اور اس کی سب سے ظاہری مثال نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کو منسوخ کر کے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دینا ہے۔(البقرہ:۱۴۴)

پھر نسخ کبھی کلی ہوتا ہے، یعنی پہلا یا سابق حکم پورے کا پورا اٹھا لیا جاتا ہے جیسے بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنے کا حکم منسوخ کر کے مسجد الحرام کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا اور کبھی جزئی ہوتا ہے۔یعنی جن افراد پر سابق حکم پہلے منطبق ہوتا ہے۔اس میں سے بعض سے اس کو اٹھا لیا جاتا ہے اور بعض سے نہیں۔اس کی مثال میں قذف یعنی تہمت زنا کی آیت پیش کی جا سکتی ہے دیکھیے سورۃ النور:4 کہ اس آیت میں قذف کی سزا کا حکم عام ہے یعنی خواہ خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا خاوند کے علاوہ دوسرے لوگ دوسرے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں۔سب کو ایک ہی سزا دی جائے گی لیکن یہ عمومی حکم دوسری آیت

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سے جزوی طور پر منسوخ ہو گیا (دیکھئے: النور۶) اور وہ یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ لا سکے تو اس پر عام لوگوں کی طرح حد قذف جاری نہیں ہو گی۔ بلکہ لعان کے ذریعہ دونوں کی تفریق کرا دی جائے گی (لعان کے تفصیل کے لئے دیکھئے: سورۃ النور۶)۔ اب دوسری آیت میں نسخ جزئی ہے یعنی تمام لوگوں میں سے صرف خاوند کے بارے میں یہ حکم منسوخ ہے۔

نسخ کی حکمت:

اسلامی شریعت میں نسخ عملاً واقع ہوا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور اُن کی مصالح کی رعایت کرنا چاہتے ہیں۔ اور جیسا کہ ہم تفصیل سے پہلے بتا چکے ہیں کہ تشریع احکام کا مقصد اصلی بندوں کی مصالح اور اُن کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اگر کبھی یہ بات دیکھی جائے کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی زمانہ میں فلاں حکم کو تبدیل کر دیا جائے تو یہ تبدیلی تشریع احکام کے اس مقصد کے مطابق ہو گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ابتداء اسلام میں صبح و شام دو وقت کی نمازیں فرض ہوئیں اور ہر نماز میں صرف دو رکعتیں فرض تھیں۔ اس کے بعد تدریجاً پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور ان کی مختلف رکعتیں مقرر ہوئیں جس طرح آج ہم ان نمازوں کو ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان نمازوں اور رکعتوں کی تکمیل اس وقت ہوئی جب لوگ ان کے عادی ہو چکے تھے اور انہیں ان سے اطمینان ہو چکا تھا۔ (84)

نسخ کی قسمیں

نسخ کی بے شمار قسمیں ہیں۔ مثلاً نسخ القرآن بالقرآن۔ نسخ القرآن بالحدیث۔ نسخ الحدیث بالقرآن۔ منسوخ التلاوۃ والحکم، منسوخ الحکم مع بقاء التلاوۃ، نسخ التلاوۃ مع بقاء الحکم وغیرہ۔ یہ دراصل علم تفسیر کا موضوع ہے لیکن یہاں پر صرف اصول فقہ سے متعلق اہم اقسام بیان کی جائیں گی۔ نسخ کبھی صریح ہوتا ہے۔ اس طرح کی شارع خود اس بات کی وضاحت کر دے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اس کی مثال میں ہم رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پیش کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''میں نے تمہیں پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب تم ان کی زیارت کرو کیونکہ یہ زیارت تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہے''۔ (85)

نسخ کبھی ضمنی ہوتا ہے اس طرح کہ شارع کسی حکم کے منسوخ ہونے کے بارے میں خود وضاحت نہ کرے۔ کوئی ایسا حکم دے جو سابق حکم سے عارض یعنی مخالف ہو اور واضح طور پر یہ نہ بتائے کہ پہلا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اسکی مثال سورۃ البقرہ میں بیوہ عورت کے سلسلے میں وارد ہونے والے دو احکام ہیں۔ ایک حکم کی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

روسے اس کی عدت چار ماہ دس دن اور دوسری کی رو سے ایک سال ہے لہٰذا دوسری آیت ضمنی طور پر سابق آیت کی ناسخ ہے۔جس کا مطالعہ آپ سابقہ صفحات میں قواعد ترجیح کے عنوان میں کر آئے ہیں

نسخ کا وقت اور وہ احکام جس کا منسوخ ہونا جائز ہے

نسخ صرف نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہو سکتا ہے آپ کی وفات کے بعد نسخ جائز نہیں ہے۔کیونکہ نسخ وحی سے ہوتا تھا اور آپ ﷺ کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ناسخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوت میں منسوخ حکم کے برابر ہو، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔کوئی چیز بھی قوت میں وحی کے برابر نہیں ہو سکتی سوائے وحی کے اور وحی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد منقطع ہو چکی ہے۔اس لئے آپ کی وفات کے بعد قطعی طور پر اسلامی شریعت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا۔

جن احکام کا منسوخ ہونا جائز ہے وہ انسانوں کے روزمرہ معاملات اور ایسے فروعی اور عملی احکام ہیں جو قابل تغیر و تبدل ہیں۔لیکن عقائد اور ابدی حقائق کے احکام میں نسخ جائز نہیں ہے۔مثلاً بنیادی احکام۔یہ عقائد سے متعلق احکام ہیں۔جیسے اللہ پر، آخرت پر، اور حساب کتاب پر ایمان اسی طرح شرک، ظلم و زنا کی حرمت وغیرہ۔اس سے مراد یہ ہے کہ دینی احکام میں نسخ نہیں ہو سکتا شرعی احکام میں ہو سکتا ہے دین اور شریعت میں فرق کا آپ تعارفی باب میں مطالعہ کر چکے ہیں۔

وہ چیزیں جن سے نسخ جائز ہے

نسخ میں بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ ناسخ کرنے والے حکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوت میں منسوخ ہونے والے حکم کے برابر ہو، یا اس سے قوی تر ہو اور منسوخ اُس دلیل کے بعد وارد ہو، نہ کہ پہلے۔اس اصول پر متعدد قواعد متنوع ہوتے ہیں۔اور ان سے متعدد نتائج نکلتے ہیں۔

اول: قرآن مجید کی آیت میں اگر واضح طور پر حکم ہو تو وہ ایک دوسرے سے منسوخ ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ سب قوت میں برابر ہیں۔

دوم: متواتر سنت سے قرآن مجید کی آیت منسوخ ہو سکتی ہے اور اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔کیونکہ متواتر سنت قطعی الثبوت ہونے میں قرآن کی طرح ہے۔نیز دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ وحی ہے۔یہ جمہور کا مسلک ہے۔امام شافعی کے نزدیک قرآن صرف قرآن سے منسوخ ہو سکتا ہے اور سنت صرف سنت سے منسوخ ہو سکتی ہے۔قرآن سنت کو منسوخ نہیں کر سکتا اور سنت بھی قرآن مجید کے احکام کو منسوخ نہیں کر سکتی کیونکہ دونوں خود مختار ماخذ قانون ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سوم: ایک خبر واحد دوسری خبر واحد کو منسوخ کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ دونوں قوت میں برابر ہوں یا ناسخ و منسوخ سے زیادہ قوی ہو۔

چہارم: اجماع سے قرآن مجید یا سنت کی کوئی نص منسوخ نہیں ہو سکتی۔

پنجم: جو اجماع قرآن مجید کی کسی نص یا حدیث، قیاس پر مبنی ہو وہ دوسرے اجماع سے منسوخ نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو اجماع مصلحت پر مبنی ہو وہ دوسرے اجماع سے منسوخ ہو سکتا ہے۔

ششم: قیاس میں قرآن مجید کی نص یا حدیث کو منسوخ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

ہفتم: ایک قیاس دوسرے کو منسوخ کر سکتا ہے کیونکہ قیاس رائے و اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے۔(86)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(5) مقاصدِ شریعت: (شریعت کے عمومی مقاصد)

(Objectives of Shariah)

آپ اس باب کے ابتداء میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ علماء اصول نے قرآن وسنت سے احکام کے استنباط کے لئے عربی زبان کا جائزہ لینے کے بعد ان اصول وقواعد کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو پانچ ہیں۔ ان میں سے ابتدائی چار اصول ۱۔ الفاظ و جملوں کے بارے میں اصولی ولغوی قاعدے ۲۔ مختلف حروف اور ان کے معانی ۳۔ ناسخ منسوخ ۴۔ تعارض وترجیح کے اصول کا آپ سابقہ صفحات میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ اب آپ اس باب میں پانچواں اصول مقاصدِ شریعت جس کو عربی میں مقاصد الشریعۃ کہتے ہیں کا مطالعہ کریں گے۔

اصول فقہ کی رو سے شارع یعنی اللہ تعالیٰ جو شریعت عطاء کرنے والے ہیں نے کائنات کی کوئی چیز بھی بے مقصد پیدا نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اس کی پیدائش کا بھی ایک مقصد متعین کیا اور جب بنی نوع انسان کے لئے زندگی گزارنے کا قانون یعنی شریعت نازل کی تو اس کا بھی ایک مقصد متعین کیا۔

مقاصدِ شریعت یا شریعت کے عمومی مقاصد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلامیہ کو نازل کرنے اور بندوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم کیوں دیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی مراد، خواہش، مدعا اور ارادہ کیا تھا۔ اس عنوان میں نزولِ شریعت کا مقصد واضح ہوگا۔

لفظ مقاصد جس کا واحد مقصد ہے کے ساتھ ایک اور لفظ مصالح بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح آپ آئندہ سطور میں مطالعہ کریں گے کہ ''شریعت یا تمام شرعی احکام کا مقصد تمام بندوں کی مصالح کو پورا کرنا اور اُن مصالح کی حفاظت کرنا ہے''

لفظ مصالح، مصلحت جمع ہے اس کی ایک جمع مصلحتوں بھی آتی ہے۔ اس سے مراد بھتری، نیک صلاح، اچھی تجویز اور مناسب اقدام ہے۔

ان سطور میں اس سے مراد یہ ہوگا کہ شریعت کے کسی حکم کا مقصد کیا ہے اور اُس مقصد میں مصلحت یعنی فائدہ، بھتری اور اچھی چیز کیا ہے۔ گویا کہ مقصد بنیادی چیز ہے اور مصلحت اُس کے ذیل میں آئے گی۔ جس طرح روزہ کی فرضیت کا مقصد تقوی کی صفت اُجاگر کرنا ہے اور اس صفت کے ہونے کی مصلحت یہ ہے کہ

Marfat.com

انسان کے اندر اس کی وجہ سے خدا خوفی اور بنی نوع انسان سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ دو صفات تمام انسانوں کے لئے فائدہ کا باعث ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا انبیاء کرام کے ذریعہ دین اور شریعت بھیجنے کا مقصد انسانوں کو سہولت مہیا کرنا اور سراسر، سرتا سر اور سرتا پا نفع پہنچانا اور ان سے نقصان کو دور کرنا ہے، اس کلیہ کو علماء اصول نے اس طرح واضح کیا ہے:

"جلب المنفعه و دفع الضرر أو جلب المصلحة و رفع الحرج" (87)

بنی نوع انسان کو نفع پہنچانا اور ان سے نقصان کو دور کرنا یا مصلحت کا حصول اور حرج کو دور کرنا

شریعت کے تمام احکام میں یہی مقصد ہے اور ان میں انسانوں کے لئے بہترین مصلحت ہو گی کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں ہو گا جس میں بنی نوع انسان کے لئے نقصان ہو۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ جس ملک، خطہ، علاقہ یا سلطنت میں اسلامی شریعت نافذ ہو گی تو اس نفاذ کی مندرجہ بالا اصول کے ذریعہ جانچ پرکھ کی جا سکتی ہے کہ اگر شریعت کے نفاذ کے بعد لوگوں کو فائدہ حاصل ہو رہا ہے اور وہ خوش و خرم ہیں مزید ان کو اس حکومت کے سائے میں کوئی نقصان بھی نہیں ہو رہا یعنی بدامنی، قتل و غارت، دہشت گردی وغیرہ سے وہ خطہ پاک ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں حقیقی معنی میں شریعت نافذ ہے اور اور اگر یہ صورت حال نہیں ہے تو صرف خالی خولی اور زبانی دعوی ہے۔

اصول فقہ کا یہ عنوان دور حاضر میں بہت مقبول اور اسلامی شریعت کی حقانیت کا مظہر بن چکا ہے۔ اسلئے اسے "فقہ المقاصد" کا نام بھی دیا گیا ہے۔

مقاصدِ شریعت کے مطالعہ کی ضرورت:

جب کوئی مجتہد، مجدد یا مفتی وغیرہ اسلامی مآخذ قانون سے مسائل کا استنباط، استدلال یا استخراج کرتا ہے تو اس کو استنباط احکام کے طریقہ میں سے الفاظ و حروف کے معنی، مفہوم، وضاحت، دلالت کی کیفیت، بیان کے طریقہ، قواعد ترجیح، ناسخ و منسوخ وغیرہ جن کا مطالعہ آپ سابقہ اوراق میں کر چکے ہیں، سے واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ، اس بات کو بھی سمجھنا ہو گا کہ اسلامی شریعت کا مزاج اور مقصد کیا ہے تا کہ وہ اس مزاج اور مقصد کے مطابق مسائل حل کر کے لوگوں کو آگاہ کرے۔ اسلامی شریعت کا عمومی مزاج بنی نوع انسان کو فائدہ اور سہولت مہیا کرنا ہے۔

اس لئے مجتہد کے لئے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ الفاظ کی اپنے معنی پر دلالت سے واقفیت حاصل کرے، بلکہ تشریع احکام کے اسرار و رموز، اور وہ عمومی مقاصد جن کے لئے شریعت نے مختلف احکام

Marfat.com

دیئے ہیں ان سے بھی اس کو واقفیت حاصل کرنا چاہئے، تا کہ وہ نصوص کو اچھی طرح سمجھ سکے، اور ان کی صحیح تفسیر کر سکے۔ اور ان عمومی مقاصد کی روشنی میں احکام مستنبط کر سکے۔ تا کہ وہ احکام انسانوں کے لئے نفع آور ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ دین و دنیا میں بندوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے وضع کیے ہیں۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کوئی حکم دیتے ہیں تو ساتھ ہی اس کی مصلحت اور مقصد بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اور بعض دفعہ حکم کے ساتھ اس کی مصلحت و مقصد کو بیان نہیں کیا جاتا۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کوئی بھی ایسا حکم نہیں دیا جو حکمت و مصلحت سے خالی ہو یا جس میں تمام لوگوں کے لئے نقصان، ضرر یا حرج ہو۔ (88)

مختلف احکام میں انسانوں کے لئے فوائد:

اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی بعثت کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ م بَعْدَ الرُّسُلِ﴾. (النساء:165)

ترجمہ: پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا، تا کہ انبیائے کرام کی بعثت کے بعد لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی قسم کے الزام کا موقع نہ رہے۔

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مومنوں کو خوشخبری سنائیں اور کافروں کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے آگاہ کریں، تا کہ لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عذر پیش کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے کہ ہماری عقلیں مسائل وحقائق کے سمجھنے سے قاصر رہی ہیں۔

ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں بھی یہ بات واضح کی کہ آپ تمام عالمین یعنی صرف بنی نوع انسان کے لئے نہیں باقی تمام مخلوقات کے لئے باعث رحمت اور باعث فائدہ ہیں اس لئے ان مقاصد کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں اور تمام مخلوقات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾. (الانبیاء:107)

ترجمہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

انسان کے مقصد پیدائش کو ذکر کرتے ہوئے یہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾. (الزاریات:56)

ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں اس مقصد کے لئے پیدا کہ وہ میری عبادت کریں۔

انسان کو پیدا کرنے کو مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق دنیاوی زندگی گزارے، اچھے اعمال کرے برے کاموں سے بچے اور اللہ کی عبادت کثرت سے کرے۔ اور اس میں بنی نوع انسان کا فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اور حکیم کا کوئی قول بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے اکثر احکام کے فوائد کا ذکر کر دیا گیا۔ مثلاً آیت وضو میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾. (المائدۃ:6)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔

اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی ایسا حکم نہیں دیا جو انسانوں کے لئے تکلیف و مشقت کا باعث ہے بلکہ ہر حکم آسانی اور فائدہ کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک و صاف رکھنا چاہتے ہیں۔

روزوں کا حکم دیتے ہوئے اس کا فائدہ بیان کیا جاتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾. (البقرۃ:183)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

روزے کا دیگر مقاصد کے علاوہ ایک اہم مقصد یہ بھی ہے لوگوں میں روزہ رکھنے کی وجہ سے تقوی اور خوف خدا پیدا ہو۔

نماز کا حکم دیتے ہوئے فائدہ بتایا:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ﴾. (العنکبوت 45)

ترجمہ: کوئی شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

نماز کا ایک مقصد یہ ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں نمازی ہے تو وہ ہر قسم کی خرافات و منکرات اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ عظمت الٰہی کا بار بار احضار کرا کے ہر گناہ و معصیت سے روک دیتی ہے۔

جہاد کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا﴾. (الحج 39)

ترجمہ: جن مسلمانوں سے خواہ مخواہ لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں، کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی اجازت دیتے ہوئے، جہاد کی علت و مقصد بھی بیان کر دیا گیا ہے، کہ مسلمانوں پر چونکہ ظلم و ستم ہو رہا تھا۔ مسلمانوں نے تقریباً پندرہ سال کفار کے مظالم اور سختیوں کا مقابلہ صبر و استقامت کے ساتھ کیا۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دفاع میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی تا کہ دنیا سے ظلم و نا انصافی کا خاتمہ ہو سکے۔ گویا کہ کفر و شرک کی حکومت دنیا میں ظلم و ستم کو قائم کرنے اور نوع انسانی کے لئے نقصان کا باعث ہے۔ اس لئے اس حکومت کو جہاد کے ذریعہ ختم کر کے اسلامی حکومت قائم کرنے کا حکم ہے۔

قصاص کے فائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾. (البقرۃ 179)

ترجمہ: اور اے اہل عقل قانون قصاص میں تمہاری زندگانی ہے کہ تم (قتل و خونریزی) سے بچو۔

قصاص کا یہ مقصد بیان کیا گیا کہ اسلام کے نظام قصاص و دیت میں لوگوں کا اپنا فائدہ ہے ان کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلام کے نظام قصاص و دیت کو نافذ کریں تا کہ ملک و قوم کے تمام افراد کی جان و مال اور عزت محفوظ رہے۔ (89)

مقاصدِ شریعت اور مسلم علماء کرام کی مساعی

برصغیر کے معروف عالم دین شاہ ولی اللہؒ جو عالم اسلام میں الامام الہندی کے نام سے معروف ہیں، اس

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مسئلے پر اپنی معرکۃ الآراء تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ کی ابتدائی سطروں میں رقمطراز ہیں۔

ممکن ہے یہ گمان کیا جائے کہ شرعی احکام کی کوئی حکمت و مصلحت نہیں ہوتی، اور یہ کہ اللہ نے اعمال اور ان کی جزا کے درمیان کوئی مناسبت نہیں رکھی۔ (اس صورت میں) شرائع کی پابندی کی مثال یہ ہوگی کہ گویا ایک آقا اپنی غلام کی فرماں برداری کا امتحان لینے کے لیے اس کو پتھر اٹھانے یا درخت چھونے کا حکم دے اور اس سے امتحان لینے کے علاوہ کوئی فائدہ مقصود نہ ہو۔ پھر جب وہ اطاعت یا نافرمانی کرے تو اس کے عمل کی جزا دی جائے اور بس۔ لیکن یہ خیال غلط ہے اور سنت اور خیر القرون کا اجماع اس کو غلط قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحبؒ شرعی نصوص سے استشہاد کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ عبادات اور معاملات دونوں کے بارے میں شریعت کے احکام میں سے ہر حکم کی کوئی نہ کوئی غایت، حکمت اور مصلحت ہے۔ مقدمہ کے ابتدائی چند صفحات میں وہ بطور مثال متعدد احکام کے مصالح کی نشان دہی فرماتے ہیں، بلکہ ان کی یہ پوری کتاب احکام شریعت کے اسرار و حکم یعنی مقاصد شریعت کو سمجھنے اور سمجھانے کی ایک فکر انگیز کوشش ہے۔

اگرچہ احکام پر عمل کرنا، ان کی مصلحتوں اور حکمتوں کے جاننے سے مشروط نہیں، لیکن اگر ان کو جزئی طور پر بھی جان لیا جائے تو شاید انسان ان پر مزید شرح صدر کے ساتھ عمل کرے گا۔ اس طرح شرعی احکام کا جو ادراک ہوتا ہے، ایک انسان، خاص طور پر ایک صاحب علم اور فقیہ کو ہوتا ہے، وہ اس کی مجموعی بصیرت میں اضافے کا باعث بن سکتا ہے جس کے ذریعہ زندگی کے مسائل کے حل کرنے میں اسے اہم رہنمائی مل سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ سے قبل بھی امت کے متعدد اہل علم نے احکام شریعت کے مقاصد اور حکمتوں کو جاننے کے سلسلے میں بڑی بارآور کوششیں کی ہیں۔ یہ ایک طویل فہرست ہے لیکن اس سلسلۃ الذھب کے چند نہایت اہم نام درج ذیل ہیں:

حاکم الترمذی، صاحبِ کتاب۔ الصلوٰۃ و مقاصدھا، کتاب الحج و اسرارھا، کتاب العلل (علل الشریعة یا علل العبودية)، ابو منصور الماتریدی (م ۳۳۳ھ/۹۴۴ء) ابوبکر القفال الشاشی (م۳۶۵/۹۷۵)، ابوبکر الابہری (م۳۷۵/۹۸۵)، الباقلانی امام الحرمین الجوینی (م۴۷۸/۱۰۸۵)، ابو حامد الغزالی (م۵۰۵/۱۱۱۱)، فخر الدین الرازی (م۶۰۶/ ۱۲۰۹)، سیف الدین الآمدی (م۶۳۱/۱۲۳۳)، ابن الحاجب (م۶۴۰/ ۱۲۴۸)، البیضاوی (م۶۸۵/ ۱۲۸۶)، الاسنوی (م۷۲۲/ ۱۳۷۰)، ابن السبکی (م۷۷۲/ ۱۳۶۹)، الطوفی (م۷۱۶/ ۱۳۱۶)، القرافی (م۶۸۴/ ۱۲۸۵)، عز الدین ابن عبدالسلام (م۶۶۰/ ۱۲۶۱)،

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ابن تیمیہ (م ۱۸/۷۲۷/ ۱۳۱۲)، الشاطبی (م ۷۹۰/ ۱۳۸۸)۔

بیسویں صدی میں مسلمان اہل علم نے فہم شریعت کے سلسلے میں مقاصد شریعت میں غیر معمولی دلچسپی لی جس کے نتیجے میں اس موضوع پر وسیع لٹریچر سامنے آیا ہے۔ اس سلسلے میں امام شاطبی کی تصانیف پر بھی خصوصی توجہ کی گئی، بطور مثال درج ذیل کتابیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں:

احمد الریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، المؤسسۃ الجامعیۃ، ۱۹۹۲ء۔

عبدالرحمٰن الکیلانی قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی، المعہد العالمی للفکر الاسلامی و دارالفکر، ۲۰۰۰ء۔

عبداللطیف محمد عامر، مقاصد الشریعۃ عند الشاطبی، د۔ت۔ (ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، مقاصدِ شریعت، اسلام آباد۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی۔ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی۔ 2009/س)

تاریخی پس منظر:

مقاصد شریعت کی اصطلاح سب سے پہلے امام الحرمین الجوینیؒ (وفات ۴۷۸ھ/ ۱۰۸۵ء) نے استعمال کی۔ اصولِ فقہ پر ان کی کتاب 'البرھان' میں مقصد، مقاصد اور قصد وغیرہ الفاظ کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔ مگر نئے اجتہاد کے آلہ کے طور پر مقاصد شریعت کا مؤثر استعمال ان کی دوسری کتاب 'الغیاثی' میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب امام جوینیؒ نے نظام الملک کے لیے لکھی تھی جو الپ ارسلان کے وزیر تھے بعد میں ملک شاہ کے بھی وزیر تھے مگر حقیقت میں وہی حکمران تھے، ان پر کسی کا حکم نہیں چلتا تھا۔ البرھان کے برعکس الغیاثی کوئی اصولی تصنیف نہیں بلکہ تدبیر مملکت سے متعلق شریعت کی روشنی میں لکھا ہوا ایک ہدایت نامہ ہے جس کا مخاطب حکمران وقت ہے۔ امام جوینیؒ لکھتے ہیں:

> حق کے متلاشی اور شریعت کی طرف بلانے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ مذاہب اور مسالک کے اختلاف کے باوجود انسانوں سے شریعت کا مطلوب یہ رہا ہے کہ وہ تقویٰ کو مضبوط پکڑیں۔۔۔

امام جوینیؒ کے شاگرد ابو حامد الغزالیؒ (وفات ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء) نے مقاصد شریعت کی بات کو باضابطہ شکل دے دی، وہ لکھتے ہیں:

> مصلحت سے ہماری مراد مقصودِ شریعت کی محافظت ہے، اور شریعت کا مقصد خلق خدا کے سلسلہ

Marfat.com

میں پانچ چیزوں سے عبارت ہے: وہ یہ کہ ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی جائے۔ ہر وہ چیز جو ان پانچ بنیادی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہو مصلحت شمار ہو گی اور ہر وہ چیز جو ان بنیادوں کے لیے خطرہ ہو، مفسدہ شمار ہو گی جسے دور کرنا مصلحت قرار پائے گا۔

امام غزالیؒ کی یہ تحریر کسی حکمران کو سامنے رکھ کر نہیں لکھی گئی تھی بلکہ اصول فقہ پر ان کی کتاب کا ایک حصہ ہے۔ ان کے زمانے تک اصول فقہ نے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور مصالح اور مقاصد کو اس علم میں جگہ مل چکی تھی۔ مصالح اور مقاصد کے تصور کو ایک کر کے امام غزالیؒ نے مقاصد شریعت کی اصالت کا، اور اس کے آغاز ہی سے اصول فقہ کا ایک اہم ستون ہونے کی حقیقت اجاگر کی۔

امام غزالیؒ کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مصالح یا مقاصد کی ایک فہرست مرتب کر دی جو آج تک ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ غزالیؒ نے یہ بھی بتایا کہ مصلحت پہچانی کیسے جاتی ہے: ''ہم نے مصلحت کا مدار مقاصد شریعت کے تحفظ پر رکھا ہے اور مقاصد شریعت کو کتاب، سنت اور اجماع کے ذریعہ جانا جاتا ہے۔ چنانچہ کوئی ایسی مصلحت جس کا تعلق کسی ایسے مقصد کی حفاظت سے نہ ہو سے کتاب، سنت اور اجماع سے سمجھا گیا ہو، اور جو ایسی نامانوس مصلحت ہو جو شریعت سے مناسبت نہ رکھتی ہو، تو ایسی مصلحت باطل ہے، اسے رد کر دیا جائے گا اور جو اس کی پیروی کرے گا وہ بدعت کا مرتکب قرار پائے گا۔''

غزالیؒ کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ کتاب وسنت میں مقاصد شریعت کی کوئی باضابطہ فہرست نہیں ملتی، چنانچہ وہ پانچ مبینہ مقاصد کی نسبت سے واضح کرتے ہیں کہ: ''ان معانی کے مقصود ہونے کا دعویٰ کسی ایک دلیل پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان گنت دلائل پر مبنی ہے جو کتاب وسنت میں پائے جاتے ہیں اور (ان کی دلیل میں) حالات اور اندازے اور مختلف قسم کی علامتیں بھی سامنے رکھی گئی ہیں۔ اسی لیے ان کو امام غزالی کی رائے میں بعض مقامات پر مصالح مرسلہ بھی کہا گیا ہے۔''

یہی وہ نکتہ ہے جسے دو سو سال بعد ابو اسحاق شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''الموافقات'' میں مزید استدلال کے ساتھ واضح کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم شاطبی کے اضافوں (Contributions) کا جائزہ لیں، اس بات کو نوٹ کرنا ضروری ہے کہ جس چیز کو امام غزالیؒ نے ''مصلحت مرسلہ'' کا نام دیا ہے اور جسے وہ مقاصد شریعت کے ہم معنی قرار دے چکے ہیں، اس کا تصور اور اس کا بھرپور استعمال امام مالکؒ کے یہاں موجود ہے جن کی وفات ۱۷۹ھ/ ۷۹۶ء میں ہوئی۔ ان سے پہلے امام ابو حنیفہؒ، جن کی وفات ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء میں ہوئی، استحسان کا تصور سامنے لا چکے تھے۔ اسلامی قانون سازی یعنی پیش آمدہ مسائل میں حکم شرعی کی دریافت میں یہ تصورات وہی کردار ادا کرتے رہے ہیں جو مقاصد شریعت کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے: ''نص کی غیر موجودگی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

میں حکم تک پہنچنے، یا موجود حکم سے گریز کر کے دوسرا حکم اختیار کرنے، کی بنیاد فراہم کرنا۔ بظاہر امام شافعیؒ کا مسلک مختلف رہا مگر غور سے دیکھا جائے تو ان کے یہاں بھی قیاس کی بنیاد اکثر ان حکمتوں اور مقاصد پر ہوتی ہے جو اس حکم کا سبب بنے، جن پر قیاس کیا جا رہا ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ کسی نہ کسی شکل میں مصالح عامہ اور مقاصد شریعت کے فہم کو نئے مسائل میں احکام شریعت کی دریافت میں ہمیشہ کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔

(نجات اللہ صدیقی۔ مقاصدِ شریعت/7)

امام شاطبیؒ اور دوسرے ائمہ اکرامؒ کے اضافے

ابو اسحاق شاطبیؒ (وفات ۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸ء) کا تعلق اسپین سے تھا۔ وہ اگرچہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے ہم عصر تھے مگر ایک رائے یہ ہے کہ ان کو ایک دوسرے کے کام کی خبر نہیں تھی۔ شاطبیؒ نے واضح کیا کہ مقاصد شریعت شرع سے مستنبط ہیں۔

شاطبیؒ نے غزالیؒ کی پانچ مقاصد کی فہرست کو برقرار رکھا مگر انہیں نہ تو ان مقاصد کے اندر کسی خاص ترتیب پر اصرار ہے نہ وہ صراحت کے ساتھ یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ اس فہرست میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے زیادہ زور ان مقاصد کے حصول کے ان تین مدارج کے تفصیلی تجزیہ پر دیا جن کا ذکر غزالیؒ اور جوینیؒ بھی کر چکے تھے، یعنی ضروری، حاجی اور تحسینی۔ ان کی مصالح کی تعریف غزالیؒ کی تعریف سے زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے، یعنی: ''وہ جس پر انسان کی زندگی کا مدار ہو، جس پر اس کی حیثیت مبنی ہو، اور جس پر ان چیزوں کے حصول کا انحصار ہو جن کا تقاضا انسان کے شہوانی اور عقلی اوصاف کرتے ہوں۔''

امام شاطبیؒ سے کچھ پہلے قاہرہ اور دمشق کے علمی مراکز میں اسی طرح کے افکار پیش کیے جا چکے تھے مگر وہ شاطبیؒ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ قاہرہ کے عزّ الدین بن عبدالسلام (وفات ۶۶۰ھ/ ۱۲۶۲ء)، دمشق کے تقی الدین ابن تیمیہ (وفات ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) اور ان کے شاگرد شمس الدین ابن القیم (وفات ۷۵۱ھ/ ۱۳۵۰ء) کی تصانیف میں شریعت اسلامیہ کی بے پناہ وسعتوں اور انسانی مصالح کی نسبت سے اس کے لازوال امکانات پر زور دیا گیا ہے۔ یہاں ان مفکروں کے کیے ہوئے سارے اضافوں کا ذکر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اپنے موضوع کی نسبت سے صرف یہ نوٹ کرنا کافی ہوگا کہ انھوں نے مقاصد شریعت کے بیان کو کسی فہرست تک محدود نہیں کیا۔ مصالح مرسلہ پر گفتگو کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

> بعض لوگ مصالح مرسلہ یعنی مقاصد شریعت کو جان و مال، عزت و آبرو، عقل اور دین کے تحفظ میں محصور کر دیتے ہیں مگر ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ یہ ہیں کہ منافع حاصل کیے جائیں اور

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مضرتیں دور کی جائیں۔ مذکورہ بالا حضرات نے جو ان امور سے متعلق رفع مضرت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، وہ اس کی دو قسموں میں سے صرف ایک پر مشتمل ہے، دوسری قسم مصالح کے حاصل کرنے پر مشتمل ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد لکھتے ہیں:

دنیا میں (جلبِ منفعت کی مثال) وہ معاملات اور سرگرمیاں ہیں جن میں عامۃ الناس کی بھلائی مضمر ہو خواہ ان سے متعلق کوئی حد شرعی مقرر کی گئی ہو یا نہیں اور دین میں (جلب منفعت کی مثال) وہ احوال و معارف، عادات اور زہد کی باتیں ہیں جن میں انسانوں کی بھلائی مضمر ہے جن سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔

ابن قیمؒ نے بھی انہی باتوں پر زور دیا ہے جن کی صراحت ان کے استاد ابن تیمیہؒ کر چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: 'شریعت کی بنیاد حکمتوں پر ہے، اور معاش و معاد کے بارے میں بندوں کے مصالح پر۔ شریعت تمام تر عدل، رحمت، مصالح اور حکمت سے عبارت ہے۔

مقاصد شریعت پر گفتگو کرتے وقت انہوں نے عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اصل نظر اس مقصد پر ہونی چاہیے نہ کہ اس تک پہنچنے کے طریقوں پر جو بدل سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک بدلتے ہوئے حالات میں عدل و انصاف کے قیام کے موزوں طریقے عقل کے ذریعہ تلاش کیے جائیں گے اور یہی طریقے شرعی قرار پائیں گے۔

عزالدین بن عبدالسلامؒ نے بھی دنیوی مصالح کو پہچاننے میں عقل کے کلیدی کردار پر زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک: 'دنیا کے زیادہ تر مصالح اور مفاسد کو عقل کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے۔ یہی حال اکثر شرع کا بھی ہے۔

انھوں نے معاملات کے باب میں مصالح پر قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس ذیل میں، غزالیؒ کی طرح، ضروریات، حاجات اور تتمات یا تکملات، تین مدارج پر روشنی ڈالی ہے۔

☆ پہلی بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت جان و مال، عقل و نسل اور دین کے تحفظ تک محدود نہیں، فہرست لمبی ہے اور اس میں مثبت اہداف بھی شامل ہیں۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ اصل اہمیت مقاصد کی ہے، ان کے حاصل کرنے کے طریقے زمان و مکان کے ساتھ بدل سکتے ہیں۔

☆ تیسری بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت کی پہچان اور ان کے حصول کے طریقوں کی تلاش میں عقل ایک

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

فعال کردار ادا کرتی ہے۔ (نجات اللہ صدیقی۔ مقاصدِ شریعت/13)

شاہ ولی اللہؒ کے اضافے

مقاصد شریعت کے باب میں اپنے پیش رووں کی طرح برصغیر کے عالم دین، مجتہد اور مجدد شاہ ولی اللہؒ نے بھی شریعت کے مختلف جزئی احکام کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ انہوں نے یہ بتایا ہے کہ ان احکام کے بجا لانے سے انسانوں کو کیا فائدے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے بحث کے کچھ نئے پہلو بھی اجاگر کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> امت کے امور کی تدبیر میں کرنا یہ چاہیے کہ ہر حکم کی تعمیل کا ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ معیار سامنے رہے۔ اعلیٰ معیار ایسا ہو جو مقصود کے بدرجۂ کمال حصول کا ضامن ہو، اور ادنیٰ ایسا ہو کہ مقصد کی اس حد تک تحصیل عمل میں آ جائے کہ کوئی قابل لحاظ چیز باقی نہ رہے۔

جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے، مقاصد شریعت کی رہنمائی نئے حالات میں بہت کام آتی ہے۔ چنانچہ نئے حالات میں نئے احکام تجویز کرتے وقت علماء اکثر مقاصد شریعت کا حوالہ دیتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ایک خاص موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> (اسلامی حکومت کے) مصارف کے باب میں بنیادی بات یہ ہے کہ چند مقاصد کو کلیدی اہمیت دی جائے گی۔ مثلاً ایسے لوگوں کی کفالت جو بڑھاپے، تنگ دستی یا اپنے مال سے دور ہونے کی وجہ سے خود کچھ کرنے سے معذور ہوں۔ شہر کو کفار کے خطرے سے بچانے کے لیے حدود کی حفاظت، فوجیوں، اسلحے اور مددگار اسٹاف کے اخراجات، نیز شہر کے جملہ امور --- سیکورٹی، عدلیہ، شرعی حدود کا قیام، بازار کی نگرانی، وغیرہ کی تدبیر اور متعلقہ انتظامات۔ ملت کی حفاظت کے لیے ائمہ، خطباء، اساتذہ اور وعظ کہنے والوں کی تعیین۔ اسی ذیل میں انسانوں کے مشترکہ مفادات کا اہتمام بھی شامل ہے، مثلاً دریاؤں کی درستی اور ان پر بنے ہوئے پل وغیرہ کو ٹھیک رکھنا۔

شاہ صاحبؒ کی اس تحریر کا مقابلہ جوینیؒ اور غزالیؒ کی ملتی جلتی تحریروں سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ بات ایک ہے مگر شاہ صاحبؒ نے جو مثالیں دی ہیں ان میں ان حالات کا عکس پایا جاتا ہے جو برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانے میں دہلی میں، جہاں شاہ صاحبؒ رہتے تھے، پائے جاتے تھے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ شاہ صاحبؒ نے مقاصد شریعت کی روایتی فہرست میں دین کی جگہ ملت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

احکام شریعت کا مقصد اور انسانوں کا حقیقی فائدہ:

احکام شرعیہ اپنی خلقت میں مقاصد کی حامل اور انسانی مصالح کی حفاظت کی طرف لوٹتی ہیں جن کا مطالعہ آپ سابقہ عنوان میں کر چکے ہیں اور یہ مقاصد تین اقسام ضروری، حاجی اور تحسینی پر مشتمل ہیں۔ اور شریعت کے مختلف احکام کے استقراء اور چھان بین سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان احکام کا اصلی مقصد یہ ہے:

۱۔ بندوں کی ضرورتیں یعنی مصالح پوری کرنا اور انہیں فائدہ دینا۔

۲۔ ان فوائد و مصالح کی حفاظت کرنا۔

۳۔ ان سے حرج و مشقت اور ضرر و نقصان کو دور کرنا۔

بنی نوع انسان کے فوائد سے مراد وہ فوائد نہیں ہیں جن کو انسان اپنی نفسانی خواہش سے اپنے لئے مصلحت اور نفع مند سمجھتا ہو بلکہ مصلحت وہ ہے جو شریعت کے ترازو میں پوری اترے، نہ کہ نفسانی خواہشات کی ترازو میں، کیونکہ انسان کبھی اپنی نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر نفع بخش چیز کو نقصان دہ سمجھ بیٹھتا ہے اور نقصان دہ کو نفع آور۔ مثلاً چوری نقصان کا باعث ہے لیکن چور اس کو نفع آور سمجھتا ہے۔ اسی طرح قتل انسان نقصان آور ہے لیکن قاتل اسے نفع آور سمجھتا ہے۔ اس لئے ہر وہ عمل جس سے چند لوگوں کو نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچے وہ نفع آور ہوگا ورنہ نہیں مثلاً۔

۱۔ مثلاً انسان اپنی نفسانی خواہشات سے متاثر ہو کر فوری اور آسان منفعت کے لالچ میں کچھ کام کرتا ہے۔ اور بعد میں آنے والے سنگین نقصان کی پرواہ نہیں کرتا۔ جس طرح زنا ہے، زنا انسانی معاشرتی نظام میں زلزلہ بلکہ زلزال کا باعث اور معاشرہ کو تہہ وبالہ کر دیتا ہے، جس طرح دور حاضر میں یورپ کی مثال ہے کہ وہاں عفت و عصمت کا واضح تصور نہ ہونے اور کثرت زنا کی وجہ سے خاندانی نظام تباہی کے کنارہ پر پہنچ چکا ہے۔

۲۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ باطل، مخفی اور توڑ موڑ کر غلط طریقوں سے لوگوں کا مال کھانے، ذخیرہ اندوزی کرنے، سود کھانے اور ایسے خبیث اور حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے سے اس کے مال میں اضافہ ہوگا۔ لیکن اس سے معاشرہ میں طبقاتی کشمکش کا آغاز ہوتا ہے اور معاشرہ جہنم کی تصویر بن جاتا ہے۔

لہٰذا شریعت کا مقصد تمام بندوں کی مصلحتوں کو پورا کرنا ہے، ان مصلحتوں کو پورا کرنا دو طرح سے ہے:

۱۔ بنی نوع انسان کے لئے فائدہ مند چیزوں کے لئے اہتمام کر کے ان کو مہیا کرنا ان کو مصالح کا نام دیا

Marfat.com

گیا ہے۔

۲۔ ان اشیاء یا مصالح کی حفاظت کرنا۔(احمد حسن ڈاکٹر جامع الاصول/620)

بنی نوع انسان کے مصالح یعنی اُن کے فوائد کے بارے میں مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان مصالح کی کئی اقسام ہیں اور اُن میں سے تین قسمیں بہت اہم ہیں۔

1- **ضروری مصالح**۔جنہیں مصالح ضروریہ یا ضروریات بھی کہتے ہیں۔(Needs)

2- **حاجتی مصالح**۔جنہیں مصالح حاجیہ یا حاجیات بھی کہتے ہیں۔(Necessaries)

3- **تحسینی مصالح**۔جنہیں مصلالح تحسینیہ یا تحسینیات بھی کہتے ہیں۔(Luxuries)

علماء اصول انسانی ضروریات(Basic Needs) کے باب میں سینکڑوں سالوں کی محنت اور قرآن وسنت کا مطالعہ کر کے اسلامی شریعت کا مقصد اور احکام الٰہیہ کے نازل ہونے میں انسانوں کی مصلحت کا نچوڑ اور خلاصہ پانچ امور میں بیان کیا ہے جن کو مقاصدِ خمسہ، امورِ خمسہ، اصولِ خمسہ یا مصالحِ خمسہ بھی کہتے ہیں۔ یہ مقاصد شریعت کا ایک اہم حصہ ہیں۔ان تمام مقاصد و مصالح میں قرآن وسنت کی تمام تعلیمات کو سمو دیا گیا ہے گویا کہ ضروریات کے باب میں یہ مقاصد خمسہ اسلامی تعلیمات اور احکام کی روح ہیں اور ہر مقصد کے پس منظر میں متعدد قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ ہوں گی اور اُن تمام کے احکام کا خلاصہ ایک مقصد ہوگا۔

اس کوشش اور محنت شاقہ کے نتیجہ میں اِن مقاصد خمسہ کو دور حاضر میں فقہ المقاصد کا نام بھی دیا گیا ہے یعنی اسلامی شریعت کے ہر حکم میں کئی مقاصد مخفی ہوں گے مزید تفصیل یہ ہے۔

Marfat.com

مصالح کی اقسام

مصالح کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ مصالح ضروریہ ب۔ مصالح حاجیہ ج۔ مصالح تحسینیہ

ان میں سے ہر قسم کی تکمیل کرنے والی چیزیں بھی ہیں، جن کو مکملات کہتے ہیں۔ یہ اقسام مرتبہ میں ایک جیسی نہیں ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

1- مصالح

(ا) مصالح ضروریہ (Basic Needs/Right) اور اُس کی پانچ اقسام (مقاصد خمسہ)

ا۔ مصالح ضروریہ یا ضروریات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن پر لوگوں کی زندگی کا دارو مدار ہے۔ یعنی ان چیزوں کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے اور وہ انسانوں کے لئے از حد ضروری ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کو دور حاضر کی زبان میں بنیادی حقوق اور بنیادی ضروریات کہتے ہیں (Fundamental Rights/Basic Needs) ان حقوق اور ضروریات دونوں اصطلاحوں کو اسلامی شریعت میں مصالح خمسہ یا مقاصد خمسہ کہتے ہیں۔

۲۔ ان چیزوں پر معاشرہ کا قیام اور اس کا استحکام موقوف ہے۔

۳۔ اگر یہ مصالح فوت ہو جائیں تو انسانی زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ یعنی بنیادی ضروریات کی عدم فراہمی کی وجہ سے۔

۴۔ اِن مصالح کے بغیر لوگ زبردست انتشار اور افراتفری کا شکار ہو جائیں ان کے تمام معاملات گڑ بڑ ہو جائیں۔ دنیا میں بھی ان کے لئے بدبختی ہو اور آخرت میں بھی تکلیف و عذاب ہو۔ یعنی بنیادی حقوق۔

مصالح خمسہ (مقاصد خمسہ)

اسلامی شریعت میں بنیادی حقوق یا بنیادی ضروریات (Basic Needs) کے لئے لفظ مقاصد خمسہ بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ پانچ چیزیں شریعت کے عمومی مقاصد یعنی مقاصدُ الشریعۃ کا حصہ ہیں۔ انسانوں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کیمقاصد ضروری یا مصالح یعنی بنیادی ضروریات اور بنیادی حقوق سے درج ذیل پانچ چیزیں مراد ہیں:

1۔ حفظ دین (نظریہ و مذہب۔ دین و ایمان کی حفاظت)

2۔ حفظ نفس (انسانی جان کی حفاظت)

3۔ حفظ عقل (آزادی فکر اور فکری صلاحیتوں کی حفاظت)

4۔ حفظ نسل (سلسلہ پیدائش و نسب اور خاندانی نظام کی حفاظت)

5۔ حفظ مال (دولت۔ مال کمانے کے جائز طریقے مہیا کرنا اور کمائے ہوئے مال کی حفاظت)۔(90)

یہ پانچ مصالح یا مقاصد خمسہ وہ ہیں جن کی حفاظت اور جن کا مہیا کرنا اسلامی شریعت کی رو سے اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے اور اُس کے لئے از حد ضروری ہے۔ گویا کہ اِن پانچ اشیاء کا مہیا کرنا اور ان کی حفاظت کرنا مزید ملک کے تمام باشندوں کو چاہے وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم ان پانچ چیزوں کی ضمانت دینا حکومت کی اولین ذمہ داری ہے۔ اگر کسی سطح پر کوئی مسلم حکومت ان مقاصد کا اہتمام نہیں کر رہی تو اُس ملک کے مسلم معاشرہ کے تمام افراد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان مصالح اور مقاصد خمسہ کی حفاظت کریں اور ان مصالح سے معاشرہ کے تمام افراد چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم کو فائدہ پہنچانے کی اپنی حد تک مکمل کوشش کریں۔

یہ سب مصلحتیں ہیں جن کی رعایت تمام شریعتوں نے کی ہے، اگرچہ ان کی رعایت اور حفاظت کے طریقوں میں اختلاف رہا ہے۔ اسلامی شریعت چونکہ آخری شریعت ہے، اس لئے اس نے ان مصالح کی رعایت انتہائی کامل طریقہ سے کی ہے۔ چنانچہ اسلامی شریعت نے اولاً ان مصالح کو وجود بخشنے اور ثانیاً ان کی حفاظت کے لئے احکام دیئے اب ان مصالح جن کو عمومی طور پر مقاصد خمسہ بھی کہتے ہیں کا مطالعہ کریں گے۔ اسلامی شریعت نے مسلمانوں کے لئے دین کو انسانی زندگی کی اساس قرار دیا، اور اس کو وجود میں لانے کے لئے اس کے ارکان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔

دین کے ارکان حسب ذیل ہیں:

۱۔ توحید و رسالت اور دوسرے بنیادی عقائد۔

۲۔ جیسے مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان رکھنا۔

۳۔ قیامت کے دن حساب و کتاب پر ایمان رکھنا۔

۴۔ بنیادی عبادات، جیسے نماز، روزہ حج و زکوۃ۔

یہ امور دین کو وجود بخشتے ہیں، اور انہی سے دین وجود میں آتا ہے، لوگوں کے کام اور ان کے احوال ان

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سے درست ہوتے ہیں۔اور معاشرہ مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔

اسلامی شریعت میں ان مقاصد خمسہ کی ترتیب بھی یہی رہے گی سب سے پہلے اور اولین اہمیت حفظ دین کو ہوگی پھر جان، عقل، نسل اور مال کی۔ اولین دو مقاصد کی ترتیب پر امت کا اجماع سکوتی ہے لہٰذہ اجماع کی مخالفت کرتے ہوئے اس ترتیب کو بدلنا قطعاً ناجائز ہے۔ پہلے حفظ دین اور اس کے بعد پھر حفظ جان اور پھر باقی تین مقاصد ہوں گے۔ البتہ آخری تین مقاصد کی ترتیب سے بعض فقہاء نے اختلاف کیا ہے لیکن پہلے دو کی ترتیب پر اجماع سکوتی ہے۔

1۔حفظ دین (مذہب):

دین کی اصطلاح سے عمومی مراد زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔اس طریقہ کی حفاظت کرنا اسلامی حکومت کا اولین فریضہ ہے۔ دین کی حفاظت کے لئے قرآن وحدیث میں دعوت دین کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں غلو کرنے اور حد سے بڑھنے سے منع کیا گیا جو لوگ دین کو ختم کرنے اور اس کا نشان مٹانے کے درپے ہوں اور ان کے خلاف جہاد فرض کیا گیا ہے۔

۱۔ جو دین سے پھر جائیں، یعنی مرتد ہو جائیں ان کے لئے سزا مقرر کی گئی ہے۔

۲۔ لوگوں کو عقائد میں شک وشبہ پیدا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۳۔ غلط فتوے دینے اور تحریف احکام سے روکا گیا ہے۔

نوٹ: مقاصد خمسہ میں حفظ دین کو ہر صورت میں اولین اور بنیادی اہمیت حاصل رہے گی اور اس کے بعد حفظ جان کا درجہ ہے۔ کسی صورت میں بھی حفظ جان کو حفظ دین پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ دین نظریہ کا نام ہے اور نظریہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ جان کی حفاظت کس طرح سے کی جائے، مال کس طرح کمایا جائے، کس طرح خرچ کیا جائے، خاندانی نظام کو کس طرح برقرار رکھا جائے گویا کہ تمام عبادات اور معاملات کے بارے میں بنیادی ہدایات دین یعنی نظریہ ہی دیتا ہے جو اولین اہمیت کا حامل ہے۔ اگر حفظ جان کو اس پر مقدم کر دیا جائے تو مقاصد خمسہ اور اسلامی شریعت کی تمام بنیادی دھڑام سے نیچے آگریں گی۔ دین بتاتا ہے کہ جان کی کیا اہمیت ہے، مال کی کتنی اہمیت ہے بقیہ تمام حقوق، فرائض کیا ہیں لہٰذہ ان مقاصد خمسہ میں سب سے پہلے حفاظت دین کو رکھا جائے گا۔

مزید عملی زندگی کا یہ عام اصول ہے کہ انسان کوئی کام کرنے سے پہلے سوچتا ہے، اُس پر غور وفکر کرتا ہے اور اُس کے منصوبہ بندی کر کے اُس کو سرانجام دیتا ہے۔ یہ طرز فکر کہیں بھی نہیں ملتا کہ کام کرنے کے بعد اُس کی منصوبہ بندی کی جائے یا اُس کے بارے میں غور وفکر کیا جائے۔ یہ غور وفکر، سوچ اور منصوبہ بندی کا طریقہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کوئی نظریہ،فکر، مذہب یا دین بتاتا ہے۔ اس لئے ہر لحاظ سے پہلی اہمیت اور پہلی حیثیت دین کو دی جائے گی اور بقیہ چار مقاصد اس مقصد یعنی حفظ دین کے ذیل میں آئیں گے۔

2۔ حفظ نفس (جان):

اس سے مراد ہے کہ اسلامی حکومت تمام باشندوں کے جان کی حفاظت کرے گی مزید اسلام میں انسانی جان کی بہت اہمیت ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی جان کو بہت قیمتی قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے درج ذیل احکام دیئے گئے ہیں۔

۱۔ نفس (جان) کو وجود بخشنے اور نسل انسانی کو بچانے اور بڑھانے کے لئے شادی کا حکم دیا گیا۔ صحت کی حفاظت اور بیماری وغیرہ میں پرہیز، احتیاط اور علاج کو لازم قرار دیا گیا۔

۲۔ جان کی حفاظت کے لئے غذا (روٹی) وکھانے اور پینے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ نفس انسانی کے خلاف ظلم وزیادتی پر سزائیں مقرر کی گئیں قاتل کی سزا، ڈاکو کی سزا، زخم میں قصاص وغیرہ۔

۴۔ اپنی جان کو خودکشی یا بغیر کسی عظیم مقصد اور وجہ کے ہلاکت میں ڈالنا حرام قرار دیا گیا ہے۔

﴿ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾. (البقرة 195)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

3۔ حفظ عقل (آزادی فکر اور ہوش وحواس)

اس سے مراد فکر و رائے کی آزادی ہے۔ ہر انسان کو بقائمی ہوش وحواس میں رہتے ہوئے سوچنے سمجھنے اور اپنی رائے کے اظہار کی ضمانت دیجائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل سب کو عطاء کی ہے اور اس معاملہ میں سب برابر ہیں۔ عقل کی حفاظت کے لئے اسلامی شریعت میں لوگوں کو تعلیم حاصل کرنے کا حکم اور طلب علم کو فرض قرار دیا گیا ہے مزید تمام نشہ آور چیزیں جو عقل کو خراب کرتی ہیں، حرام کر دی گئیں اور جو لوگ نشہ دلانے والی چیزیں اور ہوش وحواس کو زائل کرنے والے اشیاء استعمال کریں ان کے لئے سزائیں مقرر کی گئی۔ تا کہ عقل کو صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے۔ مزید اسلامی حکومت تمام لوگوں کو شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے آزادی رائے کا حق دے گی۔

4۔ حفظ نسل (سلسلہ پیدائش ونسب):

اس سے مراد انسانی ناموس کی حفاظت ہے کیونکہ عزت و ناموس کی حفاظت کی وجہ سے خاندانی نظام یا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

معاشرہ قائم رہتا ہے اور نسل انسانی کی بقاء کے لئے شادی کا حکم دیا گیا اور اس کی حفاظت کے لئے اور نسب کو اختلاط سے بچانے کے لئے زنا کو حرام کیا گیا۔ تاکہ ہر مرد کو اپنی بیوی پر اعتماد ہو اور بیوی کو مرد پر اعتماد ہو اور اس طرح خاندان کی بنیاد باہمی اعتماد پر رکھ کر معاشرہ تشکیل دیا ہے۔ اور پھر حقوق و فرائض کا تعین اسی خاندانی نظام پر رکھا گیا ہے۔ اور حکومت اس خاندانی نظام کو برقرار رکھنے اور اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ جس کے لئے شریعت نے یہ احکام دیئے۔

ا۔ زنا یا قذف (زنا کا الزام لگانا) کے ارتکاب کرنے والے کے لئے سزا مقرر کر گئی۔

۲۔ غیر ضروری اسقاط حمل کو حرام کیا گیا۔

5- حفظ مال (دولت):

اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی حکومت لوگوں کو روزگار حاصل کرنے کے مواقع بھی مہیا کرے گی اور پھر لوگ جو کچھ کمائیں گے ان کی حفاظت بھی کرے گی۔ مال و دولت کے حصول اور حفاظت کے لئے مختلف قسم کے معاملات کی اجازت دی گئی:

ا۔ مال کو حاصل کرنے کے لئے کوشش ومحنت کو واجب قرار دیا گیا۔

۲۔ مال کی حفاظت کے لئے چوری کو حرام کیا گیا۔

۳۔ مال چوری کرنے والے پر حد جاری کرنے یا دوسری سزا کا حکم دیا گیا۔

۴۔ اپنے یا دوسروں کے مال کو ضائع کرنا حرام قرار دیا گیا۔

۵۔ اپنی جائز کمائی سے معقول رہائش کا انتظام اور اچھی پوشاک (کپڑے) کا اہتمام واجب قرار دیا ہے۔

۶۔ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کا مال ضائع کر دے تو اس کے ذمہ اس کا تاوان دینا ضروری قرار دیا گیا۔

۷۔ جن لوگوں کی عقل پختہ نہ ہو، اور جو دیوانے ہوں ان پر مالی لین دین کی پابندی لگائی گئی ہے۔ اسی طرح لاوارث انسانوں مثلاً فقیر، مسکین، یتیم، معذور اور مصیبت زدہ لوگوں کا حکومت کو سرپرست اور والی بنایا گیا ہے تاکہ حکومت ان کو بنیادی ضروریات (روٹی، کپڑا، مکان، علاج، تعلیم) جن کا ذکر سابقہ مقاصد خمسہ میں ہے مہیا کرے۔ (91)

ب۔ مقاصد حاجیات (Necessaries)

حاجیات وہ امور کہلاتے ہیں، جن کی لوگوں کو اپنے کاموں میں تنگی و مشقت کو دور کرنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ میسر نہ آئیں تو نظام زندگی میں تو خلل نہیں پڑتا، لیکن لوگ سختی مشقت اور تنگی میں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

مبتلا ہو جاتے ہیں۔تمام حاجیات کا مقصد لوگوں سے تنگی و مشقت کو دور کرنا ہے۔اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے شریعت نے مختلف احکام دیئے ہیں مثلاً۔

عبادات میں مشقت دور کرنے کے لئے رخصت کا حکم دیا گیا، چنانچہ شریعت نے بیمار اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی۔ بیماری کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ سفر میں دو نمازیں ملا کر پڑھنے کی اجازت ، پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم کی اجازت دی گئی ہے۔کشتی اور جہاز میں اثناء نماز میں اگر قبلہ کی سمت تبدیل ہو جائے تو دوسرے سمت کی طرف نماز پڑھنے کی اجازت دی، بشرطیکہ اس شخص کو قبلہ کی صحیح سمت کی طرف منہ کرنے میں تکلیف و مشقت ہو۔

سزاؤں میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ حدود کو شبہات کے سبب ساقط کر دیا جائے، قتل خطاء میں عاقلہ (قاتل کی برادری) پر دیت واجب کی گئی اور یہ حکم قاتل کی آسانی کے لئے کیا گیا۔قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں ان کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہیں:

۱. ﴿مَا يُرِيْدُاللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ﴾. (المائدة:6)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کی جائے۔

۲. ﴿هُوَاجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾. (الحج:78)

ترجمہ:اور اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں پسند کیا اور دین کے بارے میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔

۳. ﴿يُرِيْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾.(البقرة:185)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے سختی و دشواری نہیں چاہتا۔

ج۔مقاصد تحسینیات (Luxuries)

تحسینیات سے مراد وہ امور ہیں جو انسانی احوال کو اخلاق حسنہ، ادب اور تہذیب و شائستگی کے تقاضوں کے مطابق بنا دیتے ہیں۔اگر یہ فوت ہو جائیں تو نظام میں کوئی خلل نہیں پڑتا، اور ان کے نہ ہونے سے لوگ مشقت اور تکلیف میں بھی مبتلا نہیں ہوتے ،لیکن ان کی زندگی کا منہج مروءت ، مکارم اخلاق اور فطرت سلیمہ کے تقاضوں کے خلاف ہو جاتا ہے۔

شریعت نے عبادات، معاملات ، عادات اور عقوبات (سزاؤں) میں ان تحسینی مصالح کی بھرپور رعایت رکھی ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

عبادات: عبادت میں ستر پوشی، مساجد میں داخل ہوتے وقت اچھا لباس پہننے، نماز، روزہ، اور صدقات میں نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا حکم دیا گیا۔

معاملات: معاملات میں گندگی و ناپاک چیزیں فروخت کرنے، اسراف کرنے اور اگر ایک شخص کوئی چیز دوسرے کو فروخت کر رہا ہو تو دوسرے کو وہی چیز فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

عادات: عادات میں کھانے پینے کے آداب بتائے گئے، مثلاً سیدھا ہاتھ سے کھانا، اپنے سامنے سے کھانا گندی غلیظ اور طبعی طور پر ناپسندیدہ چیزوں کے کھانے سے پرہیز کرنا اور اپنے اندر اچھی خصلتیں اور اخلاق فاضلہ پیدا کرنا۔

عقوبات: سزاؤں میں بطور قصاص قتل کرنے یا جنگ میں قتل کرنے کی صورت میں مثلہ کرنے یعنی اعضاء قلم کرنے اور چہرہ بگاڑنے سے منع کیا گیا، اسی طرح جنگ میں عورتوں بچوں اور راہبوں کو قتل کرنے کی ممانعت کی گئی۔

(2) مصالح کی مُکمِلات:

کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن سے ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ مکملات ان مصالح کی وجود میں لانے اور ان کی مکمل حفاظت کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

1- ضروریات کی مکملات:

۱۔ ضروریات میں فرض نماز کی تکمیل کے لئے اذان دینے اور جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

۲۔ انسان کی پیدائش اور نسل انسانی کی افزائش کے لئے شادی کا حکم دیا گیا۔ اور اسکی تکمیل کے لئے خاندانی اور مالی لحاظ سے دونوں کا برابر ہونا یعنی زوجین کے درمیان کفاۃ (ایک کفو میں شادی کرنا) کا حکم دیا گیا، یہ زوجین کے درمیان حسن معاشرت اور دائمی الفت کا سبب ہے۔

۳۔ جس عورت کے ساتھ شادی کا ارادہ ہو اور اس کے ساتھ منگنی ہو گئی ہو تو تکمیل کے لئے اس کی طرف دیکھنے کی اجازت دی گئی۔

۴۔ نسب کی حفاظت کے لئے زنا کو حرام قرار دیا گیا، تو اسکی تکمیل کے لئے کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ملنا، شہوت سے اس کی طرف دیکھنا اور عورت کا تنہا بغیر محرم کے سفر کرنا، ممنوع قرار دیا گیا، کیونکہ یہ چیزیں زنا کا سبب بن سکتی ہیں۔

۵۔ عقل کی حفاظت کے لئے شراب کو حرام قرار دیا گیا اور شراب پینے والے کے لئے سزا مقرر کی گئی اور

Marfat.com

اس کی تکمیل کے لئے شراب کی تھوڑی مقدار پینے کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے چاہے اس سے نشہ نہ آئے کیونکہ کثیر مقدار میں شراب پی کر جو نشہ آتا ہے یہ قلیل مقدار اُس کا ذریعہ ہے۔ اس ذریعے کو روکنے کے لئے قلیل مقدار کو حرام کیا گیا۔

٦۔ مال و دولت حاصل کرنے کے لئے کئی قسم کے معاملات کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور ان کی تکمیل کے لئے غرر، فریب، دھوکہ، معدوم چیز کی خرید وفروخت اور ایسی چیز کی خرید وفروخت جس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو اور اسی قسم کے دوسرے معاملات کی ممانعت کی گئی۔

2- حاجیات کی مکملات:

حاجیات میں لوگوں کی مشقت اور تنگی دور کرنے کی غرض سے معاملات کی اجازت دی گئی، اور ان کی تکمیل کے لئے جائز شرطوں کی بھی اجازت دی گئی اور معاملات میں ایسے اقدامات سے منع کیا گیا جو لوگوں کے درمیان جھگڑے کا باعث بنیں۔

ا۔ قتل کی صورت میں عاقلہ (قاتل کی برادری) پر دیت کا بار ڈالا گیا اور اس کی تکمیل کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ یہ دیت قسطوں میں ادا کی جائے۔ یہ قسطیں ان لوگوں کے ذمہ ہوتی ہیں جو ان قسطوں کو ادا کر سکتے ہوں، ایسی قسطوں میں ادا کریں جن کا ادا کرنا ان کے لئے آسان ہو۔

3- تحسینیات کی مکملات:

تحسینیات میں نفلی صدقات کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کی تکمیل کے لئے مال خرچ کرنے میں میانہ روی کی تاکید کی گئی، تاکہ آدمی اپنا سارا مال خرچ کر کے دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا پھرے۔

اسی طرح عبادات میں فرائض کی تکمیل کے لئے نفلی عبادات کی تاکید کی گئی۔

مکملات کے موضوع سے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ حاجیات کو ضروریات کی تکمیل کرنے والی مصالح سمجھا جاتا ہے اور تحسنیات کو حاجیات کی تکمیل کرنے والی مصالح خیال کیا جاتا ہے۔

اہمیت کے لحاظ سے مصالح کے درجے

مصالح کی تینوں قسمیں اہمیت میں برابر نہیں ہیں۔ اسلامی حکومت ان تینوں میں ضروریات کے اہتمام کرنے کی پابند ہے اور ان مقاصد کو ضروریات کی حد تک مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے۔

پھر ان میں سب سے مقدم جن کی رعایت ضروری ہے وہ ضروریات ہیں، پھر حاجیات اور آخر میں تحسینات۔ اس لحاظ سے جو احکام پہلی قسم کے لئے دیئے گئے ہیں وہ ان احکام پر مقدم ہیں جو دوسری قسم کے

Marfat.com

لئے دیئے گئے ہیں۔اور جو دوسری قسم کے لئے دیئے گئے ہیں وہ ان سے زیادہ اہم ہیں جو تیسری قسم کے لئے دیئے گئے ہیں۔اسی ترتیب سے ان اقسام میں رعایت ضروری ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں اگر طبی معائنہ یا علاج کے لئے ستر کھولنے کی ضرورت ہو تو اسکے بقدر ضرورت اجازت ہے۔کیونکہ ستر کا چھپانا تحسینی ہے اور بدن کا علاج ضروریات میں سے ہے۔جان بچانے کے لئے بامر مجبوری جب تک حلال چیز میسر نہ وہ مردار اور ایسی ناپسندیدہ چیزیں کھانے کی اجازت ہے کیونکہ جان بچانا ضروری ہے۔لیکن یہ اصول ضروریات میں نہیں ہوگا مثلاً فرض عبادت نماز میں مشقت ہے لیکن اس فرض کا ادا کرنا حفاظت دین کے لئے ضروری ہے اور حفاظت دین مصالح ضروریات میں سے ہے۔

بز دلی اور اپنی جان بچانے کی خاطر جہاد سے بیٹھے رہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس بیٹھے رہنے سے دین کی حفاظت کرنے، جارحیت کو دفع کرنے اور دارالاسلام کی حفاظت کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے یہ امور ضروری ہیں اور جان کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم ہیں اگرچہ یہ دونوں امور اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔اگر ماہر اطباء یہ کہیں کہ کسی خاص مرض میں انسان کی جان بچانے کے لئے شراب کے سوا یقینی طور پر کوئی دوسرا علاج نہیں ہے، تو اس وقت بقدر ضرورت شراب کے استعمال کی اجازت ہے بلکہ اس سے بچنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ امر ضروریات میں سے نہیں بلکہ حاجیات اور تحسنیات میں سے ہے۔(92)

Marfat.com

حوالہ جات:

تیسرا باب

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

(1) امام طبرانی۔ طبرانی معجم الاوسط۔ باب 3 ص/367

(2) احمد حسن ڈاکٹر جامع الاصول /443 مزید شیخ محمد عوامہ۔ اختلافِ فقہاء میں حدیث کا کردار/ 264-243

(3) حوالہ سابقہ۔ مطالعہ فرمائیں فہرست موضوعات باب سوم جوان پانچ قواعد پر مبنی ہے

(4) علی حسب اللہ فہرست موضوعات جوان پانچ قواعد پر مبنی ہے اصول التشریع الاسلامی/179

(5) ملاجیون۔ نور الانوار/14

(6) امام سرخسی شمس الائمۃ۔ اصول السرخسی 125/1

(7) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/449

(8) ابن کثیر۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر البقرۃ:228

(9) معین الدین خٹک۔ اصول فقہ۔ 63/1

(10) صحیح بخاری۔ کتاب الایمان۔ باب ماجاء أنما الاعمال بالنیۃ

(11) معین الدین خٹک۔ اصول فقہ/83

(12) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع الاسلامی/195

(13) صحیح بخاری۔ کتاب الوصایا۔ 40/2

(14) شوکانی محمد علی امام۔ ارشاد الفحول/245

(15) آمدی۔ سیف الدین۔ الاِحکام فی أصول الاحکام۔ 2/3

(16) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع الاسلامی/195

(17) زیدان عبدالکریم۔ الوجیز فی اصول الفقہ/285-287

(18) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول 453-455

(19) الباجی ابوالولید المالکی۔ الاشارہ فی اصول الفقہ۔ ریاض۔ مکتبۃ المصطفے الباز ی/33

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(20) متفق علیہ بحوالہ عزالدین بلیق ۔ منہاج الصالحین/268

(21) معین الدین خٹک ۔ اصول فقہ 116/1

(22) امام سرخسی ۔ اصول السرخسی 78/1

(23) عبدالعلی بحرالعلوم ۔ فواتح الرحموت ۔ 366/1

(24) صدرالشریعۃ ۔ التوضیح/348

(25) معین الدین خٹک اصول فقہ ۔ 124/1

(25-A) بلیق عزالدین ۔ منہاج الصالحین/143

(26) ملاجیون ۔ نورالانوار/61

(27) عبدالعلی بحرالعلوم ۔ فواتح الرحموت ۔ 395/1

(28) ملاجیون ۔ نورالانوار/61

(ا ۔ 28) ابوداؤد امام ۔ سنن ابی داؤد ۔ کتاب الصلاۃ ۔ باب النہی عن الصلاۃ فی مبارک الابل

(ب ۔ 28) حاکم امام ۔ مستدرک حاکم ۔ کتاب الجہاد ۔ باب لاتتخذ واالدواب الکراسی

(29) عبدالعلی بحرالعلوم ۔ فواتح الرحموت 426/1

(30) صدرالشریعۃ ۔ التوضیح ۔ 317-316/1

(31) شوکانی امام ۔ ارشادالفحول 169/1

(32) معین الدین خٹک ۔ اصول فقہ ۔ 103/1

(33) عبدالعلی بحرالعلوم ۔ فواتح الرحموت ۔ 307-306/1

(34) بیہقی امام ۔ السنن الکبری ۔ باب الحوت یموت فی الماء أوالجراد

(35) ابوداؤد امام ۔ سنن أبی داؤد ۔ باب الوضوء بماء البحر ۔ 31/1

(36) ابن کثیر ۔ تفسیر ابن کثیر ۔ تفسیر النساء:38

(37) امام مالک، موطا امام مالک، کتاب النکاح ۔ باب مالا تجمع بینہ من النساء

(38) امیر بادشاہ ۔ تیسر التحریر شرح کتاب التحریر ۔ مصر مطبعہ مصطفے البابی الحلبی ۔ 1351ھ ۔ 154/1

(39) ملاجیون ۔ نورالانوار/61

(40) معین الدین خٹک ۔ اصول فقہ ۔ 109/1

(41) حوالہ سابقہ 111/1

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(42) صدر الشریعۃ ۔ التوضیح /178-179

(43) عبد العلی بحر العلوم ۔ فواتح الرحموت ۔ 203/1

(44) احمد حسن ڈاکٹر جامع الأ صول /516

(45) وھبہ الزھیلی ڈاکٹر ۔ اصول فقہ الاسلامی /293

(45.ا) حوالہ سابقہ /356

(46) تفتازانی سعد الدین ۔ التلویح شرح التوضیح ۔ کراچی نور محمد المطابع ۔ 73/1400

(47) احمد حسن ڈاکٹر ۔ جامع الاصول /519

(47.ا) شاشی نظام الدین ۔ اصول الشاشی ۔ دیوبند ۔ مکتبہ رحیمیہ (س ۔ ن) /23-33

(48) زیدان عبد الکریم ۔ الوجیز /337

(49) وھبہ الزھیلی ۔ اصول فقہ الاسلامی /308

(50) وھبہ الزھیلی ۔ اصول فقہ الاسلامی /308

(51) حوالہ سابقہ

(52) حوالہ سابقہ

(53) احمد حسن ڈاکٹر ۔ جامع الاصول /524

(54) حوالہ سابقہ /527 مزید دیکھیں الاسعدی مولانا محمد عبد اللہ ۔ اصول فقہ /123

(55) حوالہ سابقہ /530 مزید دیکھیں الاسعدی مولانا محمد عبد اللہ ۔ اصول فقہ /124

(56) حوالہ سابقہ /531 مزید دیکھیں الاسعدی مولانا محمد عبد اللہ ۔ اصول فقہ /124

(57) امام مالک ۔ مؤطا ۔ کتاب الصلاۃ ۔ باب ماجاء فی المستحاضہ

(58) حوالہ سابقہ

(59) تفتازانی ۔ التلویح د /80

(60) احمد حسن ڈاکٹر جامع الاصول /523

(61) معین الدین خٹک ۔ اصول فقہ ۔ 215/1

(62) احمد حسن ڈاکٹر ۔ جامع الاصول /535

(63) معین الدین خٹک ۔ اصول فقہ ۔ 215/1

(64) احمد حسن ڈاکٹر ۔ جامع الاصول /536

Marfat.com

(65) امام بخاری۔ صحیح بخاری۔ کتاب الآذان۔ باب أذان المسافراذ کانوا جماعۃ
(66) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/537
(67) عبدالعلی بحرالعلوم۔ فواتح الرحموت۔ 408/1
(68) حوالہ سابقہ/409
(ا۔68) حوالہ سابقہ
(69) حوالہ سابقہ
(70) حوالہ سابقہ
(71) صدر الشریعۃ۔ التوضیح۔ 253/1
(72) معین الدین خٹک۔ اصول فقہ۔ 160/1
(73) حوالہ سابقہ۔ 165/1
(74) حوالہ سابقہ۔ 168/1
(75) حوالہ سابقہ
(ا۔75) حوالہ سابقہ۔ 170/1
(76) زیدان عبدالکریم۔ الوجیز 366-373
(77) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/584
(78) ابن کثیر۔ تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر البقرہ:158
(79) معین الدین خٹک۔ اصول فقہ۔ 298/1
(80) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع/299
(81) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول/231
(82) آمدی۔ الإحکام 102/2
(83) عبدالعلی بحرالعلوم۔ فواتح الرحموت 53/2
(84) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع الاسلامی/300
(85) امام مالک۔ موطا۔ کتاب الضحایا۔ باب إذ خار لحوم الضحایا
(86) زیدان۔ عبدالکریم۔ الوجیز/388
(87) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع/300

Marfat.com

(88) یوسف حامد العالم۔ المقاصد العامہ للشریعۃ الاسلامیہ۔ الدار العالیہ للکتاب الاسلامی 1994/2-4

(89) عز بن عبدالسلام۔ قواعد الاحکام فی مصالح الانام۔ بیروت۔ دار الکتب العلمیہ (س۔ن) 41/1

(90) حوالہ سابقہ

(91) حوالہ سابقہ/621

(92) حوالہ سابقہ/621-627

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

چوتھا باب

اجتہاد وتقلید اور قواعدِ فقہیہ

فصل اول

اجتہاد وتقلید

(Ijtihad/Independent Reasoning & Conformation)

آپ نے سابقہ ابواب میں مطالعہ کیا ہے کہ، اصول فقہ جس کا موضوع "حکم شرعی تک رسائی ہے" میں چار عنوان ا۔حکم شرعی، ۲۔ مآخذ شرعیہ، ۳۔ استنباطِ احکام کے قواعد، ۴۔ اجتہاد وتقلید، پائے جاتے ہیں ان میں آخری بحث اجتہاد وتقلید کے موضوع پر ہوتی ہے۔

1- اجتہاد

اسلامی شریعت کی جامعیت:

اجتہاد کی تعریف اوراس کی حقیقت کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اور خاتم النبین محمد ﷺ تک کو ایک ہی دین دے کر بھیجا تھا، دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، البتہ اِن انبیاء کی شریعتیں مختلف تھیں۔تمام انبیاء کو ان کے حالات اور زمانہ کے مطابق شریعتیں عطاء کی گئیں، جب بنی نوع انسان بالکل طفولیت کی حالت میں تھی یعنی ابھی تک انسانوں کو دور حاضر کی مانند مکمل سہولیات اور ضروریات زندگی میسر نہیں تھیں تو شریعت ان حالات کے مطابق اتاری گئی اس لئے حضرت آدمؑ کی شریعت میں بہن اور بھائی کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز تھا۔لیکن جب بنی نوع انسان دنیا میں پھیلنا شروع ہوگئی اور مختلف انبیاء کرام کے ادوار میں متعدد مراحل بچپن، لڑکپن اور نوجوانی کو طے کرتی ہوئی آخر کار نبی اخر الزماں کے دور میں یہ بلوغت کے مرحلہ تک پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جامع، کامل، مکمل اور اکمل شریعت عطاء کی جو قیامت تک کے لئے انسانوں کے تمام مسائل حل کرتی رہے گی۔ یہ شریعت، اسلامی شریعت یا شریعت محمدیہ ﷺ کہلاتی ہے، اس جامع اور فطری شریعت کے نازل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت کے دروازہ کو قیامت تک کے لئے بند کر دیا، اب کوئی اور نبی آئے گا اور نہ ہی کوئی نئی شریعت کیونکہ نئی شریعت یا نئے نبی کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب سابقہ نبی کی لائی ہوئی شریعت حالات حاضرہ کے مسائل حل نہ کر رہی ہو۔

رسول اکرم ﷺ کے دور میں جب بنی نوع انسان بالغ ہوگئی تو اس کو اس کے حسب حال شریعت عطاء کر دی گئی، جس طرح یہ ناممکن ہے کہ ایک انسان متعدد بار بالغ ہو، اسی طرح بنی نوع انسان کا بھی پھر پھر بالغ ہونا ناممکن ہے اس لئے بلوغت کے وقت جو شریعت عطا کر دی گئی وہی قیامت تک چلے گی نہ بنی نوع انسان دوبارہ بالغ ہوگی اور نہ ہی اسے دوسری شریعت عطاء کی جائے گی۔ دین، شریعت اور فقہ کے مابین فرق کا مطالعہ آپ تعارفی باب میں کر چکے ہیں۔

اسلامی شریعت کی خصوصیات اور اجتہاد:

اسلامی شریعت متعدد اصولوں کا مجموعہ ہے ان اصولوں کو مدنظر رکھ کر دور نبوی ﷺ سے قیامت تک کے تمام مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے، مثلاً قرآن مجید نے حکم دیا کہ سواری پر جب انسان بیٹھ جائیں اور وہ سواری روانہ ہونے لگے تو فلاں دعا پڑھنی چاہئے، اب دور قدیم میں لوگ مختلف جانوروں گھوڑا، گدھا، بیل، اونٹ وغیرہ پر چڑھتے ہوئے وہ دعا پڑھتے تھے اور دور حاضر میں کار، بس، موٹر سائیکل، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز پر چڑھ کر ان کی روانگی کے وقت یہ دعا پڑھی جائیگی، گویا کہ اسی اصول پر زمانہ قدیم و جدید دنوں میں عمل کرنے میں ذرہ برابر فرق محسوس نہیں ہوتا۔

جس طرح آپ دوسرے باب میں اسلامی مآخذ قانون میں قیاس کی بحث کے دوران مطالعہ کر چکے ہیں کہ زندگی کے مختلف ادوار میں بسا اوقات کچھ ایسے واقعات بھی رونما ہو جاتے ہیں جن کی مثال زمانہ قدیم یعنی اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی تو ان مسائل کے بارے میں قرآن وسنت جو اسلامی شریعت کے بنیادی مآخذ ہیں، میں اصولی ہدایات تلاش کر کے ان کو حل کیا جا سکتا ہے، مثلاً اسلام نے شراب جسے عربی میں خمر کہا جاتا ہے کو حرام قرار دیا تو دور حاضر میں ہیروئن، حشیم، بھنگ وغیرہ کے بارے میں حکم شراب کے بارے میں اصولی ہدایات کو مدنظر رکھ کر دیا جائے گا، اسی طرح ہر دور کے نئے مسائل کو جب اسلامی شریعت کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر حل کیا جائے گا تو مسائل حل کرنے کے اس طریق کار کو اجتہاد کہتے ہیں، اسلام میں اجتہاد کا دروازہ دور

Marfat.com

نبوی ﷺ سے لے کر قیامت تک کھلا رہے گا ہر دور میں اسلامی ماہر قوانین جنہیں فقیہ، مفتی یا مجتہد کہا جاتا ہے، اس دور کے نئے مسائل اسلامی شریعت کے بیان کردہ اصولوں کو مدنظر رکھ کر حل کریں گے تا کہ لوگوں کو اپنے مسائل کے فطری اور آسان حل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہیا کردہ ہدایت کی روشنی میں مل جائیں اور وہ کسی اور طرف متوجہ نہ ہوں۔

اجتہاد دراصل ہر دور اور ہر علاقہ کے ایسے نئے اور جدید مسائل اور واقعات کو جن کی نظیر یا جن کا حل دور نبوی ﷺ میں نہیں ملتا اسلام کی مجموعی تعلیمات اور اسلامی شریعت کے عمومی مزاج کو مدنظر کو کر حل کرنے کا نام ہے۔

اجتہاد کی کئی اقسام ہیں

۱۔ اگر وہ انفرادی ہے تو اُسے قیاس بھی کہتے ہیں۔

۲۔ اگر اجتماعی ہے تو اُسے اجماع کہتے ہیں۔

۳۔ مزید کسی نئے مسئلہ کو سابقہ نظائر یا مثالوں کی روشنی میں حل کیا جائے تو اُس کو بھی قیاس کہتے ہیں۔

۴۔ ایسے جدید مسائل جن کی سابقہ کوئی نظیر میسر نہ ہو کو مجموعی شرعی مزاج و ہدایات کی روشنی میں حل کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ یہ قیاس اور اجتہاد میں فرق ہے۔

اجتہاد کی مثال:

مثلاً 92ھ میں محمد بن قاسم کے سندھ پر فتح کرنے کے بعد مسئلہ پیدا ہوا کہ ہندوؤں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ کیونکہ دور نبوی ﷺ میں یا قرآن مجید میں اس بارے میں کوئی ہدایات نہیں تھیں۔ قرآن مجید میں مشرکین، کفار، منافقین اور اہل کتاب کے بارے میں احکام ہیں ہندوؤں کے بارے میں کوئی حکم نہیں۔

اب اس موقع پر مسلمانوں نے اجتہاد کیا اور ایک حدیث،

"مجوسی (آتش پرست) قوم کے ساتھ وہی سلوک کرو جو اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو مگر اُن کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور اُن کا ذبیحہ نہ کھاؤ"

پر عمل کرتے ہوئے اجتہاد کیا اور ہندوؤں کے ساتھ مجوسیوں کے طرح سلوک کرنے کا فیصلہ کر کے بہترین تعلقات کا آغاز کر دیا۔ اِن تعلقات کی وجہ سے اس علاقہ میں اسلام خوب پھیلا (1)

اسی طرح دور حاضر کے نئے مسائل: مثلاً ٹرین وہوائی جہاز میں نماز پڑھتے ہوئے قبلہ رخ ہونے کا مسئلہ، ہوائی جہاز میں روزہ افطار کرنے کا مسئلہ، موبائل، انٹرنیٹ، کمپیوٹر اور سٹیلائٹ ٹیکنالوجی کے لئے اخلاقی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حدود و قیود مقرر کرنا، سائبر کرائمز، دہشت گردی کا سدباب، دور حاضر کے تناظر میں امن عالم کا قیام، ظلم کا ازالہ اور عدل کا قیام، فقر فاقہ سے نجات اور تمام انسانوں کو بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت، تمام اقوام کے لئے ترقی اور آزادی کا حصول، استعماری عزائم کی بیخ کنی، بین الاقوامی تجارت کا فروغ، ماحولیاتی تلوث کو لگام دینا، حیوانی اور نباتیاتی دنیا کا بگڑتا ہوا توازن (ecological balance) بحال کرنا، بڑھتے ہوئے عالمی درجہ حرارت کو روکنے کی تدبیر، دنیا کو نیوکلیائی، کیمیاوی اور حیاتیاتی (nuclier chemical biological) اسلحوں سے پاک کرنا اور اس طرح مزید لاتعداد مشترکہ انسانی نئے مسائل کو اجتہاد کے ذریعہ حل کرنا دور حاضر کا تقاضہ اور علماء کرام و اسلامی سکالرز کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر دور کے نئے مسائل کو اسلامی تعلیمات اور شریعت کے عمومی مزاج: بنی نوع انسان سے محبت، مساوات انسانی، لوگوں کو سہولتیں مہیا کرنا اُن سے نقصان کو دور کرنا وغیرہ کے ذریعہ حل کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ اور یہ اجتہاد دور نبوی ﷺ سے شروع ہوا اور قیامت تک جاری رہے گا۔

یہاں یہ بات بھی محل نظر رہے کہ اسلامی شریعت کوئی ٹھوس جامد و ساکت اصولوں پر مبنی نہیں بلکہ اس کے اصولوں میں بنی نوع انسان کی فطرت کے مطابق لچک ہے۔ جس کو مدنظر رکھ کر اس کو ہر زمانہ کے ماحول کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے جس طرح خالص مٹی لیں اور اس میں پانی ڈال کر اس کو گوندھ لیں تو اس سے آپ اپنی ضروریات کے مطابق لوٹا بھی بنا سکتے ہیں، گھڑا بھی بنا سکتے ہیں، گلاس، جگ، مٹکا، پلیٹ، کھلونے، اینٹوں کی مختلف اقسام غرض یہ کہ جو چیز آپ کو اپنے ماحول اور حالات کے مطابق درکار ہو بنا سکتے ہیں لیکن اصل وہی مٹی رہے گی اور مٹی کی جگہ ہم پتھر لکڑی وغیرہ استعمال نہیں کر سکتے۔

اسی مثال کی مانند ہم اسلامی شریعت کے بنیادی مآخذ قرآن و حدیث کو مدنظر رکھ کر ہر زمانہ کے حالات کی رعایت رکھتے ہوئے لوگوں کے مسائل کو حل کر سکتے ہیں اور ان کے لئے قانون سازی کر سکتے ہیں اور یہ تمام مراحل اجتہاد کے ذریعہ ہوں گے جس پر ہماری چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے۔

اسلام کا مقصد اور اس کی خصوصیات:

قرآن و سنت کی نصوص کے مطابق، اسلام کا مقصد یہ ہے کہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی جامع اصلاح کی جائے۔ اس جامعیت میں انفرادی اور اجتماعی زندگی، حال اور مستقبل کے تمام معاملات شامل ہیں۔ اسلام کے متعلق یہی ایک مسلمان کا عقیدہ ہے اور اس عقیدہ میں کوئی کمی کرنا اسلام سے عدم واقفیت کے مترادف ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جہاں تک اسلام کی ان خصوصیات کا تعلق ہے جو مذکورہ بالا مقصد سے ظاہر ہوتی ہیں وہ یہ تین خصوصیات ہیں:

i) آخریت: یعنی یہ بات کہ اسلام تمام الٰہی شریعتوں میں آخری شریعت ہے اور اس کے لانے والے رسول اللہ ﷺ کے آخری رسول ہیں، لہٰذا نہ اسلام کے بعد کوئی شریعت ہو سکتی ہے جو اسلام کو منسوخ کر سکے اور نہ ہی کوئی نیا رسول آسکتا ہے۔

ii) ابدیت: یعنی یہ بات کہ اسلام کا پیغام کسی آنے والے وقت تک محدود نہیں کیا گیا جس کے آجانے پر اس پیغام کو عام کرنے کی ذمہ داری ختم ہو جائے اور جس کے بعد انسانوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسلامی شریعت کے اتباع اور اس کے نفاذ کا پابند ہوئے بغیر خود ہی اپنی زندگیوں کو منظم کر لیں۔ گویا کہ اسلام کے احکام ابد تک یعنی قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لئے ہیں۔

iii) جامعیت: یعنی شریعت اسلامیہ کے قانونی نظام کا پوری طرح جامع ہونا، جس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے احکام اور اصول جن سے اسلام کا قانونی نظام وجود میں آیا ہے، یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ ہر زمانہ اور ہر علاقہ میں قانون سازی کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں اور قیامت تک انسانی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل کا بہترین حل پیش کر سکیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے اصولوں میں انسانی فطرت سے مطابقت، عمومیت، لچک، معمولی اور غیر معمولی تدابیر اور بدلتے ہوئے حالات کی رعایت رکھ دی گئی ہے۔(2)

دین کا حقیقی فہم اور مجتہد:

اسلام میں دین کی اصطلاح بہت جامع ہے دین سے مراد ایک ایسا نظام حیات ہے جو ہر شعبہ زندگی کے لئے ہدایت و رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ اس کی رہنمائی بچہ کی پیدائش سے قبل شروع ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی جاری رہتی ہے، دین فرد کی رہنمائی بھی کرتا ہے اور معاشرہ کی بھی، لیکن ابتدائی طور پر فرد کی تربیت کر کے اس کی فکر، اس کے رویہ اور اس کی عملی زندگی کی اصلاح کر کے پہلے اسے ایک صالح معاشرہ کی تشکیل پر آمادہ کرتا ہے، پھر وہی تربیت یافتہ فرد ایک بھرپور، متحرک اور تعمیری اجتماعی زندگی کے لئے معاشرہ کی رہنمائی کرتا ہے، تاکہ لوگ باہم مل کر دنیا میں پرامن طور پر اور سکون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بندہ بن کر رہیں، خود آقا نہ بن بیٹھیں اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی نیابت اور خلافت کے فرائض سرانجام دے سکیں۔

دین کا یہ فہم ان اہل ایمان کو حاصل ہوتا ہے جو سابقہ پیرہ میں بیان کردہ طریقہ سے تربیت حاصل کر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کے تزکیہ اور احسان کے مرحلہ سے گزر کر قرآن وسنت کے معارف وحِکم کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں، قرآن و حدیث کی اصطلاح میں دینی معارفُ وحِکم کے اس مجموعے کو سمجھنا مزید اُس میں بصیرت حاصل کرنا اور انسانی زندگی کے عملی مسائل کو اِس مجموعے کے ذریعہ حل کرنا فقہ کہلاتا ہے۔ جس کا مطالعہ آپ تعارفی باب میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔

قرآن حکیم کی آیت مبارکہ میں اس فہم دین کی طرف اشارہ ہے:

﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾. (التوبہ ۹:۱۲۲)

ترجمہ: کیوں نہ ایسا ہو کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکل کھڑے ہوں تاکہ وہ دین کا فہم اور بصیرت حاصل کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ سے بھی فقہ کا یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔

من یرد اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین. (3)

اللہ تعالیٰ جسے خیر عطا کرنا چاہتا ہے اسے دین کا فہم وبصیرت عطا فرما دیتے ہیں۔

دین کا فہم رکھنے والے ان حضرات میں سے کچھ لوگ اپنی وسعت علمی اور ذہانت وفراست کی وجہ سے نمایاں مقام حاصل کر لیتے ہیں، ان میں استدلال واستنباط یعنی انسانی مسائل کو حالات کے تناظر میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق حل کرنے کی عمدہ صلاحیت ہوتی ہے، یہ لوگ شریعت کی اصطلاح میں فقیہ اور مفتی نہیں بلکہ مجتہد کہلاتے ہیں، اپنے علم اور استدلال کی صلاحیتوں کی بنا پر یہ لوگ کسی بھی دور میں درپیش مسائل کا حل قرآن وسنت کی تعلیمات میں دی گئی اصولی ہدایات اور قواعد وکلیات کی روشنی میں طے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔(4)

اجتہاد کا عمومی مفہوم:

فقہ واصول فقہ میں اجتہاد کوئی نئی چیز پیدا کرنے یا نئے مسائل کو کسی جدید طریقہ سے حل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ ہر دور میں نئے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں دین کا رویہ یا نقطہ نگاہ دریافت کرنے کا نام ہے۔ گویا کہ اجتہاد احکام کا مُثبِت (ثابت کرنے والا) نہیں ہے بلکہ احکام کا مُظہر (ظاہر کرنے والا) ہے۔

مختلف علماء اصول کی تحریروں میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے، مثلاً فخر الاسلام بزدودیؒ کا یہ کہنا ہے کہ "غالب رائے کے ذریعہ صحیح بات تک پہنچنا" یا سیف الدین آمدیؒ کی اجتہاد کی تعریف کہ اجتہاد" اس مقدور بھر کوشش کا نام ہے جو مجتہد کسی امر شرعی کے بارے میں رائے قائم کرنے میں صرف کرتا ہے کہ اس سے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

زیادہ محنت اس کے بس میں نہ ہو' ان تعریفوں میں اجتہاد کی وسعت کو پوری طرح محسوس کیا جا سکتا ہے۔(5)

مجتہد کی یہ محنت و کاوش ہر اس مسئلہ کے بارے میں ہو سکتی ہے جس سے متعلق کوئی قرآن و حدیث کا واضح حکم موجود نہ ہو اور فقیہ و مجتہد اس میں شریعت کا نقطہ نگاہ جاننے کی کوشش کرے اور اپنی قائم کردہ رائے اپنے دلائل کے ساتھ پیش کر دے۔

اسلام میں تصور اجتہاد کا آغاز:

اسلامی تعلیمات کے مطابق اسلام کسی خاص قبیلہ علاقے یا خطے کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے ایک سودمند نظام ہے۔عہد رسالت میں اجتہاد کے تصور کا آغاز ہجرت کے بعد مدنی دور کے درمیانہ زمانہ میں ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے دین کی ابتدائی اور بنیادی تعلیم و تربیت کو کافی حد تک مکمل کر لیا تھا سب سے اہم کام اسلامی عقائد کی تعلیم اور دل و دماغ میں انہیں خوب راسخ کرنا تھا۔ساتھ ہی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اجاگر کرنا اور قلب و نفس کا تزکیہ کرنا تھا۔یہ کام رسول اللہ ﷺ نے مکی دور میں آغاز وحی سے شروع کر دیا تھا اور ایمان قبول کرنے والوں کے قلوب کا تزکیہ منشاء الٰہی کے مطابق فرما دیا تھا، تزکیہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خدا خوفی کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو کر بنی نوع انسان سے محبت اور اُس کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے مزید اپنی خواہشات نفس سے دست بردار ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا لے، اپنے قلب کو اخلاص، صبر، شکر، توکل اور تقویٰ سے مزین کر لے۔ایسے ہی افراد اگر مجتہد بنتے ہیں تو فکری گمراہیوں اور عملی نجاستوں سے بچ سکتے ہیں۔

تقریباً ۵ ھ تک اسلامی معاشرہ سرزمین حجاز سے نکل کر عرب کے دور دراز علاقوں میں پھیل گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے دین کے قیام اور مسلمانوں کے امور کی نگرانی کے لئے ان علاقوں میں سابقہ پیرہ میں بیان کردہ خصوصیات کے حامل اپنے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کو انتظامی اور عدالتی ذمہ داریاں سپرد کیں، اجتہاد کی ضرورت بھی اس وقت محسوس کی گئی کہ اگر دور نبوی ﷺ میں آپ سے دُور صحابہ کرام یا عام لوگوں کو ایسے مسائل پیش آ جائیں جن کے بارے میں قرآن میں واضح ہدایات موجود نہ ہوں اور رسول اکرم ﷺ کے سامنے بھی اس قسم کا واقعہ پیش نہ آیا ہو تو اس قسم کے معاملات میں انتظامی و عدالتی یا حربی امور پر تعینات صحابہ کرام کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ انہیں قرآن و سنت کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں، درپیش مسئلہ سے متعلق شریعت کا نقطہ نگاہ جاننے کے لئے اپنے تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کسی نتیجہ تک پہنچنے کی سعی کریں۔اس وجہ سے اسلام میں نظریہ اجتہاد کا آغاز ہوا۔(6)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اجتہاد کی لغوی تعریف:

اجتہاد کسی کام کے انجام دینے میں اپنی بھرپور اور وسعت بھر کوشش کرنے کو کہتے ہیں، علماء لغت کی اصطلاح میں اجتہاد کی تعریف یہ ہے:

اجتہاد عربی کے لفظ "جہد" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کوشش، مشقت اور محنت، اس کے حروف اصلیہ تین ہیں (ج،ھ،د) اس سے باب افتعال کے وزن پر لفظ اجتہاد بنا ہے، جس طرح قرآن مجید میں وارد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَ هُمْ﴾. (التوبہ۹:۷۹)

اور جو نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے۔

لغت میں اجتہاد سے مراد کسی کام کی انجام دہی میں ایسی انتہائی کوشش اور طاقت صرف کرنا ہے جس میں محنت اور مشقت برداشت کرنا پڑے۔ اگر کسی کوشش میں محنت اور مشقت نہ پائی جائے تو وہ اجتہاد نہیں ہے۔ گویا کہ کسی انسان کا اپنی مقدور بھر مکمل کوشش کرنا، بھرپور سعی کرنا اور اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانا لغوی طور پر جُہد اور اجتہاد کہلاتا ہے۔ (7)

اصطلاحی تعریف:

علمائے اصول فقہ نے اجتہاد کی تعریف میں مختلف پیرائے اختیار کئے ہیں۔

بذل المجتهد وسعة فى طلب العلم بالا حكام الشرعية بطريق الاستنباط. (8)

یعنی شرعی احکام کے علم کی تلاش میں ایک مجتہد کا استنباط احکام کے طریقہ سے اپنی بھرپور کوشش کرنا، اجتہاد کی اس اصطلاحی تعریف سے مندرجہ ذیل نکات واضح ہوتے ہیں،

اول:۔ یہ کہ مجتہد کو اپنی بھرپور کوشش صرف کرنا چاہئے یعنی وہ اس حد تک کوشش کرے کہ اس کو خود محسوس ہو کہ اس سے زیادہ کوشش کرنے سے اب وہ عاجز ہے اور مزید کوشش اب اسکی وسعت و طاقت سے باہر ہے۔

حنفی اصولی اور فخر الاسلام امام بزدوی کی کتاب "اصول البزدوی" کے شارح علامہ عبدالعزیز بخاری کے نزدیک اجتہاد اس کوشش کے لئے مخصوص ہے جو شرعی احکام سے متعلق علم حاصل کرنے میں کی جاتی ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے:

استفراغ الجهد فى ادراك الاحكام الشرعية العملية من ادلتها التفصيليه. (9)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ترجمہ: شریعت کے عملی احکام کو اسلامی ماخذ قانون سے حاصل کرنے کے لئے اپنی بساط بھر کوشش کرنا۔

اجتہاد اور اُس کی شرائط:

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اجتہاد مجتہد کی اس انتہائی کوشش کا نام ہے جو فقہ اسلامی کے تفصیلی دلائل سے بذریعہ استنباط کسی شرعی عملی حکم کے حصول میں کی جائے، اس ضمن میں چند اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ اجتہاد کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں اپنی حد تک انتہائی کوشش اور طاقت صرف کی جائے اور کسی نئے مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے میں اتنی زیادہ کوشش کی جائے کہ یہ غالب گمان حاصل ہو جائے کہ نئے مسئلہ کا جو حکم اخذ کیا گیا ہے وہی شریعت کا مقصد و منشاء ہے، اگر اس کوشش اور طاقت کے استعمال میں مجتہد کی طرف سے کوئی کمی رہ گئی تو یہ اجتہاد نہیں ہوگا۔

2۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اجتہاد تام (مکمل) یہ ہے کہ وہ کسی مجتہد یعنی شرعی احکام کی صلاحیت رکھنے والے کسی عالم سے صادر ہو، غیر مجتہد شخص کسی شرعی حکم کو جاننے کے لئے کتنی ہی انتہائی کوشش کرے وہ اجتہاد نہیں ہوگا۔

3۔ اجتہاد میں کسی نئے مسئلہ کا حل استنباط کے طریقہ سے معلوم ہونا چاہئے یعنی نئے مسائل کا حل غور و فکر اور شرعی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو۔

قرآن وحدیث میں موجود احکام کا بیان کر دینا، کسی مفتی سے کسی مسئلہ کا حل دریافت کر لینا یا مسائل کے حل کو کسی فقہی کتاب سے یاد کر کے بیان کر دینا اجتہاد نہیں کہلائے گا، اگرچہ یہ کوشش لغوی طور پر اجتہاد ہے لیکن اصطلاح میں یہ اجتہاد کی تعریف سے خارج ہے۔

4۔ اجتہادی کوشش کسی شرعی حکم کے ادراک میں ہونی چاہئے کسی ایسے حکم کی جستجو جس کا تعلق لغت، سائنس اور طبعی علوم وغیرہ سے ہوا اجتہاد نہیں کہلائے گا خواہ وہ کوشش کتنی ہی انتہائی محنت اور مشقت والی کیوں نہ ہو۔

5۔ اجتہاد شریعت کے عملی احکام میں ہوگا۔ عقلی، لغوی اور حسی احکام کی معلومات کے حصول کی کوشش اجتہاد نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی شرعی علمی حکم مثلاً عقائد وغیرہ کے حکم کے ادراک کی کوشش کرنے والا بھی مجتہد نہیں ہے اگرچہ متکلمین کے ہاں ایسی کوشش اجتہاد ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

6۔ اس کوشش کا تعلق شریعت کے ان احکام سے ہونا چاہئے جو ظنیات کے دائرے میں آتے ہیں۔(10)

مجتہد کی تعریف

جو اجتہاد کرے وہ مجتہد کہلائے گا اور مجتہد وہ شخص ہے جس میں اجتہاد کی صلاحیت پائی جائے۔ مجتہد کا درجہ اصولی، مفتی اور فقیہ سے بڑھ کر ہوتا ہے، مجتہد نہ صرف شریعت کا علم رکھتا ہے بلکہ وہ مسائل کے شرعی احکام کا استخراج اور استنباط کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ کوئی عورت بھی مجتہد ہو سکتی ہے۔ اس کی عمومی تعریف یہ ہے:

هو الانسان او هو الفقيه الذى استفرغ جهده لتحصيل حكم شرعى. (11)

ترجمہ: ایسا انسان یا فقیہ جو حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لئے اپنی مقدور بھر کوشش کرے۔

سابقہ سطور میں اجتہاد کی تعریف کے مطالعہ سے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مجتہد سے کس قسم کی اہلیت و قابلیت والا شخص مراد ہے، مجتہد سے ایسا شخص مراد ہے جس میں اجتہاد کا ملکہ موجود ہو، یعنی اس میں تفصیلی مآخذ (قرآن وسنت واجماع وقیاس) سے شریعت کے عملی احکام اور ہر دور کے جدید مسائل کو مستنبط کرنے کی پوری صلاحیت اور قدرت موجود ہو، علماء اصول کی اصطلاح میں ایسے شخص کو فقیہ کہا جاتا ہے یعنی مجتہد کو فقیہ ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص شرعی احکام کو یاد کر کے یا کتابوں سے اخذ واستفادہ کر کے یا علماء کی زبان سے سن کر حاصل کرے لیکن اُس میں مسائل کو مآخذ سے استنباط کرنے کا ملکہ یا صلاحیت نہ ہو تو اس کو فقیہ اور مجتہد نہیں سمجھا جائے گا۔

اجتہاد کا طریقہ اور حُجیت:

مجتہد کو جب کوئی مسئلہ پیش آئے اور اس کے بارے میں شرعی حکم معلوم کرنا ہو تو سب سے پہلے اس کو قرآن مجید کی آیات میں تلاش کرنا چاہئے، وہاں نہ ملے تو احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہئے، قرآن مجید میں حکم ملنے کے بعد بھی اس کی مزید تفصیل حدیث میں دیکھنا چاہئے اگر ظاہر الفاظ سے حکم نہ نکلے تو ان کے مفہوم سے حکم نکالنا چاہئے۔

اجتہاد کی حجیت یا مشروعیت قرآن مجید، سنت رسول ﷺ، تعامل صحابہؓ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید سے حُجیت:

نماز میں قبلہ رخ ہونے کے بارے میں قرآنی حکم ہے کہ:

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾. (البقرة ۱۴۹:۲)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ترجمہ: اور جس جگہ آپ ﷺ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کیجئے اور جہاں بھی تم رہو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو۔

مسجد حرام سے دوری کی صورت میں جب کہ وہ نظر کے سامنے نہ ہو، اس کی طرف رخ اجتہاد کی بنا پر ہوتا ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں جب یہ حکم موجود ہے تو پھر زندگی کے دیگر مسائل میں اجتہاد بدرجہ اولیٰ ہو گا۔

قرآن مجید کی یہ آیت بھی اجتہاد کے مفہوم اور دائرہ کار میں وسعت پیدا کرتی ہے۔

﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾. (البقرہ ۲:۲۳۳)

بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں (ماؤں کو) کھانا کپڑا دینا ہوگا۔

اس آیت میں ایسی ماؤں کو جو اپنے بچوں کو پیدائش کے بعد دودھ بھی پلا رہی ہوں دودھ پلانے کی اجرت دینے کا حکم ہے۔ اس اجرت کا تعین کرنے کے لئے لفظ "معروف" کا ذکر ہے، قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں اس "معروف" کی کوئی معین مقدار مذکور نہیں ہے، ماؤں کو دوران رضاعت جو کچھ پہناوے یا اُجرت وغیرہ کے طور پر دیا جائے گا اس کی مقدار اجتہاد سے متعین کی جائے گی۔

سنت سے حُجیت:

اجتہاد کے ثبوت میں اہم حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے یہ حدیث محدثین کے علاوہ اصول فقہ کے تمام آئمہ نے نقل کی ہے، خواہ ان کا تعلق حنفی مکتب سے ہو یا مالکی مکتب سے، وہ شافعی مسلک سے وابستہ ہوں یا حنبلی مذہب سے، حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ سب کے ہاں مقبول و مشہور ہے، اس حدیث کا آخری حصہ براہ راست اجتہاد سے متعلق ہے رسول اللہ ﷺ کے اس سوال پر کہ اگر تمہیں قرآن و سنت میں درپیش کسی مسئلہ کا حل نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا:

اجتهد برای ولا آلو. (12)

ترجمہ: میں ایسی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور و فکر کے ذریعہ کسی نتیجہ تک پہنچنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔

اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس قسم کی صورت حال میں اجتہاد کے ذریعہ مسائل حل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اجتہاد کے ثبوت میں دوسری حدیث حضرت عمرو بن العاصؓ کی وہ مشہور روایت ہے جسے صحاح ستہ کے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تمام محدثین نے نقل کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

اذا حکم الحاکم فا جتهد فاصاب فله اجر ان و اذا حکم فاجتهد فاخطا فله اجر.(13)

جب کوئی حاکم فیصلہ کرتا ہے اور فیصلہ کرنے سے پہلے زیر غور مسئلہ میں غور وفکر (اجتہاد) کر لیتا ہے (ہر پہلو سے اس کا جائزہ لیتا ہے) اور صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دہرے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے اور اگر وہ اجتہاد کرتا ہے اور غلطی سرزد ہو جاتی ہے یعنی اُس کا اجتہادی فیصلہ صحیح نہیں ہوتا تو پھر بھی اسے ایک اجر ملتا ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے علماءِ اصول کے نزدیک اجتہادی غلطی اور عام غلطی میں فرق ہے۔ اجتہادی غلطی پر مواخذہ بھی نہیں ہوتا اور اجر بھی ملتا ہے اور عام غلطی میں اس کے برعکس صورت حال ہوتی ہے۔ محدثین نے اس حدیث کو تین اہم اصطلاحات کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حاکم، قاضی اور عامل (گورنر، سربراہ صوبہ) یہ تینوں عہدے اسلامی معاشرہ میں عدالتی اور انتظامی ذمہ داریوں کے لئے اہم مناصب ہیں۔ امام بخاریؒ کے مختلف ابواب میں تینوں اصطلاحات استعمال کی ہیں، اس طرح اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں مسلم معاشرہ میں اہم عدالتی اور انتظامی عہدوں پر اپنے علم اور کردار کے لحاظ سے اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے افراد کو فائز ہونا چاہئے تاکہ مشکل یا نئے مسائل کو اپنی اجتہادی بصیرت سے حل کر سکیں۔

تعاملِ صحابہؓ سے حُجیت:

عہد رسالت کے بعد بھی صحابہ کرامؓ کا اجتہاد پر تعامل ثابت ہے، مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ''کلالہ'' (ایسا متوفی جس کا نہ باپ ہو اور نہ بیٹا) کہ میراث کے بارے میں اجتہاد سے حکم دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے دادا کی میراث کے مسئلہ پر اجتہاد سے فیصلہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس عورت کے بارے میں جس کا خاوند حق المہر متعین کرنے اور صحبت کرنے سے قبل فوت ہو گیا تھا، یہ فیصلہ دیا کہ عورت کو مہر مثل ملے گا اور وہ میراث کی حقدار ہو گی اور عدت گزارے گی، بعد میں جب حضرت ابن مسعودؓ کو معلوم ہوا کہ ان کا فیصلہ نبی کریم ﷺ کے حکم کے موافق نکلا ہے تو وہ بہت زیادہ خوش ہوئے تھے۔(14)

مندرجہ بالا واقعات بطور مثال درج کئے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عہد صحابہ کرامؓ میں اجتہاد ایک مسلسل عمل تھا جو کثرت سے جاری رہا۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اجماع امت سے حجیت:

ملت اسلامیہ اجتہاد کے جواز پر روز اول تا دم حاضر ہمیشہ متفق رہی ہے۔ کسی دور میں بھی اجتہاد کی مشروعیت اور حجیت کی مخالفت نہیں کی گئی، امت مسلمہ کے مختلف فقہی مذاہب کے مابین استنباط احکام کے بعض دلائل مثلاً قیاس، استحسان اور مصلحہ ومرسلہ وغیرہ کی حجیت میں تو اختلاف پایا جاتا ہے مگر نفس اجتہاد پر کسی کا اختلافی قول نہیں ہے، جو قیاس سے کام لے رہا ہوتا ہے وہ بھی اجتہاد کرتا ہے، جس نے استحسان پر عمل کیا اس نے بھی اجتہاد کیا اور جو مصلحہ ومرسلہ کا قائل ہے وہ بھی اجتہاد کرے گا، اس طرح اجتہاد پر اجماع امت ہے۔

اجتہاد کا حکم:

اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والا اگر کسی مسئلہ میں اجتہاد کر کے حکم پا لیتا ہے تو پھر اس مجتہد کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس مسئلہ میں کسی دوسرے مجتہد کی تقلید واتباع کرے، اس بارے میں علماء کا اتفاق ہے۔

مجتہدین کی آٹھ اہم شرائط:

اسلام اصولوں کا حامل دین ہے، اس میں اجتہاد کا حق کسی خاص طبقہ، علاقہ، ذات و برادری وغیرہ سے مخصوص نہیں ہے، اس کا مجاز ہر وہ شخص ہے جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو اس صلاحیت کے لئے چند شرائط علماء اصول نے بیان کی ہیں جو ان شرائط کو پورا کرتا ہو وہ مجتہد ہے اور اجتہاد کر سکتا ہے۔ چاہے وہ گورا ہو یا کالا، مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں گویا ہر وہ شخص جو ان شرائط کو پورا کر رہا ہو مجتہد بن سکتا ہے، لیکن ان شرائط کے نہ ہوتے ہوئے کسی کو مجتہد بننے کی اجازت ہے اور نہ ہی اسے اجتہاد کرنے کی اجازت دی جائے گی چاہے وہ اپنے طور پر لاکھ اجتہاد کا دعویٰ کرے۔

علمائے اصول فقہ نے اپنی کُتب میں بعض شرائط کا ذکر کیا ہے جن کا کسی مجتہد میں پایا جانا ضروری ہے، ذیل میں ان میں سے آٹھ اہم شرائط کو بیان کیا جا رہا ہے تا کہ اجتہاد کا دعویٰ کرنے والے مجتہد کو جانچا جا سکے کہ کیا اس کے اندر یہ شرائط موجود ہیں؟

1- قرآن مجید کا علم

اسلامی قانون کا سب سے پہلا اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے، مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کی اہم تفاسیر اور اس سے متعلقہ علوم جن کو علوم القرآن کہا جاتا ہے سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرے، اس میں سے اہم علم ناسخ منسوخ، مجمل مفسر، خاص وعام، محکم متشابہ وغیرہ ہیں۔ خاص طور پر مجتہد کے لئے وہ آیات جو احکام سے متعلق ہیں اور ان کی تفصیلی معرفت لازمی ہے کیونکہ مسائل کا استنباط انہیں آیات احکام

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

سے ہوتا ہے، صحیح فہم اور تدبر والا مجتہد قصص و امثال کی آیات سے بھی حکم مستنبط کر لیتا ہے علماء نے آیات احکام کی تعداد پانچ سو تک بیان کی ہے۔

2- سنت رسول ﷺ کا علم

مجتہد کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سنن و احادیث اور خاص طور پر احکام سے متعلق احادیث کا اچھی طرح عالم ہو، سنت رسول ﷺ اسلامی قانون کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ احادیث سے استنباطِ احکام کے لئے یہ ضروری ہے کہ مجتہد علوم حدیث سے بھی واقف ہو مثلاً اُسے صحیح و ضعیف حدیث کو پہنچاننے کے اصول اور احادیث کے درجوں کو معلوم کرنے کے لئے روایت اور درایت کے اصول، احادیث کی شان ورود، احوال الرجال یعنی راویوں کے اوصاف و خصائل کا علم ہو مزید جرح و تعدیل (راوی کے ان عیوب کا اظہار کرنا جو اس کی روایت کو نا قابل قبول بنائیں جرح کہلاتا ہے اور راوی کو ثقہ یعنی قابل اعتماد قرار دینا تعدیل کہلاتا ہے) کا علم اور احادیث میں ناسخ و منسوخ اور راجح و مرجوح وغیرہ جیسے اہم علوم سے اچھی طرح آگاہ ہونا لازمی ہے۔

مجتہد کے لئے تمام احادیث کا حافظ ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ حدیث کی اہم چھ کتب جن کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے اور اور اُن کی اہم شروح مزید علماء نے خاص طور پر احکام سے متعلق احادیث اور فقہ السنۃ پر جو کام کیا ہے اس سے آگاہی ضروری ہے، راویوں کے احوال اور ان کی عدالت کے بارے میں آئمہ اور جرح و تعدیل کے کئے گئے کام پر انحصار کافی ہے۔

3- عربی زبان کا علم

فقہ اسلامی کے دو بنیادی ماخذ قرآن مجید اُس کی اہم تفاسیر اور احادیث کی نصوص اور فقہ اسلامی و اصولِ فقہ کی بنیادی کتب کا بڑا ذخیرہ عربی زبان میں ہے، لہذا مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان اور اس کے قواعد جانتا ہو، قرآن و احادیث کی نصوص کو سمجھے بغیر ان سے احکام کا استنباط مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ یہ شرط اجتہاد کے لئے جڑ کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح درخت بغیر جڑوں کے ہونا ناممکن ہے اسی طرح اس شرط کے بغیر بھی مجتہد بننا ناممکن ہے۔ اس کی تفصیل تیسرے باب ''استنباط احکام کے قاعدے'' کی ابتداء میں بھی موجود ہے۔

4- اجماع سے واقفیت

مجتہد کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ جن مسائل پر صحابہ کرامؓ، تابعین یا بعد میں امت کا اجماع ثابت ہے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

،ان کو جانتا ہو تا کہ وہ اجماع کیخلاف فتویٰ دینے سے محفوظ رہے۔اجماع سے واقفیت اسی طرح ضروری ہے جس طرح اسی کے لئے قطعی نصوص کا علم ضروری ہے تا کہ وہ ان کیخلاف فتویٰ صادر نہ کر سکے، البتہ اس شرط پر مجتہد کے لئے سہولت اور تخفیف یہ ہے کہ اس کے لئے تمام مسائل جن میں اجماع ہو چکا ہے، کا جاننا ضروری نہیں ہے لیکن جس مسئلہ میں وہ اجتہاد کر رہا ہے اس کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کا فتویٰ اجماع کیخلاف نہیں ہے۔

5-اصول فقہ کا علم

ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجتہد اصول فقہ کا عالم ہو، اصول فقہ کا علم مجتہد کے لئے اہم ترین علوم میں سے ہے، اس علم کے ذریعہ مجتہد فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ و دلائل، ان کی ترتیب یعنی استنباط احکام کے لئے پہلے کن دلائل، ماخذ قانون کی طرف رجوع کیا جائے گا اور کن دلائل کی طرف بعد میں۔اس علم کے ذریعہ وہ ان دلائل سے استنباط احکام کے طریقوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ شرعی دلائل کی نصوص کے الفاظ و معانی پر ان کی دلالت اور تعارض و ترجیح کے اصولوں سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔ان تمام امور میں مہارت تامہ نہ ہونے کی صورت میں وہ کبھی بھی احکام کا استنباط نہیں کرسکتا۔

پھر اصول فقہ کے علوم میں سے ایک علم قیاس ہے، اس کے ارکان و شرائط سے آگاہی ہوتی ہے، رائے اور اجتہاد میں قیاس ایک اہم طریقہ ہے فقہ کا معتدبہ حصہ قیاس پر مبنی ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے:

من لم یعرف القیاس فلیس بفقیه(15)

جو قیاس کو نہیں جانتا وہ فقیہ نہیں ہے۔

علم اصولِ فقہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے جب کوئی شخص فقیہ ہی نہیں ہوسکتا تو وہ مجتہد کیسے بن جائے گا۔

6-فقہی احکام سے آگاہی

مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نظر فقہی ذخیرہ پر ہو، جن مسائل کے احکام کا اب تک استنباط ہو چکا ہے ان کو جانتا ہو، اسے صحابہ کرامؓ ، تابعین ، آئمہ مجتہدین کے اقوال و فتاویٰ، فقہی مذہب کے احکام اور ان کے دلائل کا علم ہو، ان کے علاوہ ایک مجتہد کو معاصر مجتہدین کے اجتہادات سے بھی آگاہی ہونی چاہئے، فقہی احکام اور فروع سے معرفت کو ایک مجتہد کے لئے شرط نہیں قرار دیا گیا لیکن فقہاء کے اختلاف، ان کے دلائل

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اور ان کے اسلوبِ اختلاف کا علم ایک مجتہد میں استدلال کا ملکہ پیدا کرے گا اور اجتہاد کرنے کی صلاحیت کو نکھارے گا۔اس کی مزید تفصیل یہ ہے:

الف) اختلاف کو تطبیق دینے کی صلاحیت:

فقہی اقوال کو موقع ومحل کے لحاظ سے برمحل منطبق کرنا ایک مستقل کام ہے، مجتہد میں اِس کام کی صلاحیت ہونی چاہئے۔

(ب) مقاصد شریعت سے واقفیت:

امام شاطبیؒ نے لکھا ہے کہ وہ مجتہد جو درجہ اجتہاد کو پہنچا ہو اس میں مندرجہ ذیل تین صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔

ب۔1۔مقاصد شریعت سے مکمل واقفیت:

اس سے مجتہد کو شارع (اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ) کے تشریع احکام سے متعلق مقاصد سے آگاہی ہو جائے گی، شریعت اسلامی کا مقصد بندوں کے لئے مصالح کا حصول اور ان سے مضرت ونقصان کو دور کرنا ہے۔

ب۔2۔فقہی اصول وکلیات کا علم

اس علم کی تفصیل اِسی باب چہارم کی دوسری فصل میں ہے۔

ب۔3۔علم الکلام کے احکام اور دلائل سے واقفیت

جیسے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کا علم، عالم کے حادث ہونے، بعثت رسول ﷺ کی حقیقت، اُن کی لائی ہوئی شریعت اور معجزات وغیرہ کا علم ہونا ضروری ہے، لازمی نہیں کہ اس بارے میں علم الکلام کے دقیق اور باریک نکتوں کا علم ہو، البتہ اتنا علم ضروری ہے کہ وہ مسلمان رہے۔

7-عدالت

مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو اور عدالت کے منافی امور سے اجتناب کرتا ہو، اگر غیر عادل نے اجتہاد کیا یا فتویٰ دے دیا تو اس کا فتویٰ قبول نہیں کیا جائے گا، عدالت سے مراد یہ ہے کہ اجتہاد کا دعویٰ کرنے والا عبادات میں کم از کم فرائض کی ادائیگی کا مکمل اہتمام کرتا ہو، رسول اکرم ﷺ سے محبت کا عملی ثبوت پیش کرتا ہو، جَری ہو، بہادر ہو، حق کو ظاہر کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، ڈرپوک اور بزدل نہ ہو، نیک ہو، پارسا ہو،

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

اس کے اندر اللہ کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ہو اور بنی نوع انسان سے محبت ہو تا کہ جب وہ اجتہاد کرے تو اسے یہ احساس ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا جوابدہ ہوں۔

8-ذوق اجتہاد

مجتہدین میں اجتہاد کا ذوق بھی ہونا چاہئے۔اس سے مراد نئے مسائل کو فوری طور پر اور موقعہ پر حل کرنے کی صلاحیت اور ملکہ ہے۔ ذوق اجتہاد کسبی چیز نہیں ہے، یہ عطیہ خداوندی ہے جسے وہ اپنی مشیت کے تحت اپنے خاص بندوں کے قلوب میں القا کرتا ہے، ہر عالم و فاضل، قرآن وسنت کے علوم کو جاننے والا اور ذہین وفطین شخص مجتہد نہیں ہوتا، بلکہ ان شرائط کے ساتھ ساتھ اس میں حالات حاضرہ کے پیچ وخم کو سمجھنے کی صلاحیت اور ذوق اجتہاد بھی ہونا چاہئے، یہ ذوق اجتہاد قلب انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔اس کو قلب کی آنکھ بھی کہا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اصول تفسیر، علم تفسیر، اصول حدیث، شروح حدیث، تاریخ اسلام، صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ فقہا کے حالات اور علوم جدیدہ و حالات حاضرہ سے واقفیت اور اس طرح کی مزید شرائط بھی مجتہد کے لئے ضروری ہیں لیکن یہاں بہت اہم شرائط ذکر کی گئی ہیں۔(16)

مجتہدین کی اقسام

اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازتا ہے تمام انسانوں کی صلاحیتیں یکساں نہیں ہوتیں۔بعض انسان بہت زیادہ طاقتور، چند بہت ذہین، بعض بہت نیک اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں یہ تمام صلاحتیں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اجتہاد کے میدان میں بعض لوگ دین کا مکمل علم حاصل کر کے اجتہاد کا آغاز کرتے ہیں کچھ لوگ دین کے کسی ایک مخصوص علم کو حاصل کر کے اس میں اجتہاد شروع کر دیتے ہیں اور چند ایسے بھی ہوتے ہیں جو مجتہدین کے اجتہادات کو سامنے رکھ کر ان میں سے جو مناسب ہوں اسے اختیار کرتے ہیں، اسی طرح اس میدان میں بھی علماء اصول نے ان تمام فقہاء اور مجتہدین کے علمی رتبہ اور اصول فقہ میں کام کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن کو کچھ اقسام میں تقسیم کیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

(1) مجتہد فی الشرع: (مجتہد مطلق)

اسے مجتہد مطلق اور مجتہد مستقل بھی کہا گیا ہے، یہ کسی خاص فقہی مذہب کا بانی ہوتا ہے۔ یہ مجتہد اپنے فقہی اصول یعنی اصول فقہ خود مرتب کرتا ہے اور اپنے مقرر کردہ اصول وقواعد پر دلائل شرعیہ سے مسائل کے

Marfat.com

احکام کا استنباط کرتا ہے وہ اصول وفروع میں کسی دوسرے انسان کی مرتب کردہ اصول فقہ کی تقلید نہیں کرتا۔

یہ مجتہد وہ فقہاء کرام ہیں جنہوں نے لوگوں کے مسائل قرآن وسنت سے حل کرنے کے لئے اپنے الگ الگ اصول بنائے اور پھران اصولوں کے مطابق لوگوں کے مسائل کا حل پیش کیا، یہ عملی طور پر بہت بلند پایہ اور ابتدائی زمانہ یعنی خیر القرون یا اس سے ملحقہ زمانہ میں تھے گویا کہ ان تمام نے اپنی اپنی علیحدہ اصول فقہ ترتیب دی اور کسی اور کی اصول فقہ پر عمل نہیں کیا، بعد میں زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ان مجتہدین کے اصول مختلف لوگوں کے فقہی مذہب یا مسلک بنتے گئے۔ مثلاً حنفی مذہب کے بانی امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ)، مالکی مذہب کے بانی امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ)، شافعی مذہب کے بانی امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) حنبلی مذہب کے بانی امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) امام ابن ابی لیلیٰؒ (م ۱۴۸ھ) امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ)، امام داؤدؒ (م ۲۷۰ھ) امام شعبیؒ (م ۲۴۰ھ) اور امام طبریؒ (م ۳۱۰ھ) وغیرہ۔

اول الذکر چاروں آئمہ کے سوا دیگر اماموں کے مذاہب مرور زمانہ کے ساتھ متروک ہو چکے ہیں، جعفری مذہب کے امام جعفر صادقؒ (م ۱۴۸ھ) بھی مجتہدین کے اس پہلے طبقہ میں شامل ہیں۔ مجتہدین کی اس قسم کے علاوہ باقی تمام اقسام کے مجتہدین کو مجتہد مُقَیَّد شمار کیا جاتا ہے۔ (17)

(2) مجتہد مطلق منتسِب

یہ مجتہدین کی وہ قسم ہے جس میں کوئی شخص اپنے نئے اصول یعنی نئی اصول فقہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بہت بڑا عالم دین ہوتا ہے، نئے فقہی مذہب کی بنیاد رکھ سکتا ہے، لیکن اپنی عظمت اور فقہی استعداد کو کسی سابقہ مجتہد مطلق کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور خود کو اس کا شاگرد یا فقہی اصولوں میں اس کا پیرو کار بنا دیتا ہے جس طرح حنفی مذہب میں امام ابو یوسف اور محمد بن الحسن شیبانی بہت بڑے عالم تھے اور چاہتے تھے تو نئی اصول فقہ ترتیب دے کر اپنا نیا مذہب بنا سکتے تھے لیکن ان دونوں اور مزید علماء کرام نے خود کو فقہ حنفی کی طرف منسوب کیا اور امام اعظم ابو حنیفہ کا شاگرد اور مقلِد سمجھا۔ یہی صورت امام الحرمین امام جوینی، امام غزالی، امام فخر الدین رازی، امام شاطبی، امام بیضاوی، امام ابن تیمیہ وغیرہ بڑے بڑے کبار علماء کرام کی ہے کہ انہوں نے اعلیٰ پایہ کی صلاحیتوں کے باوجود خود کو کسی فقہی مذہب کی طرف منسوب کر دیا اس نسبت کی وجہ سے اس قسم کے مجتہدین کو مجتہد مطلق منتسب کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے مجتہدین کو مجتہد مطلق مُقَیَّد بھی کہا جاتا ہے۔

(3) مجتہد فی المذہب:

یہ مجتہد منتسِب یا مجتہد مقید بھی کہلاتا ہے یہ کسی مذہب کا بانی نہیں ہوتا اور نہ ہی اُس میں یہ صلاحیت ہوتی

Marfat.com

ہے، بلکہ اپنے امام کی اصولِ فقہ اور اُس ہی کے وضع کردہ اصولوں وقواعد پر مسائل کے احکام استنباط کرتا ہے۔ یہ ایسا عالم دین اور فقیہ ہوتا ہے جس کا اصول وقواعد میں اپنے امام سے اختلاف نہیں ہوتا، البتہ فروعی مسائل میں کسی کا مقلد نہیں ہوتا۔ ان کو اصحاب وجوہ بھی کہا جاتا ہے مثلاً امام نووی، امام رافعی، امام دبوسی، امام کرخی، امام جصاص، امام بزدوی، امام سرخسی وغیرہ۔

(4) مجتہد اصحاب الروایات یا اصحاب تخریج:

یہ مجتہد صرف کسی ایک فقہی مذہب میں اپنے امام کے اقوال اور اُن کے اصولوں کو مدنظر رکھ کر وضاحت یا تفصیل بیان کرتے ہیں اور نئے مسائل کا استنباط نہیں کرتے مثلاً ابن عابدین، ابن نجیم، زرکشی، ابن فرحون مالکی، شربینی وغیرہ۔

(5) مجتہد ترجیح یا اصحاب ترجیح:

یہ مجتہد کسی مسئلہ میں صرف اپنے مذہب کے مختلف علماء کی متعدد آراء میں کسی ایک رائے کو دوسرے رائے پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہوئے فتوی دیتے ہیں اس لئے انہیں مجتہد فتیا بھی کہتے ہیں۔ مزید وہ اپنے فقہی اصولوں کی دوسرے ائمہ کے فقہی اصولوں پر ترجیح کو بھی واضح کرتے ہیں۔

(6) مجتہد فی العلم:

بعض فقہاء کسی خاص علم میں قرآن وحدیث اور بقیہ ائمہ فقہاء کی آراء کا انتہائی گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کر کے اُس علم کی تمام باریکیوں اور حکمتوں سے آشنا ہوجاتے ہیں۔ اسی مطالعہ کی وجہ سے وہ صرف اسی ایک خاص علم میں مجتہد کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں مثلاً میراث کا علم، عقود ومعاہدات کا علم، نکاح وطلاق کا علم، زکواۃ کی مقدار کا علم وغیرہ۔ اُن کو مجتہد فی العلم کہا جاتا ہے۔

(7) مجتہد فی المسئلہ / المسائل:

بعض فقہاء کسی ایک مسئلہ میں سابقہ 6 نمبر میں بیان کردہ شرائط کے مطابق اس قدر مطالعہ کرتے ہیں کہ وہ صرف ایک مسئلہ میں یا چند خاص مسائل میں اجتہاد کر سکتے ہیں اُن کو مجتہد فی المسئلہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً عورتوں کے نقاب کا مسئلہ، جانوروں کے ذبیحہ کا مسئلہ، داڑھی کا مسئلہ، سفر میں نماز کی ادائیگی کا مسئلہ وغیرہ (واللہ اعلم)۔ (18)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

2- تقلید

اصول فقہ کی مکمل کتاب میں یہ چار عنوانات : ۱۔حکم شرعی ۲۔مآخذ شرعیہ ۳۔وجود دلالات (مسائل استنباط کرنے کے طریقہ) ۴۔اجتہاد تقلید ہوتے ہیں ان میں آخری موضوع کا دوسرا حصہ تقلید ہے۔

تقلید کی لغوی تعریف:

لفظ تقلید جو باب تفعیل کے وزن پر ہے کا مادہ قَلَدَ اور حروف اصلیہ تین (ق،ل،د) ہیں، اس سے مراد کسی انسان کی طرف سے دی گئی ہدایات یا اقوال پر دلیل طلب کئے بغیر عمل کرنا ہے۔اِس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ کسی ایسے شخص کی رائے پر بغیر دلیل طلب کئے عمل پیرا ہونا کہ جس کی پیروی کے ہم پابند ہوں اور نہ ہی وہ ہمارے لئے شرعی طور پر حجت ہو۔

اسلامی شریعت میں دو لفظ بولے جاتے ہیں۔

۱۔اتباع ۔۲۔تقلید۔

1۔ اتباع سے مراد کسی مجتہد کے قول پر دلیل دیکھ کر عمل کرنا ہے۔

2۔ تقلید سے مراد کسی مجتہد کے قول پر بغیر دلیل کے عمل پیرا ہونا ہے۔

اتباع کے یہ معنی اصول فقہ کے تناظر میں ہیں ویسے عمومی طور پر اس لفظ سے مراد پیروی ہے۔

اسی مادہ قَلَدَ سے لفظ قلادہ نکلا ہے جس سے مراد وہ پٹہ ہے جو جانوروں کے گلے میں ان کو باندھنے کے لئے ڈالا جاتا ہے جسے علامہ جوہری لکھتے ہیں۔

وتقليد البدنه ان يعلق في عنقها شئي يعلم انها هدى (مختار الصحاح)

اور قربانی کے جانور کی تقلید سے مراد اس کے گلے میں کسی رسی یا اس قسم کی دوسری نشانی باندھ دینا ہے تاکہ ہر کوئی جان سکے کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔

تقلید کا اصطلاحی مفہوم:

لغوی مفہوم کے مطابق ہی اس کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

التقليد هو العمل بقول من ليس قوله أحدى الحجج بلاحجة.(19)

زندگی کے عملی معاملات میں کسی ایسے شخص کی رائے یا قول پر بغیر دلیل طلب کرتے ہوئے عمل کرنا جس کی رائے حجت نہ ہو۔

یعنی اُس کی رائے پر عمل کرنے کا حکم قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کی رائے پر اُن کے علمی مقام کی وجہ سے بغیر دلائل طلب کئے عمل پیرا ہونا تقلید ہے۔ حالانکہ قرآن وسنت میں اُن کی رائے پر عمل کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ صرف رسول اکرم ﷺ کی رائے پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

جس طرح فقہ کا تعلق شریعت کے دو اجزاء عبادات اور معاملات سے ہے تو ان دونوں امور کی ادائیگی میں اگر ہم کسی مجتہد کی رائے پر اُس کے علمی رتبہ اور دینی عظمت کی وجہ سے بغیر دلیل طلب کئے یا اسکی رائے کے پس منظر کا مطالعہ کئے بغیر عمل پیرا ہوں گے تو یہ عمل اصول فقہ کی اصطلاح میں تقلید کہلائے گا اور عمل کرنے والا مقلد لام کی زیر سے کہلائے گا۔

اگر ہم مجتہد کی رائے پر دلیل طلب کرتے ہیں یا ان دونوں امور میں کسی مجتہد کی رائے کو مدنظر نہیں رکھتے اور خود قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے اپنی راہ متعین کرتے ہیں تو یہ اجتہاد ہوگا، اس لئے فقہاء اور علماء اصول اس بات پر متفق ہیں کہ ایسا شخص جسے تمام اسلامی علوم میں دسترس حاصل ہو یعنی بہت بڑا عالم ہو اس کے لئے تقلید حرام ہے لیکن عام مسلمان جس کو دینی علوم سے گہری واقفیت نہیں ہے اور وہ فقہ واصول فقہ کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا اس پر تقلید فرض ہے۔

اس لحاظ سے علم اصول فقہ مسلمانوں کو دو اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔

1۔ مجتہد 2۔ عامی (20)

تقلید اور اصول فقہ:

تقلید دوسرے شخص کی رائے کے اتباع کا نام ہے بغیر اس علم کہ اس رائے کی سند کیا ہے، اصول فقہ کی اصطلاح میں اس کے معنی ''شرعی معاملات میں دلیل طلب کئے بغیر کسی مجتہد کی رائے کے اتباع کے ہیں''۔ یہ اتباع ایسے معاملات میں ہوتی ہے جو بصراحت کلام مجید یا حدیث یا اجماع سے طے نہ ہوئے ہوں کیونکہ جن کا فیصلہ ان ذرائع سے ہو چکا ہے اس میں کسی اجتہاد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اس کی تعمیل ہر شخص پر خواہ وہ مجتہد ہو یا غیر مجتہد یکساں لازم ہوتی ہے۔ تقلید کی اس تعریف سے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ایسے لوگوں سے ہے جن میں مجتہد کے شرائط نہیں پائے جاتے اور انہیں عامی کہتے ہیں۔ (21)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تقلید کی شرعی حیثیت:

1۔قرآن اور سنت سے دلائل:

علم اصول فقہ کے لحاظ سے مجتہد اور عامی میں فرق ہے مجتہد کا مقام بلند ہے کیونکہ اجتہاد بھی ایک فن ہے، جس طرح یہ فقرہ معروف ہے:

"لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ" ہرفن کے ماہرین مختلف ہوتے ہیں۔

اس فرق کی تائید کلام الٰہی سے بھی اس طرح ہوتی ہے:

" قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ. (الزمر 8)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اہلِ علم اور غیرِ اہلِ علم برابر کے ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ جو حضرات (والذین لا یعلمون) کے مصداق ہیں وہ مسائل سے عہدہ برا ہونے کیلئے (الذین یعلمون) کے محتاج ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کی شناخت کا وسیلہ اس کے اوامر ونواہی کی شناخت ہے اور اوامر ونواہی کی شناخت کیلئے اہلِ علم کی تقلید کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔

تقلید کے سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت بھی بہت اہمیت کی حامل ہے

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ. (الملك:10)

ترجمہ: اور بولے اگر ہم ہوتے سنتے یا بوجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخ سے نجات کی دوصورتیں ہیں

1- ایک یہ کہ اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے کسی کی سن کر اس کی تقلید کریں۔

2- دوسری یہ کہ دنیا کے عملی معاملات میں اتنی صلاحیت ہو کہ اجتہاد کر کے حق کو پالیں۔

مزید اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (النحل:43)

ترجمہ: سو پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔

قاضی شوکانی، القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید میں لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد قرآن کریم اور احادیث نبویہ ہیں۔ لہٰذا علم بالقرآن اور علم بالحدیث یعنی قرآن وسنت کے ماہر سے ہی سوال کرنا جائز

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ہے، نہ کہ ہر کس و ناکس سے۔

امت مسلمہ کے نزدیک متفقہ طور پر آئمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل) ماہرینِ قرآن وحدیث تھے اس لئے ان کی تقلید جائز ہے۔ جس کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ. (التوبہ:122)

ترجمہ: اور مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہئے کہ سب کے سب جہاد کیلئے نکلیں، سوا ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر قبیلہ میں سے ایک گروہ جایا کرے، تا کہ وہ دین کی مکمل سمجھ حاصل کرتے رہیں، اور جب لوگ پلٹیں تو یہ انہیں خبردار کریں تا کہ وہ احتیاط سے زندگی بسر کریں۔

تقلید کی اہمیت کو یہ آیت بھی واضح کر رہی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ.
(النساء:59)

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور اپنے میں سے اصحاب امر کی۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ علی بن طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اولی الامر سے مراد فقہاء اور علماء دین ہیں، مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابو العالیہ نے بھی کہا ہے کہ اولی الامر سے علماء مراد ہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد امراء یعنی حکام اور علماء دونوں ہیں۔

علامہ قرطبی نے تفسیر قرطبی میں فرمایا ہے کہ (یعنی الفقہاء والعلماء فی الدین) یعنی اولی الامر سے مراد فقہاء اور ائمہ دین ہیں۔

آنحضور ﷺ نے اپنے مجتہد صحابہ کے بارے میں دیگر صحابہ کو ارشاد فرمایا

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم. (مشکاۃ باب مناقب الصحابہ)

ترجمہ: مرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

حضرت الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے۔

(فالمراد باصحابی مخصوصون وھم السابقون علی المخاطبین فی الاسلام.)

ترجمہ: اس حدیث میں صحابی سے مراد بڑے صحابہ مراد ہیں، (جنہیں کبار صحابہ یا فقیہ صحابہ بھی

Marfat.com

کہا جاتا ہے)۔

اسی طرح ملا علی القاری رحمتہ اللہ تعالیٰ نے بھی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں صحابہ کرام کے مختلف درجات کا تذکرہ کیا ہے، قاضی شوکانی نے ارشاد الفحول میں تحریر کیا ہے کہ فقہاء احناف، مجتہد صحابی کے اجتہاد کو غیر مجتہد صحابی کے اجتہاد پر فوقیت دیتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء میں صحابہ کرام کے مراتب فقاہت واجتہاد پر خوب تبصرہ کیا ہے جس سے عامی مسلم جو مجتہد نہیں ہے پر تقلید کا لازم ہونا روز روشن کی مانند واضح ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾. (النحل 43)

پس اگر تم نہ جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔

پس یہ نص تمام مخاطبین کے لئے ہر ایسے معاملہ میں عام ہے جسے وہ نہ جانتے ہوں۔

پس جب کبھی بھی کوئی شخص کسی چیز سے لاعلم ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بارے میں اہل علم سے دریافت کرے۔

2۔ دور صحابہ و تابعین سے دلائل:

صحابہ کرام اور تابعین حضرات اپنے دور کے تمام عامی لوگوں کو ان کے سوالوں کے جواب میں وہ تمام احکام بتاتے تھے جن سے وہ لوگ آگاہ نہ تھے۔ انہوں نے کسی کو سوال سے منع نہیں کیا اور نہ ہی اُن کو مجتہد بننے یا اجتہاد کے درجہ کو حاصل کرنے کے لئے کہا۔ اُنہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آج تک علماء کرام یہ فریضہ سر انجام دے رہے ہیں یہ تعاملِ علماء اور تعاملِ امت ہے اور یہ چیز تواتر کے ساتھ لوگوں کو معلوم ہے۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مجتہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بہت محدود تھی جبکہ ان کی تقلید واتباع کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ خیر القرون کی نظیر، آئندہ ادوار کیلئے بھی مشعل راہ ہے، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ، متبعین اور مقلدین کی تعداد میں اضافہ ناگزیر ہوتا گیا، یہاں تک کہ ائمہ اربعہ رحمھم اللہ تعالیٰ کی تقلید پر ساری ملت محمدیہ کا اجماع ہو گیا البتہ اہلِ تشیع اپنے ائمہ کی تقلید کرتے ہیں۔(22)

اس ساری تفصیل سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فقیہ اور مجتہد صحابہ کی تقلید فرمایا کرتے تھے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کا یہ قول موجود ہے کہ۔" لا تسئلونی مادام هذالحبر فيكم "۔ جب تک تم میں یہ عالم (ابن مسعودؓ) موجود ہے تو تم لوگ مجھ سے مسئلے دریافت نہ کیا کرو۔

شخصی تقلید کی اس سے زیادہ واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں شراب نوشی کی حد کے بارے میں صحابہ سے مشاورت کی تو حضرت علیؓ نے کہا کہ اَخَفُّ الحُدُوْدِ (یعنی سب سے ہلکی سزا) قذف کی حد ہے یعنی اسّی (۸۰) کوڑے سو اس پر قیاس کرتے ہوئے شراب نوشی کی حد بھی اسّی کوڑے مقرر کی جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہی سزا مقرر کر دی، یہ ایک صحابی کا اجتہاد تھا جس کی تمام صحابہ نے تقلید کی۔(23)

صحیح مسلم شریف اور الاستیعاب میں ہے کہ قاضی شریح نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا "حضرت علیؓ سے دریافت کر لو"۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کیلئے اعلم کی تقلید جائز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا:

قد بعثت اليكم عمار بن ياسر اميراً وعبدالله بن مسعود معلماً ووزيراً و هما من النجباء من اصحاب رسول الله ﷺ من اهل بدر فاقتدو ابهما و قد آثر تكم بعبد الله على نفسي. (تذكرة الحفاظ للعلامة الذهبي، ج ۱، ص ۱۳).

ترجمہ: میں آپ لوگوں کی طرف عمار بن یاسرؓ کو بطور امیر اور ابن مسعود کو بطور معلم و وزیر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں رسولِ خدا ﷺ کے اصحاب میں سے نجباء اور اہل بدر میں سے ہیں، آپ لوگ ان کی اقتداء، تقلید و اتباع کریں، ابن مسعودؓ کے معاملہ میں میں نے آپ لوگوں کو اپنی ذات پر بھی ترجیح دی ہے۔

اس خط میں حضرت عمرؓ کا عام آدمی کو اہل علم کی تقلید کرنے کا حکم بالکل واضح ہے اس میں کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

صحیح بخاری شریف، ج ۱، ص ۲۳۷ میں ہے کہ

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کے ایک فتویٰ پر عمل کرتے تھے انہوں نے اس فتویٰ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اس عورت کے بارے میں جو طواف زیارت کرنے کے بعد حائضہ ہو گئی تھی، آیا وہ طواف وداع ترک کر کے جا سکتی ہے؟

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

آپ نے فرمایا کہ وہ واپس جا سکتی ہے۔

مگر اہل مدینہ کہنے لگے کہ ہم نہ تو آپ کے قول کو قبول کریں گے اور نہ ہی زید بن ثابتؓ کے قول کو ترک کریں گے۔

بعض شروع بخاری میں اس سے زائد الفاظ بھی ہیں، ارشاد الساری، ج ۳، ص ۲۰۵ میں ہے:

اَفْتَيْتَنَا اَوْ لَمْ تُفْتِنَا، زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ يَقُوْلُ لا تنفر حتی تطوف طواف الوداع.

ترجمہ: آپ ہمیں فتویٰ دیں یا نہ دیں (ہمارے لئے برابر ہے کیونکہ) زید بن ثابت کا فتویٰ ہے کہ وہ اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک کہ طواف وداع نہ کرلے۔

فتح الباری ج ۳، ص ۴۶۳ میں ہے:

رواه سعید بن ابی عروبه فی باب المناسك الذی رویناه من طریق محمد بن یحیی القطعی عن عبد الا علی عنه قال عن قتادة عن عکرمه نحوهُ وقال فیه لا نتابعكِ اِ ذا خَالَفْتَ. زید بن ثابت.

ترجمہ: قتادہ نے عکرمہ سے ایسے ہی روایت کیا اور اس میں کہا، ''ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے جب آپ زید بن ثابت سے اختلاف کریں۔

عمدۃ القاری ج ۴، ص ۷۷ میں ہے:

فقالت الا نصار لا نتا بعك یابن عباس وانت تخالف زیداً.

ترجمہ: پس انصار نے کہا ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے اے ابن عباس! جب آپ زید سے اختلاف کریں۔

اس تمام واقعہ سے یہ بات واضح ہوتی کہ اہل مدینہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شخصی تقلید پر کیسے جمے رہے، حتی کہ ابن عباس جیسے متبحر عالم کی متابعت سے بھی صاف انکار کر دیا، اس سے زیادہ خیر القرون میں تقلید شخصی کی مثال اور کیا ہوگی؟

صحیح بخاری میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

سود بن یزید سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ یمن میں ہمارے پاس معلم اور امیر بن کر تشریف لائے، ہم نے ان سے اس شخص کے تقسیم ترکہ کی بابت پوچھا جو ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑ کر فوت ہوا تھا حضرت معاذؓ نے بیٹی کو آدھا ترکہ اور بہن کو بھی باقی ماندہ آدھا ترکہ دیا۔

اس فیصلہ میں حضرت معاذ نے دلیل بیان نہیں کی اور سائل نے بھی ان سے دلیل دریافت نہیں کی بلکہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

محض ان کی تدین اور تفقہ پر اعتماد کر کے ان کے قول کو قبول کر لیا ہے۔
اور کسی مجتہد کی رائے پر دلیل طلب کئے بغیر اُسے تسلم کر کے اُس پر عمل کرنا یہی تو تقلید ہے، لہذا معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں بھی تقلید کا رواج موجود تھا اور انہوں نے نہ ہی تقلید کی مذمت کی اور نہ ہی عدم تقلید کا پرچار کیا۔ بلکہ ان کے دور سے تقلید کا آغاز ہوا اور انہوں نے اس کی حوصلہ افزائی بھی کی اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کو بخوفِ طوالت ترک کیا جا رہا ہے۔
حضرت عمرؓ کا فرمان ہے۔

من ارد القرآن فليات ابياً و من اراد ان يسال عن الفرائض فليات زيداً و من اراد ان يسال عن الفقه فليات معاذاً.

ترجمہ: جو قرآن سیکھنا چاہے وہ حضرت ابیؓ کے پاس آئے، جو میراث کے بارے میں پوچھنا چاہے وہ زید بن ثابتؓ کے پاس آئے اور جو فقہی احکام و مسائل دریافت کرنا چاہے وہ معاذ کے پاس آئے۔ (الفاروق مصنفہ علامہ شبلی)۔

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد میں حضرت زیدؓ کی تقلید اور اتباع کے سوا اور کیا کہا جا رہا ہے؟
الاستیعاب لابن عبدالبرؒ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے علی الاعلان فرمایا کہ

(لا يُفتينّ احد في المسجد و علي حاضر).

ترجمہ: جب علی مسجد میں موجود ہوں تو کوئی دوسرا شخص ہرگز فتویٰ جاری نہ کرے۔
یہ فرمان بھی تقلید شخصی کی دلیل ہے۔ ان دلائل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ برسرِ عام تقلید کی مذمت کرنا یا عامی کو عدم تقلید پر آمادہ کرنا دورِ صحابہ سے ہی غیر شرعی اور غیر مستحسن فعل سمجھا جاتا ہے۔ (24)

3۔ عقلی دلائل:

عقل سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اجتہاد ہر شخص کے لئے ممکن نہیں ہے اگر تمام لوگوں کے لئے اجتہاد لازمی کر دیا جائے تو ان کو تکلیف ہوگی اور یہ ممنوع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾. (البقرة 133)

احکام شرعیہ میں عام مکلف کے لئے اگر اجتہاد لازمی کر دیا جائے تو اس میں اس کے لئے بہت تکلیف ہوگی کیونکہ احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنے کے لئے ممکن ہے کہ اس کے پاس ضروری وسائل نہ ہوں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے کاموں میں مصروف ہو اور اس کا پیشہ تجارت، صنعت و حرفت ہو۔ ایسی صورت

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

میں اگر اسے مجتہد بننے کے لئے کہا جائے گا تو اس کے لئے حرج کی بات ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾.

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام).

ایسے لوگوں کے لئے تقلید ہی مناسب ہے پس یہی قول فیصل ہے کہ جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہو وہ تو اجتہاد کرے لیکن عام الناس تقلید کے ذریعے احکام شریعت پر عمل کریں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی، المیزان الکبریٰ، ج۱، ص۳۰ میں لکھتے ہیں۔

جب کوئی شخص سیدی علی الخواص سے اس زمانہ میں تقلید شخصی کے بارے میں پوچھتا تو آپ فرماتے کہ جب تک آپ شریعت مطہرہ کے سرچشمہ تک شہودی رسائی سے مشرف نہیں ہو جاتے۔ آپ پر تقلید واجب ہے۔

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغۃ، جلد۱، ص۱۲۳ میں لکھتے ہیں۔

فقہ کے چار مکاتب فکر، جو کہ تدوین وتحریر کے کٹھن مراحل ارتقاء کو نہایت کامرانی کے ساتھ عبور کر کے مقام کمال پر فائز المرام ہو چکے ہیں، ان کی تقلید پر امت مسلمہ یا اس کی متعدبہ اکثریت، برابر حتی الآن اکٹھی ہو چکی ہے، اور امت کے اس عظیم اجتماع میں بڑی ہی عیاں اور واضح مصلحتیں موجود ہیں۔(25)

تقلید کی اقسام:

تقلید کی دو قسمیں ہیں جن کی تفاصیل حسب ذیل ہیں:

ا۔تقلید محمود:

اس سے مراد ایسے شخص کی تقلید کرنا ہے جو کہ اجتہاد کے علم کا ماہر ہو اور اُس میں سابقہ اوراق میں بیان کردہ مجتہد کی شرائط اور اجتہاد کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو۔ مزید اُس کے اجتہاد کی باقی علماء کرام نے بھی شہادت دی اور اِس عالم کی ایک کثیر گروہ تقلید کر رہا ہو۔ اگر یہ صورت حال ہو تو اس کے سامنے سوائے اس کے کہ وہ اہل نظر یا اہل اجتہاد کی پیروی کرے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس قسم کی تقلید محمود ہے۔

ب۔تقلید مذموم:

تقلید مذموم سے مراد ایسی تقلید ہے جو درست نہیں ہے اس کی تین اقسام ہیں:

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

پہلی قسم:

ایسی تقلید جس میں اللہ تعالیٰ کے نازل شدہ احکام سے اعراض شامل ہو جیسے کہ آباؤ واجداد کی تقلید۔

دوسری قسم:

ایسی تقلید جس میں مقلد اس عالم، مجتہد یا مفتی وغیرہ کے بارے میں جس کی وہ تقلید کر رہا ہے یہ نہ جانتا ہو کہ وہ کیسا ہے۔ یعنی مجتہد کے علمی و عملی حالات سے قطعاً بے خبر ہو۔

تیسری قسم:

ایسی رائے کی تقلید جس کے بارے میں ظاہر ہو کہ یہ غلط ہے مزید قرآن وسنت سے متصادم ہے۔ یہ کہ مجتہد بھی اجتہاد کی شرائط کو بدجہ اتم پوری نہیں کر رہا اور اجتہادی مسائل میں اُس کا موقف صحیح نہیں ہے اور اس کے غلط ہونے کی دلیل بھی موجود ہو، یہ تقلید اُن تین صورتوں میں سے ہے جن کی علماء فقہاء نے مذمت کی ہے۔ ایسی تقلید جائز نہیں ہے۔ (26)

تقلید کی حقیقی حیثیت:

تقلید شخصی کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی امام کو سرچشمہ شریعت مان لیا جائے یا کتاب وسنت کی طرح، اقوال امام کو بھی مصدر شریعت کا درجہ دیدیا جائے۔

بلکہ تقلید کے میدان میں یہ بات ایک حقیقت اور حرف آخر ہے کہ

(الف) کسی امام کا قول یا اُس کی رائے اس لئے لائقِ تقلید بنتی ہے کہ وہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہے مزید جو اصول اسلامی شریعت نے عطا کئے ان سے مستنبط ہے اور وہ قول خدا اور رسول کی منشا کو حالات حاضرہ کے تناظر میں پورا کر رہا ہے۔

(ب) کوئی امام یا مجتہد کسی دور میں بھی صرف اسی صورت میں اجتہاد کرتا ہے جب مسئلہ زیر بحث منصوص نہیں ہوتا، یعنی اُس کا واضح حل قرآن وسنت میں نہیں ہوتا۔ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی گنجائش ہے نہ تقلید امام کی۔ اجتہاد کا میدان صرف اور صرف وہ مسائل ہیں جن میں کتاب وسنت خاموش ہوں۔

آئمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کے نزدیک قرآن مجید کے واضح حکم یا حدیث کے ہوتے ہوئے اجتہاد یا قیاس کرنا ممنوع اور گناہ ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا:

لو كان الدين بالرىٔ كان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاة.

ترجمہ: اگر دین کی بنیاد وحی کے بجائے فقط رائے پر ہوتی تو موزوں کے نچلے حصہ کا مسح کرنا

Marfat.com

ضروری ہوتا نہ کہ اوپر والے حصہ کا

اس طرح امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ کی مکمل توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

(اذاصح الحدیث فھو مذھبی)

ترجمہ: جب میری رائے کے خلاف کوئی صحیح حدیث مل جائے تو وہ حدیث ہی میرا مذہب شمار ہوگا۔

(ج) یہ بھی ایک ابدی حقیقت ہے کہ دورِ قدیم یا دورِ جدید میں جو لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں وہ خود بھی اپنے علماء کی تقلید کرتے ہیں، لیکن اس کا اقرار نہیں کرتے ہیں۔(27)

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ طریقہ بھی مناسب نہیں کہ ائمہ سابقہ یا کسی مجتہد کی بات ماننا یا اُن کی تقلید کرنے کو تو حرام یا مکروہ قرار دیا جائے لیکن زندگی کے معاملات کو شریعت کی ہدایات کے مطابق گذارنے کے لئے اپنے محلے کی مسجد یا اپنے پسند کے کسی عالم کی بات ماننا اور اُن کی ہدایات پر عمل کرنے کو تقلید نہ سمجھتے ہوئے اُسے ایک مستحسن عمل قرار دیا جائے تو یہ بھی شخصی تقلید کے زمرہ میں آتا ہے۔(28)

مجتہد اور تقلید:

علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ جس شخص میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت ہو، اسے کسی دوسرے کی تقلید کرنے کی اجازت نہیں ہے بشرطیکہ اسے اجتہاد کرنے اور غور کرنے کے لئے کافی وقت مل سکے اور کوئی ناگہانی موقع نہ ہو لیکن اگر وقت میں گنجائش نہ ہو اور ناگہانی واقعہ رونما ہو جائے تو ایک عاجز انسان کی طرح فوری ضرورت کے لئے کسی کی تقلید کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح مجتہدین کے علاوہ عوام اور وہ لوگ جو اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں، مجتھدین کرام سے مسائل دریافت کر کے ان کی اتباع وتقلید کریں۔

علمائے اصول کے اس فیصلہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجتہد اور بڑے عالم دین کے لئے تقلید کو صرف عجز اور ضرورت کے وقت جائز سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اجتہاد کا دروازہ اسی طرح کھلا رہے جس طرح رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ اور متقدمین کے دور میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا تھا تاکہ نئے آمدہ مسائل کا اسلامی شریعت کی روشنی میں حل قیامت تک متواتر جاری رہے۔

تقلید کا طریقہ:

اسلام میں فقہی مذاہب فقہ کے مختلف مکاتب فکر ہیں یہ اپنے اپنے بانیوں کے نام سے معروف ہیں ان کے یہ بانی بلند پایہ مجتہد تھے، ان کے علم، اجتہاد، نیکی اور تقویٰ کی ہر شخص دوسری صدی ھجری سے دورِ حاضر تک شہادت دیتا ہے، ان میں سے کچھ مذاہب مٹ گئے، اور ان کے ماننے والوں کی موت سے ان کے آثار بھی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

فنا ہو گئے اور ان کے آراء و اقوال میں سے صرف وہ باقی رہ گئے ہیں جو فقہاء کے اختلاف سے مختلف کتابوں میں ملتے ہیں، ان فنا ہو جانے والے مذاہب میں سے امام اوزاعی، سفیان ثوری، ابن جریر طبری وغیرہ کے مذاہب تھے، اب جو مذاہب اس وقت تک باقی رہ گئے ہیں ان کے ماننے والے بھی ہیں اور کتابیں بھی جن میں ان کے فقہاء کے اقوال مذکور ہیں۔

مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرعی احکام کا علم ان کے اصلی مآخذ سے بحث و نظر اور اجتہاد کے طریقہ سے حاصل کرے، تقلید اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو اور اس سے عاجز و مجبور ہو تو ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ اس کا فرض ہے کہ وہ اہل علم سے احکام دریافت کرے۔ اور اہل علم سے بھی براہ راست و بالمشافہ احکام دریافت کئے جاتے ہیں۔ مزید معتبر کتابوں میں ان کے جو اقوال مذکور ہیں انکی طرف مراجعت کے ذریعہ مسائل کا حل دریافت ہوتا ہے۔ کتابوں میں مدون ان کے یہ اقوال نقل در نقل ہوتے ہوئے صحت کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں، اس لئے ایک عام آدمی کے لئے جو مجتہد نہ ہو یہ ضروری ہے کہ ان معروف فقہاء کرام جن کے مذاہب اور مختلف مسائل کے بارے میں اُن کی آراء جواب تک قائم ہیں اور صحت کے ساتھ ایک دوسرے سے منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچی ہیں، اُن مسالک میں سے کسی ایک خاص مسلک کی پیروی کرے۔

مختلف فقہی مذاہب کی حقیقت:

اسلام میں فقہی مذاہب درحقیقت فقہی مکاتب فکر ہیں جن کا مقصد شریعت کی نصوص کی تفسیر اور شرعی احکام کا استنباط ہے، احکام کے استنباط اور ان سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں وہ کوئی نئی شریعت نہیں ہیں اور نہ ہی اسلام کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہیں۔ (29)

ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ان مختلف فقہی مکاتب کے مجتہدین کی قدر و منزلت ہمارا فرض ہے، ہمیں ان کی انتہائی عزت کرنی چاہئے ان کے ساتھ نہایت ادب و احترام کا سلوک کرنا چاہئے ان کے لئے دعاء کرنی چاہئے اور ہمیں یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اپنے اپنے اجتہادات میں خواہ وہ صحیح نتیجہ پر پہنچے ہوں یا نہیں ان کے حق میں وہی بات کہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں تعلیم دی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْ م بَعْدِ هِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ﴾. (حشر. ١٠)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ترجمہ۔اور وہ لوگ بھی جو ان کے بعد اور جو یوں دعا کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت کر چکے ہیں اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کی طرف سے ہمارے دلوں میں بغض و عداوت کو جگہ نہ دے، اے ہمارے پروردگار بیشک تو بڑی شفقت کرنے والا مہربان ہے۔(30)

تقلید اور عامی کا فرض

عامی یعنی ایسے شخص پر جو مجتہد نہیں اور جس نے اصول فقہ کا علم نہ حاصل کیا ہو، فرض ہے کہ وہ فقہی مسائل میں کسی مجتہد کی تقلید کرے اور یہ اس کی دنیا اور آخرت میں برائت کے لئے کافی ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں اُسے اُس مجتہد کے کردار اور اُس کے علمی مرتبہ کی تحقیق کر لینی چاہئے کہ اجتہاد کرنے والا، مجتہد کی تمام شرائط کو پورا کر رہا ہے مزید وہ اس کے بارے میں کسی ایسی شخص سے بھی دریافت کر سکتا ہے جو علم دین کا بڑا عالم ہو اور جو اس کو مل سکتا ہو۔ اس امر کے تسلیم کر لینے کے بعد کہ اجتہاد شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے، تقلید کی بد یہی صداقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دقت واقع نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی مکلّف اجتہاد کے طریقہ سے شریعت کے احکام جاننے سے عاجز و مجبور ہو پھر بھی اس پر ان احکام پر عمل کرنا فرض ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، لہٰذا وہ اہل علم سے اس واقعہ کے بارے میں دریافت کرے جس کا حکم وہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾. (نحل ۴۳)

ترجمہ: اگر تم لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ دیکھو۔

قرآن مجید کی اس آیت نے اہل علم سے شرعی حکم دریافت کرنے کا حکم دیا ہے اب یہ عامی کا کام ہے کہ وہ اس حکم کے معلوم کرنے کے لئے ایسے فقیہ یا مجتہد کا انتخاب کرے جو اس باب چہارم کی فصل اول، میں بیان کردہ مجتہد کی شرائط کو پورا کر رہا ہو اور اپنی شہرت و ناموری کے مطابق بہت پڑھا لکھا ہو، بڑا فاضل ہو، نہایت انصاف پسند اور پرہیز گار ہو، اس بات کی حد تک تو اسے قدرت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ اس قسم کے عالم مجتہد کے مل جانے کے بعد اب اُس پر تقلید لازم ہے۔(31)

مقلِد کے لئے اہم ہدایت

مقلد یہ بات ذہن میں رکھے کہ تمام فقہی مکاتب خصوصاً حنفی، مالکی، شافعی۔ حنبلی اپنے آئمہ مجتہدین

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کے بنائے ہوئے اصولوں پر مبنی ہیں اور ایک خاص نظام اور ضابطے کے ساتھ منسلک ہیں۔ ہر مذہب میں اجتہادی احکام کے اپنے دلائل ہیں اور یہ دلائل اس مکتب کے اصول فقہ کے مطابق متعین کیے گئے ہیں اس لئے کسی فقہی کتاب سے اپنے لئے مفید اور اپنے مطلب کی باتیں اخذ کر لینا اور باقی کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ اگر مقلد اپنے مسلک سے مطمئن نہیں ہے جس کی وہ پیروی کر رہا ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اس مسلک کو مکمل طور پر چھوڑ دے اور دوسرے مسلک کی پیروی اختیار کرے ماضی میں ہمیں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں، لیکن اسکی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق کسی مسلک میں سے کچھ احکام چن لے اور بقیہ کو چھوڑ دے یا مختلف فقہی مکاتب میں سے اپنے مطلب کے اخذ کردہ احکام کے مجموعہ پر عمل کرے اور باقی کو چھوڑ دے۔ اس سے اصولی طور پر بہت سے پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، اصولوں میں تصادم ہوگا اور خلاف اصول بعض چیزیں حلال ہو جائیں گی اور بعض حرام، ان اصول وقواعد کی باریکیوں اور نزاکتوں کو ہر شخص اور خصوصاً مقلد نہیں سمجھ سکتا، تنگی وضرورت کے وقت دوسرے مسلک کے مطابق فتویٰ دینے کی اجات دی گئی ہے لیکن یہ اجازت مفتیوں اور مجتہدین کو ہے نہ کہ مقلدین کو جو شرعی احکام کے دلائل نہیں سمجھتے، اس لئے عامی یعنی مقلدین کے لئے لازم ہے وہ حنفی، مالکی، شافعی، مالکی، ظاہری، جعفری، زیدی فقہ یا ان کے علاوہ کسی اور فقہ کی مکمل تقلید کرے۔ مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ بعض معاملات میں ایک مذہب کی رائے اختیار کرے اور چند معاملات میں دوسرے مذہب کی رائے پر عمل کرے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تمام مذاہب کے علماء کرام مسائل کے حل کے لئے کبھی راہ عزیمت اختیار کرتے اور کبھی راہ رخصت کیونکہ دین ان دونوں راہوں کے درمیان ہے۔ اگر مقلد مختلف مذاہب میں راہ رخصت کو اختیار کر کے اُن پر عمل شروع کر دے تو یہ گمراہی ہے اس لئے کسی ایک فقہی مذہب یا مسلک کا سختی سے پابند ہونا مقلِد کے لئے ضروری ہے۔ (واللہ اعلم)۔(32)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

حوالہ جات:

چوتھا باب (فصل اول)

اجتہاد و تقلید

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

(1) محمد اکرام شیخ۔ آب کوثر۔ لاہور۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ 25/1979

(2) ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد۔ رسالہ فکر ونظر دسمبر 1986۔ مقالہ مصطفے احمد الزرقاء، (اجتہاد اور حل مشکلات میں فقہ کا کردار) ترجمہ ڈاکٹر محمد الغزالی۔ ص۔ 19

(3) صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب من یرد اللہ بہ خیرا

(4) ڈاکٹر یوسف فاروقی۔ منہاھج و اسالیب اجتہاد۔ اسلام آباد۔ شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 101/2003

(5) عبدالعزیز بخاری۔ کشف الاسرار۔ 20/3 مزید۔ آمدی۔ الاحکام 169/4

(6) ڈاکٹر یوسف فاروقی۔ منہاج واسالیب اجتہاد۔ /12

(7) افریقی۔ ابن منظور۔ لسان العرب۔ تفصیل مادہ۔ (جَھَدَ)

(8) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول۔ /645

(9) عبدالعزیز بخاری۔ کشف الاسرار۔ 170/4

(10) امام غزالی۔ المستصفی۔ 1356-350/1

(11) عبدالعلی بحرالعلوم۔ فواتح الرحموت۔ 363/2

(12) ابوداؤد۔ سنن أبي داود۔ کتاب القضاء۔ باب اجتہاد الرأی فی القضاء

(13) حوالہ سابقہ۔ کتاب القضاء۔ باب فی القاضی یخطئ

(14) حوالہ سابقہ۔ کتاب النکاح۔ باب فی من تزوج ولم یسم صداقاً حتی مات

(15) النملۃ۔ عبداللہ بن علی۔ الجامع لمسائل اصول الفقہ۔ ریاض۔ مکتبہ الرشید۔ 1420-/400 مزید خطیب بغدادی الفقیہ والمتفقہ۔ شیخ محمد عوامہ۔ اختلاف فقہاء میں حدیث کا کردار/262

(15 A) شاطبی امام۔ الموافقات۔ 161/4

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(16) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول۔/646-650 مزید شاطبی امام۔ الموافقات۔ 161/4
(17) ڈاکٹر محمد مظہر بقاء۔ اصول الفقہ اور شاہ ولی اللہ۔ اسلام آباد۔ ادارہ تحقیقات اسلامی 427-426/1972 بحوالہ عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید۔ شاہ ولی اللہ دہلوی
(18) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول۔/662
(19) امام غزالی۔ المستصفیٰ 370/1
(20) سبکی تقی الدین امام۔ الدررۃ المصیئۃ۔ کتاب الاجتہاد و التقلید
(21) شیخ محمد عوامہ۔ اثر الحدیث الشریف فی اختلاف الائمۃ الفقہاء۔ ''اختلاف فقہاء میں حدیث کا کردار'' (ترجمہ مفتی انعام اللہ) لاہور۔ مکتبہ الحرمین۔ 1432ھ-/154
(22) شبلی نصیر الدین۔ شیخ الاسلام محدث گھوٹوی۔ ملتان۔ شیخ الجامع اکیڈمی۔ 2012۔/317
(23) امام مالک۔ موطا امام مالک۔ کتاب الاشربۃ۔ باب ماجاء فی حد الخمر
(24) شبلی نصیر الدین۔ محدث گھوٹوی-/317
(25) حوالہ سابقہ-/322
(26) جوزیہ، ابن قیم امام۔ اعلام الموقعین۔ 168/2
(27) شبلی نصیر الدین۔ محدث گھوٹوی-/323
(28) شیخ محمد عوامہ۔ اختلاف فقہاء میں حدیث کا کردار-/153
(29) حوالہ سابقہ-/176
(30) احمد حسن ڈاکٹر۔ جامع الاصول۔/666
(31) شیخ محمد عوامہ۔ اختلاف فقہاء۔/154

Marfat.com

چوتھا باب

فصل دوم

قواعدِ فقہیہ (قواعدِ کلیہ)

(Shariah Legal Maxums)

قواعدِ فقہیہ کی تعریف

فقہی قواعد، قواعدِ فقہیہ، القواعد الفقہیہ جن کو ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنی کتاب میں "قواعدِ کلیہ" کا نام دیا ہے اور مولانا تقی امینی کے نزدیک اِن کو فقہی اصول وکلیات کہا جاتا ہے تقریباً ہم معنی اور مترادف اصطلاحات ہیں۔

یہ وہ عمومی فقہی قواعد ہیں جن کو فقہا کرام نے سینکڑوں سالوں کے مطالعہ اور کوششوں کے بعد دریا کو کوزے میں بند کرنے کی مانند مختصر اور آسان انداز کی قانونی زبان میں مرتب کیا ہے۔ اِن قواعد میں کسی ایک موضوع یا کئی موضوعات کے تحت اکثر جزئی فقہی وقانونی احکام شامل ہوتے ہیں۔ ان قواعد کے ذریعے طویل فقہی احکام اور متعدد احکام کی جزئیات کا خلاصہ ایک قاعدہ یا کلیہ میں مختصر مگر جامع الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک فن ہے جس سے فقہ کے مطالعہ اور اس سے استدلال مین مدد ملتی ہے۔ (نجات اللہ صدیقی۔ مقاصدِ شریعت/15)

ان قواعد کے مطالعہ سے فقیہ کو احکام کے پس منظر میں اسلام کا مجموعی مزاج اور شریعت کا جو عمومی انداز فکر کارفرما ہے اس سے ایک گونہ واقفیت حاصل ہو جاتی ہے اور زندگی کے معاملات میں شریعت کے نقطہ نظر کو منطبق کرنا یا ان کو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں حل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ان قواعد کے ذریعے عدالتی فیصلے، انتظامی معاملات، قانونی پیچیدگیاں اور روزمرہ کی زندگی کے اہم امور کو مختلف طویل فقہی عبارتوں کو مدنظر رکھ کر حل کرنے کے بجائے صرف کسی ایک مختصر فقہی قاعدہ یا کلیہ سے حل کیا جا سکتا ہے جس کا تفصیلی مطالعہ آپ آئندہ صفحات میں کریں گے۔ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ضوابط فقہیہ اور قواعد فقہیہ میں فرق ہے۔ ضوابط کا دائرہ تنگ اور مختصر ہے لیکن قواعد اُن کے مقابلے میں کافی وسعت کے حامل ہیں۔ (1)

Marfat.com

قواعدِ فقہیہ اور قواعدِ شرعیہ یا قواعد اصولیہ رقواعدُ الاحکام میں فرق

قواعد فقہیہ اور قواعد شرعیہ، اصولیہ یا قواعد الاحکام میں فرق ہے اول الذکر قواعدِ فقہیہ اُن قواعد وکلیات کا علم ہے جن کا آپ اس فصل میں مطالعہ کریں گے۔ آخری تین اصطلاحات قواعد شرعیہ، قواعد اصولیہ، قواعد الاحکام تقریباً مترادف اور ہم معنی ہیں۔ یہ حقیقت ہے ان تمام قواعد کے بانی علماء اصول ہیں اور ان قواعد کی سابقہ کتب بھی اصول فقہ کی کتب شمار کی جاتی ہیں، لیکن قواعد فقہیہ ایک لحاظ سے اب فقہی اصول بن چکے ہیں اور ان کی تطبیق فقہی میدان میں ہو رہی ہے اس لئے ان کو قواعد فقہیہ کہتے ہیں قواعد اصولِ فقہ نہیں کہا جاتا۔ ان کے مقابلہ میں قواعد شرعیہ، اصولیہ یا قواعد الاحکام مکمل طور پر اصول فقہ کے قواعد ہیں اور صرف اصولِ فقہ کی کتب میں دستیاب ہیں اور علم اصول فقہ کا ہی سرمایہ ہیں۔

آخری تین اصطلاحات سے مراد اصول فقہ یا اسلامی شریعت کے وہ قواعد ہیں جن کا تعلق احکام سے ہے مثلاً الامر للوجوب۔ (امر کے صیغہ سے حکم فرض یا واجب ہو جائے گا) النہی للتحریم (نہی کے صیغہ سے حرمت ثابت ہوگی۔) اسی طرح قرآن پہلا ماخذ قانون ہے، سنت دوسرا اور اجماع کا کیا مقام ہے، قیاس کی کیا حیثیت ہے وغیرہ یہ اور اس طرح کے تمام اصولی قواعد کو قواعد اصولیہ، قواعد شرعیہ یا قواعد الاحکام کہا جائے گا۔(2)

یہ ایک علمی حقیقت ہے کہ قواعدِ شرعیہ و اصولیہ جن کو قواعد الاحکام بھی کہتے ہیں کا تعلق اصول فقہ سے ہے اور ان سے مراد ایک وہ نظام ہے جس کو شارع نے اپنی شریعت میں جاری کیا ہوا ہے اور دوسرا وہ مقاصد ہیں جن کو بنیاد بنا کر مخلوق کو شرعی احکام پر عمل کرنے کی تکلیف دی گئی ہے۔

مثلاً جس مسئلہ میں نص یعنی قرآن وسنت کا واضح حکم موجود ہو اُس میں رائے نہیں دی جا سکتی۔ جس مسئلہ میں واضح حکم موجود نہ ہو اُس میں اجتہاد سے فیصلہ کیا جائے گا۔ مزید اجتماعی اجتہاد (اجماع) کا مقام انفرادی اجتہاد (قیاس) سے زیادہ ہے اور اجتہاد یا قیاس کے احکام میں اوامر ونواہی کے ذریعہ شریعت کا مقصد بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا اور اُن سے نقصان کو دور کرنا ہے۔(3)

قواعد شرعیہ کے برعکس قواعدِ فقہیہ جن کے بانی بھی علماء اصول ہیں اصول فقہ کے قواعد نہیں رہے بلکہ فقہ کے کلیات بن چکے ہیں جن میں انسانی معاشرہ کے مختلف عملی مسائل اور اُن کی متعدد جزئیات کو ایک قاعدے یا کلیے کے ذریعہ آسان طریقہ سے حل کرنے کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ فقہ اور اصول فقہ کا فرق آپ تعارفی باب میں پڑھ چکے ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

قواعد فقہیہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف:

عربی زبان میں قاعدہ کے لغوی معنی کسی عمارت کی بنیاد کے ہوتے ہیں اور اس کی جمع قواعد ہے۔اس لئے اونٹ کے ہودہ کے نیچے لگائی جانے والی لکڑیوں کو بھی قواعد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی ہودہ کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہوتی ہیں۔اسی طرح کسی مملکت کے دارالحکومت کو بھی قاعدہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی مملکت کی بنیاد کی طرح اہمیت رکھتا ہے۔قرآن مجید البقرۃ:127 میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ بنانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لفظ قاعدہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔اردو زبان میں بھی اس لفظ کے یہی معنی یعنی بنیاد و اساس مروج ہیں۔لفظ فقہیہ سے مراد ہے فقہی یعنی فِقہ کے قواعد، فقہی اصول وکلیات۔(4)

اس کی اصطلاحی تعریف عالم عرب کے جدید فقیہ ڈاکٹر مصطفےٰ زرقاء نے اس طرح کی ہے۔

''اصول فقهية كلية فى نصوص موجزة دستورية تتضمن احكاما تشريعية عامة فى الحوادث التى تدخل تحت موضوعها''.(5)

''فقہی قواعد وہ عمومی فقہی اصول ہیں جن کو مختصر ترین فقہی و قانونی زبان میں مرتب کیا گیا ہو، مزید اِن میں ایسے عمومی قانونی اور فقہی احکام بیان کئے گئے ہوں جو اس موضوع کے تحت آنے والے مسائل، حوادث و واقعات کے بارے میں ہوں''۔

اس کی ایک تعریف ڈاکٹر عبدالعزیز محمد عزام نے اس طرح کی ہے۔

''هى قضا يا كليه يندرج تحتهاجزئيات كثيره لتعُلم احكامها من تلك القواعد وهى مُنطبقة على معظم جزء يا تها غالبا''(6)

قواعدِ فقہیہ وہ کلی امور ہیں جن کے تحت یا جن کے ذیل میں بہت ساری جزئیات شامل ہوتی ہیں۔ان قواعد کے ذریعہ اُن جزئیات کا حکم معلوم کیا جاتا ہے مزید یہ کلیات یا قواعد اپنی پیشتر جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں (مکمل جزئیات پر منطبق نہیں ہوتے)۔

مشہور مالکی اصولی (امام قرافی ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء) کی رائے میں اسلامی شریعت کے اصول دو قسم کے ہیں ایک کو اصول فقہ کا نام دیا گیا ہے، اس علم میں زیادہ تر ایسے قواعد کا بیان ہے جو عربی زبان کے استعمال سے متعلق ہیں...... دوسری قسم ان کی فقہی قاعدوں پر مشتمل ہے جو بہت شاندار ہیں ان کی تعداد خاصی ہے۔وہ اسلامی شریعت کے لاتعداد جزئی احکام سے متعلق اسرار و حکم پر مشتمل ہیں۔یہ ایسی باتیں ہیں جن کا اصولِ فقہ میں کوئی ذکر نہیں اور اگر کوئی اشارہ مل جائے تو اس کی تفصیل نہیں ملتی۔(قرافی شہاب الدین۔الفروق۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۱/۱بحوالہ محمد نجات اللہ صدیقی۔ مقاصد شریعت۔ اسلام آباد۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی۔ ۲۰۰۹/۱۶)

قواعد فقہیہ کا موضوع:

ان کا موضوع متعدد متشابہ اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے مسائل کو کسی مشترکہ تعلق کی وجہ سے یکساں مجموعوں (قواعد) میں جمع کرنا ہے۔ اس مشترکہ تعلق کی وجہ قیاس، کوئی فقہی ضابطہ یا مشترکہ علت ہوگی۔ اس مشترکہ تعلق کی وجہ سے مختلف مسائل کی متعدد جزئیات کو ایک قاعدہ کے تحت یا ذیل میں لایا جاتا ہے۔

قواعدِ فقہیہ کی حقیقت:

یہ بات سابقہ تعریف میں واضح ہو چکی ہے کہ اِن قواعد میں کسی مسئلہ کا مکمل حل نہیں ہوتا بلکہ مختلف مسائل میں متشابہ صورتوں کو کسی ایک قاعدہ کے تحت حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً ایک قاعدہ ہے ''المشقۃ تجلب التسیر'' مشقت سہولت کا باعث بنے گی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ شریعت کے کسی حکم پر عمل درآمد کرنا اگر اجتماعی یا انفرادی طور پر مشقت کا باعث بن رہا ہو تو اُس حکم میں تخفیف کر کے اُس کو آسان کر دیا جائے گا۔ (تفصیل دیکھیں: اسی فصل کا قاعدہ نمبر۱)

اب یہ قاعدہ کسی ایک مسئلہ کا حل نہیں بلکہ عبادات میں نماز، روزہ، زکواۃ، حج اور معاملات میں معاہدات مناکحات، معاشرت وغیرہ میں جس جگہ جس وقت بھی مشقت کا احساس ہوگا اس کلیہ کے تحت اس کو آسان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اب یہ کلیہ کسی ایک مکمل مسئلہ کا حل نہیں بلکہ عبادات، معاملات وغیرہ کے متعدد اور بے شمار مسائل اور اُن کی جزیات میں مشقت کا باعث بننے والی متشابہ صورتوں کو اس کلیہ کے تحت آسان طریقہ سے حل کرنے کی کوشش ہے۔ اس طرح تمام قواعد فقیہ میں کسی ایک خاص، محدود یا محدّ د مسئلہ کا حل پیش نہیں ہوتا بلکہ یہ قواعد مختلف مسائل یا اُن کی متعدد جزویات پر منطبق ہوتے ہیں۔

بعض اوقات کوئی خاص صورتحال کسی خاص قاعدہ کے ذیل میں نہیں آتی چاہے بظاہر اس قاعدہ کا تعلق اس معاملہ سے ہو، اس لیے کہ کبھی کسی دوسرے قاعدہ کے اثر سے، کبھی کسی خاص شرعی حکم کے تحت، کبھی کسی اور وجہ سے کوئی اور سبب ایسا پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ خاص صورت حال قاعدہ کلیہ کے اطلاق سے نکل جاتی ہے۔ چونکہ یہ نہایت مہارت اور دقت نظر کا کام ہے اس لیے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ براہ راست صرف کسی قاعدہ سے استدلال کر کے فیصلہ یا فتویٰ نہیں دے دینا چاہیے۔

یہ بات خود مجلّہ الاحکام العدلیہ کے مرتبین نے بھی تقاضہ احتیاط کو مد نظر رکھتے ہوئے واضح طور پر بیان کر دی ہے کہ جہاں تک فیصلوں اور فتوؤں کا تعلق ہے تو وہ محض اور صرف کسی قاعدہ کلیہ کی بنیاد پر نہیں دینے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

چاہییں۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی قرآن یا حدیث کی نص یا فقہی نظیر موجود ہو۔ مجلّہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"لیس لحکام الشرع الشریف ان یحکموا بمجرد استناد الی واحدۃ من ھذہ القواعد ما لم یقفوا علی نص صریح" (7)

جب تک کوئی واضح حکم (نص) موجود نہ ہو تو حکام شریعت کو ان میں سے کسی قاعدہ کی بنیاد پر کوئی فیصلہ دے دینا جائزہ نہیں ہے۔

یہی بات مجلّہ کے جملہ شارحین نے بھی بڑی وضاحت سے کہی ہے۔ لیکن علامہ یوسف آصاف نے اس بات کو ذرا مختلف انداز میں کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی واضح حکم (نص) موجود نہ ہو تو محض ان میں سے کسی ایک قاعدہ کی بنیاد پر کوئی فیصلہ دینا لازمی نہیں ہے۔ لایجب علیھم ان یحکموا (15) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم ازکم یوسف آصاف کے نزدیک اس کی گنجائش موجود ہے کہ اگر کوئی فقہی نص موجود نہ ہو تو کسی قاعدہ کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ (8)

قواعد فقہیہ کی تطبیق

قواعد فقہیہ کی تعریف اور موضوع کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیشتر قواعد کلیہ اس معنی میں نہیں ہیں کہ ان میں کوئی استثناء موجود نہیں ہے بلکہ اکثر قواعد کی حیثیت محض اغلبی اور اکثریتی ہے یعنی وہ اپنے تحت آنے والی بیشتر اور اکثر جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں سب پر نہیں۔ یہ قواعد کلیہ ایسے ہمہ گیر قانونی اصول نہیں ہیں کہ ان میں بالکل بھی استثناء موجود نہ ہو، بلکہ یہ صرف وہ کلیات ہیں جو اکثر و بیشتر بہت سی صورتوں کو حاوی ہوتے ہیں اور اس موضوع سے متعلق اکثر صورتیں اور ان کے احکام ان قواعد کے تحت آجاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں استثناء ات بھی بہت ہوتے ہیں۔ ان استثناء ات کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایک خاص معاملہ کسی ایک قاعدہ کلیہ کے بجائے کسی دوسرے قاعدہ کلیہ کے ماتحت ہوتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قاعدہ کلیہ کا ایک خاص تقاضا ہوتا ہے کہ خاص اس معاملہ میں قاعدہ کلیہ کے بجائے اس دوسرے اصول کو منطبق کرنا ضروری ہے۔ مثلاً عدل وانصاف، جلب مصالح، دفع مفاسد، رفع حرج وغیرہ کے پیش نظر قاعدہ کلیہ کے انطباق کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ یہی وہ اسباب ہیں جن کے پیش نظر قواعد کلیہ کو اغلبی یا اکثریتی قواعد کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ اپنے دائرہ کار سے متعلق اکثر صورتوں کو حاوی ہیں سب کو نہیں اس لیے شاید ہی کوئی قاعدہ کلیہ ایسا ہو جس میں استثناء ات نہ ہوں۔ (9)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

قواعد فقہیہ کا شریعت اسلامیہ کے مصادر سے تعلق

قواعد فقہیہ یا قاعدہ کلیہ جو مختلف طویل فقہی احکام کا خلاصہ ہیں کی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ یا واقعہ سے متعلق فقہ اسلامی کی عمومی فکر، طریق کار اور منہاج کو واضح کرتا ہے اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملہ میں اسلامی شریعت کا انداز تفکیر کیا ہے، یا فلاں معاملہ میں قیاس واجتہاد کا رخ کیا ہے، یا فلاں مسئلہ میں فقہی حکم معلوم کرنے کا عمومی اسلوب کیا ہے۔ لہذا جس طرح فقہ کے دوسرے جزوی اور فروعی احکام براہ راست یا بالواسطہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں اسی طرح قواعد کلیہ بھی قرآن سنت سے ماخوذ ہیں۔ یہ اصول فقہ کا متفقہ کلیہ ہے کہ اگر کوئی قاعدہ کلیہ قرآن وسنت کے کسی حکم سے متعارض ہو یا متصادم ہو تو اسکی سرے سے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تقریباً یہی حیثیت مغربی اصول قانون میں لیگل میکسمز کی ہے۔ یہ میکسمز (Legal Maxims) نہ تو ماخذ قانون ہیں اور نہ اپنی ذات میں وہ خود قانون ہیں۔ وہ محض مغربی قانون کے عمومی انداز فکر کو سمجھنے کو ایک ذریعہ ہیں۔ ایک مشہور مغربی قانون دان کے بقول اِن سے (Maxims) قانونی دنیا کی ضرب المثال میں مدد ملتی ہے اسی طرح اس میکسمز سے مغربی قانون دنیا کے عام انداز فکر کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی کسی قانون موضوعہ (Statutory Law) اور لیگل میکسم میں تعارض ہو تو قانون موضوعہ ہی کو برتری حاصل ہوگی، اس لئے کہ لیگل میکسم خود کوئی قانون نہیں ہے، اس کی حیثیت صرف تشریحی ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی فقہی قاعدہ قرآن، حدیث کے مخالف ہے تو اُس کی کوئی شرعی و قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

لیکن اس حقیقت کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ فقہ اسلامی کے قواعد اپنے مرتبہ اور علمی مقام میں مغربی میکسمز (Maxims) سے بہت بالاتر اور اعلیٰ علمی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان میں کہیں بھی قرآن یا سنت سے الجھاؤ اور ٹکراؤ کی کیفیت نہیں ہے کیونکہ اِن کو مرتب کرنے کے بعد نسل در نسل ان پر غور وفکر ہوتا رہا اور ان کی علمی و شرعی حیثیت کو پرکھنے کے بعد ان کو باقاعدہ تدوین کے مراحل سے آشنا کیا گیا۔ مزید ان قواعد پر تقریباً تمام فقہی مذاہب کا اجماع سکوتی بھی ہے۔ لہٰذہ مغربی میکسمز اور ان کا مقام ایک نہیں ہے۔ سابقہ رائے استاد محترم ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کی ہے لیکن اُس سے مکمل اتفاق ضروری نہیں۔ (10)

قواعد فقہیہ (کلیہ) کے فوائد

قواعد فقہیہ یا قواعد کلیہ کے بے شمار فوائد ہیں جن میں اہم یہ ہیں:

(الف) یہ قواعد فقہی لٹریچر کے معتبر اور مسلّم اصول اور نسل در نسل سے مجتہدین اور فقہاء کرام کے مطالعہ کا

Marfat.com

نچوڑ ہیں، اور فقہاء کرام کے طرز استدلال اور استنباط احکام کے طریقوں سے واقف ہونے کے لئے ان کا جاننا بہت ضروری ہے۔

(ب) شریعت اسلامی کا حقیقی مزاج اور فقہی احکام میں جو عمومی انداز فکر کارفرما ہے اس سے مجموعی واقفیت پیدا کرنے کے لئے ان قواعد کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

ج) قواعد کلیہ کے مطالعہ سے ایک عالم دین، قانون دان یا طالب علم کو فقہی احکام سے ایک گونہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

د) قواعد کلیہ کے مطالعہ سے قرآن وسنت میں احکام کی حکمت، اصل مقصد، ان میں کارفرما روح اور فقہ اسلامی کے رموز واسرار سے واقفیت اور اُن میں گہرا ادراک حاصل ہو جاتا ہے۔

ھ) منتشر و متفرق لاتعداد فقہی مسائل کو صرف ایک کلیہ کے ذریعہ حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

د) قواعد کلیہ سے واقفیت کے بعد انسان کے لئے روز مرہ زندگی کے مسائل حل کرنے میں شریعت کے نقطہ نظر: آسانی، بنی نوع انسان سے محبت اور عدم حرج کو جاننا اور اپنے معاملات پر مختصر انداز میں ان کو منطبق کرنا آسان ہو جاتا ہے۔(11)

قواعد فقہیہ کے مصادر و مآخذ:

مصادر کے لحاظ سے بعض قواعد ایسے ہیں جو یا تو براہ راست قرآن مجید کی آیات یا کسی حدیث نبوی کے الفاظ یا اُن کے مفہوم سے ماخوذ ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض قواعد بقیہ مآخذِ قانون مثلاً اجماع، قیاس، استصحاب یا کسی متعین فقیہ و مجتہد کے مطالعہ کا نچوڑ ہیں اور اُن کی طرف منسوب ہوں۔

مثال کے طور پر درج ذیل قواعد براہ راست احادیث نبویہ سے لفظاً یا معناً ماخوذ ہیں:

۱) الامور بمقاصدھا: معاملات کا دار و مدار ان کے مقصد پر ہوتا ہے۔ یہ کلیہ صراحۃً اس مشہور حدیث نبوی سے ماخوذ ہے جس میں ارشاد ہے:

انما الاعمال بالنیات(12) (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔

۲) لا ضرر ولا ضرار: (نہ نقصان اٹھاؤ نہ جواباً نقصان پہنچاؤ) یہ بعینہ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں۔(13)

۳) اذا اجتمع الحلال و الحرام غالب الحرام: جب حلال وحرام یکجا ہوں گے تو حرام ہی غالب مانا جائے گا۔ اس قاعدے کے الفاظ ایک روایت سے ملتے جلتے ہیں جو قریب قریب انہی الفاظ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

میں آئی ہے۔

۴) الحرام لا یُحرّم الحلال: کسی حرام کام کے ارتکاب سے کوئی حلال کام حرام نہیں ہوتا۔ یہ بھی بعینہ ایک حدیث نبوی کے الفاظ ہیں۔

۵) الحدود تدراء بالشبہات: حدود کی سزائیں شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔(14)

۶) الخراج بالضمان: فائدہ وہ اٹھائے جو تاوان دینے کا پابند ہو، یہ بھی بعینہ حدیث نبوی کے الفاظ ہیں۔

قواعد فقہیہ کی ابتداء و تاریخ

دنیاءِ علم کا یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ کوئی علم پہلے معرض وجود میں آتا ہے اور پھر اُسے مدون کیا جاتا ہے کسی علم کی تدوین اُس کے وجود کی خبر دیتی ہے نہ کہ اُس کو وجود بخشتی ہے۔ اسی طرح قواعد فقہیہ بھی دور نبوی ﷺ اور دور صحابہ میں کافی حد تک رواج پا چکے تھے۔ ان قواعد کو ایک علیحدہ علم کی حیثیت دینے کے لئے دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب ائمہ مجتہدین، اصول فقہ کی تدوین میں مصروف تھے تو اِس تدوین کے دوران انہوں نے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ میں بیان کردہ جزوی احکام میں مخفی حکمتیں اور پوشیدہ کلیات کی دریافت کا عمل بھی جاری و ساری رکھا۔

احکام شریعہ میں مخفی حکمتوں یعنی اللہ تعالیٰ کا بندوں کو حکم دینے کی اصل وجہ اور روح کے بیان کے ذریعہ اس علم کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ اِن حکمتوں کو بعد کے ادوار میں مختلف ائمہ و علماء نے مناسب لفظوں میں منتقل کر کے اِن کو فقہی و قانونی زبان سے آشنا کیا۔

ان قواعد کی ابتداء کے سلسلہ میں یہ بات حقیقت ہے کہ امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ)، امام محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) اور امام محمد بن ادریس الشافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کی فقہی تالیفات میں بہت سے قواعد بکھرے ہوئے ہیں جن کو بعد میں آنے والے فقہاء نے مرتب کیا اور ان کی بنیاد پر علم قواعد و کلیہ کو باقاعدہ شکل دی۔ جوں جوں یہ حضرات فقہی اصول و کلیات کو مرتب کرتے گئے قواعد کلیہ اور ضوابط فقہیہ نکھر کر سامنے آتے گئے۔

یہ قواعد فقہیہ یا قواعد کلیہ ایک دن، یا چند دنوں میں بیٹھ کر کسی ایک شخص یا چند متعین اشخاص نے وضع نہیں کئے، نہ سب کے سب کسی ایک مرحلہ میں موجودہ شکل میں مرتب ہوئے۔ ان کی ترتیب کی صورت یہ نہیں ہے جو دنیا کے دوسرے قوانین کی ہوتی ہے کہ کسی متعین مجلس یا متعین فرد نے ایک خاص وقت میں ایک خاص شکل

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

میں ان کو مدون کر دیا ہو۔ بلکہ رومن لاء کے لیگل میکسمز (Legal Maxims) کی طرح ان قواعد کی ترتیب وتدوین کی صورت بھی ارتقائی رہی ہے۔ان کی بنیادیں تو قرآن وسنت کے احکام، خلفاء راشدین کے فیصلہ جات، فقہاء صحابہ اور تابعین کرام کے فتاوی جات اور صدر اسلام کے ائمہ کرام کے وہ اجتہادات ہیں جو انہوں نے سالہا سال تک قرآن وسنت میں غور وفکر کے بعد اخذ کئے تھے۔ جوں جوں فقہائے کرام قرآن وسنت کے احکام پر غور کرتے رہے ان کے سامنے ان احکام کا بنیادی فلسفہ، حکمت اور اصول واضح ہوتے گئے، پھر ہر زمانہ کے فقہاء ان اصولوں کو مناسب عبارتوں میں مرتب کرتے ہوئے ان کی عبارتوں کو بہتر اور جامع بناتے رہے اس کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی اپنے مطالعہ اور غور وفکر سے نئے نئے قواعد وضوابط دریافت کر کے اس ذخیرہ میں اضافہ کرتے رہے۔

ان قواعد کے سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہئے کہ نسل در نسل کے فقہاء کرامؒ کا ان پر اجماع ہے اور اس کو اجماع صریحی نہیں تو اجماع سکوتی کا مقام دیا جاسکتا ہے اس لئے یہ مغربی اصول قانون سے یکسر مختلف اہمیت اور مقام کے حامل ہیں۔ اس موضوع پر سب سے پہلے حنفی فقہاء نے باقاعدہ کام کا آغاز کیا۔ امام کرخیؒ نے اصول کرخی میں 39 قاعدہ جمع کئے پھر ابو زید عبید اللہ بن عمر عیسی الد بوسیؒ (430) نے ایک کتاب ''تاسیس النظر'' لکھی اور اُس میں ستر قواعد اکٹھے کئے۔ پھر امام نسفیؒ (522) نے امام کرخی کے 39 قواعد کی شرح لکھی اُس کے بعد یہ علم تمام فقہی مذاہب میں قبولیت عام حاصل کر گیا اور عز بن عبدالسلام، امام شاطبی، ابن قیم جوزیہ نے ان پر جزوی طور پر کافی کام کیا۔ امام محمد بن ادریس القرافی مالکی (683) نے اپنی کتاب الفروق میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں 548 قواعد جمع کئے ہیں، لیکن علی حسب اللہ لکھتے ہیں کہ مجھے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد صرف 284 قواعد ملے ہیں۔ اس طرح اس علم پر ان علماء کے علاوہ بھی متعدد لوگوں نے کتب لکھیں۔ (علی حسب اللہ۔ اصول التشریع۔ حاشیہ ص269)

اس طرح کم وبیش ایک ہزار سال کی اجتماعی کوششوں اور کاوشوں کا یہ ثمرہ قواعد فقہیہ یا قواعد کلیہ کے اس بے بہا خزانہ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جس نے آج سے سینکڑوں سال قبل ہی ایک باقاعدہ مربوط اور منظم علم کی صورت اختیار کر لی تھی۔ (15)

قواعد فقہیہ کی تلخیص میں فقہاء کا کردار:

لہذا ان فقہی قواعد جن کی بنیاد قرآن وسنت ہے کا نہ کوئی ایک شخص مصنف ہے نہ یہ کہ کسی ایک یا چند افراد کے ذہن کی پیداوار ہیں اور نہ عالم اسلام کے کسی خاص علاقے، زمانے، یا نسل کے لوگوں کو ان کی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تدوین کا اعزاز حاصل ہے۔البتہ فقہاءِ احناف کو اِن قواعد کے آغاز اور پوری قوت سے پروان چڑھانے پر خراج عقیدت پیش کرنا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔

عموماً یہ ہوتا رہا کہ ابتداء میں کسی ایک فقیہ نے ایک قاعدہ دریافت کیا اور اس کو ایک خاص عبارت کا جامہ پہنایا۔ پھر بعد میں آنے والے ہر اُس فقیہ نے جس نے اس فن یا موضوع پر کام کیا، اِس کی نوک پلک درست کی، اس کے الفاظ میں مزید اختصار اور جامعیت پیدا کی، تآنکہ عبارت کی وہ شکل سامنے آئی جو قانونی لحاظ سے اپنی خوبصورتی موزونیت، اختصار، بندش اور جامعیت کی وجہ سے قبول عام اختیار کر گئی۔اس عمل میں اجتہادی احکام کی علت وحکمت پر کی جانے والی بحثوں اور فقہائے کرام کے دریافت کردہ اسالیب اجتہاد وقیاس نے بھی بہت نمایاں کردار ادا کیا۔

مثال کے طور پر ایک قاعدہ ہے ''الاقرار حجة قاصرة'' یعنی اقرار ایک ایسی دلیل ہے جس کا اثر اقرار کرنے والے کی ذات تک محدود رہتا ہے۔اب یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس قاعدہ کو دریافت کرنے کا شرف کس فقیہ یا مجتہد کو حاصل ہوا، یا کس فقیہ نے اس کو اس قدر جامع اور مختصر الفاظ میں مرتب کیا جس سے زیادہ جامعیت اور اختصار عربی زبان میں ممکن نہیں ہے۔تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ابتدائی تصور ہمیں حنفی اصولی امام ابوالحسن عبیداللہ کرخی (متوفی ۳۴۰ھ) کے ہاں ملتا ہے۔وہ اپنی کتاب اصول الکرخی میں لکھتے ہیں:

''الاصل ان المرء یعامل فی حق نفسه کما اقربه و لا یصدق علی ابطال حق الغیر ولا بالزام الغیر حقا''۔

''قاعدہ یہ ہے کہ انسان سے اس کے اپنے معاملہ میں وہی سلوک کیا جائے گا جس کے بارے میں اس نے اقرار کیا ہے البتہ اس اقرار کی کسی ایسے معاملے میں تصدیق نہیں کی جائے گی جس میں کسی دوسرے کے حق کو باطل کیا جا رہا ہو یا کسی دوسرے کے ذمہ کوئی حق لگایا جا رہا ہو''۔

اس قاعدہ کی اس ابتدائی عبارت پر توجہ فرمایئے، پھر دیکھئے کہ کسی طرح کئی نسلوں کی کوشش اور بہت سے مجتہدین وفقہاء کے غور وفکر کے نتیجہ میں یہی بات کسی قدر جامع اور مختصر قانونی الفاظ میں سامنے آئی کہ ''الاقرار حجة قاصرة'' (اقرار ایک قاصر دلیل ہے) یعنی ایک ایسی دلیل ہے جس کا اثر اقرار کرنے والے کی ذات تک محدود رہتا ہے۔اس طور کا تقابلی مطالعہ اگر دوسرے قواعد کا بھی کیا جائے تو ہمارے سامنے ایسے متعدد قواعد آتے ہیں جن کے بارے میں ہم حتمی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ان کی ابتدائی عبارت ان کی موجودہ عبارت سے خاصی مختلف تھی اور وہ بہت سے مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنی موجودہ صورت تک پہنچے۔

شروع شروع میں جب قواعد کلیہ وضع ہونا شروع ہوئے اور مختلف فقہاء نے اپنے اپنے مطالعہ اور

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

بصیرت کی روشنی میں احکام شرعیہ کی حکمتوں اور مصلحتوں پر غور کر کے ان کو بنیادی اصول اور کلیات کے تحت منضبط کرنے کے کام کا آغاز کیا، تو یہ ایک انتہائی مقبول اور بلند پایہ علم قرار پایا۔ جن اصحاب کو علم قواعد کلیہ سے واقفیت حاصل ہوئی، اور جن اصحاب کے اس نئے مگر مقبول و محترم علم سے زیادہ واقفیت نہ تھی ان کے مقابلہ میں اول الذکر کو زیادہ امتیاز حاصل ہوا۔(16)

قواعد فقہیہ کی اہم کتب:

جس طرح آپ مطالعہ کر چکے ہیں کہ یہ قواعد فقہیہ یا فقہی کلیات اصول فقہ کی متعدد کتب مثلاً المستصفی للغزالی، الموافقات للشاطبی، اعلام الموقعین لابن قیم، الفروق للقرافی، التوضیح للتفتازانی، مسلّم الثبوت للبہاری اور فقہ کی تمام کتب و فتاویٰ جات میں مختلف صفحات پر بکھرے ہوئے موجود ہیں، مثلاً ہدایہ، المغنی، مبسوط، کتاب الام، المحلی تبصرۃ الحکام وغیرہ میں یہ تمام قواعد مختلف مسائل کے حل میں متعدد عبارتوں یعنی الفاظ و جملوں کی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن اس موضوع پر متعدد اہم کتب بھی تدوین کی گئی ہیں جن میں زیادہ اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔ المنثور فی القواعد	زرکشی محمد بن بہادر امام
۲۔ قواعد ابن رجب	ابن رجب حنبلی
۳۔ الاشباہ والنظائر	زین الدین ابن نجیم حنفی
۴۔ الاشباہ والنظائر	جلال الدین سیوطی
۵۔ قواعد الاحکام فی مصالح الانام	عز بن عبد السلام
۶۔ قواعد ابن اللحام	ابن لحام الحنبلی
۷۔ الموافقات	امام شاطبی
۸۔ الطرق الحکمیہ	ابن قیم جوزیہ
۹۔ الاشباہ والنظائر	ابن وکیل شافعی (716)
۱۰۔ کتاب القواعد	محمد المقّری المالکی (758)
۱۱۔ الاشباہ والنظائر	تاج الدین السبکی (771)
۱۲۔ الاشباہ والنظائر	جمال الدین اسنوی (772)
۱۳۔ المنثور فی القواعد	بدر الدین زرکشی (794)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

۱۴۔ القواعد فی الفروع	علی بن عثمان العزی (799)
۱۵۔ اسنی المقاصد فی تحریر القواعد	محمد بن محمد الزبیری (808)
۱۶۔ کتاب القواعد	تقی الدین الحسنی\(839)
۱۷۔ نظم الزخائر فی الاشباہ والنظائر	ابن علی الخلیل المقدسی (876)
۱۸۔ القواعد وضوابط	ابن عبد الھادی (880)
۱۹۔ الکلیات الفقھیہ والقواعد	ابن غازی المالکی (919)
۲۰۔ جامع الحقائق	علامہ ابوسعید
۲۱۔ قواعد الفقہ الاسلامی	روکی محمد
۲۲۔ شرح القواعد الفقھیہ	زرقا احمد بن شیخ محمد
۲۳۔ احکام المعاملات الشرعیہ	استاد علی خفیف
۲۴۔ القواعد الفقھیہ	د۔عبدالعزیز محمد عزام
۲۵۔ معجم القواعد والضوابط الفقھیہ	د۔خالد عبداللہ الشعب

۱۵۔ مَعْلَمَۃُ زاید للقواعد الفقھیۃ الاصولیۃ

یہ کتاب 42 جلدوں میں ہے اور فقہ اکیڈمی جدہ سعودی عرب نے اسے شائع کیا ہے۔اس کتاب میں آٹھ مذاہب ۱۔حنفی ۲۔مالکی ۳۔شافعی ۴۔حنبلی ۵۔ظاہری ۶۔جعفری ۷۔زیدی ۸۔اباضی کے قواعد کو اکٹھا کیا گیا ہے۔

۱۶۔ ایک اور کتاب ابوسعید محمد الخادمی جامع الحقائق اور اس کی شرح منافع الحقائق میں 104 قاعدے اکٹھے کئے ہیں۔

۱۷۔ مزید شیخ وعدالھمز اوی نے اپنی کتاب قواعد الھمز دیہ میں اِن قواعد کو اکٹھا کیا ہے۔

۱۸۔ اس کے علاوہ ترکی کی سلطنت عثمانیہ نے انیسویں صدی میں اسلامی قانون کی کتاب مجلۃ الاحکام العدلیۃ مرتب کرائی تھی جس میں تمام فقہی احکام کو مختلف ابواب کے تحت دفعہ وار مرتب کیا گیا تھا مثلاً دفعہ نمبر ۱، دفعہ نمبر ۲، دفعہ نمبر ۳ وغیرہ۔اس مجلّہ کی پہلی جلد میں دفعہ نمبر ۱ سے لے کر دفعہ نمبر ۱۰۰ تک قواعد فقہیہ درج ہیں۔اس مجلّہ کی دو شرحیں بہت مشہور ہیں شرح رستم باز اور شرح خالد اتاسی۔ان دونوں میں ان قواعد کی تشریح بھی ہے۔

۱۹۔ دور حاضر میں مصطفے الزرقا کی کتاب ''الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید'' جس کا نیا ایڈیشن اضافوں کے

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ساتھ ''المدخل الفقہی العام'' کے نام سے ہے۔عربی میں اس موضوع کی بہترین کتاب ہے۔

۲۰۔ اردو زبان میں چار کتب ۱۔فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظراز مولانا تقی امینی ۲۔قواعد وکلیہ اور اُن کا آغاز و ارتقاء از ڈاکٹر محمود احمد غازی ۳۔اسلامی قانون کے کلیات از عبدالمالک عرفانی ۴۔اسلام کے قانونی ضابطے از علامہ جی اے حق، اس موضوع پر اچھی کتب ہیں۔

۲۱۔ عمران احسن نیازی سابق استاد بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی انگریزی میں ایک کتاب'' Islamic Legal Maxim'' بھی اس موضوع پر عمدہ کتاب ہے۔

۲۲۔ محترم خالد نذیر صاحب جو میرے کلاس فیلو ہیں نے بھی اس موضوع پر انگریزی زبان میں ایک کتاب(Root of Justic in Shariah (Islamic Legal Maxims لکھی ہے۔ اسکو عمارہ پبلیکیشن اسلام آباد والوں نے شائع کیا ہے۔ یہ 115 صفحات کی مختصر مگر بہت معلومات افزاء کتاب ہے۔

چند مشہور قواعد

اب ان قواعد فقہیہ کے نظریاتی و تاریخی مطالعہ کے بعد اِن میں سے پچیس بہت اہم قواعد اور اُن کی مختصر تشریح مع چند اہم مسائل پیش کی جارہی ہے تاکہ نظریاتی اور تطبیقی تحقیق ساتھ ساتھ چلتی رہے۔ان قواعد کی تشریح میں بیان کردہ مسائل کے علاوہ بھی بے شمار مسائل پر ان کی تطبیق ہوتی ہے جس کے لئے عالمانہ اور مجتہدانہ صلاحیتوں کا ہونا از حد ضروری ہے یہ تمام قواعد کتاب ''الاشباہ والنظائر'' لابن نجیم سے لئے گئے ہیں۔

1۔مشقت سہولت لاتی ہے

(ا) المشقة تجلب التيسير :(17)''مشقت سہولت لاتی ھے''.

اس کی بنیاد قرآن حکیم کی درج ذیل آیتیں ہیں:

﴿ يُرِيْدُاللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾.(البقرہ ۱۸۵)

''اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا''۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ج وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾.(النساء ۲۸)

''اللہ چاہتا ہے کہ(بے جا سختیوں کے بجائے) تمہارے بوجھ کو ہلکا کرے، اور واقعہ یہ ہے کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔

﴿ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ﴾.(بقرہ ۲۸۶)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

''اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

اس کلیہ سے مراد یہ ہے کہ ایسے شرعی احکام جن پر عمل کرنے سے کسی انسان کو جانی و مالی نقصان ہو یا انسان کی حالت دن بدن غیر ہوتی جاتی ہو تو اس قسم کی مشقت تخفیف و سہولت کی طالب ہے یعنی اُس شخص کی حالت دیکھ کر اُس کو اُس شرعی حکم پر عمل سے روک کر اُس کے لئے سہولت پیدا کی جائے گی۔ لیکن اگر شرعی حکم مشقت کے ذیل میں نہ آئیں تو ان میں تخفیف و سہولت کی گنجائش نہیں ہوگی۔

مشقت کی قسمیں

فقہاء نے اصولی حیثیت سے مشقت کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

ا۔ واقعی مشقت اور

۲۔ وہمی مشقت۔

واقعی مشقت: شارع نے رخصت و سہولت کے اسباب بیان کئے ہیں انہیں سامنے رکھ کر تخفیف کی صورت نکالی جائے۔ اس کے اہم اسباب یہ ہیں:۔

(۱) سفر (۲) مرض (۳) اکراہ (جبر و زبردستی)

(۴) نسیان (۵) جہل (لاعلمی) (۶) عسر (مشکل اور دشواری میں پڑ جانا)

(۷) عموم البلویٰ (عام طور پر لوگوں کا کسی فعل میں دن رات مبتلا ہونا)

(۸) نقص (قدرتی طور پر کمی) (۹) جنون (پاگل پن، دیوانگی)

(۱۰) بے ہوشی (۱۱) نیند (۱۲) کم سنی وغیرہ

واقعی مشقت کی مثال وہ مریض ہے جس نے ابھی تک روزہ نہیں رکھا لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ وہ مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے گا، اب اُس مریض کو دوسرے لوگوں کہ تجربہ اور مستند حکیم کی رائے پر یقین ہے کہ روزہ رکھنے کی صورت میں وہ ھلاک ہو جائے گا یا اُس کی جان کو خطرہ ہے اور اُسے انتہائی مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔ چونکہ مریض کے لئے شریعت میں رخصت موجود ہے اور اس لئے ایسے مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی جائے گی، گو اس نے اس کا حالیہ تجربہ نہیں کیا ہے اس طریقہ سے مشقت کی صورت میں آسانی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اِن تمام اقسام کے علاوہ بقیہ وہمی مشقت ہے۔

2۔ حرج اٹھایا گیا ہے:

الحرج مرفوع. (حرج اٹھایا گیا ہے)۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

قرآن حکیم میں اس اصول کی بنیاد درج ذیل آیات ہیں:۔

﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾. (الحج ۷۸)

''اللہ نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں رکھی ہے''۔

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ﴾. (المائدہ ٦)

''اللہ تمہارے اوپر تنگی نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور چاہتا ہے کہ تمہیں پاک وصاف رکھے''۔

حرج کی تحقیق:

ان آیتوں میں دین کے معاملہ میں ''حرج'' کی نفی کی گئی ہے۔ یہ قاعدہ بھی سابقہ قاعدہ سے تقریباً ملتا جلتا ہے حرج کا مفہوم عرب کی ٹکسالی زبان میں یہ منقول ہے۔

الحرجة من الشجر ما ليس له مخرج.

''وہ گھنی جھاڑی (جس میں الجھے بغیر) نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو''۔

حضرت عائشہؓ نے ''حرج'' کے معنی ''ضیق'' (تنگی) بیان کیے ہیں۔

فقہ میں یہ ہے:۔

اصل الحرج الضيق. حرج کی اصل تنگی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ دین میں تنگی نہ ہونے کا کیا مطلب ہے، جب کہ ہم اپنی خواہشات ومرغوبات سے روک دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تنگی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قدیم قوموں کے لئے (ان کے مناسب حال) جو سخت احکام مقرر کئے گئے تھے، ویسے سخت احکام اس امت کے لئے مقرر نہیں ہوئے۔

ایک اور موقع پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ''دراصل یہ اسلام کی وسعت کا بیان ہے کہ احکام وقوانین پر عمل کرنے میں دشواری وتنگی کی حالت میں تلافی وتدارک کے لئے مختلف صورتیں اور مختلف طریقے مقرر ہیں۔

انما ذلك سعة الاسلام ما جعل الله من التوبة والكفارات.(18)

''یہ اسلام کی اس وسعت کا بیان ہے جو اللہ نے توبہ اور کفارہ کی شکل میں تدارک کی صورتیں مقرر کی ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ان توضیحات سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(ا) دین میں سخت قسم کے احکام (تنگی والے) نہیں ہیں، (۲) انسانی کمزوری اور سماجی خرابی کی وجہ سے اگر بعض احکام سخت معلوم ہوتے ہیں تو ان میں وسعت اور تخفیف کی مختلف صورتیں ہیں۔

اس کی ایک صورت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب نماز کی امامت کراتے تو اُس زمانہ کے رواج کے مطابق عورتیں بھی مسجد نبوی میں نماز ادا کرتی تھیں، اگر کسی عورت کے بچے کے رونے کی آواز آپ سنتے تو نماز کو مختصر فرما کر جلد سلام پھیر دیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بچے کے رونے کی وجہ سے ماں کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹ کر بچہ کی طرف ہو جانا ایک فطری امر ہے اور یہ اُس ماں کے توجہ الی اللہ میں حرج ہے اس لئے حرج کو ختم کرنے کے لئے آپ نے نماز مختصر کر دی۔ ایسے ہی آپ کا قول ہے کہ نیک کام کرنے میں اعتدال رکھو اللہ تعالیٰ کو وہ عمل مقبول ہے جو تھوڑا ہو اور باقاعدگی سے ہو۔(19)

3۔نقصان دور کیا جائے:

الضَرر يُزال۔ ''نقصان دور کیا جائے''۔

اس اصول کی بنیاد قرآن وسنت کی وہی تصریحات ہیں جو اوپر ذکر ہو چکی ہیں، ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اسلامی احکام وقوانین کا مزاج بیان کرتے ہوئے تقریباً اسی مفہوم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام.(20)

''اسلام میں نہ خود نقصان اٹھانا ہے اور نہ دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے''۔

اس اصول پر عمل درآمد کی چند مثالیں

فقہاء نے اس اصول سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے اور مقررہ قاعدہ و ضابطہ کے مطابق خلل اور نقصان کو دفع کیا ہے۔ مثلاً:۔

خرید وفروخت کا معاملہ طے ہونے کے بعد عیب نکلنے کی وجہ سے بیع یا سودے کی منسوخی کا اختیار۔ اسی طرح خیار رویت (دیکھنے کے بعد پر معاملہ کی موقوفی) خیار شرط (شرط پر معاملہ کا معلق ہونا) اور تمام وہ صورتیں اور حالتیں جن میں تصرفات سے روک دیا جاتا ہے سب اسی پر مبنی ہیں اور خلل ونقصان کے اندیشہ ہی سے مذکور معاملات میں وسعت اور سہولت سے کام لیا گیا ہے تا کہ دونوں فریقین کو نقصان نہ ہو۔ شفعہ اور کراہیت کے ابواب، قصاص، حدود کفارہ اور تلف کر دینے کی صورت میں ضمان کے احکام اور وراثت وجائداد کی تقسیم کے معاملہ میں دونوں فریق کی رعایت وغیرہ سے متعلق قوانین حتی کہ حاکم اور قاضی کے تقرر

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

تک کے معاملہ کو فقہاء نے اس اصول کے ذیل میں شمار کیا ہے اور جزئیات وفروع کے بیان میں زیادہ سے زیادہ اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ نہ کوئی شخص کسی کو نقصان پہنچا سکے اور نہ خود نقصان اٹھائے۔

فقہاء نے اس طریقہ سے دراصل شریعت کو اس حدیث کے مطابق بنایا ہے:۔

ان هذا الدين متين فاوغلوا فيه برفق ولا تبغّضوا الیٰ انفسكم عبادة الله. (21)

''یہ دین نہایت مضبوط ہے اس میں نرمی سے ہاتھ ڈالو اور اللہ کی عبادت (قوانین کی تعمیل) کو اپنے لئے مبغوض و ناپسند نہ بناؤ''۔

4۔ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں:

الضرورات تُبيح المحظورات.

''ضرورت ممنوع یعنی حرام چیزوں کو مباح کر دیتی ہے''۔

یہاں مباح حکم تکلیفی کی آخری قسم ہے جس کا آپ پہلے باب ''حکم'' میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ مباح سے مراد جائز ہونا یعنی کچھ شرائط کے ساتھ حلال ہونا ہے۔

اس اصول سے فقہاء نے درج ذیل قسم کے مسائل نکالے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) انتہائی بھوک کی حالت میں جان بچانے کی غرض سے مردار اور دیگر حرام اشیاء کا بقدر ضرورت کھانا جائز ہے۔

(۲) حلق میں لقمہ پھنس جائے تو پانی اور دوسرے حلال مشروب نہ ہونے کی صورت میں زندگی بچانے کے لئے شراب جیسی چیز سے گلوخلاصی کی اجازت ہے۔

(۳) جبر و زبردستی کی حالت میں راہ رخصت کو اختیار کرتے ہوئے زندگی بچانے کے لئے زبان سے کلمہ کفر نکال دینا جائز ہے، بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو۔

(۴) اگر کوئی ایسا شخص کسی کا قرض ادا نہ کرتا ہو جس کے پاس مال موجود ہو تو قرض خواہ کے لئے مقروض کی اجازت کے بغیر قرض کی مقدار کے برابر مال لے لینا جائز ہے۔

(۵) حملہ آور کو ہر طریقہ سے ہٹانا جائز ہے، خواہ اس میں حملہ آور کے قتل تک نوبت آجائے یعنی اپنے دفاع کے لئے حملہ آور کا قتل جائز ہے حالانکہ عمومی طور پر قتل انسانی حرام ہے۔

5۔ضرورت کی بنا پر اباحت (جائز ہونا) بس ضرورت ہی کی مقدار ہو گی:

ما اُبيح للضرورة يتقدّر بقدرها.

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

''جو چیز ضرورت کی بنا پر مباح ہوگی اسی کی مقدار سے اسی کا اندازہ کیا جائے گا''۔

سابقہ قاعدہ میں بیان کردہ مباح کردہ حرام اشیاء صرف اُتنی مقدار میں جائز ہونگی جس سے زندگی بچ جائے جب وہ ضرورت ختم ہوگی تو وہ اشیاء دوبارہ حرام شمار ہونگی۔

چنانچہ مضطر (بھوک سے بے قرار) کو اس سے زیادہ حرام اشیاء کا استعمال جائز نہیں ہے جتنی سے اس کی جان بچ جائے۔

طبیب اور دائی کو بقدر ضرورت ستر دیکھنے کی اجازت ہے، زیادہ کی نہیں ہے۔

بلی کا تھوڑا سا پیشاب کپڑوں میں لگ جائے تو معاف ہے، برتن میں لگ جائے تو نہیں معاف ہے، کیونکہ عموماً برتن کو ڈھک کر رکھنے کی عادت ہوتی ہے اس لئے وہاں ضرورت نہیں ہے۔

6۔عذر کی بنا پر جو جواز ہوگا وہ عذر کے بعد ختم ہو جائے گا:

ماجَاز بِعُذر بَطَل بِزوالہ.

''جو شے عذر کی بنا پر جائز یا حلال ہے عذر کے زوال کے بعد اس کا جواز اور حلال ہونا ختم ہو جائے گا''۔

اس بنا پر تیمم وغیرہ کی اجازت جن صورتوں میں ہے ان کے زائل ہونے یعنی پانی کے میسر آجانے کے بعد یہ اجازت ختم ہوجائے گی یا اپنی جگہ دوسرے کو گواہ بنانے کی جو اجازت مرض اور سفر کی بناء پر ہے وہ ان مجبوریوں کے ختم ہونے کے بعد ختم ہو جائے گی اور اصل گواہ کی حاضری ضروری ہوگی۔(22)

7۔نقصان کو نقصان سے نہ دور کیا جائے:

الضَرر لا یُزال بالضَرر.

''ایک نقصان دوسرے نقصان سے دور نہیں کیا جائے گا''۔

(ا) مثلاً ایک انسان کی کو جان بچانے کی غرض سے دوسرے انسان کو ذبح کر کے اُس کا گوشت کھانا یا اُس کی کوئی اور چیز کھالینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں دوسرے انسان کی جان کا نقصان ہے۔

(ب) اپنے ماتحت وملازم کو اپنی کسی لالچ کی وجہ سے نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس کا نقصان ہوتا ہو۔

(ج) ایک شریک دوسرے شریک کو صرف اپنے نفع اور فائدہ کے لئے کسی ایسے کام پر مجبور نہیں کرسکتا جس سے اس کا حرج اور نقصان ہوتا ہو۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

8۔عام نقصان کی خاطر خاص نقصان برداشت کیا جائے:

يتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام.

''ضرر عام (اجتماعی نقصان) سے بچنے کے لئے ضرر خاص (انفرادی نقصان) کو برداشت کیا جائیگا''۔

جس طرح قومی و جماعتی مفاد کو ذاتی اور شخصی مفاد پر ترجیح حاصل ہے اور بڑی چیز کے حصول کے لئے چھوٹی چیز کو قربان کرنا جائز ہے (بشرطیکہ وہ شعائر کی پائمالی کا سبب نہ بنے) اس طرح عام نقصان کے دفعیہ کی غرض سے خاص نقصان کو نظر انداز کیا جائے گا۔

مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ساتھیوں کے انکار کے باوجود مکہ والوں کی منہ مانگی شرطیں منظور کر لی تھیں، جس سے اس اصول کی تائید ہوتی ہے کہ بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چیز کو نظر انداز کرنا چاہئے اور مستقبل کی مستقل تعمیر کے لئے حال کی وقتی چیزوں کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے۔

فقہاء نے اس اصول سے حسب ذیل مسائل نکالے ہیں:۔

(۱) دشمن مقابلہ کے وقت اگر اپنے ملک میں آباد قیدی مسلمان اور ان کے بچوں کو ڈھال بنا کر آگے کر دیں تو مسلم فوج کے لئے جائز ہے کہ وہ اسلام کی فتح اور دشمن کو شکست دینے کے لئے ان کی پروانہ کرے اور ان پر حملہ کر کے دشمن تک پہنچا جائے۔ اور اُن کی افواج کو شکست دی جائے۔

(۲) اگر کوئی دیوار یا درخت راستہ پر اِس طرح جھک جائے جس سے عام گزرنے والوں کو تکلیف اور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہو تو دیوار یا درخت کو راستہ سے ہٹا دینا یا اُن کی اصلاح ضروری ہے خواہ اس میں مالک کا نقصان ہی ہوتا ہو۔

(۳) جو قرضدار قید میں ہو تو قرض کی ادائیگی کے لئے اس کا مال بیچنا جائز ہے تا کہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

(۴) جب تاجر عمومی حیثیت سے صرف اپنے بے بہا اور ناجائز منافع کی خاطر چیزوں کی قیمت اتنی بڑھا دیں جس سے لوگوں کو تکلیف اور نقصان ہوتا ہو تو حکومت وقت کے لئے نرخ مقرر کر دینا جائز ہے اگرچہ اس میں تاجروں کا نقصان ہوتا ہو۔

(۵) اگر تاجروں نے اپنے یہاں غلہ اور دوسری چیزوں کا ذخیرہ کر لیا ہو جس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو حکومت کے لئے زبردستی اس پر قبضہ کر کے اس کو فروخت کرانا جائز ہے۔(23)

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

9۔ بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان کے ذریعہ دور کیا جائے:

اعظم ضرراً یُزال بالاخَف.

''دونقصان میں چھوٹے کے ذریعے بڑے نقصان کو دور کیا جائے''۔

(۱) مثلاً قرضدار مال دار ہے اور قرض ادانہیں کرتا یا اور کوئی شخص جس کے ذمہ دوسروں کے ضروری اخراجات (نفقہ) ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کو قید کرنا جائز ہے، کیونکہ قرض نہ ادا کرنے اور خرچ نہ دینے سے دوسروں کا جونقصان ہوتا ہے قیداس کے مقابلہ میں کمتر ہے۔

(۲) یا مثلاً کسی شخص نے لکڑی، کڑی، گاڈر، ٹی آئرن، فولاد وغیرہ غصب کر کے اپنی عمارت میں لگالی ہوتو اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہے اور اس سامان کے نکالنے میں زیادہ نقصان ہوتا ہے تو عمارت توڑ کر اس کا حوالہ کرنا ضروری نہ ہوگا بلکہ لکڑی کی قیمت ادا کرنے کے بعد وہ اس کا مالک ہو جائے گا، البتہ اگر لکڑی کی قیمت زیادہ ہے تو مالک کا حق بدستور قائم رہے گا۔

(۳) اگر زمین غصب کر کے عمارت تعمیر کر لی جائے تو دیکھا جائے گا کہ اگر زمین کی قیمت زیادہ ہے اور عمارت کی قیمت کم ہے تو زمین کے مالک سے عمارت کی قیمت ادا کروا کے وہ عمارت اور زمین مالک کو واپس دلائی جائے گی اور اگر عمارت زیادہ قیمتی ہے تو زمین کے مالک کو صرف زمین کی قیمت دلائی جائے گی۔

(۴) اگر مرغی نے کوئی چیز نگل لی یا گائے نے سونے تانبے یا چاندی کے برتن میں سرڈال دیا اور وہ اب اس میں پھنس گئی تو اگر گائے کی قیمت زیادہ ہے تو برتن کو توڑ کر اُس کا سر نکالا جائے گا اور اگر برتن کی قیمت زیادہ ہے تو گائے کو ذبح کر کے برتن بچایا جائے گا اور پھر دونوں فریق ایک دوسرے کا نقصان پورا کریں گے۔

(۵) اس اصول کے مطابق اگر مردہ ماں کے پیٹ میں زندہ بچہ کا یقین ہوتو پیٹ چاک کر کے اس کا نکالنا جائز ہے۔(24)

10۔ جب دوخرابیوں کا ٹکراؤ ہوتو ہلکی خرابی کو قبول کرلیا جائے:

اذا تعارض مفسدتان رُوعی اعظمھا ضررا بار تکاب اخفھا.

''جب دوخرابیوں کا مقابلہ ہوتو بڑی خرابی سے بچنے کے لے چھوٹی خرابی کا ارتکاب کرلیا جائے گا''۔

Marfat.com

یہ شریعت اسلامیہ کا اصول ہے کہ مسجد جب بن جائے تو اُسے گرایا یا اُس کی جگہ کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا صرف فقہ شافعیہ میں مسجد کو مجبوری کے باعث ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اس اصول کی رسول اکرم ﷺ نے مدینہ میں منافقین کی تعمیر کردہ مسجد ضرار پر تطبیق نہیں کی بلکہ اُس کو فوراً منہدم کر دیا کیونکہ اُس مسجد کا باقی رہنا اسلامی انقلاب کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ تھا اور وہ بڑی برائی تھی اور اس صورت حال میں مسجد کو گرانا چھوٹی برائی تھی۔ (25)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلاً حرام اور ضرر رسان چیز کا ارتکاب ممنوع ہے، لیکن خاص حالات میں ضرورت کی بناء پر جائز ہے، اس لئے ضرورت سے زیادہ کی اجازت نہ ہوگی۔ یعنی اگر کسی وقت ایسی صورت پیدا ہو کہ سامنے صرف دو برائیاں ہی ہوں تو چھوٹی برائی کو اختیار کر لیا جائے گا اور بڑی بُرائی کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کو ''اَھْوَنُ الْبَلِیَّات'' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

(۱) مثلاً ایک شخص کے جسم پر ایسا زخم ہے کہ سجدہ میں جانے سے بہنے لگتا ہے اور اسی طرح نہیں بہتا تو ایسے شخص کو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ زخم کے بہنے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا بے وضو نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر باوضو پڑھے۔ بے وضو کے مقابلہ میں ترک سجدہ زیادہ آسان ہے اور اس کی نظیر موجود ہے کہ سواری کے جانور کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے نوافل پڑھنا اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنا جائز ہے، اور بے وضوء پڑھنے کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

(۲) جو بوڑھا شخص کھڑے ہو کر قرأت کی طاقت نہیں رکھتا لیکن بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے تو بیٹھ کر قرأت کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی اور قرأت چھوڑنا جائز نہ ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں اس کے خلاف عمل کرنے سے نماز نہ ہوگی۔

(۳) اگر دو کپڑے ہیں لیکن دونوں میں اتنی نجاست لگی ہوئی ہے کہ اِن دونوں کپڑوں کو پہن کر نماز ادا کرنا جائز نہیں تو نماز چھوڑنا بڑی بُرائی ہے اور حرام ہے۔ اس لئے جس کپڑے پر گندگی اور نجاست کم لگی ہو اس میں نماز پڑھی جائے گی کیونکہ مجبوری کے تحت کم گندگی والے سے نماز پڑھنا چھوٹی برائی ہے۔

11۔ مفاسد (نقصان) دور کرنا مصالح (فائدہ) حاصل کرنے سے زیادہ مقدم ہے:

دراء المفاسد اولی من جلب المصالح. (26)

''مصالح حاصل کرنے سے زیادہ مقدس مفاسد (نقصان) دفع کرنا ہے''۔

یعنی اگر مسئلہ کے حل میں نفع بھی ہو رہا ہو اور نقصان بھی ہو رہا ہو تو نقصان دور کرنے کو نفع حاصل

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

کرنے پر ترجیح دی جائے گی۔

(۱) اگر والدین یعنی ماں اور باپ میں ایک والدہ (یہودی یا عیسائی) اور والد مجوسی ہو تو بچہ اہل کتاب میں سے سمجھا جائے گا، حالانکہ قاعدے کے مطابق اسکو مجوسی قرار دینا چاہیے۔ یہ اس لئے کہ دوسرے اصول کے مطابق بچہ "خیر الابوین" (والدین میں مذہبی لحاظ سے جو اچھا ہو) کے تابع ہوتا ہے ایسی صورت میں بچہ کا ذبیحہ درست ہوگا اور مسلم سے اس کا نکاح جائز ہوگا۔

(۲) اگر بکری نے شراب پی پھر اس کو ذبح کیا گیا تو وہ حلال ہے، اسی طرح اگر اس کو حرام چارہ دیا گیا تب بھی اس کا دودھ اور گوشت حرام نہ ہوگا، گو تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔ لیکن اس میں مالک کے لئے نقصان ہے اس لئے نقصان کو دور کیا جائے گا۔ اگر بکری کو حرام قرار دے دیا جائے تو اس میں شریعت کا فائدہ ہے۔

(۳) اگر کسی شخص کی حرام اور حلال دونوں قسم کی آمدنیاں ہیں، اگر حلال آمدنی زیادہ ہے تو ایسے شخص کا ہدیہ اور اس کی دعوت قبول کرنا جائز ہے اور اگر حرام آمدنی زیادہ ہے تو ناجائز ہے اور اگر متعین طور سے پہلی صورت میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدیہ اور دعوت کا کھانا حرام آمدنی سے ہے تو قطعاً ناجائز ہے۔ گویا کہ اگر کسی سطح پر بھی کوئی صورت فائدہ کی نکل سکتی ہے تو اُس کو اختیار کر کے نقصان کو دور کیا جائے گا۔

(۴) اگر کسی دوکان پر حرام اور حلال دونوں طرح سے حاصل کیا ہوا مال رہتا ہے تو جب تک حرام کی تعیین نہ ہو خرید و فروخت کرنا جائز ہے۔

(۵) اگر ایک معاملہ میں حرام و حلال دونوں طرح کا معاملہ کیا تو حلال جائز ہوگا اور حرام ناجائز ہوگا۔ ان سب صورتوں کو ضرورت اور مصلحت کی بنا پر مذکورہ اصول کے ذریعہ مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ (27)

12۔ احتیاج ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے:

الحاجة تنزل منزل الضرورة عامة او خاصة.

"احتیاج ضرورت کے قائم مقام بن جاتی ہے چاہے وہ عام ہو یا خاص یعنی انفرادی ہو یا اجتماعی ہو"۔

احتیاج اور ضرورت کی بناء پر اُن مختلف عقود اور معاہدہ جات کی اجازت دی جاتی ہے جو شرعاً حرام ہیں۔ مثلاً بیع سلم اور صناع (اہل پیشہ) سے معاملہ میں اگرچہ شے یعنی جو چیز بیچی جائے وہ موجود نہیں ہوتی لیکن اس اصول کے مطابق وہ جائز ہیں۔ اسی طرح انتہائی حاجت مند کو جب بلا سودی قرض نہ مل سکے تو

Marfat.com

کراھۃً بامر مجبوری زندگی باقی رکھنے کی حد تک سودی قرض لینا جائز ہے۔ جس طرح آپ قاعدہ نمبر۴ میں پڑھ چکے ہیں کہ ضرورت حرام کو مباح قرار دیتی ہے۔

اسی طرح روز مرہ کے وہ حوائج وحاجات جن میں اگر شرعی احکام کی مکمل پابندی کی جائے تو وہ ضروریات مکمل نہ ہوسکیں اسی باب میں آئیں گی۔

مثلاً آپ لکڑی والے کے پاس جا کر اُسے ایک خاص قسم کے پلنگ یا چارپائی کا آرڈر دیتے ہیں۔ وہ آپ کی بات سمجھ کر آپ سے سودا اور اُس پلنگ کی قیمت طے کرتا ہے اور آپ اُسے ایڈوانس بھی کچھ رقم دے دیتے ہیں۔

اب شرعی اصول یہ ہے کہ سودا اُس چیز کا کریں جو سامنے موجود ہو اور آپ اُس کی جانچ پرکھ کر کے اُس کا سودا طے کریں اور اُس کی قیمت ادا کر کے اپنے قبضہ میں لے لیں۔ اب اس جگہ آپ ایک ایسی پلنگ یا چارپائی کا سودا کر رہے ہیں جو موجود بھی نہیں اور اُس کا صرف نقشہ آپ کے ذہن میں ہے جس سے آپ نے لکڑی والے کو آگاہ کیا ہے اور اُس نے اُس چیز کے موجودگی میں نہیں بلکہ صرف ذہنی وجود پر آپ سے سودا کر لیا اور آپ نے ایڈوانس بھی ادا کر دیا۔ اب اس قسم کا سودا اسلامی شریعت کی روشنی میں جائز نہیں۔ لیکن روزانہ کی ضروریات، فریقین کی باہمی رضامندی اور روزمرہ کی حوائج وضروریات کی وجہ سے شریعت نے اجازت دی ہے کہ یہ بھی قاعدہ نمبر۴ کے ماتحت آئیں گی اور جائز ہوگی۔

13۔ حلال اور حرام کے جمع ہونے کی صورت میں حرام کو غلبہ ہوگا:

ما اجتمع الحلال والحرام الاغلب الحرام.

''حلال اور حرام کے اجتماع کی صورت میں حرام ہی کو غلبہ ہوگا''۔

(۱) مثلاً جانور کو ذبح کرتے وقت چھری مسلمان کے ہاتھ میں ہے لیکن غیر مسلم نے جبراً مسلمان کا ہاتھ پکڑ کر چھری چلادی اور مسلمان ہاتھ ہی چھڑا تارہ گیا اور تکبیر وغیرہ دل تک میں بھی نہ پڑھ سکا تو ایسا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

(۲) اگر مردار کی چربی تیل کے ساتھ مل جائے تو ایسے تیل کا استعمال جائز نہیں ہے، البتہ شدید ضرورت کی صورت میں جائز ہے۔

(۳) اگر گائے کا دودھ گدھی یا کسی اور حرام جانور کے دودھ میں مل جائے تو اس کا استعمال درست نہیں ہے۔ اس طرح اگر پاک پانی کے بڑے ٹینک میں ایک یا نصف بالٹی گندے گٹر کا پانی گر جائے تو سارا پانی

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

ناپاک ہو جائے گا۔

(۴) اگر کتے کے اختلاط سے بکری کے بچہ پیدا ہوا تو وہ حلال نہیں۔

(۵) گدھا اور گھوڑا سے مل کر خچر پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی حلال نہیں ہے۔

(۶) اہلی (پالتو) اور وحشی جانوروں سے مل کا جو جانور پیدا ہو کر اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔(28)

14۔ وسعت میں تنگی اور تنگی میں وسعت سے کام لیا جائے:

اذا ضاق الامر اتسع و اذا اتسع ضاق.

''جب کسی حکم کا دائرہ تنگ ہو جائے تو اس میں وسعت ہوتی ہے اور جب وسیع ہو جائے تو تنگ ہو جاتا ہے''۔

معاشرتی زندگی کے حالات اور قوانین پر عمل درآمد میں بڑی باریک بینی کی ضرورت ہوتی ہے کہ رجحانات و خیالات کا دھارا کدھر جاتا ہے، اور کن کن چیزوں پر اثر انداز ہوتا ہے نیز عملی زندگی میں کون کون سی حدیں اس سے متاثر ہوتی ہیں، ان سب سے پوری واقفیت کے بغیر زندگی میں عدل و توازن پیدا کرنے والے احکام مقرر کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے مجتہد کی شرائط میں ایک شرط حالات پر گہری نظر اور مکمل واقفیت رکھنا بھی ہے۔

جب کسی پہلو کی جانب سے عمومی میلان بڑھ جاتا ہے اور دوسرے پہلو اس کی وجہ سے کمزور ہوتے جاتے ہیں تو توازن پیدا کرنے کے لئے ایسی بندشوں اور پابندیوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ دونوں پہلو اپنی حد میں رہیں اور کوئی پہلو کمزور نہ ہونے پائے نیز ایسے احکام و قوانین پر زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے، جو کمزور پہلو کو اس کے مناسب مقام پر لاسکیں اور جب یہ صورت بدل کر برعکس ہو جائے تو پھر اس کی مناسبت سے احکام و قوانین میں بھی تبدیلی کی جائے۔

جس طرح شریعت میں ایک عورت سے نکاح مستحسن ہے اور ایک سے زیادہ سے نکاح ضرورت کے تحت جائز ہے لیکن اگر کسی غیر مسلم ملک میں علماء یا مجتہدین کی طرف سے مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کے لئے تمام مردوں کو ایک سے زیادہ نکاح کا حکم دیا جائے تو یہ بھی مستحسن ہوگا۔ دوسری صورت میں اگر کسی اسلامی ملک میں یہ صورت نہ ہو اور دوسرے نکاح سے فساد پھیلنے کا خطرہ ہو تو دوسرے نکاح کو مستحسن اقدام قرار نہ دینا اس کلیہ کے مطابق حکم کی بجا آوری ہے۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

15۔ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہے:

الولاية الخاصة اقوى من الولاية العامة.

''ولایت خاصہ ولایت عامہ سے زیادہ قوی ہے''۔

اسلامی شریعت کی رو سے خلیفہ، امیر المومنین یا نیک حاکم ساری رعایا کا سرپرست اور ولی ہوتا ہے۔ اس کو ولایت عامہ کہتے ہیں۔

حکومت کو عمومی حیثیت سے ولایت اور انتظام کا حق حاصل ہے لیکن جن لوگوں کو خصوصی حیثیت سے یہ حق حاصل ہے مثلاً باپ کو اولاد پر یا یتیم کے سرپرست کو یتیم پر تو انہیں حکومت پر ترجیح ہوگی، خواہ وہ لوگ حکومت ہی کی جانب سے مقرر کیے گئے ہوں ،البتہ جن صورتوں میں انتظام ان کے بس سے باہر ہو جائے یا ان کی نااہلی اور بدانتظامی کا ثبوت فراہم ہو جائے تو حکومت انہیں بے دخل یا اور کوئی مناسب انتظام کرسکتی ہے۔

اسی بناء پر فقہاء نے کہا ہے:۔

لا يملك القاضى التصرف فى مال اليتيم مع وجود وصية ولو كان منصوبه.(29)

''وصی کے ہوتے ہوئے قاضی (حاکم) یتیم کے مال میں تصرف کا اختیار نہیں رکھتا اگرچہ یہ لوگ اسی کے مقرر کیے ہوں''۔

ان کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس کلیہ سے نکالے گئے ہیں، مثلاً:۔

(۱) ولی کی موجودگی میں قاضی یا حاکم یتیم اور یتیمہ کا نکاح نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حاکم یا قاضی تو تمام باشندوں کے سرپرست اور ولی ہیں اور اُن کی ولایت عامہ ہے لیکن حقیقی ولی یعنی والد، دادا، چچا وغیرہ کی ولایت خاصہ ہے لہٰذہ خاص ولی کو عام ولی پر فوقیت حاصل ہوگی۔

(۲) مقتول کے ولی کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص (جان کے بدلے جان) لے، صلح کر لے یا معاف کر دے لیکن حاکم کو معافی دینے کا اختیار نہیں ہے۔

(۳) حکومت کو اسی وقت ولایت نکاح حاصل ہوگی جب کہ ولی موجود نہ ہو یا ولی کی خیانت ثابت ہو جائے (یعنی وہ مال و جائیداد کی طمع میں لڑکے اور لڑکیوں کا مفاد نظر انداز کر کے غیر مناسب جگہ شادی کرنے کے لئے آمادہ ہوں) تو بے شک ایسی صورت میں ولی کی ولایت باطل ہو جائے گی۔

Marfat.com

16۔کام مقاصد کے لحاظ سے دیکھے جاتے ہیں:

الاُمور بمقاصدھا. ''کاموں کا اعتبار ان کے مقاصد کے لحاظ سے ہوتا ہے''

یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں اور ارادوں پر ہے۔

فقہاء نے اس اصول سے حسب ذیل قسم مسائل نکالے ہیں:

(۱) انگور وغیرہ کا شیرہ حاصل کرنے کی نیت یا ارادہ شراب کے لئے نہ ہو بلکہ تجارت اور سرکہ بنانے لئے ہو تو جائز ہے۔

(۲) کسی سے تین دن تک قطع تعلق جائز نہیں ہے، لیکن اگر مقصود قطع تعلق نہ ہو بلکہ اُس کی اصلاح یا اُسے کوئی جائز سبق سکھانا ہو تو تین دن سے زیادہ میں حرج نہیں ہے۔

(۳) شوہر کے علاوہ اور کسی کے لئے عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں لیکن اگر سوگ مقصد نہ ہو تو ترک زینت (سوگ کی شکل) وغیرہ میں تین دن سے زائد میں حرج نہیں ہے۔

17۔یقین شک سے نہیں زائل ہوتا:

الیقین لا یزول بالشك۔ ''یقین شک سے نہیں زائل ہوتا ہے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا وجد أحدکم فی بطنه فاشکل علیه اخرج منه شئی ام لا فلا یخرجن من المسجد حی یسمع صوتا اویجد ریحا.(30)

اور جب کسی کے پیٹ میں قراقر ہو اور یہ پتہ نہ چل سکے کہ وضو و نماز کی توڑنے والی کوئی چیز پائی گئی ہے یا نہیں تو جب تک یقین نہ ہو جائے اس پر عمل نہ کرے اور بدستور وضوء و نماز پر قائم رہے''۔

کیونکہ پہلے کی حالت پر یقین اور درمیان میں پیش آنے والی حالت میں تذبذب اور شک ہے۔اس بنا پر یقینی حالت کو شک کی وجہ سے ختم کرنے کا حکم نہیں ہے۔

لا ن الشك الطاری لا یرفع حکم الیقین المسابق.

''بعد میں پیش آنے والا شک پہلے کے یقین کے حکم کو نہیں ختم کرتا''۔

مثلاً جس ناپاک کپڑے میں نجاست کا پتہ نہ چل سکے کہ کس جگہ نجاست لگی ہوئی ہے اور پورا کپڑا دھونا دشوار ہو تو ایسی حالت میں اندازہ سے جس جگہ نجاست کا زیادہ رجحان پایا جائے وہ جگہ دھولی جائے تو کپڑا

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

پاک ہو جائے گا، اس لئے کہ اصل طہارت ہے، نجاست درمیانی عارض ہے۔ جب ایک جگہ اندازہ سے دھولیا تو اصل حکم طہارت کا اپنی جگہ بدستور قائم ہو جائے گا لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ پورا کپڑا دھوڈالے۔ فقہاء نے کئی مسائل کو مذکورہ اصول سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جن کی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی۔

اس کے قریب یہ اصول بھی ہے:۔

18۔ جو حالت پہلے تھی اس کو باقی رہنے دینا اصل ہے

الا صل بقاء ما کان علی ما کان۔ ''جو حالت پہلے تھی اسی کو باقی رہنے دینا اصل ہے''۔

مثلاً کسی شخص کو طہارت کا یقین ہے لیکن اپنے ناپاک ہونے میں شک ہے تو طاہر مانا جائے گا، اسی طرح ناپاکی کا یقین ہے اور طہارت میں شک ہے تو وہ غیر طاہر ہوگا کیونکہ اصل پہلی کی حالت ہے اسی کو حتی الامکان باقی رکھا جائے گا۔

اسی اصول پر راستہ کی مٹی اور کیچڑ وغیرہ کے پاک ہونے کا حکم ہوگا جب تک اس کے خلاف دلیل یا رجحان کا غلبہ نہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر گلی، راستہ یا سڑک پر کیچڑ، مٹی یا پانی پڑا ہے اور وہ آپ کے کپڑوں کو لگ گیا ہے تو کپڑے ناپاک نہیں ہونگے اُن سے نماز جائز ہے

نیز ''گھڑی نہ ہونے یا وقت کا اندازہ نہ ہونے کی صورت میں آخری رات میں اس لئے سحری کھائی کہ صبح صادق کے طلوع ہونے میں شک تھا تو روزہ صحیح ہوگا، کیونکہ اصل ما قبل حالت (رات) کا باقی رہنا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ایسی حالت میں سحری نہ کھائے خصوصاً جب کہ ابر ہو یا چاندنی رات کی وجہ سے پتہ نہ چل سکے۔ اس کے برخلاف اگر آفتاب کے غروب ہونے میں شک ہو تو افطار کا حکم نہ ہوگا کہ اس صورت میں اصل دن کا باقی رہنا ہے۔ (31)

19۔ تمام اشیاء میں اصل اباحت (اُن کا جائز ہونا) ہے

الاصل فی الاشیاء الاء باحة۔ ''اشیاء میں اصل اباحت ہے''۔

اس اصول کا تعلق انسانی زندگی کے صرف ان امور اور اشیاء سے ہے جن کے بارہ میں شریعت میں کوئی وضاحت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

الحلال بیّن و الحرام بین. (32)

''حلال کا حکم ظاہر ہے اور حرام کا حکم ظاہر ہے''۔

و بینهما امور مشتبهات.

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

''ان دونوں کے درمیان کچھ امور ایسے ہیں جو مشتبہ ہیں (جن کا حکم ظاہر نہیں ہے)''

اس لئے جن امور کے بارہ میں حلال اور حرام کی تصریح موجود ہے ان میں اشتباہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، البتہ جن کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ موجود نہ ہو اور قوی دلیل کی بنا پر کسی ایک سمت کو ترجیح نہ حاصل ہو سکے، ایسی صورت میں مذکور اصل سے کام لے کر اس کی اباحت یعنی مباح اور جائز ہونے کا حکم دیں گے۔

مثلاً آپ جنگل میں پھر رہے ہیں وہاں پھلوں کے درخت ہیں، عمومی طور پر جنگل کسی خاص انسان کی ملکیت نہیں ہوتا تو وہ پھل آپ کے لئے حلال ہیں انہیں کھائیں، توڑ کر گھر لے آئیں اور انہیں فروخت کریں۔ اسی طرح پہاڑی علاقہ میں آپ کو سونا ملتا ہے اور اُس کے اردگرد سیکڑوں میل تک انسانی آبادی کے آثار نہیں اور نہ ہی اُس کا کوئی مالک ہے تو آپ کے لئے حلال ہے۔

20۔ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں:

الحدود تندری بالشبھات. حدیں (مقرر سزائیں) شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ادرئو الحدد و القتل عن عباد اللہ ما اسطعتم. (33)

''مقررہ سزاؤں اور قتل سے جہاں تک ہو سکے اللہ کے بندوں کو بچاؤ''۔

ایک اور روایت ہے:۔

ادرئو الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان و جدتم للمسلم مخرجا فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبہ. (34)

''جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد یعنی مقررہ سزاؤں سے بچاؤ اگر گنجائش نکل سکتی ہے (یعنی پورا ثبوت نہیں ملتا یا ثبوت میں کوئی شک ہے تو چھوڑ دو) اس لئے کہ حاکم کا معافی میں غلطی کر کے اللہ کے دربار میں حاضر ہونا، سزا میں غلطی کر کے حاضر ہونے سے کہیں بہتر ہے''۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ ان حدیثوں کا محل وہی صورتیں ہیں یعنی اِن کا اطلاق اُن واقعات اور مقدمات میں ہو گا جن میں جرم کے ثبوت میں شبہ پایا جائے۔ پھر ''حدود'' شریعت میں ایک اصطلاحی لفظ ہے جو خاص جرائم اور خاص سزاؤں کے لئے مخصوص ہے مزید اِن سزاؤں کی مقدار شارع کی جانب سے مقرر ہے۔ ورنہ جن صورتوں میں شبہ کی گنجائش نہ ہو گی اور قاعدہ کے مطابق ثبوت موجود ہو گا یا وہ سزائیں حدود سے نیچے درجہ (تعزیر) کے ذیل میں آنے والی ہوں گی وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ اور مذکور بالا حدیثوں میں داخل نہیں ہوں

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

گی۔ بسا اوقات امن و امان برقرار رکھنے یا کسی مفاد و مصلحت عامہ کے پیش نظر تنبیہہ و سرزنش کے طور پر مختلف قسم کی سزائیں دینے پر حکومت مجبور ہوتی ہے۔ اگر انہیں بھی مذکور بالا کلیہ میں داخل کیا جائے گا تو نظام درہم برہم ہو جائے گا اور اخلاق و کردار پر مواخذہ کی کوئی شکل ہی نہ باقی رہے گی۔ اس بنا پر احتیاط کے باوجود اس میں وسعت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ (35)

21۔ فائدہ ضمان کے بدلہ ہے:

الخراج با لضمان. ''فائدہ ضمان کے بدلہ ہے''۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی ہے جو مختلف طریق سے مروی ہے۔ ''خراج'' کی تعریف یہ ہے۔

کل ما خرج من شئی فھو خراجه فخراج الشجر ثمره، خراج الحیوان لبنه و نسله. (36)

''ہر وہ فائدہ جو کسی شے سے حاصل ہو وہ اس کا خراج (فائدہ) ہے۔ درخت کا خراج اس کا پھل ہے، جانوروں کا خراج دودھ اور نسل وغیرہ ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ منافع کا مستحق وہ ہو گا جو اُس شے کا ضامن اور مالک ہو گا۔ یعنی جو شخص کسی چیز کے اخراجات کی ذمہ داری لے گا وہی اُس کے منافع کا حق دار ہو گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً خرید وفروخت کا معاملہ مکمل ہونے کے بعد خریدار نے مبیع (خریدی ہوئی شے) پر قبضہ کر لیا اور اس کے ذریعہ کچھ آمدنی بھی ہو گئی یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوا پھر کسی سابقہ عیب کی وجہ سے وہ شے واپس کرنی پڑی تو اس فائدہ اور آمدنی کا مالک خریدار ہو گا جس طرح گائے خریدی اور ایک ہفتہ کے بعد اُس میں عیب ظاہر ہو گیا جس کی وجہ سے سودا منسوخ ہو گیا اور گائے واپس سابقہ مالک کو مل گئی۔ اب اس ہفتہ میں اُس کے دودھ، گوبر اور دوسرے منافع کا حق دار خریدار ہو گا کیونکہ اُس نے اِس دوران اُس کو چارہ ڈالا ہے اور اُس کی مزید خدمت بھی کی ہے مزید کیونکہ جس وقت یہ نفع حاصل ہوا ہے وہ شے کا مالک تھا اور شے اس کے ضمان میں تھی، البتہ اس نفع کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصل شے سے جدا ہو اور اس سے پیدا نہ ہوا ہو (جیسا کہ حمل کی صورت میں بچہ پیدا ہو) ورنہ اصل قیمت میں داخل قرار پائے گا اور شے کی واپسی کے ساتھ اس نفع کا واپس کرنا بھی ضروری ہو گا۔

22۔ جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے:۔

ما حَرم اَخذہ حَرم اِعطائه. ''جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے''۔

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

جیسے سود، کہانت کی اجرت اور رشوت وغیرہ۔ چند صورتیں اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں:۔

(۱) اگر فاقہ کی نوبت ہو اور سودی قرض لینے کے علاوہ اور کوئی صورت نہ ہو تو راہ رخصت کے طور پر بقدر ضرورت اپنی اور اہل و عیال کی زندگی بچانے کے لئے کراہتاً سود پر قرض لینا جائز ہے۔

(۲) اگر جان اور مال کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو رشوت دے کر جان اور مال کا بچا لینا جائز ہے۔

(۳) بلاقصور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہوں تو رشوت دے کر گلو خلاصی راہ رخصت کے طور پر جائز ہے۔

(۴) مال کا منتظم اور وصی مال کو غصب (چھیننا) اور ظالمانہ قبضہ سے بچانے کے لئے رشوت دے سکتا ہے۔

نوٹ: ان تمام صورتوں میں راہ عزیمت یہ ہے کہ مصائب پر صبر کرے اور رشوت دینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ دین راہ عزیمت اور راہ رخصت کے درمیان ہے۔ ان تمام صورتوں میں مجبور شخص اِن امور کو حرام تصور کرتے ہوئے بقدر ضرورت اختیار کرسکتا ہے۔

23۔ عادت فیصلہ کرنے والی ہے۔

العَادَةُ مُحكمة. عادت حَکَم (فیصلہ کرنے والی بنائی گئی ہے۔)

اس سے مراد یہ ہے کہ مختلف علاقوں میں مسائل حل کرنے اور آپس کے معاملات میں خاص طریقے مروج ہوتے ہیں۔ اُن تمام علاقوں میں اُن طریقوں اور ان کی عادتوں کے مطابق فیصلہ ہونگے۔ ایک علاقہ کے طریقوں کو دوسرے علاقہ پر نافذ نہیں کیا جائے گا اور ہر علاقہ کے فیصلے ان کی عادت کے مطابق ہوں گے جس طرح مقاصد کی تعبیر میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ملک کے باشندے اپنے مقصد کی تعبیر کسی طرح کرتے ہیں اور دوسرے ملک والے دوسری طرح۔ ایسی صورت میں جہاں جیسے عادت ہوگی اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، مثلاً طلاق کے باب میں صریح اور غیر صریح الفاظ میں اختلاف ہوتا ہے۔ کہیں ایک لفظ طلاق صریح کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن دوسری جگہ وہی لفظ طلاق کنایہ میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک جگہ کا استعمال اگر دوسری جگہ والوں پر مسلط کیا جائے گا تو تنگی و دشواری پیش آئے گی۔ اس طرح معاملات کی تعبیر میں مقامات کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے۔ قسم (یمین) کے باب میں بھی یہ تفاوت ظاہر ہوتا ہے۔ اگر ان کے تصفیے میں عرف و رواج کا لحاظ نہ کیا جائے تو الٰہی حکمت کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور نظام چلانا دشوار ہو جائے گا۔

مختلف پیشہ والوں کی اصطلاحیں اپنے اپنے پیشہ کے معاملات میں مختلف ہوتی ہیں اس لئے ہر پیشہ

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

والے کی عادت ررواج کے مطابق اس کا فیصلہ کرنا ہوگا۔

معاملہ میں مختلف جگہوں کا طرزِ عمل مختلف ہوتا ہے۔مثلاً نکاح میں کہیں مہر معجّل رائج ہوتا ہے اور کہیں مؤجل، یا خرید وفروخت میں بعض صورتوں میں کسی جگہ نقد کا رواج ہوتا ہے اور بعض جگہ اس کی مدت مقرر ہوتی ہے جس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔اس قسم کی تمام صورت میں رواج و دستور کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

انسان کی جسمانی نشوونما میں مختلف چیزوں کا اثر پڑتا ہے۔آب و ہوا، گرمی، سردی، خوراک، گھر اور باہر کا ماحول وغیرہ اس بنا پر حالات ومقامات کے لحاظ سے بلوغ کی مدت میں اختلاف ہوتا ہے۔شریعت نے اس کی جو علامتیں مقرر کر دی ہیں ان کے ظاہر ہونے کے بعد اس کے فیصلہ میں زیادہ دشواری نہیں رہتی ہے البتہ علامتیں ظاہر نہ ہونے کی صورت میں سن اور سال کے لحاظ سے مدت مقرر کرنے میں مذکوہ بالا تمام چیزوں پر نظر رکھنا ضروری ہوگا۔حالات ومقامات میں اختلاف کے لحاظ سے بلوغ کی مدت کی تعیین میں بھی اختلاف ہونا لازمی ہے اور اسی اختلاف پر وہ تمام مسائل مبنی ہوں گے جن کا تعلق بلوغ اور عدم بلوغ سے ہے۔(37)

24۔ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا:

الاجتهاد لا یُنقَض بالا جتهاد. ''ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا ہے''۔

مثلاً ایک مرتبہ کسی مجتہد نے اجتہاد سے کوئی حکم دیا اور دوسرے مجتہد نے اجتہاد کرتے ہوئے اُس مسئلہ میں اس کے خلاف حکم دیا تو اس دوسرے حکم سے پہلا حکم نہ ٹوٹے گا، بلکہ پہلا اجتہاد اپنی جگہ باقی رہے گا اور دوسرا اپنی جگہ پر۔یہ اس لئے کہ حالات ومصالح بدلتے رہتے ہیں، ممکن ہے پہلے حکم کے وقت مصالح کچھ رہے ہوں اور اب وہ مصالح بدل گئے ہوں۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے بعض مسائل میں اجتہاد سے حضرت ابو بکرؓ کے حکم کے خلاف فیصلہ کیا لیکن ان کے حکم کو باطل نہیں ٹھہرایا۔

اس اصول سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی رائے اور اجتہاد سے قبلہ سمجھ کر ایک جانب رخ کر کے نماز پڑھی پھر اُسی نماز کے دوران ہی اسکی رائے بدل گئی اور دوسری رکعت دوسری جانب پڑھی پھر تیسری اور چوتھی میں بھی اس طرح رائے بدل کر مختلف جانب پڑھی حتی کہ چار رکعت چار جانب ہوئیں جب بھی نماز ہو جائے گی کیونکہ دوسری رائے اور اجتہاد کو بنا پر پہلی رائے اور اجتہاد کی باطل نہ قرار دیا جائے گا۔(38)

Marfat.com

25۔خاموش کی طرف کسی بات کی نسبت نہ ہوگی:

لا ينسب الى ساكت قول.

''خاموش کی طرف کسی بات کی نسبت نہیں کی جائے گی یعنی معاملات یا روز مرہ کے امور میں کسی خاموش انسان کی طرف کوئی بات منسوب نہیں کی جائے گی۔''

(۱) اگر مالک کسی غیر شخص کو اپنے مال میں تصرف کرتا ہوا دیکھے اور خاموش رہے تو یہ خاموشی اجازت پر محمول نہیں ہوگی اور یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ یہ شخص اس کی طرف سے وکیل ہے جس کی بناء پر وہ دیکھ کر خاموش ہوگیا ہے۔ بلکہ تصرف کرنے والا غاصب شمار ہوگا۔

(۲) حاکم کسی بچہ یا ایسے شخص کو جس کو مال میں تصرف (خرید وفروخت وغیرہ) کی اجازت نہیں ہے، خرید و فروخت کرتا ہوا دیکھے اور خاموش رہے تو یہ خاموشی حاکم کی طرف سے اجازت نہ سمجھی جائے گی۔وغیرہ۔

Marfat.com

حوالہ جات:

چوتھا باب (فصل دوم)

قواعد فقیہ (قواعدِ کلیہ)

(Shariah Legal Maxums)

''اسلامی اصولِ فقہ'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی)

(1) عبدالعزیز احمد عزام۔ القواعد الفقہیہ۔ قاہرہ۔ دارالحدیث۔ 12/2005

(2) علی حسب اللہ۔ اصول التشریع الاسلامی۔ 269,257

(3) عبدالعزیز عزام۔ القواعد الفقہیہ۔ قاہرہ۔ دارالحدیث۔ 12/2005

(4) افریقی ابن منظور۔ لسان العرب۔ تفصیل باب۔ قعد

(5) الزرقا مصطفیٰ احمد۔ الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید۔ دمشق۔ مطبعہ الحیاۃ:۔ 946/2-1963

(6) عبدالعزیز احمد عزام۔ القواعد الفقہیہ۔ قاہرہ۔ دارالحدیث۔ 12/2005

(7) مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ 1

(8) یوسف آصاف، مراۃ المجلۃ، ص 4/1

(9) محمود احمد غازی۔ قواعد کلیہ اوران کا آغاز وارتقاء۔ شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد 1992 ص 20

(10) حوالہ سابقہ 25/-

(11) اتاسی محمد خالد۔ شرح مجلۃ الاحکام العدلیہ۔ طبع پنجم 6/1937

(12) صحیح بخاری۔ کتاب بدء الوحی۔ باب کیف کان بدء الوحی

(13) ابن ماجہ۔ سنن ابن ماجہ۔ کتاب الاحکام۔ باب من بنا فی حقہ مایضّر بجارہ۔

(14) بلیق عزالدین۔ منہاج الصالحین۔ 578/۔ بحوالہ ترمذی و بیہقی

(15) الزرقاء۔ الفقہ الاسلامی/946 مزید راغب الطباخ۔ تاریخ افکار وعلوم اسلامیہ 30/2

(16) حوالہ سابقہ

(17) ابن نجیم حنفی۔ الاشباہ والنظائر۔ بیروت دارالکتب العلمیہ 1980-/56

(18) شاطبی امام۔ الموافقات۔ 159/2

SULEMANI.COM.PK

Marfat.com

(19) بلیق عزالدین۔منہاج الصالحین۔-/684مزید صحیح بخاری۔کتاب العلم۔باب الغضب فی الموعظۃ
(20) دیکھئے تفصیل حوالہ نمبر (13) اوپر مزید احمد حسن ڈاکٹر۔جامع الاصول-/626
(21) تقی امینی۔فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر-/317
(22) حوالہ سابقہ-/319
(23) زرقاء۔شرح القواعد الفقہیہ۔دمشق۔دارالقلم 1989-43/5
(24) سیوطی جلال الدین۔الاشباہ والنظائر۔بیروت۔دارالکتب العلمیہ۔/1982-138/1
(25) مودودی ابوالاعلیٰ مولانا۔تفہیم القرآن۔تفسیر سورۃ التوبہ 108
(26) زرقاء۔شرح القواعد۔164/1-166
(27) ابن نجیم۔زین العابدین بن ابراھیم۔الاشباہ والنظائر۔/83مزید علی حسب اللہ۔اصول التشریع الاسلامی-/274
(28) تقی امینی۔فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر/324
(29) ابن نجیم۔الاشباہ-/115
(30) قسطلانی۔جواھرالبخاری۔باب لا یتوضامن الشک حتی یتیقن
(31) ابن نجیم۔الاشباہ-/37
(32) صحیح بخاری۔کتاب الایمان۔باب فضل استبرالدینہ
(33) بلیق عزالدین۔منہاج الصالحین۔-/578
(34) حوالہ سابقہ
(35) تقی امینی۔فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر-/348
(36) ابن نجیم۔الاشباہ۔/110
(37) علی حسب۔اللہ۔اصول التشریع-/275
(38) شاطبی امام۔الموافقات۔285/2

Marfat.com

سنہرے اوراق

صدیق اکبر

حکیم غلام نبی ایم۔اے

سیدنا صدیق اکبر کی ذات کو احاطہ تحریر میں لانے کے لئے تو بڑی بڑی کتابیں بھی کم ہیں۔لیکن حکیم غلام نبی صاحب نے بہت عمدگی کے ساتھ مختصراً سیدنا صدیق اکبر کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ایک خوبصورت اور عمدہ کتاب

قیمت -/225 روپے

ابن خلدون حیات و خدمات

نورا کینہ قاضی

تاریخ و عمرانیات کے باوا آدم ابن خلدون کی زندگی، کارنامے اور افکار کے بارے مین جاننے کے لئے اور اس زمانے کے تاریخی سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور مذہبی حالات کو جاننے کے لئے آج ہی ''ابن خلدون، حیات و خدمات'' کا مطالعہ کیجئے۔

قیمت -/150 روپے

تذکرہ گمنام مشاہیر

نورا کینہ قاضی

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی آئے جو کہ اپنے دور میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچے لیکن گردشِ دوراں نے ان کے نقوش یا تو مٹا دیے یا دھندلا دیے یہ کتاب انہیں مشاہیر کے کارناموں اور حالات زندگی کی عکاس ہے۔پڑھیے اور تاریخ سے سبق حاصل کیجئے۔

قیمت -/135 روپے

پوشیدہ تیری خاک میں

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

علامہ اقبال کے خوابوں کی سرزمین اور ایک انتہائی شاندار ماضی رکھنے والے ایک اجڑے ہوئے چمنستان کا سفر نامہ نشاط، مسرت اور امید کے رنگوں سے مزین بلاشبہ اپنی طرز کا ایک منفرد سفرنامہ

قیمت -/300 روپے

نوٹ: مزید کتب اور طبی ادویات کے لئے تفصیلی فہرست طلب فرمائیں۔

ادارہ مطبوعات سلیمانی

: sulemani@gmail.com
: www.sulemani.com.pk
: facebook.com/idarasulemani

ہیڈ آفس: رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37232788, 042-37361408 :

چوبرجی برانچ: ۳۰ بی نیاز ویو سکیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ چوک چوبرجی لاہور۔ 37352802, 042-37312648:

Marfat.com

ترجمہ: اور خراب و ناکارہ چیزوں میں سے خیرات کرنے کا ارادہ بھی نہ کیا کرو۔

یہ کراہت اسی حکم سے مستفاد ہے جو مکلف کے فعل سے متعلق ہے، اور وہ خراب چیز کا خرچ کرنا ہے، اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا۔

اب اِس آیت میں زیادہ سوال کرنا حرام نہیں ہے بلکہ ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

کسی فعل کے مکروہ ہونے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کی حرمت کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ یا علامت موجود ہو جو اس کی عدمِ حرمت پر دلالت کرے۔ جیسے ارشادِ باری ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾. (المائدہ ۱۰۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان باتوں کے متعلق نہ پوچھو کہ اگر وہ تمہارے سامنے ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بری لگیں۔

فعل کے مکروہ ہونے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ عبارت میں صاف لفظوں میں لفظ ''کرہ'' کا استعمال کیا گیا ہو۔ ارشادِ نبوی ہے:

ان الله يكره لكم قيل و قال و كثرة السوال و اضاعة المال. (12)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیل و قال (بے مقصد بحث و مباحثہ) اور زیادہ سوالات کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند کیا ہے۔

مذکورہ حکم کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ حرام نہیں بلکہ مکروہ (ناپسندیدہ فعل) سے کی ہے اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

5-مُباح:(Permissible/Optional)

حکمِ شرعی تکلیفی کی پانچویں قسم مباح افعال سے متعلق ہے۔ اس کے حروفِ اصلیہ (ب-ی-ح) ہیں اور مباح کے لغوی معنی اظہار اور اعلان کے ہیں۔ کہا جاتا ہے ''اباح بسرہ'' اس نے اپنا راز کھول دیا۔

اس کی عربی میں تعریف یہ ہے:

هو الفعل الذى خير الشارع فيه بين الفعل و الترك. (13)

ایسا حکم جس میں شارع نے کسی کام، فعل یا عمل کے نہ ہی کرنے کا مطالبہ کیا ہو اور نہ ہی چھوڑنے کا بلکہ اس کام کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہوں۔

اصطلاحی طور پر مباح ایسا فعل ہے جس میں شارع، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکلف بندے کو اختیار دیا جائے کہ وہ چاہے تو کوئی عمل کرلے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ یعنی جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہو۔ گویا کہ اگر

Marfat.com

اسلامی اصولِ فقہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی ایل ایل ایم
سابق ڈین فیکلٹی عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ادبیات

Marfat.com